شرح جاوید نامہ

(فرہنگ، ترجمہ اور تشریح)

شرح
ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی



شرحِ جاوید نامہ

(فرہنگ، ترجمہ اور تشریح)

(برائے طلبہ)

شرح
ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

891.51 Yazdani, Dr. Khawaja Hameed
Sharh Javid Nama/ Dr. Khawaja Hameed Yazdani.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2005.
424pp.
1. Iqbal Studies. 2. Persian Poetry.
I. Title.

2005
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN 969-35-1684-2

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), P.O. Box 997 Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com
Chowk Urdu Bazar Lahore. Pakistan. Phone 7667970

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

پیش گفتار

علامہ کی اس مشہور مثنوی کا خاکہ ۱۹۲۷ء سے ان کے ذہن میں تھا (ایک موقع پر دورانِ گفتگو انہوں نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا) تاہم پہلی مرتبہ وہ ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔

اس مثنوی میں جیسا کہ ملاحظہ ہوگا' انہوں نے سیرِ افلاک کے ذریعے اپنا فلسفۂ حیات' اپنے دور کے بعض اہم سیاسی اور اجتماعی مسائل اور تحریکات نیز اسلامی ملتوں کے حقائق و مسائل پر اپنا نقطۂ نظر ڈرامائی رنگ میں پیش کیا ہے۔ یہ تمثیلی و تخیلی انداز اختیار کرنے کے لیے انہیں بعض کتب کی تلاش تھی جن میں سیرِ افلاک کے ذریعے زندگی کے کسی خاص نقطۂ نظر یا روحانی و اخلاقی اقدار کا اظہار و ابلاغ پیشِ نظر رہا ہو۔ اس سلسلے میں ان کے خطوط کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مثنوی میں قسم قسم کے علمی و فکری' دینی و سیاسی اور اجتماعی حقائق کے پیش نظر علامہ کو بجا طور پر اپنی اس مثنوی کی بے مثل حیثیت کا احساس تھا' چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک میرا علم ہے' کسی زبان میں اس قسم کی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔''

ایک شعر میں یوں کہا ہے:

آنچہ گفتم از جہانے دیگر است   ایں کتاب از آسمانے دیگر است

محترم ڈاکٹر عبدالشکور احسن صاحب کے بقول:

> ''حقیقت یہ ہے کہ اس میں حقیقت و تخیل کو جس انداز میں ہم آہنگ کیا گیا ہے' اور اس میں افکار کے عمق' تخیل کی توانائی و فسوں کاری اور قوتِ بیانیہ کے سحر و اعجاز کے ساتھ ساتھ جرأتِ اظہار کا جو انداز ملتا ہے' اس نے علامہ کے اس شاہکار کو یکتائے روزگار ادبی اور فکری تخلیق بنا دیا ہے۔ علامہ کی آرزو تھی کہ اس کتاب کا بہ طریقِ احسن ترجمہ کیا جائے اور اگر ہو سکے تو اس کے مطالب کو مصور بھی کیا جائے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ کوشش مترجم اور مصور کی شہرت کا باعث ہوگی۔'' (اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ' ص ۴۲)

اب ذرا ترجمہ وتشریح کی بات ہو جائے۔ میں نے یہ کام ایک خاص شوق و جذبہ کے ساتھ کیا ہے۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ ترجمہ وشرح آسان زبان اور سادہ انداز میں کی جائے اور فلسفیانہ گتھیوں کو نہ چھیڑا جائے تاکہ طلبہ کے علاوہ ایک عام قاری بھی علامہ کے کلام و پیام کو بخوبی سمجھ کر اپنی زندگی میں تعمیری تبدیلیاں لا سکے۔ شرح سے پہلے ترجمہ ہے جبکہ فرہنگ کا باب آخر میں رکھا ہے۔ بعض اشعار اس میں ایسے بھی آئے ہیں جو واضح ہیں اور ان کی تشریح کی ضرورت نہیں؛ لہٰذا ان کا صرف بامحاورہ ترجمہ کر دیا ہے۔

شرح میں جہاں کہیں دوسرے فارسی اور اردو شعرا کے اور خود علامہ کے اردو و فارسی ہم مضمون اشعار یاد آ گئے ہیں وہ متعلقہ شعر کی تشریح کے آخر دے دیے ہیں۔ تاکہ جہاں وہ مزید وضاحت کا باعث بنیں وہاں قاری کی دلچسپی کا بھی سامان ہوں۔ فرہنگ میں مشکل الفاظ اور محاورات کے علاوہ مختلف قسم کی قرآنی' حدیثی اور تاریخی تلمیحات وغیرہ کی وضاحت کر دی گئی ہے' نیز جن شخصیات کا ذکر آیا ہے ان پر مختصر نوٹ لکھے گئے ہیں۔ ان سب کے لیے مستند کتبِ حوالہ سے استفادہ کیا ہے۔ شرح میں مذکورہ تفصیلات نہیں دی گئیں' لہٰذا ان کے لیے فرہنگ سے استفادہ کرنا ہوگا۔

میں اس سے پہلے اقبال کے باقی سارے فارسی مجموعوں اور غالبؔ کے فارسی کلام کی تشریح کر چکا ہوں۔ جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں میں یہ کام ایک خاص شوق و جذبہ سے کرتا ہوں۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے' تشریح صحیح ہو' اگرچہ عربی ضرب المثل ''معنی شاعر کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔'' (المعنی فی بطنِ شاعر) کے مطابق کوئی بھی شارح اپنی شرح کو مکمل یا سو فیصد صحیح کہنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا' تاہم اس ضمن میں اپنی سی کوشش ضروری اور بنیادی شرط ہے' جسے میں نے' بفضلہٖ تعالیٰ' صدقِ دل سے پورا کیا ہے۔ خدا کرے قارئین میری اس کوشش کو بنظرِ تحسین دیکھیں کہ یہ میری حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔

آخر میں راقم' نیاز احمد صاحب (سنگِ میل پبلی کیشنز' لاہور) کا ممنون ہے جن کے ایما پر مجھے یہ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ مولا کریم انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

لاہور

۲۶- اگست ۲۰۰۴ء

دیباچہ

۱۔ خیالِ من بہ تماشاے آسماں بوداست — بدوشِ ماہ و بہ آغوش کہکشاں بوداست
۲۔ گماں مبر کہ ہمیں خاکداں نشیمن ماست — کہ ہر ستارہ جہان است و یا جہاں بوداست

اقبال

(یہ دیباچہ جاوید نامہ کے کسی ایڈیشن میں نظر نہیں آیا۔ صرف ایران میں کتابت شدہ کلیاتِ اقبال فارسی میں، جسے اقبال اکادمی نے شائع کیا ہے، چھپا ہے۔ یزدانی۔)

۱۔ میرا خیال آسمان کے تماشا/نظارے میں محو رہا ہے اور وہ (خیال) چاند کے کندھوں پر اور کہکشاں کی آغوش میں رہا ہے۔ گویا اس کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں میری فکر یا میرا تخیل بہت بلندی پر تھی/تھا۔

۲۔ تو یہ خیال مت کر کہ یہ خاکدان (مادی دنیا) ہی ہمارا آشیانہ/ٹھکانا ہے، اس لیے کہ ہر ستارہ ایک جہان ہے یا وہ کبھی جہان رہا ہے۔ مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اگر انسان اسی فانی دنیا کو اپنا سب کچھ سمجھ لے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ جذبۂ عشق سے سرشار ہوکر ایسے کارنامے انجام دے سکتا ہے جن کی بدولت وہ عظمت و سربلندی حاصل کر کے صاحبِ بقا بن سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناجات

۱- آدمی اندر جہانِ ہفت رنگ — ہر زماں گرم فغاں مانندِ چنگ
۲- آرزوئے ہم نفس می سوزدش — نالہ ہائے دل نواز آموزدش
۳- لیکن ایں عالم کہ از آب و گل است — کے تواں گفتن کہ دارائے دل است
۴- بحر و دشت و کوہ و کہ خاموش و کر — آسمان و مہر و مہ خاموش و کر
۵- گرچہ بر گردوں ہجومِ اختر است — ہر یکے از دیگرے تنہا تر است
۶- ہر یکے مانند ما بیچارہ ایست — در فضائے نیلگوں آوارہ ایست
۷- کارواں برگ سفر ناکردہ ساز — بیکراں افلاک و شب ہا دیر یاز
۸- ایں جہاں صید است و صیادیم ما — یا اسیرِ رفتہ از یادیم ما؟
۹- زار نالیدم صدائے برنخاست — ہم نفس فرزندِ آدم را کجاست

۱- اس سات رنگوں والی دنیا میں آدمی ہر لحہ ستار کی طرح آہ و فغاں/فریاد کرتا رہتا ہے۔ اس سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے روح کی صورت میں اور محبوبِ حقیقی کے قرب میں تھا۔ گویا اب یہ جدائی اسے بیقرار رکھتی ہے اور وہ آہ و فریاد کرتا رہتا ہے۔

۲- کسی ساتھی/ ہمدم کی آرزو اسے (آدمی کو) جلاتی رہتی ہے اور وہی دل کو لبھانے والے نالے اسے سکھاتی رہتی ہے۔ گویا محبوبِ حقیقی کی جدائی میں انسان جن غم و آلام میں سے گذرتا ہے وہ اس تلاشِ ہمدم میں اسے نقصان نہیں پہنچاتے بلکہ ان کی بدولت وہ ایسے نالے کھینچتا ہے جو اسے لذت و سرور میں محور رکھتے ہیں۔

۳- لیکن اس پانی اور مٹی سے تخلیق شدہ جہان (مادی دنیا) کے بارے میں یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی دل رکھتا ہے یا صاحب دل ہے۔ مطلب یہ کہ وہ صاحبِ دل ہو تو اس پر انسان کی آہ و فغاں کا اثر ہو، جب دل ہی نہیں ہے تو اس پر اثر کیونکر ہو سکتا ہے۔

۴- (اس زمینی کائنات میں تو) کیا سمندر اور بیابان اور کیا پہاڑ اور گھاس سبھی گونگے اور بہرے ہیں۔ اسی طرح اوپر کی دنیا میں کیا آسمان اور کیا سورج اور چاند یہ بھی سب

گونگے اور بہرے ہیں۔ کسی کی آہ وفغاں کا اثر اسی پر ہو سکتا ہے جس کے سینے میں دل ہو۔ یہ کائنات اس سے محروم ہونے کے باعث ایک طرح سے گونگی اور بہری ہے۔

۵- اگرچہ آسمان پر ستاروں کا ایک ہجوم ہے لیکن سبھی ایک دوسرے سے کہیں زیادہ تنہا ہیں۔ سبھی ایک دوسرے سے بے خبر ہیں۔

٦- ان ستاروں میں سے ہر ایک ہماری ہی طرح بے چارہ اور نیلی فضا میں (آسمان پر) آوارہ ہے یعنی اس کی گردش بے مقصد ہے۔ جس طرح انسان بے بس ہے۔ کچھ ایسا ہی حال ان کا ہے۔

۷- یہ ایک ایسا قافلہ ہے جس نے سفر کا کوئی سامان تیار نہ کیا ہو، جبکہ سفر کے لیے اس کے سامنے بیکراں (جو بے حد وسیع ہو) آسمان اور لمبی راتیں ہیں۔ گویا ان کی گردش ایک ہی ڈگر پر رہتی ہے، آگے بڑھنے اور نت نئی منزل کے شوق میں رواں/ چلتے رہنا ان کے بس میں نہیں ہے۔

۸- کیا یہ کائنات شکار ہے اور ہم اس کے شکاری ہیں؟ یا پھر ہم وہ قیدی ہیں جنہیں قید کے بعد بھلا دیا جاتا ہے۔ یعنی آیا یہ کائنات ہمارے لیے پیدا کی گئی ہے یا ہم اس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور کیا ہمیں اپنی مرضی کے مطابق اس سے کام لینا ہے یا اسی کے ظاہری حسن و دلکشی میں ہم کھو کر رہ گئے ہیں۔

۹- میں بہت رویا لیکن اس کے جواب میں کسی طرف سے کوئی آواز بلند نہ ہوئی (نہ سنائی دی) گویا کائنات کی کسی شے پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بھلا ابن آدم یعنی انسان کا کوئی ہم دم یہاں کہاں ہے۔ اگر کائنات کی بجائے انسان مراد لیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجھ سے کسی نے ہمدردی کا اظہار نہ کیا۔

۱۰- دیدہ ام روزِ جہانِ چار سُوے — آنکہ نورش بر فروزد کاخ و کوے
۱۱- از رمِ سیارہ ے او را وجود — نیست الا ایں کہ گوئی رفت و بود
۱۲- اے خوش آں روزے کہ از ایام نیست — صبحِ او را نیمروز و شام نیست
۱۳- روشن از نورش اگر گردد رواں — صوت را چوں رنگ دیدن می تواں
۱۴- غیب ہا از تابِ او گردد حضور — نوبتِ او لایزال و بے مرور
۱۵- اے خدا روزی کن آں روزے مرا — وا رہاں زیں روزِ بے سوزے مرا

۱۰- میں نے اس چار طرفوں (مشرق، مغرب، شمال، جنوب) والے جہان کا دن دیکھا

ہے، وہ دن، جس کے طلوع ہونے پر، اس کی روشنی محل اور کوچے کو روشن کر دیتی ہے۔

۱۱- اس دن کا وجود ایک سیارے کے چلنے سے ہے۔ وہ (دن) سوائے اس کے کہ تو کہے کہ وہ تھا اور چلا گیا، کچھ نہیں ہے۔ یعنی اس کا وجود سورج نکلنے سے ہے۔ ادھر سورج غروب ہوا ادھر دن بھی نہ رہا یا تاریکی میں ڈوب گیا، رات ہوگئی۔ اس لحاظ سے یہ دن سورج کا مرہونِ منت ہے اور یوں عارضی اور وقتی ہے۔

۱۲- وہ دن بڑا ہی مبارک یا اچھا ہے جس کا تعلق ایام یعنی سورج کی گردش کے نتیجے میں طلوع ہونے والے دنوں سے نہیں ہے۔ اس کی صبح کی نہ تو دوپہر ہے اور نہ شام ہی ہے۔ گویا وہ عام دنوں کی طرح عارضی و وقتی نہیں بلکہ مستقل ہے اور جو طلوع و غروب سے بے خبر اور بقا کا حامل ہے۔ اس کا تعلق زمانے کے باطن سے ہے اور اس سے صرف اہل دل یعنی عارف ہی آشنا ہیں۔

۱۳- اگر انسان کی روح ایسے دن سے منور/ روشن ہو جائے تو آواز کو رنگ کی طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ گویا عارف کی نگاہ میں وہ بصیرت ہوتی ہے کہ وہ آواز کو صرف سن ہی نہیں بلکہ دیکھ بھی سکتا ہے۔ یوں غیب اس کے لیے شہود بن جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باطنی زمانے سے تعلق کی بنا پر وہ غیر معمولی قوتوں کا مالک ہوتا ہے۔

۱۴- ہر طرح کا غیب اس کی (مذکورہ دن کی) روشنی کے باعث حضور کی صورت اختیار کر لیتا یا حضور بن جاتا ہے۔ (اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی) اس دن یا ایسے دن سے آشنا کا وقت لازوال اور قیدِ زماں سے بلند تر ہوتا ہے۔

۱۵- اے خدا! تو مجھے ایسا دن نصیب فرما اور اس بے سوز دن (جو سورج کی گردش کے باعث ہوتا ہے) سے مجھے نجات دلا دے۔ گویا بے سوز دن دنیا دار ہے اور دین سے بے خبر ہے۔ وہ دل کا دشمن اور شکم پرور ہے، جس کی وجہ سے اسے اپنی تخلیق کے مقصد کی کچھ خبر ہی نہیں ہے۔ مجھے (علامہ کو) تو اے خدا تو ایسے بے مقصد دن سے بچا کے رکھ۔

۱۶- آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست؟ — ایں سپہرِ نیلگوں حیرانِ کیست؟
۱۷- راز دانِ ''علم الاسما'' کہ بود؟ — مستِ آں ساقی و آں صہبا کہ بود؟
۱۸- بر گزیدی از ہمہ عالم کرا؟ — کردی از رازِ دروں محرم کرا؟
۱۹- اے ترا تیرے کہ مارا سینہ سفت — حرفِ ''ادعونی'' کہ گفت و با کہ گفت؟

۲۰۔ روئے تو ایمانِ من قرآنِ من — جلوہ ے داری دریغ از جانِ من؟
۲۱۔ از زیانِ صد شعاعِ آفتاب — کم نمی گردد متاعِ آفتاب

۱۶۔ قرآن مجید میں آیہ تسخیر (فرہنگ دیکھیے) کس کی شان میں آئی ہے۔ یہ نیلا آسمان کس کا حیران ہے؟ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ عظمت انسان کو بخشی ہے، وہ افضل مخلوقات ہے جس کو دیکھ کر آسمان، جو ہر چند خود عظیم ہے، حیرانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ ''علم الاسما'' (فرہنگ....) کا رازدان کون تھا۔ اس ساقی اور اس شراب کا مست کون تھا۔ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء کے اسما بتا دیے تھے جو فرشتے نہ بتا سکے۔ اس لحاظ سے قدرت نے گویا انسان کی سرشت میں اشیاء کا علم پیدا کیا یا رکھ دیا اور اسی علم کی بنا پر کائنات رونقوں اور سہولتوں کی حامل بن گئی۔

۱۸۔ (اے خدا!) تو نے سارے جہان سے کسے منتخب کیا اور پھر اس کائنات کے اندر کے رازوں سے تو نے کسے آگاہ کیا، محرم و واقف بنایا۔ ظاہر ہے وہ انسان ہی تھا جو افضلِ مخلوقات بھی بنایا گیا اور کائنات کے راز بھی اس پر ظاہر کیے گئے۔

۱۹۔ اے کہ تیرے تیر نے ہمارا سینہ چھید ڈالا ہے (تو ہمارے دلوں میں بس رہا ہے) یہ بتا کہ ''ادعونی'' (فرہنگ....) کی بات کس نے کہی تھی اور کس سے کہی تھی؟

۲۰۔ تیرا (مبارک) چہرہ میرا ایمان اور میرا قرآن ہے یعنی تو میرے لیے سب کچھ ہے، پھر کیا بات ہے اور کیوں تو میری جان کو اپنے جلوے سے محروم رکھ رہا ہے؟

۲۱۔ سورج کی سینکڑوں شعاعوں کے نقصان (مراد خرچ ہونا) سے آفتاب کی روشنی کی دولت تو ختم نہیں ہو جاتی، وہ اسی طرح چمکتا رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تو مجھے اپنے جلوے سے نوازے تو تیرے جلووں میں تو کمی نہیں ہوگی، ہاں میری زندگی منور ہو جائے گی۔

۲۲۔ عصرِ حاضر را خرد زنجیرِ پاست — جانِ بے تابے کہ من دارم کجاست؟
۲۳۔ عمرہا بر خویش می پیچد وجود — تا یکے بے تاب جاں آید فرود
۲۴۔ گر زنجی ایں زمین شورہ زار — نیست تخم آرزو را سازگار
۲۵۔ از درونِ ایں گلِ بے حاصلے — بس غنیمت داں اگر روید دلے
۲۶۔ تو مہی اندر شبستانم گذر — یک زمان بے نوریِ جانم نگر
۲۷۔ شعلہ را پرہیز از خاشاک چیست — برق را از برفتادن باک چیست

۲۲- یہ دور جواب چل رہا ہے، خرد اس کے پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی ہے، میری جیسی بے قرار جان کہاں ہے؟ آج ظاہری علوم کے باعث انسان کے ذہن تو روشن ہیں لیکن دل عشق کے جذبوں سے خالی ہیں، بس ہر طرف عقل ہی چھائی ہوئی ہے۔ علامہ نے اپنی پرسوز اور عشق سے سرشار جان کے حوالے سے یہ کہا ہے کہ ایسی کوئی اور جان آج کے دور میں نظر نہیں آتی۔

۲۳- (اپنی پوشیدہ قوتوں اور صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کی خاطر) وجود مدتوں اپنے آپ پر پیچ و تاب کھاتا ہے، تب کہیں جا کر ایک بے قرار جان ظہور پذیر ہوتی ہے۔ عقل کے مقابلے میں عشق سے ہر کوئی سرشار نہیں ہوتا، اس سرشاری کے لیے یا کسی صاحب عشق کے ظہور پذیر ہونے کے لیے ایک مدت درکار رہوتی ہے۔ علامہ نے یہ مضمون اردو کے علاوہ فارسی میں بھی دو ایک جگہ ذرا بدل کر باندھا ہے، مثلاً

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

بقولِ سعدیؔ: (اگر چہ سعدی نے "تجھ جیسا" کہہ کر مخصوص کر دیا ہے، تاہم بڑی حد تک مضمون میں یکسانیت ہے)

صبر بسیار بباید پدرِ پیر فلک را
تا دگر مادرِ گیتی چو تو فرزند بزاید

(آسمان کے بوڑھے باپ کے لیے بے حد صبر کی ضرورت ہے تاکہ زمانے کی ماں پھر تجھ سا کوئی بیٹا پیدا کرے)

۲۴- اگر تو (اے خدا) ناراض نہ ہو/ برا نہ منائے تو میں یہ عرض کروں گا کہ یہ شورہ زار زمین آرزو کے بیج کے لیے موافق نہیں ہے۔ مادہ پرستی اور عقل پسندی کے اس دور میں لوگوں کے دلوں میں عشق کی آرزو یا جذبہ عشق کا پیدا ہونا محال ہے۔

۲۵- اس بنجر مٹی میں سے اگر ایک دل بھی اُگ آئے/ پیدا ہو تو اسے غنیمت سمجھ۔ دل سے مراد دلِ زندہ و بیدار ہے جو عشقِ حقیقی کے جذبہ سے سرشار ہوتا ہے۔

۲۶- (اے محبوبِ حقیقی) تو چاند ہے، میری محفل شب کی طرف گذر فرما اور ذرا/ کچھ دیر

کے لیے میری جان کی بے نوری ملاحظہ فرما۔ مطلب یہ کہ میری زندگی کی تاریک رات کو اپنے نور سے منور فرما دے۔

۲۷۔ شعلے کو بھلا خشک تنکوں سے پرہیز یا دور رہنا کیوں/کس لیے ہے؟ بجلی کو (کھلیان/خرمن) پر گرنے سے ڈر کیا ہے، خود کو خشک تنکے اور خرمن یا حاصلِ زندگی سے تشبیہ دی ہے اور خدا کے جلوے کو بجلی سے۔ گویا اس انداز میں یہ اللہ کے حضور آرزو یا التجا ہے کہ میری زندگی کو اپنے دیدار کے جلوے سے منور فرما دے۔

۲۸۔ زیستم تا زیستم اندر فراق — وانما آں سوئے ایں نیلی رواق
۲۹۔ بستہ در ہارا برویم باز کن — خاک را با قدسیاں ہم راز کن
۳۰۔ آتشے در سینہ من برفروز — عود را بگذار و ہیزم را بسوز
۳۱۔ باز برآتش بنہ عودِ مرا — درجہاں آشفتہ کن دودِ مرا
۳۲۔ آتشِ پیمانہ من تیز کن — باتغافل یک نگہ آمیز کن
۳۳۔ ماترا جوئیم تو از دیدہ دور — نے غلط، ماکور و تو اندر حضور
۳۴۔ یا کشا ایں پردۂ اسرار را — یا بگیر ایں جانِ بے دیدار را
۳۵۔ نخلِ فکرم نا امید از برگ و بر — یا تبر بفرست یا بادِ سحر
۳۶۔ عقل دادی ہم جنونے دہ مرا — رہ بجذبِ اندرونے دہ مرا
۳۷۔ علم در اندیشہ می گیرد مقام — عشق را کاشانہ قلب لاینام
۳۸۔ علم تا از عشق بر خوردار نیست — جز تماشا خانۂ افکار نیست
۳۹۔ ایں تماشا خانہ سحرِ سامری است — علم بے روح القدس افسوں گری است
۴۰۔ بے تجلی مردِ دانا رہ نبرد — از لکد کوبِ خیالِ خویش مرد
۴۱۔ بے تجلی زندگی رنجوری است — عقل مہجوری و دیں مجبوری است
۴۲۔ ایں جہانِ کوہ و دشت و بحر و بر — ما "نظر" خواہیم و او گوید "خبر"
۴۳۔ منزلے بخش ایں دلِ آوارہ را — باز دِہ با ماہ ایں مہ پارہ را
۴۴۔ گرچہ از خاکم نروید جز کلام — حرفِ مہجوری نمی گردد تمام
۴۵۔ زیرِ گردوں خویش را یابم غریب — زآں سوئے گردوں بگو "انی قریب"
۴۶۔ تا مثالِ مہر و مہ گردد غروب — ایں جہات و ایں شمال و ایں جنوب
۴۷۔ از طلسمِ دوش و فردا بگذرم — از مہ و مہر و ثریا بگذرم

۲۸- میں جیا اور جب تک جیا فراق ہی میں زندہ رہا۔ (اب تو) اس نیلے آسمان کے ماورا جو کچھ ہے، وہ مجھ پر ظاہر/عیاں کر دے اور یوں اس ہجر و فراق کو وصل میں بدل دے۔

۲۹- تو بند دروازے مجھ پر کھول دے اور مجھ خاکی انسان کو فرشتوں کا ہمراز کر دے۔ گویا جس طرح فرشتوں کو تیرا قرب حاصل ہے اور وہ تیرے دیدار سے محظوظ ہوتے رہتے ہیں تو مجھے بھی اس قرب و دیدار سے نواز۔

۳۰- میرے سینے میں عشق کی آگ روشن فرما۔ عود کو چھوڑ دے اور ہیزم کو جلا دے۔ عود عشق کا اور ہیزم عقل یا نفس کا استعارہ ہے۔ مطلب یہ کہ میرے سینے میں جذبۂ عشق سے سرشار دل پیدا فرما دے۔

۳۱- پھر میری عود کو آگ پر رکھ اور دنیا میں میرا دھواں پھیلا دے یعنی مجھے جذبہ عشق حقیقی سے نواز کر اسے میری شاعری کے ذریعے لوگوں تک پہنچا دے۔

۳۲- میرے پیمانے/پیالے کی آگ تیز کر دے اور اپنے تغافل کے ساتھ ایک نگاہ ملا دے۔ گویا میرے پیمانۂ زندگی کی شراب میں تیزی پیدا کرنے کی خاطر ضروری ہے کہ تو صرف تغافل ہی سے کام نہ لے بلکہ نگاہِ کرم بھی اس کے ساتھ ملا دے۔ اپنی نگاہ کرم سے مجھے نواز۔

۳۳- ہم تجھے تلاش کر رہے ہیں اور تو ہماری نگاہوں سے دور/اوجھل ہے۔ نہیں (بات ایسی نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ) خود ہم اندھے ہیں جبکہ تو تو سامنے ہے یعنی کائنات کے ذرے ذرے میں تیرا جلوہ کارفرما ہے، جسے دیکھنے کے لیے چشم بصیرت کی ضرورت ہے اور وہ ہم میں نہیں ہے۔ ایک صاحب عشق ہی اس جلوے سے کما حقہ لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے میں اس کے جلوے سے متعلق اکثر شعرا نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ مثلاً سعدیؒ:

برگِ درختانِ سبز پیشِ خداوندِ ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

(سبز درختوں کا ہر ہر پتا ایک صاحب ہوش و دانش کے لیے اس خالق کی معرفت کی ایک کتاب ہے۔ یہ دراصل سورہ یونس کی آیت ۶ کا آزاد ترجمہ ہے) بوعلی قلندرؒ، شرف تخلص:

گر چشمِ دل کشادہ شود اے شرفؔ ترا
ہر ذرۂ جہاں شود آئینہ دارِ دوست

(اے شرف! اگر تیرے دل کی آنکھ کھلی ہو تو تو دیکھے گا کہ کائنات کا ہر ذرہ اس محبوب کا آئینہ دار ہے۔)

۳۴- یا تو تو ان رازوں کا پردہ ہٹا دے یا پھر تیرے دیدار سے محروم میری جان واپس لے لے۔ مطلب یہ کہ تو مجھے ایسی نگاہ و بصیرت عطا کر جس سے میں ہر ذرے میں تیرا جلوہ دیکھ سکوں، ورنہ یہ محروم دیدار جان کس کام کی۔

۳۵- میری فکر کا درخت پتوں اور پھل سے محروم ہے۔ یا تو تو کلہاڑی بھیج کہ یہ کٹ کر ختم ہو جائے یا پھر صبح کی ہوا بھیج تا کہ یہ خوب پھلے پھولے یعنی مجھ میں ایسا جذبۂ عشق پیدا کر دے جس سے میری فکر میں عظمت و تاثیر پیدا ہو۔

۳۶- تو نے مجھے عقل سے نوازا ہے۔ تو اب جنون/عشق سے بھی مجھے نواز اور مجھے اپنے اندرونی جذب تک کا راستہ عطا فرما یعنی میرا باطن یا دل تیرے عشق کے جذبے سے سرشار ہو جائے۔

۳۷- علم کا مقام انسانی فکر میں ہے جبکہ عشق کا ٹھکانا ایسے دل میں ہے جو سوتا نہیں بیدار ہی رہتا ہے۔ گویا علم کا تعلق انسانی عقل و فکر سے ہے جبکہ عشق ایسے دل میں گھر کرتا ہے جو اپنی معرفت سے اور معرفتِ ایزدی سے آگاہ ہوتا ہے۔

۳۸- علم جب تک عشق سے فیض پانے والا نہیں بنتا وہ محض افکار کا ایک تماشا خانہ ہی رہتا ہے۔ علم کی اہمیت و عظمت عشق ہی کی بدولت ممکن ہے ورنہ ایک وقتی اور محض ذہن کو روشن کرنے والی چیز ہے۔

۳۹- (علم کا) یہ تماشا خانہ محض سامری جادوگر (فرہنگ.....) کا جادو ہے۔ روح القدس کے بغیر علم شعبدہ بازی یا جادوگری ہے۔ علم یا دورِ حاضر کا علم بظاہر خوب لیکن درحقیقت بے قدر و اہمیت ہے۔ حقیقی علم وہ ہے جو جبریل کی سی امانت اور تقدس اور ایزدی تائید کا حامل ہو۔

۴۰- مردِ دانا تجلی کے نور کے بغیر راہ پر گامزن نہیں ہوا جبکہ (ایک نادان اس تجلی کے بغیر) اپنے منتشر/پریشان خیالوں کی دولتیوں ہی سے مر گیا۔ مطلب یہ کہ عشق ہی کی زندگی میں ہدایت الٰہی کی تجلی نظر آتی ہے، بصورت دیگر بیکار اور بے مقصد زندگی گذارنے والا محض چلتی پھرتی لاش رہ جاتا ہے۔

۴۱- تجلی کے بغیر زندگی دکھ درد ہی ہے اور تجلی کے بغیر عقل گویا حقیقتِ زندگی سے دوری

ہے جبکہ ایسی حالت میں دین محض مجبوری بن جاتا ہے۔ گویا اگر عقل، عشق سے وابستہ نہیں ہے تو وہ منزلِ مقصود تک پہنچانے سے قاصر بلکہ اس سے دور لے جاتی ہے اور عشق کے جذبے سے خالی انسان، جو صرف عقل ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، وہ دین کو اپنے لیے ایک جبر قرار دیتا ہے۔

۴۲- یہ پہاڑ، بیابان اور سمندر اور خشکی کی دنیا کچھ ایسی دنیا ہے کہ ہم تو اس سے ''نظر'' کے خواہاں ہیں اور وہ ہمیں ''خبر'' دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ دنیا خود بے نظر ہے اور صرف خبر ہی کی حامل ہے۔ نظر صرف عشق ہی سے مل سکتی ہے جو اعتبار کی حامل ہے۔ خبر کا تعلق عقل سے ہے اور وہ لائق اعتبار نہیں۔

۴۳- (اے خدا!) تو میرے اس آوارہ دل کو منزل عطا کر اور چاند کے اس ٹکڑے کو چاند سے پھر ملا دے۔ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ میرے دل کو جذبۂ عشق سے سرشار فرما کر مجھے اپنے دیدار یا اپنی تجلی سے نواز۔

۴۴- اگر چہ میری مٹی سے کلام کے سوا اور کچھ نہیں اگتا/ پیدا ہوتا، لیکن اس کے باوصف ہجر کی بات مکمل ہی نہیں ہوتی۔ یعنی میں محض باتیں ہی کرتا ہوں یا یہ کہ فراق کی داستان بیان کرتا رہتا ہوں جو ختم ہونے کو نہیں آتی۔

۴۵- میں خود کو اس دنیا میں اجنبی سمجھتا/ پاتا ہوں۔ تو (اے خدا) آسمان کے اس پار سے مجھے فرما دے کہ ''انی قریب'' (فرہنگ.....)

۴۶- تاکہ جہان کی یہ طرفیں اور یہ شمال اور یہ جنوب سب سورج اور چاند کی طرح غروب ہو جائیں۔ مطلب یہ کہ میں زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہو جاؤں۔

۴۷- میں گذرے ہوئے کل اور آنے والے کل (ماضی اور مستقبل) کے جادو سے نکل جاؤں، اور چاند اور سورج اور پروین (مراد ستاروں) سے گذر/نکل جاؤں۔ گویا اگر تیرا قرب مجھے میسر آ جائے تو میں زمان و مکاں کا اسیر ہونے کی بجائے اسے مسخر کر لوں۔

۴۸- تو فروغِ جاوداں ماچوں شرار — یک دو دم داریم و آں ہم مستعار
۴۹- اے تو نشناسی نزاعِ مرگ و زیست — رشک بر یزداں بر دایں بندہ کیست؟
۵۰- بندۂ آفاق گیرو ناصبور — نے غیاب او را خوشد آید نے حضور
۵۱- آنیم من، جاودانی کن مرا — از زمینی، آسمانی کن مرا
۵۲- ضبط در گفتار و کردارے بدہ — جادہ ہا پیداست رفتارے بدہ

۵۳- آنچہ گفتم از جہانے دیگر است　　ایں کتاب از آسمانے دیگر است
۵۴- بحرم و ازمن کم آشوبی خطاست　　آں کہ در قعرم فرو آید کجاست
۵۵- یک جہاں برساحلِ من آرمید　　ازکراں غیر از رمِ موجے ندید
۵۶- من کہ نومیدم زپیرانِ کہن　　دارم از روزے کہ می آید، سخن
۵۷- برجواناں سہل کن حرفِ مرا　　بہرِشاں پایاب کن ژرفِ مرا

۴۸- تو (اے خدا) ہمیشہ رہنے والا نور ہے جبکہ ہم چنگاری کی مانند یعنی عارضی و فانی ہیں۔ ہماری زندگی کے دو ایک سانس ہی ہیں اور وہ بھی ادھار ہیں۔ گویا ایک تو اپنی زندگی بڑی عارضی ہے اور پھر زندہ رہنا بھی اپنے بس میں نہیں ہے۔ کیونکہ موت کا کوئی پتا نہیں کس وقت آئے اور ہمیں لے جائے۔

۴۹- اے ذاتِ اقدس تجھے موت اور زندگی کے باہمی نزاع/لڑائی کا پتا نہیں ہے (اس لیے کہ اس کا تعلق صرف انسان سے ہے جو فانی ہے اور تیری ذات جاودانی ہے) یہ ناچیز/بندہ خدا پر رشک کرنے والا کون ہوتا ہے۔ ''پتا نہیں'' سے مراد ہے کہ یہ سب کچھ تو تیری طرف سے ہے لیکن تو خود زندگی اور موت کی کشمکش سے آزاد ہے (جاودانی ہونے کے باعث) گویا علامہ نے بالواسطہ اپنے لیے صاحبِ بقا ہونے کی آرزو کا اظہار کیا ہے۔

۵۰- خدا پر رشک کرنے والا بندہ ایک ایسا بندہ ہے جو کائنات کو مسخر کیے ہوئے ہے لیکن پھر بھی وہ صبر کرنے والا نہیں ہے۔ نہ تو اسے تجھ سے دوری اچھی لگتی ہے اور نہ تیری حضوری (یا تیرا قرب) ہی اچھی لگتی ہے۔ یہ بے صبری کے باعث ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ تو محض صاحبِ بقاء بننے کا آرزومند ہے۔ قرب و دوری سے وہ کچھ بے تعلق ہی ہے۔

۵۱- میں عارضی و فانی ہوں تو مجھے جاودانی/صاحب بقا کر دے۔ گو میں زمینی ہوں (زمین کا رہنے والا) لیکن تو مجھے آسمانی بنا دے۔ مطلب یہ کہ مجھے جذبہ عشق سے ایسا سرشار فرما دے کہ میں اس جہان کو مسخر کر کے صاحب بقا بن جاؤں۔

۵۲- مجھے گفتار اور کردار میں ضبط عطا فرما، راستے ظاہر ہیں۔ ان پر چلنے کے لیے تو مجھے رفتار عطا فرما۔ گویا میرے قول و فعل میں کوئی تضاد اور انتہا پسندی نہ ہو، دونوں باہم مربوط ہوں، جو کچھ کہوں اسی پر عمل کروں۔ مجھے ہدایت کے ان راستوں پر چلنے کی

توفیق سے نواز جو تیرے مقرر کردہ ہیں۔

۵۳- میں نے جو کچھ اس کتاب (جاوید نامہ) میں کہا ہے اس کا تعلق کسی اور جہان سے ہے۔ یہ کتاب کسی اور آسمان سے ہے۔ اپنی شاعری کے حوالے سے اس کتاب کی بات کی ہے اور وہ یہ کہ اس میں نہ تو عام شاعرانہ مضامین ہیں اور نہ اس مادی دنیا ہی کی باتیں ہیں بلکہ عشق حقیقی کے حوالے سے ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق ایسی دنیا سے ہے جس سے صرف اہل نظر اور صاحبانِ دلِ زندہ و بیدار ہی آگاہ ہیں۔

۵۴- میں ایک سمندر ہوں اور (یہ خیال کرنا کہ) مجھ میں طوفان نہیں ہے ایک غلط بات ہے۔ وہ شخص جو میری گہرائی میں اترے کہاں ہے؟ مطلب یہ کہ میری شاعری جوش و ولولہ اور جذبوں کی حامل ہے۔ ایسا انسان جو اسے سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو، بظاہر نظر نہیں آتا۔

۵۵- ایک دنیا نے میرے ساحل پر آرام کیا (شعر ۵۴ کے حوالے سے ساحل کہا) لیکن ان بے شمار لوگوں نے ساحل سے سوائے موجوں کے چلنے کے اور کچھ نہ دیکھا۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے میری شاعری کو عام شاعری کی طرح پڑھا اور اس کی تہ یا گہرائی میں اترنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش نہ کی یا نہیں کر رہے۔

۵۶- میں جو پرانے بوڑھوں سے ناامید ہوں، اس دن/ زمانے کی بات کہتا/ کرتا ہوں جو آنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ آج کے بوڑھوں نے تو میری شاعری کی طرف توجہ نہیں کی، یعنی اس کی گہرائی تک نہیں پہنچے۔ تاہم مجھے آنے والی نوجوان نسل سے توقع ہے کہ وہ اس کی طرف توجہ کریں گے اور یوں اپنی زندگی کو سنوانے کا سامان کریں گے۔

۵۷- اے خدا تو نوجوان نسل کے لیے میری شاعری آسان فرما دے (آسان فہم بنا دے) جوانوں کے لیے میرے سمندر کو عبور کرنا آسان بنا دے۔ پہلے مصرعے کو دوسرے استعارے میں کہا ہے یعنی نوجوان میری شاعری اور اس میں دیے گئے پیغام کو بخوبی سمجھ لیں اور اس پر عمل پیرا ہو کر اپنا مستقبل روشن کر لیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہیدِ آسمانی

نخستین روزِ آفرینش

نکوہش می کند آسمان زمین را

(کائنات کی تخلیق/ پیدائش کے پہلے دن آسمان، زمین کو برا بھلا کہتا ہے)

۱- زندگی از لذتِ غیب و حضور — بست نقش ایں جہانِ نزد و دور
۲- آں چناں تارِ نفس ازہم گسیخت — رنگِ حیرت خانۂ ایام ریخت
۳- ہر کجا از ذوق و شوقِ خودگری — نعرۂ "من دیگرم تو دیگری"
۴- ماہ و اختر را خرام آموختند — صد چراغ اندر فضا افروختند
۵- بر سپہرِ نیلگوں زد آفتاب — خیمۂ زربفت باسیمیں طناب
۶- از افق صبحِ نخستیں سرکشید — عالمِ نوزادہ را در برکشید
۷- ملکِ آدم خاکدانے بود و بس — دشتِ او بے کاروانے بود و بس
۸- نے بکوہے آبجوئے درستیز — نے بصحرائے سحابے ریز ریز
۹- نے سرودِ طائراں درشاخسار، — نے رمِ آہو میانِ مرغزار
۱۰- بے تجلی ہائے جاں بحر و برش — دودِ پیچاں طیلسانِ پیکرش
۱۱- سبزہ بادِ فرودیں نادیدہ ے — اندر اعماقِ زمیں خوابیدہ ے
۱۲- طعنہ ے زد چرخِ نیلی برزمیں — "روزگارِ کس ندیدم ایں چنیں
۱۳- چوں تو درپہنائے من کورے کجا — جزبہ قندیلم ترا نورے کجا
۱۴- خاک اگر الوند شد جز خاک نیست — روشن و پایندہ چوں افلاک نیست
۱۵- یا بزی باساز و برگِ دلبری — یا بمیر از ننگ و عارِ کمتری"
۱۶- شد زمیں از طعنۂ گردوں خجل — نا امید و دل گران و مضمحل
۱۷- پیشِ حق از دردِ بے نوری تپید — تا ندائے زآں سوئے گردوں رسید

۱- زندگی نے غیب و حضور کی لذت سے اس نزدیک اور دور جہان (یہ کائنات) کا نقش پیدا کیا۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ جب میں نے خود کو دیکھنا چاہا تو میں نے یہ کائنات پیدا کر دی۔ غیب وہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ نظر نہیں آتا اور حضور اس لحاظ سے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں اس کا جلوہ کارفرما ہے۔

۲- حیاتِ مطلق نے سانس کے تاروں کو ایک دوسرے سے کچھ اس طرح الگ کر دیا کہ ایام کے حیرت خانہ کی بنیاد رکھ دی یعنی خدا نے اپنی ذات سے صفات کا ظہور یوں فرمایا کہ وہ (صفات) کائنات کے ذروں کی کثرت میں جلوہ گر ہو کر ان کے وجود میں آنے کا باعث بنیں اور اس دنیا کے ایام، شب و روز، یا ماضی اور مستقبل اور حال میں تقسیم ہو گئے اور یوں یہ دنیا ایک حیرت خانہ بن گئی۔

۳- انائے مطلق جو وحدت کی صورت میں تھی، تخلیق کائنات سے کثرت کی صورت اختیار کر گئی۔ اس کے نتیجے میں اب ہر جگہ خودگری کے ذوق و شوق کے باعث "میں اور ہوں" اور "تو اور ہے" کا نعرہ سنائی دے رہا ہے۔ گویا وحدت کے کثرت میں ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے انائے مقید (انسانی خودی) نے انفرادیت اختیار کر لی اور یوں "میں" اور "تو" کا امتیاز پیدا ہو گیا۔ "من دیگرم تو دیگری" امیر خسرو کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

۴- (جب یہ کائنات تخلیق ہو گئی تو) قدرت یا انائے مطلق نے چاند اور ستاروں کو گردش کرنا/ چلنا سکھا دیا اور یوں فضا میں سینکڑوں چراغ روشن کر دیے۔ چاند اور ستاروں کے لیے چراغ کا استعارہ استعمال کیا ہے۔

۵- نیلے آسمان پر سورج نے سونے کے تاروں سے بنا ہوا (سنہری) خیمہ نصب کیا جس کی رسیاں چاندی کی (سفید) تھیں۔ رسیوں سے مراد سورج کی کرنیں ہیں۔ (یہ سب کچھ تخلیقِ کائنات کے آغاز سے متعلق ہے)

۶- افق سے پہلی صبح نے سر اٹھایا/ ابھارا اور یوں نئے نئے تخلیق شدہ جہان کو اپنی آغوش میں لے لیا یعنی طلوع و غروب اور صبح و شام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۷- آدمی کا ملک/ جہان محض مٹی کا ایک گھر تھا۔ اس کا بیابان/ صحرا کسی کاروان کے بغیر تھا

اور بس۔ گویا جب تک آدم کو زمین پر نہیں بھیجا گیا اس وقت تک اس دنیا میں زندگی کی کوئی رونق نہ تھی۔

۸- نہ کسی پہاڑ ہی سے کوئی ندی نبرد آزما تھی (پہاڑ سے کوئی ندی نہیں نکلتی تھی) اور نہ کسی صحرا میں کوئی بادل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گردش کر رہا تھا۔

۹- نہ شاخوں پر پرندوں کے چہچہے سنائی دے رہے تھے اور نہ سبزہ زار میں ہرن بھاگ دوڑ رہے تھے۔

۱۰- اس کائنات کے بحر و بر (تری اور خشکی) میں جان کی تجلیاں نہ تھیں۔ اس کے جسم کی طیلسان اس کا بل کھاتا یا اٹھتا ہوا دھواں تھا۔ گویا یہاں بظاہر سب کچھ تھا لیکن دل کشی اور رونق اور رنگ و تجلی سے خالی تھا۔

۱۱- یہاں کے سبزے نے ابھی موسم بہار کی ہوا نہیں دیکھی تھی اور وہ زمین کی گہرائیوں میں سو رہا تھا (سبزہ اگنا شروع نہیں ہوا تھا)

۱۲- اس صورتِ حال میں نیلے آسمان نے زمین کو طعنہ مارا، اس پر چوٹ کی (اور وہ طعنہ یہ تھا کہ) میں نے کسی کے حالات اس قسم کے نہیں دیکھے جیسے کہ تیرے خراب حالات ہیں۔

۱۳- میری وسعتِ فضا میں تجھ ایسا اندھا کہاں ہے (نہیں ہے) میری قندیل (یعنی سورج، چاند وغیرہ) کے سوا تیرے پاس روشنی کہاں ہے (یعنی نہیں ہے) اندھا استعارہ ہے تاریکی کا۔

۱۴- مٹی اگر الوند پہاڑ بن گئی ہے تو بھی وہ مٹی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر بھی وہ آسمانوں کی طرح روشن اور جاودانی نہیں ہے۔ گویا مٹی تو اڑتی اور بکھرتی رہتی ہے جبکہ آسمان اپنی جگہ پر برقرار ہے۔

۱۵- اے زمین! تو یا تو دلبری کے ساز و سامان یعنی انداز سے زندگی بسر کر یا پھر اپنے کمتر ہونے کی شرم میں مر جا۔

۱۶- زمین، آسمان کی اس طعنہ زنی سے شرمسار ہو گئی اور مایوس اور بوجھل دل والی اور مضمحل ہو گئی۔

۱۷- وہ خدا کی بارگاہ میں اپنی بے نوری کے درد سے تڑپی، تا آنکہ آسمان کے اس پار سے یہ آواز آئی (جو اگلے شعروں میں بیان ہوئی ہے)

۱۸- "اے امینے از امانت بے خبر غم مخور، اندر ضمیرِ خود نگر

۱۹- روزہا روشن زغوغائے حیات نے ازاں نورے کہ بینی در جہات

۲۰- نورِ صبح از آفتابِ داغ دار | نورِ جاں پاک از غبارِ روزگار
۲۱- نورِ جاں بے جادہ ہا اندر سفر | از شعاعِ مہرومہ سیار تر
۲۲- شستہ ای از لوحِ جاں نقشِ امید؟ | نورِ جاں از خاکِ تو آید پدید
۲۳- عقلِ آدم برجہاں شب خوں زند | عشقِ او بر لامکاں شب خوں زند
۲۴- راہ داں اندیشہ او بے دلیل | چشم او بیدار تر از جبرئیل
۲۵- خاک و در پرواز مانندِ ملک | یک رباطِ کہنہ در راہش فلک
۲۶- می خلد اندر وجودِ آسماں | مثلِ نوکِ سوزن اندر پرنیاں
۲۷- داغہا شوید ز دامانِ وجود | بے نگاہِ او جہاں کور و کبود
۲۸- گرچہ کم تسبیح و خوں ریز است او | روزگاراں را چو مہمیز است او
۲۹- چشمِ او روشن شود از کائنات | تا بہ بیند ذات را اندر صفات
۳۰- ''ہر کہ عاشق شد جمالِ ذات را | اوست سید جملہ موجودات را''

۱۸- ''اے وہ امین کہ تو اپنی امانت سے بے خبر ہے، تو کوئی غم نہ کر، ذرا اپنے ضمیر میں جھانک۔ گویا تجھ میں آدم آنے والا ہے جو ایک امانت ہے۔

۱۹- تیرے (زمین کے) دن زندگی کے ہنگامے سے روشن ہو جائیں گے اور یہ اس نور سے روشن نہ ہوں گے جو تجھے اپنے اطراف میں نظر آ رہا ہے۔ گویا آدم کے وجود سے زمین پر ایسی روشنی پھیلے گی جو آسمانی روشنیوں (سورج، چاند وغیرہ) کے لیے بھی حیرانی کا باعث بنے گی۔

۲۰- یہ جو صبح کی روشنی ہے یہ تو داغ دار سورج کی بنا پر ہے جبکہ نورِ جاں زمانے کے گرد و غبار سے پاک ہے۔ داغدار سورج سے مراد ہے اپنے غروب ہونے کے غم کا مارا ہوا سورج جبکہ روح / جان کی روشنی پر دن رات کے طلوع و غروب ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۲۱- نورِ جاں راستوں کے بغیر ہی سفر میں رہتا ہے۔ وہ (نورِ جاں) سورج اور چاند کی شعاعوں سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔

۲۲- کیا تو (زمین) نے اپنی جان کی تختی سے امید کا نقش دھوڈالا ہے؟ نورِ جاں تیری مٹی ہی سے ظاہر/نمودار ہو گا۔ مطلب یہ کہ ناامید نہ ہو تیری مٹی ہی سے آدم کا ظہور ہو گا۔

۲۳- وہ آدم جس کی عقل جہان پر شب خون مارے گی، جبکہ اس کا عشق لامکاں پر شب خوں مارے گا۔ گویا اس کی عقل اس جہان کو مسخر کرے گی اور اس کا عشق آسمان سے

ماوراجہان کو بھی مسخر کر لے گا۔

۲۴۔ اس (آدم) کا فکر کسی رہنما کے بغیر ہی راستہ جاننے والا ہوگا، اور اس کی آنکھ جبرئیل سے بھی زیادہ بیدار ہوگی۔ گویا صحیح منزل اور راستے سے اسے پوری آگاہی ہوگی اور اس کی چشم بصیرت وہ کچھ دیکھے گی جو خدا کے مقرب فرشتہ کی آنکھ بھی نہیں دیکھ سکتی۔

دوسرے لفظوں میں، حضور اکرمؐ کے واقعۂ معراج کے حوالے سے، آدم/انسان لامکاں میں اس مقام تک پہنچے گا جہاں جبرئیل کا بھی گذر نہیں ہے۔ حضورؐ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے خالق کائنات کے حضور پہنچ گئے تھے جبکہ جبرئیل اس سے آگے نہیں جا سکتے تھے۔

۲۵۔ انسان ہے تو مٹی کا بنا ہوا، یا مٹی سے تخلیق ہوا ہے لیکن پرواز میں وہ فرشتے کی مانند ہے۔ آسمان اس کے راستے کی ایک پرانی سرائے ہے۔ مطلب یہ کہ اس کے آگے زمان و مکاں کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں ہے، وہ آگے بڑھتا رہتا ہے۔

۲۶۔ وہ (انسان) آسمان کے وجود میں اس طرح کھٹکتا ہے جس طرح سوئی کی نوک ریشمی کپڑے میں چبھی ہوئی ہوتی ہے۔ گویا آسمان کو اس بات کی کھٹک/خلش ہے کہ وہ میری کوئی پروا نہیں کرتا یا مجھے خاطر میں نہیں لاتا اور مجھ سے آگے آسمانوں کے اس پار تک اس کی رسائی ہے۔

۲۷۔ وہ وجود کے دامن سے داغ دھبے دھوتا ہے۔ اس کی نگاہ کے بغیر یہ جہاں اندھا اور تاریک ہے یعنی انسان کا اگر وجود نہ ہوتو اس کائنات کی ساری رونق ختم ہو جائے اور کائنات بے وقعت و اہمیت ہو کر رہ جائے۔

۲۸۔ اگرچہ وہ تسبیح نہیں کرتا یا کم کرتا ہے اور ایک دوسرے کا خون بہاتا ہے لیکن زمانوں کے لیے وہ مہمیز کا کام کرتا ہے۔ فرشتے ہر وقت اللہ کی ثنا میں مصروف رہتے ہیں، انسان ایسا نہیں کرتا۔ فرشتوں نے خدا سے کہا تھا کہ یہ انسان ایک دوسرے کا خون بہائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہو رہا ہے اور یہ کہ دنیا میں ہر دور میں اور ہر طرح کی ترقی اسی انسان کے ذریعے ہوگی۔

۲۹۔ اس کی آنکھیں کائنات سے روشن ہو جائیں گی تاکہ وہ اس ذاتِ حق کو اس کی صفات کے اندر دیکھے۔ گویا جب انسان اس کائنات اور اس کی اشیاء پر غور و فکر کرے گا اور بصیرت سے کام لے گا تو اسے کائنات کے ذرے ذرے میں اس محبوبِ حقیقی کا جلوہ کارفرما نظر آئے گا اور یوں اس کی آنکھیں اس ذات کے نور سے منور ہو جائیں گی

اور ان صفات کے نظارے سے، جو ان ذروں میں موجود ہیں، اسے اس محبوب حقیقی کا دیدار ہو جائے گا۔ وہ ان صفات میں اس کی ذات کو دیکھ لے گا۔

۳۰- جو کوئی بھی اس ذاتِ حق کے جمال کا عاشق/شیدائی ہو گیا وہ تمام موجودات کا سردار ہو گیا۔ یہ شعر مثنویِ مولانا رومؒ کا ہے لیکن ایرانی ایڈیشن میں نہیں ملا۔

نغمۂ ملائک

(فرشتوں کا گیت)

۱- فروغِ مشتِ خاک از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکبِ تقدیرِ او گردوں شود روزے

۲- خیالِ او کہ از سیلِ حوادث پرورش گیرد
ز گردابِ سپہرِ نیلگوں بیروں شود روزے

۳- یکے در معنیِ آدم نگر! از ما چہ می پرسی
ہنوز اندر طبیعت می خلد، موزوں شود روزے

۴- چناں موزوں شود ایں پیش پا افتادہ مضمونے
کہ یزداں را دل از تاثیرِ او پرخوں شود روزے

۱- ایک دن آئے گا جب اس خاک کی مٹھی یعنی انسان کی چمک دمک فرشتوں سے بڑھ جائے گی اور زمین اس کی تقدیر کے ستارے کی بدولت آسمان بن جائے گی۔ (اس سے پہلے یہ اشعار زبورِ عجم کی ایک غزل میں آ چکے ہیں) مطلب یہ کہ آدمِ خاکی کے فروغ کی بنا پر زمین کا مرتبہ اس آسمان سے بھی بڑھ جائے گا جو آج زمین کو طعنے دے رہا ہے۔

۲- انسان کا خیال، جس کی پرورش حادثات (نت نئی چیزوں یا واقعات کا رونما ہونا) کے سیلاب سے ہوتی ہے، ایک دن آئے گا جب وہ اس نیلے آسمان کے بھنور سے باہر نکل جائے گا۔ گویا جب انسان کا فکر عقل کی بجائے عشق سے روشن ہو جائے گا تو اس کی رسائی آسمان کے اس پار تک ہو جائے گی۔

۳- تو ذرا آدم کی حقیقت کو دیکھ، اس پر غور کر، ہم سے تو کیا پوچھتا ہے، ابھی تک وہ حقیقت (معنی) طبیعت میں کھٹک رہی ہے یا وہ معنی طبیعت میں کھٹک رہے ہیں لیکن ایک دن آئے گا جب وہ (معنی) موزوں ہو جائیں گے۔ گویا شعر کی صورت اختیار کر لیں گے یعنی خارجی آدم وجود پذیر ہو گا۔

۴- یہ پامال مضمون کچھ اس انداز میں موزوں ہو گا کہ ایک دن خود خدا کا دل بھی اس کی

تاثیر سے پرخوں ہو جائے گا۔ گویا آدم جو اس وقت محض مٹی کا پتلا دکھائی دیتا ہے جب وہ اپنی خودی اور معرفت سے آگاہ ہو کر اپنے خالق کی معرفت حاصل کر لے گا تو ایک دن آئے گا جب وہ اس معرفت کی بنا پر خدا کا خلیفہ بننے کے شرف سے مشرف ہو کر اپنے خالق کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔

تمہیدِ زمینی

آشکارا می شود روحِ حضرتِ رومیؒ و شرح می دہد اسرارِ معراج را

(حضرت رومیؒ کی روح ظاہر ہوتی اور معراج کے رازوں سے آگاہ کرتی یا ان کی وضاحت کرتی ہے)

۱- عشقِ شور انگیز بے پروائے شہر　　شعلہ او میرد از غوغائے شہر
۲- خلوتے جوید بہ دشت و کوہسار　　یا لبِ دریائے ناپیدا کنار
۳- من کہ در یاراں ندیدم محرمے　　برلب دریا بیاسودم دمے
۴- بحر و ہنگامِ غروبِ آفتاب　　نیلگوں آب از شفق لعل مذاب
۵- کور را ذوقِ نظر بخشد غروب　　شام را رنگ سحر بخشد غروب
۶- با دلِ خود گفتگوہا داشتم　　آرزوہا، جستجوہا داشتم
۷- آنی و از جاودانی بے نصیب　　زندہ و از زندگانی بے نصیب
۸- تشنہ و دور از کنارِ چشمہ سار　　می سرودم ایں غزل بے اختیار

۱- شور انگیز عشق شہر/ آبادی سے بے پروا/ بے نیاز ہے۔ اس کا شعلہ شہر کے شور و غوغا سے بجھ جاتا ہے۔ گویا عشق و جنون آبادی کے شور شرابے میں برقرار نہیں رہتا، بلکہ اس کے لیے تنہائی یا ویرانہ ضروری ہے تاکہ اس کی تمام تر توجہ اس محبوب کی طرف ہو اور اس توجہ میں کسی قسم کا خلل نہ پڑے۔

۲- وہ (عشق) یا تو دشت و کوہسار میں تنہائی/ خلوت تلاش کرتا ہے یا پھر کسی بے حد وسیع سمندر کے کنارے کی تلاش میں رہتا ہے۔ تنہائی جہاں بھی میسر آئے وہ وہاں اختیار کر لیتا ہے۔ پہلے شعر والی وضاحت۔

۳- میں (علامہ) کہ جسے جب دوستوں میں کوئی محرم راز نظر نہ آیا، تو میں نے کچھ دیر

سمندر کے کنارے آرام کیا۔ گویا ہم راز نہ ملنے پر میں نے سمندر کے کنارے تھوڑی دیر کے لیے تنہائی اختیار کی۔

۴- (وہاں یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ) سمندر ہے اور سورج غروب ہونے کا وقت ہے، شفق کے باعث نیلے رنگ کا پانی لعلِ مذاب بنا ہوا ہے۔ شفق یعنی سورج کے غروب ہونے کے وقت ظاہر ہونے والی سرخی کا عکس پانی میں جھلک رہا تھا۔

۵- سورج کے غروب ہونے کا منظر ایک اندھے کو بھی ذوقِ نظر بخشتا ہے اور یہ غروب شام کو صبح کا رنگ بخشتا ہے۔ اندھے سے مراد وہ انسان ہے جو ذوقِ نظارہ سے عاری ہوتا ہے۔ گویا یہ منظر کچھ ایسا حسین و دل کش ہوتا ہے کہ ایسا انسان بھی اس منظر سے لطف اندوز ہوتا اور ''واہ وا'' کرنے لگتا ہے۔

۶- (وہاں سمندر کے کنارے آرام کرتے ہوئے) میں اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا اور میرے دل میں آرزوئیں اور جستجوئیں تھیں۔ (یہ آرزوئیں وغیرہ کیا تھیں، اگلے شعر میں اس کا ذکر ہے)

۷- (میں اس خیال میں کھویا ہوا تھا کہ) میں آنی یعنی فانی ہوں اور صاحبِ بقا یا جاودانی نہیں ہوں یا جاودانی سے بے نصیب ہوں۔ زندہ ہوتے ہوئے بھی زندگانی یعنی حقیقی زندگی سے محروم ہوں۔ میں سے مراد انسان بھی ہوسکتا ہے۔

۸- میں پیاسا تھا اور چشمہ سار کے کنارے سے دور تھا۔ اس شدت تشنگی اور پانی سے دوری کے باعث میں نے بے اختیار یہ غزل گانا شروع کر دی۔ پیاس سے مراد فانی سے جاودانی ہونے کی آرزو کی پیاس جو کسی مرشد کے فیض نظر کے چشمے ہی سے بجھ سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ نے اس حوالے سے مولانا رومی کی یہ غزل دی ہے۔

غزل

۱- ''بکشائے لب کہ قندِ فراوانم آرزوست — بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

۲- یک دست جامِ بادہ و یک دست زلفِ یار — رقصِ چنیں میانۂ میدانم آرزوست

۳- گفتی ز ناز بیش مرنجاں مرا، برو — آں گفتنت کہ بیش مرنجانم آرزوست

۴- اے عقل تو زشوق پراگندہ گوئے شو — اے عشق نکتہ ہائے پریشانم آرزوست

۵- ایں آب و نانِ چرخ چو سیل است بیوفا — من ماہیم، نہنگم و عمانم آرزوست

۶- جانم ملول گشت ز فرعون و ظلم او آں نورِ جیبِ موسیٰ عمرانم آرزوست
۷- دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست
۸- زیں ہمرہانِ ست عناصر دلم گرفت شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
۹- گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما گفت آں کہ یافت می نشود آنم آرزوست

۱- (''غزلیات شمس تبریزی'' مطبوعہ ایران میں دوسرا مصرع پہلے اور پہلا مصرع بعد میں ہے۔ص۲۰۲) اے محبوب اپنے ہونٹ کھول کہ مجھے بہت زیادہ شیرینی یا مصری کی خواہش ہے۔ مجھے اپنا چہرہ دکھا کہ مجھے باغ اور گلستان دیکھنے کی خواہش ہے۔ مطلب یہ کہ تو مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کر یا تیری باتیں اتنی میٹھی ہیں کہ وہ مصری کی طرح ہیں۔محبوب کے حسین ودلکش اور تازگی و شگفتگی کے حامل چہرے کو باغ و گلستان سے تشبیہ دی ہے۔

۲- ایک ہاتھ میں جام شراب ہو اور ایک ہاتھ میں محبوب کی زلفیں ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں اس حال میں یا اس قسم کا رقص میدان/ چوراہے میں کروں۔ (ایرانی ایڈیشن میں رقصی یعنی رقصے بمعنی ایک رقص ہے اور یہاں یہی صحیح ہے)

۳- (اے محبوب!) تو نے ناز سے کہا ہے کہ'' مجھے تو زیادہ تنگ نہ کر اور چلا جا'' تیرا یہ کہنا کہ'' مجھے زیادہ تنگ نہ کر'' تو میری خواہش ہے کہ میں یہی بات تجھ سے سنوں۔ یہ بھی محبوب کی ایک ادا ہے اور عاشق محبوب کی اداؤں ہی پر تو شیفتہ ہوتا ہے۔ مثلاً میر تقی میر کہتے ہیں:

گل ہو مہتاب ہو آئینہ ہو خورشید ہو میرؔ
اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہو

اور محبوب کا عاشق کو سخت ست کہنا بھی عاشق کے لیے بڑی مسرت کا باعث ہے۔ مثلاً بقولِ فغانی:

ما بوسہ خواستیم تو دشنام می دہی
شیریں نماید از لبِ شیریں جوابِ تلخ

(ہم تجھ سے بوسہ مانگ رہے ہیں اور تو گالیاں دے رہا ہے۔ شیریں ہونٹوں سے تلخ جواب شیریں لگتا ہے) ایک اور قدیم شاعر کہتا ہے کہ کل میں ادھر سے گذرا تو وہ (محبوب) مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا۔ میں اس کی خدمت بجالایا اور اس نے سمجھا کہ میں

نے نہیں سنا۔ اگرچہ اس کے لعل (ہونٹ) ناراضی میں وہ کچھ کہہ رہے تھے لیکن میں نے اس سے زیادہ اچھی بات اس سے نہیں سنی۔ صرف دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

گرچہ لعلش بہ سرِ ناخوشی آنہامی گفت
من ازاں خوشتر ازو ہیچ سخن نشنیدم

۴۔ اے عقل! تو عشق کی بنا پر الٹی سیدھی/ بہکی بہکی باتیں کرنے والی بن جا۔ اے عشق مجھے اس بات کی خواہش ہے کہ تو منتشر قسم کی گہری باتیں بیان کرتا رہے۔ یہ شعر اس سے پہلے والی غزل کا ہے جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے:

مطلع:

اے چنگ پردہ ہاے سپاہانم آرزوست
واے نائے نالۂ خوش سوزانم آرزوست

مقطع:

در عشق روے مفخر تبریز شمس دیں
آن روشنی دیدۂ اعیانم آرزوست

متعلقہ شعر کا پہلا مصرع یوں ہے:

اے عشق، عقل را تو پراگندہ گوی کن
(یہی بامعنی ہے)

(اے عشق تو عقل کو الٹی سیدھی باتیں کرنے والی بنا دے۔ گویا عقل پر عشق کی برتری اس انداز میں ظاہر کی گئی ہے۔)

۵۔ (یہ شعر دونوں غزلوں میں نہیں ہے، ملاحظہ ہو ''غزلیات شمسِ تبریزی'' با مقدمہ استاد جلال الدین ہمائی و جناب آقای علی دشتی، با ہتمام منصور مشفق، ایران، ص ۲۰۲، ۲۰۳، واضح ہو کہ مولانا رومیؒ نے اپنی غزلیات کے مجموعہ کو اپنے مرشد شمسؒ تبریزی سے بے پناہ عقیدت کے باعث یہ نام دیا اور تخلص بھی اُن کا استعمال کیا ہے) آسمان کا دیا ہوا یہ رزق سیلاب کی طرح بے وفا ہے۔ میں تو مچھلی ہوں، مجھے مگر مچھ اور سمندر کی خواہش ہے۔ مطلب کچھ یہی بنتا ہے کہ دوسروں کی وساطت سے ملنے والے رزق کا نہ تو کچھ اعتبار ہے اور نہ اس سے اپنا وقار ہی قائم رہتا ہے۔ رزق باعثِ وقار و بااعتبار وہی ہے جو خطرات میں رہتے ہوئے بھی خود تلاش کیا جائے جس طرح مچھلی سمندر کے

تھپیڑوں اور مگرمچھوں میں رہتے ہوئے اپنا رزق خود تلاش کرتی ہے۔

۶۔ (اس میں ''نورِ جیب'' کی بجائے ''نورِ دست'' ہے، ص۲۰۳) میری جان فرعون اور اس کے ظلم وستم کی وجہ سے رنج وغم کا شکار ہے۔ مجھے عمران کے بیٹے موسیٰ (حضرت موسیٰ) اور ان کے یدِ بیضا کی آرزو ہے۔ حضرت موسیٰ جب آستین سے اپنا ہاتھ نکالتے تو وہ روشن ہو جاتا۔ مولانا نے اپنے دور کے فرعونوں یعنی ظالموں کے حوالے سے بات کی ہے۔ یہ فرعون چنگیز کی اولاد میں سے تھے۔ جنہوں نے عوام پر بے پناہ ظلم ڈھائے۔ مولانا کی خواہش ہے کہ پھر کوئی موسیٰ اٹھے اور ان فرعونوں کی تباہی کا سامان کرے۔

۷۔ کل رات شیخ ہاتھ میں چراغ لیے شہر میں گھوم رہا اور یہ کہہ رہا تھا کہ میں شیطانوں اور درندوں سے اذیت ومصیبت میں ہوں، مجھے کسی انسان کی آرزو ہے۔ مذکورہ ظالم حکمرانوں کو شیطانوں اور درندوں سے تشبیہ دی ہے۔ انسان سے مراد ایسا انسان جو انسانیت کے حقیقی جذبوں سے سرشار ہو اور جو ظلم وستم کا خاتمہ کر دے۔

۸۔ (یہ شعر چھٹے شعر سے پہلے ہے اور ساتویں اور نویں شعر سے، جو قطعہ بند ہیں، اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ص۲۰۳) ان سست عناصر کے حامل ہمراہیوں سے میں دل گرفتہ ہو گیا ہوں۔ مجھے حضرت علیؓ شیر خدا اور رستم دستان کی سی عظیم اور دلیر شخصیتوں کی آرزو ہے یعنی یہ ہمراہی مادی دنیا پر لٹو ہیں جس کی وجہ سے وہ میرے آگے بڑھنے کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ مجھے ایسے ہمراہیوں کی آرزو ہے جو ان کی طرح دلیر اور بلند حوصلہ ہوں۔

۹۔ (شیخ کی یہ باتیں سن کر) میں نے کہا کہ ''ایسا انسان کہیں نہیں مل رہا، ہم تلاش کر چکے ہیں'' اس پر شیخ بولا کہ وہ جو نہیں مل رہا اسی کی تو مجھے خواہش ہے۔ گویا بالواسطہ یہ بتایا کہ اس دور میں حقیقی انسانیت کے حامل لوگ کم ہی تھے یا نہیں تھے۔ اس ردیف و قافلہ میں رومیؔ کی دو غزلیں ہیں، پہلی ۷ شعروں پر اور دوسری ۱۸ شعروں پر مشتمل ہے۔ علامہ نے یہاں یہ غزل ختم کر دی اور اپنے مضمون کو آگے بڑھایا ہے)

(اب پھر جاوید نامہ کے اشعار شروع ہیں، لہٰذا مسلسل نمبر غزل کے اشعار سے پہلے کے اشعار کے مطابق ہوں گے)

۹- موجِ مضطر خفت بر سنجابِ آب ‏ شد افق تار از زیانِ آفتاب
۱۰- از متاعش پارہ ے دزدید شام ‏ کوکبے چوں شاہدے بالائے بام
۱۱- روحِ رومی پردہ ہارا بردرید ‏ از پس کہ پارہ ے آمد پدید
۱۲- طلعتش رخشندہ مثلِ آفتاب ‏ شیب او فرخندہ چوں عہدِ شباب
۱۳- پیکرے روشن زنورِ سرمدی ‏ در سراپایش سرورِ سرمدی
۱۴- برلب او سرِ پنہانِ وجود ‏ بندہائے حرف و صوت از خود کشود
۱۵- حرفِ او آئینہ ے آویختہ ‏ علم باسوزِ دروں آمیختہ
۱۶- گفتمش ''موجود و ناموجود چیست؟ ‏ معنیِ محمود و نامحمود چیست؟''
۱۷- گفت ''موجود آں کہ می خواہد نمود ‏ آشکارائی تقاضائے وجود
۱۸- زندگی خود را بخویش آراستن ‏ بر وجودِ خود شہادت خواستن
۱۹- انجمن روزِ الست آراستند ‏ بروجود خود شہادت خواستند
۲۰- زندہ ای، یا مردہ ای، یا جاں بلب ‏ از سہ شاہد کن شہادت راطلب

۹- بیقرار موج پانی کے سنجاب پر سوگئی اور سورج کے غروب ہونے پر افق تاریکی میں ڈوب گیا۔ رات آنے سے سمندر کی لہروں میں اتار چڑھاؤ کی کمی کے باعث خاموشی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی۔

۱۰- شام نے سورج کے سرمایہ/ پونجی سے ایک ٹکڑا چرا لیا، یہ ٹکڑا ایک ستارہ تھا جو چھت پر کھڑے حسین/محبوب کی طرح جلوہ گر تھا۔ (غالبؔ کا یہ شعر اگرچہ اس مضمون سے ہٹ کر ہے، تاہم دلچسپی کی خاطر لکھ رہا ہوں):

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوئے

۱۱- اسی اثنا میں مولانا رومیؒ کی روح آسمان کا پردہ چاک کر کے ایک پہاڑی کے پیچھے سے نمودار ہوئی (گویا وہ انسانی روپ میں ظاہر ہوئی)

۱۲- اس وقت مولانا کا چہرہ سورج کی مانند روشن تھا اور ان کا بڑھاپا عہدِ جوانی کی طرح مبارک اور شگفتہ وشاداب تھا۔

۱۳- ان کا پیکر ایک ایسا پیکر تھا جو نورِ سرمدی سے منور تھا اور ان کے سراپا (سر سے پاؤں تک) سرمدی سرور تھا۔

۱۴- ان (مولانا) کے ہونٹوں پر وجود کے خفیہ راز تھے۔ انہوں نے الفاظ اور آوازوں کی زنجیریں اپنے اوپر سے کھول رکھی تھیں۔ گویا وہ وجود کے راز واضح صورت میں اور اپنے الفاظ میں خوب بیان کر رہے تھے۔

۱۵- ان کے الفاظ کچھ اس انداز میں بیان ہو رہے تھے جیسے سامنے آئینہ لٹک رہا ہو، ان کے علم میں ان کے باطن کا سوز ملا ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ مذکورہ بیان بڑا روشن تھا اور سوزِ باطن یا سوزِ قلبی کے باعث اس میں تاثیر تھی۔

۱۶- میں نے ان (رومیؒ) سے پوچھا کہ ''موجود اور ناموجود کیا ہے اور محمود اور نامحمود کے کیا معنی ہیں؟''

۱۷- مولانا نے فرمایا کہ موجود وہ ہے جو اپنی نمود یعنی اپنے ظہور یا ظاہر ہونے کا خواہشمند ہے، اس لیے کہ خود کو ظاہر کرنا وجود کا تقاضا ہے۔

۱۸- زندگی خود کو اپنی خاطر آراستہ کرنے کا نام ہے، اور یوں اپنے وجود پر گواہی کا طالب ہونا (زندگی ہے) گویا زندگی اپنی انفرادیت قائم رکھنے کی خاطر اپنی شرح خود کرتی ہے اور خود کو دوسروں سے امتیاز والی بناتی ہے۔

۱۹- خدا تعالیٰ نے روز ''الست'' انجمن برپا کی یا سجائی (فرہنگ دیکھیے) اور یوں اپنے وجود پر گواہی طلب کی۔ گویا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود پر گواہی/شہادت طلب کی، اسی طرح بندے/انسان کو بھی ایسی شہادت طلب کرنی چاہیے اور یہ اپنی انفرادیت ہی سے ممکن ہے۔

۲۰- تو زندہ ہے یا مردہ ہے یا تو مرنے کے قریب ہے، اس کے لیے تین گواہوں سے گواہی طلب کر۔ (ان تین گواہوں کا ذکر اگلے شعروں میں ہے)

۲۱- شاہدِ اول شعورِ خویشتن — خویش را دیدن بنورِ خویشتن
۲۲- شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے — خویش را دیدن بنورِ دیگرے
۲۳- شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق — خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق
۲۴- پیش ایں نور ار بمانی استوار — حی و قائم چوں خدا خود را شمار
۲۵- برمقامِ خود رسیدن زندگی است — ذات را بے پردہ دیدن زندگی است
۲۶- مردِ مومن درنسازد با صفات — مصطفیٰؐ راضی نشد الا بذات
۲۷- چیست معراج، آرزوئے شاہدے — امتحانے رو بروئے شاہدے

۲۸- شاہدِ عادل کہ بے تصدیقِ او — زندگی ما را چوگل را رنگ و بو
۲۹- در حضورش کس نماند استوار — ور بماند ہست او کامل عیار
۳۰- ذرہ ای از کف مدہ تابے کہ ہست — پختہ گیر اندر گرہ تابے کہ ہست
۳۱- تابِ خود را برفزودن خوشتر است — پیشِ خورشید آزمودن خوشتر است
۳۲- پیکرِ فرسودہ را دیگر تراش — امتحانِ خویش کن موجود باش
۳۳- ایں چنیں ''موجود'' محمود است و بس — ورنہ نارِ زندگی دود است و بس''

۲۱- پہلا گواہ اپنا شعور ہے یعنی اپنے آپ کو اپنے ہی نور سے دیکھنا ہے۔

۲۲- دوسرا گواہ دوسروں کا شعور ہے یعنی دوسروں کے نور سے خود کو دیکھنا ہے۔

۲۳- اور تیسرا گواہ ذاتِ حق کا شعور ہے یعنی نورِ حق سے خود کو دیکھنا ہے۔

۲۴- اس نور (نورِ حق) کے سامنے اگر تو قائم و برقرار ہے یا رہ جائے تو اس صورت میں تو خود کو خدا کی طرح ''حیی و قیوم'' سمجھ۔ مطلب یہ کہ جب تو اس ذاتِ حق کی صفات کا حامل ہو جائے گا تو تیرا وجود بھی ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا بن جائے گا۔ تو صاحب بقا اور جاودانی ہو جائے گا۔

۲۵- اپنے مقام پر پہنچنا ہی حقیقی زندگی ہے اور ذاتِ حق کو بے پردہ دیکھنا ہی صحیح زندگی ہے۔ مطلب یہ کہ انسان نائب خدا اور افضل مخلوقات ہے۔ اس امر کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے اس مقام کو پہچانے اور جذبہ عشق حقیقی اور جہد و عمل سے خود کو اس مقام کے لائق قرار دے، جبھی اس کی زندگی ایک حقیقی زندگی ہوگی اور اسی کی بدولت وہ دیدارِ محبوبِ حقیقی سے شادکام ہوگا۔

۲۶- مردِ مومن صفات یعنی صفاتِ الٰہی سے موافقت نہیں کرتا (ان پر قناعت نہیں کرتا) چنانچہ حضور اکرم محمد مصطفیٰؐ ذات کے سوا صفات پر راضی نہ ہوئے یعنی حضورؐ دیدارِ خداوندی کے بغیر راضی نہ ہوئے۔ واقعہ معراج کے حوالے سے بات کی ہے۔ گویا مردِ مومن صفات کی وساطت سے اس ذاتِ حق تک پہنچتا ہے۔

۲۷- معراج کیا ہے؟ یہ کسی شاہد/ گواہ کی آرزو ہے۔ معراج کیا ہے؟ یہ کسی شاہد کے سامنے اپنی آزمایش کرنا ہے۔ گویا معراج نام ہے اس گواہ سے اپنے مستحکم و پختہ ہونے کی گواہی طلب کرنے کا۔

۲۸- ایسا شاہدِ عادل کہ جس کی تصدیق کے بغیر ہماری زندگی ایسے ہی ہے جیسے

پھول/ گلاب کا رنگ اور خوشبو ہو۔ یہ رنگ و بو عارضی اور وقتی ہیں، جلد ہی اڑ جاتے ہیں۔ گویا جب تک استواری و پختگی پیدا نہیں ہوتی اور اس پختگی پر کوئی منصف گواہ گواہی نہیں دیتا تو زندگی پھول کے جلد اڑ جانے والے رنگ و بو کی مانند بے قدر و قیمت ہوگی۔

۲۹۔ اس (منصف گواہ) کے سامنے/ حضور کوئی بھی استوار نہیں رہتا اور اگر رہ جاتا ہے تو وہ معیار پر پورا اترنے والا ہے یعنی ہر کسی کے بس کی یہ بات نہیں کہ وہ منصف گواہ کے حضور استواری کا مظاہرہ کر کے اسے منوا لے۔ اگر وہ گواہی لے لیتا ہے تو وہ گویا مردِ مومن یا مردِ کامل ہے۔

۳۰۔ اگر تو ذرہ ہے تو خود میں موجود اپنی چمک کو ہاتھ سے نہ دے۔ تو اس چمک کو گرہ میں مضبوطی سے باندھ رکھ۔ مطلب یہ کہ انسان اگرچہ ذاتِ حق کے سورج کے سامنے گویا ذرے کی مانند ہے لیکن قدرت نے اس میں عشق کی چمک پیدا کر رکھی ہے۔ اگر وہ اس چمک/ عشق کو کام میں لاتا ہے تو وہ اس ذات کے سامنے ٹھہر سکتا ہے اور یوں وہ مردِ کامل بن سکتا ہے۔

۳۱۔ (اے ذرے) اپنی چمک کو بڑھاتے رہنا ایک اچھی بات ہے اور خود کو سورج کے سامنے/ حضور آزمانا اچھی بات ہے۔ گویا تم میں جتنا جذبۂ عشق بڑھے گا اتنا ہی تم اس شاہد عادل/ حق تعالیٰ کے سامنے پختگی کی آزمایش میں کامیاب ہو کر مرد کامل بن جاؤ گے۔

۳۲۔ تو اپنے فرسودہ پیکر کو پھر سے تراش اور اپنی آزمایش کر کے صاحبِ وجود بن جا یعنی جب تو اپنی خودی کو مستحکم کر کے خود کو اس قابل بنا لے کہ محبوب حقیقی کے حضور تو استوار رہ سکے۔ اس آزمایش میں کامیابی تیرے موجود ہونے کی دلیل ہوگی۔

۳۳۔ صرف ایسا موجود ہی محمود ہے اور بس، ورنہ زندگی کی آگ محض دھواں ہے اور بس۔ گویا جس انسان نے مقام محمود/ خیر حاصل کر لیا، وہ صحیح معنوں میں موجود کے مقام پر ہے۔ اس کے علاوہ جو کوئی بھی ہے وہ نامحمود/ شر ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس مردِ محمود سے فیض یاب ہونے والی ہر شے بھی خیر ہوگی اور وہ مرد اپنے باطن میں جتنا موجود ہونے کا رنگ پیدا کر لے گا، اتنا ہی وہ محمود ٹھہرے گا۔

۳۴۔ باز گفتم "پیشِ حق رفتن چساں؟ کوہِ خاک و آب را گفتن چساں؟

۳۵- آمر و خالق بروں ازامر و خلق ماز شستِ روزگاراں خستہ حلق"
۳۶- گفت "اگر سلطاں، ترا آید بدست می تواں افلاک را ازہم شکست
۳۷- باش تا عریاں شود ایں کائنات شوید از دامانِ خود گردِ جہات
۳۸- در وجودِ او نہ کم بینی نہ بیش خویش را بینی ازو او را ز خویش
۳۹- نکتہ "الا بسلطان" یادگیر ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر
۴۰- از طریق زادن اے مردِ نکوے آمدی اندر جہانِ چار سوے
۴۱- ہم بروں جستن بزادن می تواں بندہا از خود کشادن می تواں
۴۲- لیکن ایں زادن نہ از آب وگل است داند آں مردے کہ اوصاحبدل است
۴۳- آں ز مجبوری است ایں از اختیار آں نہاں در پردہ ہا ایں آشکار
۴۴- آں یکے باگریہ ایں باخندہ ایست یعنی آں جویندہ ایں یابندہ ایست
۴۵- آں سکون و سیر اندر کائنات ایں سراپا سیر بیروں از جہات
۴۶- آں یکے محتاجِ روز و شب است واں دگر روز وشب اورامرکب است
۴۷- زادنِ طفل از شکست اشکم است زادنِ مرد از شکست عالم است
۴۸- ہر دو زادن را دلیل آمد اذاں آں بلب گویند و ایں از عینِ جاں
۴۹- جانِ بیدارے چو زاید در بدن لرزہ ہا افتد دریں دیرِ کہن"

۳۴- (مولانا رومیؒ کا یہ سارا جواب سن کر) میں نے پھر ان سے پوچھا کہ "حق / خدا کے سامنے کیونکر یا کس طرح جانا (ممکن) ہے اور مٹی کے پہاڑ اور پانی کو کیسے پھاڑا جا سکتا ہے یعنی حضورِ حق استواری کے حوالے سے یہ کہا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے، اس لیے کہ حق اور بندے کے درمیان زمان ومکاں کی کئی رکاوٹیں / دیواریں حائل ہیں۔ انہیں کیونکر پھلانگا اور حضورِ حق پہنچا جا سکتا ہے۔

۳۵- آمر اور خالق تو امر اور خلق سے باہر ہے جبکہ زمانے کے کانٹے نے ہمارا حلق زخمی کر رکھا ہے۔ ہم زمان ومکاں کی قید میں ہیں جبکہ خدا تعالیٰ آمر و خالق ہوتے ہوئے بھی اس امر و خلق کے جہان سے ماورا ہے، اس صورت میں ہم دونوں میں ملاپ کیونکر ممکن ہے۔

۳۶- (میرا یہ سوال اور یہ دلیلیں سن کر مولانا رومیؒ نے جواب میں فرمایا) اگر سلطان تیرے ہاتھ آ جائے تو آسمانوں کو توڑا جا سکتا ہے۔ یعنی آسمان پار کر کے ان کے ماورا جایا جا

سکتا ہے۔ سلطان سے مراد زور اور غلبہ ہے یعنی روحانی غلبہ اور طاقت ہے جو حضور اکرمؐ سے عشق کی بدولت انسان میں پیدا ہوتا ہے اور ایسا انسان اس زمان کو مکاں کی حدود پار کر کے لامکاں میں حضورِ حق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ (سلطان والی بات قرآنی حوالہ ہے، شعر ۳۹ کی فرہنگ دیکھیے)

۳۷- تو ٹھہرتا آن کہ یہ کائنات تیرے سامنے بے پردہ ہو جائے اور اپنے دامن سے جہات/ اطراف کی گرد دھو/ جھاڑ ڈالے۔ مطلب یہ کہ تو مجاہدہ کر، اس سے تو ایسے مقام پر پہنچ جائے گا جہاں کائنات کی زمان و مکاں کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں اور یوں اس کائنات کی حقیقت تجھ پر واضح ہو جائے گی۔

۳۸- اور تو اس کے وجود میں نہ کوئی کمی دیکھے گا اور نہ زیادتی۔ تو خود کو اس سے دیکھے گا اور اس کو خود سے دیکھے گا۔ مطلب یہ کہ کائنات کی حقیقت واضح ہونے پر تو جان لے گا کہ زمان و مکاں وغیرہ کچھ نہیں سب اللہ ہی اللہ ہے (لا الٰہ الا اللہ) یوں تیرے/ بندے اور مولا کے درمیان حائل پردے اٹھ جائیں گے اور حضورِ حق موجود ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔

۳۹- تو ''الا بسلطان'' کا نکتہ یاد رکھ، ورنہ چیونٹی اور ٹڈی کی طرح مر جا۔ (فرہنگ ..) روحانی طاقت حضور اکرمؐ سے عشق یا کسی مردِ کامل کی نظرِ فیض اثر سے ایک سچے طالب میں پیدا ہوتی ہے۔ (مزید تشریح شعر ۳۶ والی) اگر انسان اس طاقت سے محروم ہے تو اس کی فنا یا موت بہت حقیر انداز کی ہوگی۔

۴۰- اے اچھے آدمی تو پیدائش/ ولادت کے عام طریقے (ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا) کی بنا پر اس حدود کی دنیا میں آیا ہے (یہ زمان و مکاں کی دنیا)

۴۱- (جس طرح تو ماں کے پیٹ سے باہر آیا ہے) اسی طرح تو دوبارہ پیدا ہو سکتا ہے یعنی خود کو کائنات کے پیٹ سے باہر نکال سکتا ہے، اور اس نئی پیدائش سے تو کائنات یا زمان و مکاں کی خود پر بندھی ہوئی زنجیریں کھول سکتا ہے۔

۴۲- لیکن یہ نئی پیدائش آب و گل سے نہیں ہے، اس کا تعلق مادی جسم یا ماں کے پیٹ سے نہیں ہے، اور اس نئی پیدائش کے طریقے کو وہی انسان جانتا ہے جو صاحبدل ہے۔ گویا یہ پیدائش مجبوری نہیں اختیاری ہے۔ یعنی ایک سالک اپنے قوی ارادوں کے ساتھ مجاہدے کر کے آخر ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اس زندگی سے آشنا ہو

جاتا ہے یا ایسی زندگی پا لیتا ہے جو خالق کی منشا ہے اور یوں وہ خدائی صفات سے متصف ہو کر اس ذات کے حضور میں رہتا ہے۔

۴۳- وہ یعنی ماں کے پیٹ والی پیدائش مجبوری ہے اور یہ دوسری پیدائش اختیاری ہے۔ پہلی پیدائش پردوں میں ہوتی ہے۔ (بچہ ماں کے رحم میں پلتا اور مکمل بچہ بن کر پیٹ سے باہر آتا ہے) جبکہ یہ ارادی پیدائش آشکارا ہوتی ہے۔

۴۴- وہ پہلے والی پیدائش تو روتے ہوئے ہوتی ہے (بچہ روتا ہوا ماں کے پیٹ سے جنم لیتا ہے) اور یہ ہنستے مسکراتے ہوتی ہے، یعنی پہلی ولادت والا بچہ روتا ہے کہ وہ کہاں آ گیا جبکہ دوسری ولادت والا انسان گو ہر زندگی پا لینے کے باعث خوش ہوتا ہے۔

۴۵- وہ (پہلی پیدائش) کائنات کے اندر سیر و سکون یعنی چلنے پھرنے کا نام ہے جبکہ یہ (دوسری ولادت) تمام اطراف سے باہر سیر کرنا ہے یعنی پہلی پیدائش والا تو زمان و مکاں ہی کی حدود میں رہتا ہے جبکہ دوسرا اس زمان و مکاں سے بے تعلق یا بے نیاز ہوتا ہے۔

۴۶- وہ (اول الذکر) روز و شب کی محتاجی ہے اور اس دوسری پیدائش والے کے لیے روز و شب سواری ہے۔ یعنی اول زمان و مکاں کی حدود و قید میں رہ کر زندگی بسر کرتا ہے، پہلے پر کائنات سوار ہے، جبکہ دوسرا کائنات پر سوار ہے۔

۴۷- بچے کا پیدا ہونا ماں کا پیٹ چاک ہونے/ پھٹنے سے ہے جبکہ مرد یعنی مرد کامل کا پیدا ہونا جہان کے ٹوٹنے/ پھٹنے سے ہے۔ گویا وہ اس کائنات کو تسخیر کر کے لامکاں کی طرف متوجہ رہتا یا لامکاں کی سیر کرتا ہے۔

۴۸- دونوں طرح کی پیدائش پر اذان دلیل ٹھہری ہے۔ وہ (پہلی پیدائش والی) اذان ہونٹوں سے اور یہ سراسر جان سے کہی جاتی ہے۔ گویا دوسری پیدائش والے کی پوری زندگی میں اذان کی روح سما جاتی ہے۔ یہ گویا جانِ بیدار ہے۔

۴۹- جب کسی بدن میں جان بیدار پیدا ہوتی ہے تو اس سے اس پرانی دنیا پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ گویا اس جانِ بیدار سے پوری کائنات اثر پذیر/ متاثر ہوتی ہے اور اس کی بنا پر نت نئے انقلاب اور ہنگامے رونما ہونے لگتے ہیں۔

۵۰- گفتم "ایں زادن نمی دانم کہ چیست؟" گفت "شانے از شئونِ زندگی است

۵۱- شیوہ ہائے زندگی غیب و حضور آں یکے اندر ثبات آں در مرور

۵۲- گہ بجلوت می گدازد خویش را — گہ بخلوت جمع سازد خویش را
۵۳- جلوتِ او روشن از نورِ صفات — خلوتِ او مستنیر از نورِ ذات
۵۴- عقل او را سوئے جلوت می کشد — عشق او را سوئے خلوت می کشد
۵۵- عقل ہم خود رابدیں عالم زند — تا طلسم آب و گل رابشکند
۵۶- می شود ہر سنگِ رہ اورا ادیب — می شود برق و سحاب او را خطیب
۵۷- چشمش از ذوقِ نگہ بیگانہ نیست — لیکن او را جرأتِ رندانہ نیست
۵۸- پس زترسِ راہ چوں کورے رود — نرم نرمک صورت مورے رود
۵۹- تاخرد پیچیدہ تر بر رنگ و بوست — می رود آہستہ اندر راہِ دوست
۶۰- کارش از تدریج می یابد نظام — من نہ دانم کے شود کارش تمام

۵۰- اس پر میں نے کہا کہ مجھے علم نہیں (یا میں نہیں سمجھا) کہ یہ (دوسری) پیدائش کیا ہے؟ جواب میں رومیؒ نے فرمایا کہ یہ زندگی کی شانوں میں سے ایک شان ہے۔ گویا قرآنی تلمیح کے مطابق ذاتِ حق ہر لحہ ایک نئی شان سے جلوہ گر ہے۔ اس حوالے سے حیات مطلق (خدا) جومختلف شانوں سے جلوہ فرما رہتی ہے وہ اپنے غیب اور اصل کے اعتبار سے مطلق ہے یعنی اس میں کوئی تنزل یا تغیر نہیں ہے، البتہ اپنے ظہور کے لحاظ سے تعینات یا اعتبارات سے وابستہ ہے۔

۵۱- زندگی کے رنگ ڈھنگ (طور طریقے) غیب اور حضور ہیں۔ گویا یہ زندگی کے دو رخ ہیں، اس کا ایک رخ ثبات ہے تو دوسرا حرکت و گردش ہے۔ گویا جب تک زندگی خلوت/غیب میں رہی وہ زندگی مطلق تھی، لاثانی اور زمان و مکان وغیرہ سے آزاد، جب وہ جلوت میں آ کر تعینات وغیرہ میں جلوہ گر ہوئی تو متحرک ہوگئی، یعنی کئی شانوں میں آ گئی اور یوں وحدت نے کثرت کا روپ دھار لیا۔

۵۲- کبھی تو وہ (زندگی) خود کو جلوت میں گداز کرتی ہے اور کبھی خلوت میں خود کو جمع کرتی ہے۔ گویا حیاتِ مطلق مختلف تعینات میں ظہور پذیر ہو کر وحدت سے کثرت میں آ جاتی ہے جبکہ خلوت میں بصورتِ وحدت تھی۔

۵۳- اس کی جلوت صفات کے نور سے روشن ہے جبکہ اس کی خلوت نورِ ذات سے روشن ہے۔ مطلب یہ کہ جب تک وہ ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی وہ ''ذات'' تھی، جب اس نے اپنا ظہور چاہا پہلے تعین یعنی صفات میں ظاہر ہوئی۔ اس تعین کو ''حقیقت محمدیؐ'' کہا گیا

ہے جس کے نور کے ظہور کے طفیل پوری کائنات وجود پذیر ہوئی۔

۵۴۔ عقل اس کو جلوت کی طرف کھینچتی ہے جب کہ عشق اسے (آدمی کو) خلوت کی طرف کھینچتا ہے۔ گویا صفات کی جلوہ گری نے انسان میں عقل و عشق پیدا کر دیا۔ عقل اسے باہر کی دنیا کی طرف توجہ کرنے کو کہتی ہے جبکہ عشق انسان کو اپنے باطن کی دنیا کی طرف متوجہ کرتا ہے یا اسے اپنے باطن کی سیر کرنے کو کہتا ہے۔ یہ ''سیرِ انفسی'' ہے جبکہ عقل والی سیر آفاقی ہے۔

۵۵۔ عقل بھی خود کو اس عالم پر مارتی یا صرف کرتی ہے۔ (اس کا اس کائنات پر غور و فکر اس خاطر ہے کہ) وہ مادی دنیا کے جادو کا توڑ کرے۔ گویا انسانی عقل اس باہر کی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرتی اور اسے مسخر کرنے میں لگی رہتی ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس میں جذبہ عشق بھی شامل ہو۔

۵۶۔ (عقل جب کائنات کی حقیقت سے آگاہی کے لیے نکلتی ہے تو) اس کے راستے کا ہر پتھر اس کا ادیب بن جاتا ہے اور آسمانی بجلی اور بادل اس سے خطاب کرنے لگتے ہیں۔ گویا رازہائے فطرت اور کائنات کے اسرار سے آگاہی کے لیے جب وہ (عقل) نکلتی ہے تو کائنات کی ہر شے اس کی اسیر ہو جاتی اور اپنے مادی فوائد اور صلاحیتیں اس پر واضح کرتی ہے۔

۵۷۔ اگرچہ اس (عقل) کی آنکھ ذوقِ نگاہ سے بیگانہ یا محروم نہیں ہے لیکن اس میں وہ عشق کی سی جرأت رندانہ نہیں ہے یعنی جذبہ عشق کے بغیر عقل میں وہ صلاحیتیں پیدا نہیں ہو سکتیں جن سے وہ کائنات کو مسخر کر سکے۔

۵۸۔ چنانچہ وہ (عقل) راستے کے خوف سے اندھے کی طرح چلتی ہے اور چیونٹی کی طرح بہت آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ گویا اسے اندھے کی طرح راستے میں ٹھوکریں کھانے کا ڈر ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس عشق ایسے خطرات سے بے خوف اور بے پروا ہو کر تیزی سے منزل کی طرف چلتا ہے۔

۵۹۔ عقل چونکہ رنگ و بو یعنی اس مادی دنیا میں زیادہ الجھی رہتی ہے، اس لیے دوست کے راستے میں آہستہ چلتی ہے۔ یعنی وہ مظاہر فطرت میں موجود محبوبِ حقیقی کے جلوے کا نظارہ کرنے کی ہمت سے محروم ہے۔ اس لیے وہ ظاہر پر ہی نظر رکھتی ہے۔

۶۰۔ اس کا کام تدریج سے نظام پاتا ہے۔ معلوم نہیں اس کا کام انجام کو کیونکر پہنچے گا۔ گویا

منزلِ دوست کی طرف وہ درجہ بدرجہ یا آہستہ آہستہ بڑھتی ہے، اس صورت میں وہ اس منزل تک کیونکر پہنچے گی، یعنی نہیں پہنچے گی۔

۶۱- می نداند عشق سال و ماہ را — دیر و زود و نزد و دورِ راہ را
۶۲- عقل در کوہے شگافے می کند — یا بگردِ او طوافے می کند
۶۳- کوہ پیش عشق چوں کاہے بود — دل سریع السیر چوں ماہے بود
۶۴- عشق شب خونے زدن بر لامکاں — گور را نادیدہ رفتن از جہاں
۶۵- زورِ عشق از باد و خاک و آب نیست — قوتش از سختی اعصاب نیست
۶۶- عشق بانانِ جویں خیبر کشاد — عشق در اندامِ مہ چاکے نہاد
۶۷- کلۂ نمرود بے ضربے شکست — لشکرِ فرعون بے حربے شکست
۶۸- عشق درجاں چوں بچشم اندر نظر — ہم درونِ خانہ ہم بیرونِ در
۶۹- عشق ہم خاکستر و ہم اخگراست — کارِ او از دین و دانش برتر است
۷۰- عشق سلطان است و برہانِ مبیں — ہر دو عالم عشق را زیرِ نگیں
۷۱- لازمان و دوش و فردائے ازو — لامکاں و زیر و بالائے ازو

۶۱- (جبکہ عقل کے مقابلے میں) عشق سال و ماہ کو نہیں جانتا۔ وہ راستے کے دیر و زود (جلدی) اور نزدیک و دور کو نہیں جانتا۔ وہ زمان و مکاں کی اور ہر طرح کی قید یا رکاوٹ سے ٹکراتا ہوا ہر لمحہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۶۲- عقل پہاڑ میں شگاف یا دراڑ ڈال دیتی ہے یا اس کے گرد طواف کرتی رہتی ہے۔ گویا وہ اس قوت کی مالک ہے کہ پہاڑوں کو سر کر لے یا پھر پیں ڈالے۔

۶۳- (لیکن اس کے مقابلے میں) پہاڑ عشق کے سامنے تنکے کی مانند ہوتا ہے اور (جذبۂ عشق سے سرشار) دل چاند کی طرح تیز رفتار ہوتا ہے۔ گویا وہ جلد ہی راستے طے کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

۶۴- عشق لامکان پر شب خون مارنے کا نام ہے اور قبر دیکھے بغیر یا ان دیکھے اس جہان سے چلے جانا ہے۔ مطلب یہ کہ صاحب عشق اگرچہ جسمانی طور پر مر جاتا ہے لیکن صاحب بقا ہونے کے باعث وہ گویا قبر میں بھی زندہ رہتا ہے اور وہ اس لیے کہ اس کا تعلق اس دنیا سے نہیں لامکاں سے ہوتا ہے۔

۶۵- عشق کا زور و قوت ہوا اور خاک اور پانی سے نہیں ہے اور اس کی قوت اعصاب/

پٹھوں کی سختی سے نہیں ہے۔ گویا وہ عناصر اربعہ (آب و آتش، خاک و باد) کی بنا پر قوی نہیں ہوتا، اس کی طاقت مادی نہیں ہے، اسی طرح اس کی قوت کا تعلق جسمانی طاقت کے حوالے سے نہیں ہے۔

۶۶- عشق نے جو کی روٹی کھا کر قلعہ خیبر فتح کیا۔ عشق نے چاند کے جسم میں چاک ڈال دیا، اسے دو ٹکڑے کر دیا۔ پہلے مصرعے میں حضرت علیؓ کے واقعہ فتح خیبر کی طرف اشارہ ہے۔ ان کی خوراک جو کی روٹی یا بہت سادہ ہوتی تھی۔ دوسرے مصرعے میں حضور اکرمؐ کے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے۔ ظاہر ہے ان باتوں کا تعلق جسمانی قوت سے نہیں ہے بلکہ یہ سب عشق حقیقی کے جذبہ سے سرشاری کے باعث تھا۔

۶۷- اس (عشق) نے نمرود کا جبڑا کسی ضرب کے بغیر توڑ دیا اور بغیر فوج کے یا جنگ کے بغیر فرعون کے لشکر کو شکست دے دی۔ پہلے مصرعے میں حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے اور دوسرے مصرعے میں حضرت موسیٰؑ کے حوالے سے عشق کی باطنی قوت کی بات کی ہے۔

۶۸- عشق جان/ روح میں اسی طرح ہے جس طرح آنکھ میں نظر ہوتی ہے، جو گھر کے اندر بھی ہے اور گھر کے باہر بھی۔ گویا عشق آدمی کے دل میں ہوتا ہے، یہ گھر کے اندر ہونا ہے، جبکہ اس کا عمل اور اثر خارج میں ہے۔ یہ گھر سے باہر ہونے کی حالت ہے۔

۶۹- عشق راکھ بھی ہے اور شعلہ بھی ہے۔ اس کا معاملہ دین اور عقل و دانش سے بڑھ کر یعنی ماورا ہے۔ راکھ عاجزی کا اور شعلہ کائنات کے مقابلے میں طاقت کا استعارہ ہے یعنی محبوب کے روبرو تو وہ سراپا عجز و انکسار ہوتا ہے جبکہ کائنات میں اپنے عمل کے باعث شعلہ صفت ہو جاتا ہے۔

۷۰- عشق سلطان بھی ہے اور روشن دلیل بھی۔ یہ دونوں جہان اس کے زیر نگین ہیں۔ گویا عشق کائنات کو مسخر کرتا ہے اور لامکاں تک پہنچتا ہے۔ اس کی دلیل کے لیے انبیا کے تصرفات ملاحظہ ہو سکتے ہیں۔

۷۱- اگرچہ عشق کا کوئی زمانہ نہیں ہے، تاہم ماضی و مستقبل اسی سے ہیں۔ وہ لامکاں ہے (اس کا کوئی مکاں نہیں) لیکن پستی و بلندی اسی سے ہے۔ گویا عشق اس عالم کے وجود میں آنے کا باعث ہے۔ قرآنی تلمیح کے حوالے سے مراد یہ ہے کہ خدا نے خود کو دیکھنا

چاہا اور یہ کہ کوئی اس کی معرفت حاصل کرنے والا بھی ہو تو اس (حسن حقیقی) نے اپنا عاشق اس کائنات کی صورت میں پیدا کر دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کائنات بھی نہ ہوتی۔

۷۲- چوں خودی را از خدا طالب شود — جملہ عالم مرکب او راکب شود
۷۳- آشکارا تر مقامِ دل ازو — جذبِ ایں دیرِ کہن باطل ازو
۷۴- عاشقاں خود را بہ یزداں می دہند — عقل تاویلی بقرباں می دہند
۷۵- عاشقی؟ از سوبہ بے سوئی خرام — مرگ رابر خویشتن گرداں حرام
۷۶- اے مثالِ مردہ در صندوقِ گور — می تواں برخاستن بے بانگِ صور
۷۷- در گلو داری نواہا خوب و نغز — چند اندر گل بنالی مثل چغز
۷۸- برمکان و بر زماں اسوار شو — فارغ از پیچاکِ ایں زنار شو
۷۹- تیز ترکن ایں دو چشم و ایں دو گوش — ہرچہ می بینی بنوش ازراہِ ہوش
۸۰- آں کسے کو بانگِ موراں بشنود — ہم ز دوراں سر دوراں بشنود
۸۱- آں نگاہِ پردہ سوز ازمن بگیر — کو بچشم اندر نمی گردد اسیر
۸۲- آدمی دید است باقی پوست است — دید آں باشد کہ دید دوست است
۸۳- جملہ تن را درگداز اندر بصر — در نظر رو در نظر رو در نظر (رومی)

۷۲- عشق جب خدا سے خودی کا طالب ہوتا ہے تو تمام عالم سواری بن جاتی ہے اور وہ سوار بن جاتا ہے یعنی جب کوئی عشق کے جذبہ سے سرشاری کے نتیجے میں اپنی خودی/ معرفت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو وہ کائنات پر متصرف ہو جاتا یا اسے مسخر کر لیتا ہے۔

۷۳- دل کا مقام اس سے اور زیادہ آشکارا ہو جاتا ہے اور اس مادی دنیا کی کشش اس سے باطل ہو جاتی ہے یعنی صاحب عشق اس دنیا اور اس کی کشش سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی بے پناہ قوت وصلاحیت آشکارا ہو جاتی ہے، اور یہ کہ اس کا دل مادی دنیا کا اسیر نہیں ہے۔

۷۴- عاشق خود کو خدا کے سپرد کر دیتے ہیں اور تاویلیں کرنے والی عقل کو قربان کر دیتے ہیں۔ عاشق خود کو محبوب حقیقی کی رضا میں گم کر دیتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے آدمی کو دنیاوی فوائد کے چکر میں ڈالنے والی عقل کے فریب میں نہیں آتے، اس لیے کہ ان کا مقصد عظیم ہوتا ہے اور وہ ہر طرح کے نفع ونقصان سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

۷۵- کیا تو عاشق ہے؟ اگر ایسا ہے تو تو اطراف/ جہتوں سے بے اطرافی کی طرف چل اور موت کو اپنے اوپر حرام کر لے، یعنی اس جہانِ چار سو یا اس مادی دنیا سے بے نیاز ہو کر بے اطراف جہان یعنی لامکان و لازمان کی طرف بڑھ اور یوں لامکانی بن جا۔ اس طرح تو مر کر بھی زندہ یعنی جاودانی رہے گا۔

۷۶- اے کہ تو قبر کے صندوق میں مردے کی طرح ہے۔ یہ جان لے کہ قبر سے صور کی آواز کے بغیر بھی اٹھا جا سکتا ہے۔ عشق کے جذبوں سے محروم انسان ایک طرح سے چلتی پھرتی لاش ہے۔ تو (مخاطب) خود میں جذبۂ عشق پیدا کر لے اس سے تو جاودانی ہو جائے گا۔ تیری جسمانی موت تو ہو گی لیکن تیری روح اس جذبے کی بدولت زندہ و پائندہ ہو جائے گی۔ مرنے کے بعد بھی تو ایسا زندہ ہو گا جسے قبر سے اٹھنے کے لیے صور کی آواز کی ضرورت نہ ہو گی۔

۷۷- تیرے گلے میں تو عمدہ اور خوب یا دلکش نغمے ہیں۔ تو کب تک مینڈک کی طرح مٹی میں چیختا رہے گا۔ یعنی تو یا انسان نیابتِ خداوندی کے عظیم مقام کا حامل اور افضل مخلوقات ہے، تیرے یا اس کے لیے یہ حیوانوں کی سی زندگی بسر کرنا مناسب نہیں ہے۔

۷۸- تو (اے مخاطب/ انسان) زمان و مکاں پر سوار ہو جا اور یوں اس زنار کے الجھاؤ/ بل سے فارغ ہو جا یعنی تو اس مادی کائنات کو مسخر کر اور برہمن کی طرح خود کو اس پرانے مندر/ دنیا کی زنار کا قیدی نہ بنا۔ اس سے آزاد ہو جا تاکہ تو اپنی خودی کو پہچان لے اور یوں تسخیر کائنات تیرے لیے آسان ہو جائے۔

۷۹- تو اپنی ان دو آنکھوں اور ان دو کانوں کی صلاحیتوں کو زیادہ تیز کر، جو کچھ بھی تو دیکھتا ہے اس پر ہوش سے غور و فکر کر۔ یعنی اشیائے کائنات کے بغور مشاہدہ سے ان کی ماہیت و صلاحیت کی آگاہی پا کر ان سے استفادہ کر۔

۸۰- جو کوئی چیونٹیوں کی آواز سن لیتا ہے وہ زمانے سے اس کا بھید بھی سن لیتا ہے۔ قرآنی تلمیح کے حوالے سے حضرت سلیمانؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے چیونٹیوں کی آواز سن لی تھی۔ مطلب یہ کہ ہر شے اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ بتاتی ہے۔ صاحبِ خودی میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ مشاہدہ کی جانے والی ہر شے کی بات گویا سن لیتا ہے (یعنی دل سے سن لیتا ہے) اور یہی وہ صلاحیت ہے جس سے وہ کائنات کی بات بھی خود اس (کائنات) سے سن لیتا ہے۔

۸۱- تو مجھ (رومیؒ) سے پردوں کو جلانے والی وہ نگاہ حاصل کر جو آنکھوں میں قید نہیں رہتی۔ یہ باطن کی یا دلِ زندہ کی نگاہ ہے جس کا ظاہری آنکھ سے کوئی تعلق نہیں اور جو کائنات کی ہر شے کے پس پردہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے میں محو رہتی اور اس حقیقت سے باخبر ہوتی رہتی ہے۔

۸۲- آدمی سراپا نظر ہے باقی جو کچھ ہے وہ اس کا چھلکا/ کھال ہے، دید وہ ہے۔ جو دوست کی دید ہو۔ مطلب یہ کہ انسان کی زندگی کا بنیادی مقصد خود میں ایسی نگاہ/ بصیرت پیدا کرنا ہے جس سے وہ محبوبِ حقیقی کے دیدار سے سرفراز ہو سکے اور اپنے باطن میں بھی جھانک سکے، خود کو فاش دیکھ سکے، اور یوں وہ صحیح معنوں میں نائب خدا بن کر خدا کی طرح ہر شے کی حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ یہ شعر مولانا رومی کی مثنوی معنوی کے دفتر اول میں ''آمدن رسولِ قیصر روم بنز دِعمرؓ برسالت'' کے عنوان کے تحت آیا ہے۔ ایرانی اور مستند ایڈیشن میں یہ شعر یوں ہے:

آدمی دید است و باقی پوستست
دید آنست آنکہ دیدِ دوستست

۸۳- تو اپنے سارے بدن کو نگاہ میں پگھلا دے۔ تو نظر میں چل یعنی نظر پیدا کر تو نظر پیدا کر، نظر پیدا کر۔ گویا تو اپنے سارے جسم کو یا ساری جسمانی قوتوں کو بصر/ بصیرت میں تبدیل کر لے۔ وہ اس لیے کہ انسان سراپا نظر یا بصر ہے، باقی جو کچھ ہے وہ کھال کی مانند بیکار یا بے مصرف ہے۔ یہ شعر ایرانی ایڈیشن میں نظر نہیں آیا۔ ممکن ہے علامہ نے شروع کے لفظ بدل دیے ہوں۔

۸۴- تو ازیں نہ آسماں ترسی؟ مترس — از فراخائے جہاں ترسی؟ مترس
۸۵- چشم بکشا برزمان و برمکاں — ایں دو یک حال است از احوالِ جاں
۸۶- تانگہ از جلوہ پیش افتادہ است — اختلافِ دوش و فردا زادہ است
۸۷- دانہ اندر گل بظلمت خانہ ے — از فضائے آسماں بیگانہ ے
۸۸- ہیچ می داند کہ درجائے فراخ — می تواں خود رانمودن شاخ شاخ؟
۸۹- جوہرِ او چیست؟ یک ذوقِ نُموست — ہم مقامِ اوست ایں جوہر ہم اوست

۸۴- کیا تو ان نو آسمانوں سے ڈرتا ہے؟ مت ڈر۔ کیا تو دنیا کی فراخی/ وسعت سے ڈرتا ہے؟ مت ڈر یعنی اگر تو سراپا نظر بن جائے تو ان کو مسخر کر سکتا ہے، اس لیے ان سے

خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔

۸۵- تو زمان پر اور مکان پر نظر ڈال۔ یہ دونوں (زمان و مکاں) جان کے حالات میں سے ایک حال ہیں۔ انسانی جان یا روح کئی حالات و مقامات کی حامل ہے اور زمان و مکان بھی انہی میں سے ہیں۔ گویا یہ دونوں حیات مطلق (ذات خداوندی) کی شانوں میں سے دو شانیں ہیں۔ انسان اصل حقیقت سے بے خبری کے باعث انہیں (زمان و مکان کو) مذکورہ شانیں سمجھنے کی بجائے انہیں حقیقی سمجھتا اور ان پر ہی لٹو رہتا ہے۔ عشق اس طلسم کو توڑ دیتا ہے اور یوں انسان ان کو مسخر کر کے اپنے حسب منشا ان سے کام لیتا ہے۔

۸۶- چونکہ (عام انسان کی) نگاہ جلوے کی تاب نہ لانے کی قوت نہیں رکھتی، اسی باعث اس نے گذرے ہوئے کل اور آنے والے کل کا اختلاف پیدا کر رکھا ہے۔ جبکہ علامہ ہی کے لفظوں میں حقیقتِ حال یہ ہے

ع : نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ

زمان و مکاں کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ صرف اور صرف اس ذات باری کا وجود ہے جو کائنات کی ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔

۸۷- مٹی کے اندر دانہ/ بیج زمین کی تاریکی میں ہونے کے باعث آسمان کی فضا سے بیگانہ و بے خبر ہوتا ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ زمین کے باہر کیا کچھ ہے۔

۸۸- کیا وہ دانہ، مذکورہ حالت میں کچھ جانتا ہے کہ مٹی سے باہر وسیع جگہ پر خود کو درخت کی شکل میں یا شاخ در شاخ نمودار کیا جا سکتا ہے؟ یعنی وہ اُگ کر زمین سے باہر آ جائے تو وہ درخت کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

۸۹- اس دانے کا جوہر کیا ہے؟ خود کو نمودار کرنے کا ایک ذوق ہے۔ یہی جوہر اس کا مقام بھی ہے اور یہی وہ خود ہے۔ گویا دانے کے اس ذوقِ نمو کا سا جوہر انسان میں بھی ہے۔ اس جوہر کو اگر وہ عملی صورت میں ظاہر کرے تو وہ مردِ کامل بن کر زمان و مکاں کو مسخر کر لیتا اور یوں صاحب بقا بن جاتا ہے۔ بصورت دیگر وہ محض ایک چلتی پھرتی لاش ہوتا ہے اور مر کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جاتا ہے۔

۹۰- اے کہ گوئی محملِ جان است تن ‌ ‌ ‌ سرِ جاں را درنگر، برتن متن
۹۱- محملے نے، حالے از احوالِ اوست ‌ ‌ ‌ محملش خواندن فریبِ گفتگو ست

۹۲- چیست جاں؟ جذب و سرور و سوز و درد | ذوقِ تسخیر سپہرِ گرد گرد
۹۳- چیست تن؟ با رنگ و بو خو کردن است | با مقامِ چار سو خو کردن است
۹۴- از شعور است ایں کہ گوئی نزد و دور | چیست معراج؟ انقلاب اندر شعور
۹۵- انقلاب اندر شعور از جذب و شوق | وارہاند جذب و شوق از تحت و فوق
۹۶- ایں بدن با جانِ ما انباز نیست | مشت خاکے مانع پرواز نیست"

۹۰- اے (مخاطب) تو جو یہ کہتا ہے کہ جسم، روح کا محمل ہے، تو تو ذرا روح کے بھید کو دیکھ (اس پر غور کر اور خوامخواہ) تن/جسم پر مت اکڑ۔ گویا تیرے مطابق تو روح جسم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی، دوسرے لفظوں میں جسم، روح کا آلہ ہے۔ تیرا یہ نظریہ غلط ہے۔

۹۱- جسم، روح کا محمل نہیں ہے بلکہ اس (روح) کے احوال میں سے ایک حال ہے، یا اس کی شانوں میں سے ایک شان ہے۔ اسے اس کا محمل کہنا محض فریب گفتگو ہے۔ یہ نظریہ اہلِ عقل کا ہے لیکن اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ محض انسانی گفتگو کا فریب ہے۔

۹۲- جان کیا ہے؟ جان جذب و سرور اور سوز و درد کا نام ہے (یا ان کا مجموعہ ہے) اور یہ (روح) گردش کرنے والے آسمان کو مسخر کرنے کا ذوق ہے۔ آسمان سے مراد پوری کائنات کی قوتیں ہیں۔

۹۳- جسم کیا ہے؟ یہ رنگ و بو کی دنیا سے موافقت کرنے کا نام ہے اور یہ (جسم) چار اطراف والے مقام/ جہان سے بنا کر رکھنے کا نام ہے۔ گویا جسم مادہ ہونے کے باعث مادی دنیا ہی کا اسیر ہے۔

۹۴-۹۵= یہ جو تو نزدیک اور دور کی بات کرتا ہے تو اس کا تعلق شعور سے ہے۔ معراج کیا ہے؟ معراج شعور میں انقلاب پیدا ہونے کا نام ہے۔ گویا نزدیک و دور روح کے لیے نہیں جسم کے لیے ہے اور عقل اس نزد و دور کے چکر میں الجھی ہوئی ہے۔ اگر عشق کے نتیجے میں شعور انقلاب پذیر ہو جائے تو یہ نزد و دور کا تصور ختم ہو جائے۔ اسی انقلاب کا نام معراج ہے۔ اس میں بالواسطہ حضور اکرمؐ کے معراج کو جانے کا ذکر ہے۔ حضورؐ انسان تھے لیکن اسی انقلاب کے نتیجے میں آپؐ عالم لاہوت میں پہنچ کر محبوب حقیقی کے دیدار سے مشرف ہو کر جلد زمین پر لوٹ آئے۔

۹۶- یہ بدن ہماری روح کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ یہ مٹی کی مٹھی (انسانی بدن) روح کی پرواز میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جسم تو فانی ہے جبکہ روح جاودانی ہے۔ پھر دونوں

میں کیسی شراکت۔ جذبہ عشق سے سرشار روح ہر لحظہ آگے بڑھتی رہتی اور منزل (دیدار دوست) تک پہنچ جاتی ہے۔

زروان کہ روحِ زمان ومکان است

مسافر را بسیاحت عالم علوی می برد

(زروان، جوزمان ومکان کی روح ہے، مسافر یعنی علامہ اقبال کو عالمِ علوی کی سیاحت کے لیے لے جاتی ہے)

۱۔ از کلامش جانِ من بیتاب شد — در تنم ہر ذرہ چوں سیماب شد
۲۔ ناگہاں دیدم میانِ غرب و شرق — آسماں در یک سحابِ نور غرق
۳۔ زاں سحاب افرشتہ ے آمد فرود — با دو طلعت ایں چو آتش آں چو دود
۴۔ آں چو شب تاریک وایں روشن شہاب — چشم ایں بیدار و چشم آں بخواب
۵۔ بال او را رنگہائے سرخ و زرد — سبز و سیمین و کبود و لاجورد
۶۔ چوں خیال اندر مزاجِ او رَمے — از زمیں تا کہکشاں او را دمے
۷۔ ہر زماں او را ہوائے دیگرے — پرکشادن در فضائے دیگرے
۸۔ گفت "زروانم جہاں را قاہرم — ہم نہانم ازنگہ ہم ظاہرم
۹۔ بستہ ہر تدبیر با تقدیرِ من — ناطق و صامت ہمہ نخچیر من
۱۰۔ غنچہ اندر شاخ می بالد زمن — مرغک اندر آشیاں نالد زمن
۱۱۔ دانہ از پروازِ من گردد نہال — ہر فراق از فیض من گردد وصال
۱۲۔ ہم عتابے ہم خطابے آورم — تشنہ سازم تا شرابے آورم
۱۳۔ من حیاتم، من مماتم، من نشور — من حساب و دوزخ و فردوس و حور
۱۴۔ آدم و افرشتہ در بندِ من است — عالمِ شش روزہ فرزندِ من است
۱۵۔ ہر گلے کز شاخ می چینی منم — اُم ہر چیزے کہ می بینی منم
۱۶۔ در طلسم من اسیر است ایں جہاں — از دمم ہر لحظہ پیر است ایں جہاں
۱۷۔ "لی مع اللہ" ہر کرا در دل نشست — آں جواں مردے طلسم من شکست
۱۸۔ گر تو خواہی من نباشم درمیاں — لی مع اللہ بازخواں از عین جاں"

۱- مولانا رومیؒ کی باتوں سے میری روح بیقرار ہوگئی اور میرے جسم کا ہر ذرہ پارے کی طرح ہوگیا، بے چینی اور اضطراب کا شکار ہوگیا۔

۲- (اسی اثنا میں) میں نے اچانک دیکھا کہ مغرب اور مشرق کے درمیان آسمان نور کے ایک بادل میں ڈوبا ہوا ہے۔

۳- اس بادل میں سے ایک فرشتہ نیچے اترا۔ اس کے دو چہرے تھے، ایک آگ کی مانند تو دوسرا دھوئیں کی مانند تھا۔

۴- وہ یعنی دھوئیں والا چہرہ رات کی طرح تاریک جبکہ آگ والا چہرہ ستارہ شہاب کی طرح روشن تھا۔ اس کی یہ یعنی آگ والے چہرے کی آنکھ بیدار تو دوسری دھوئیں کے چہرے والی آنکھ سوئی ہوئی تھی یا نیند میں تھی۔

۵- اس کے پر/شہپر سرخ اور زرد رنگ کے، نیز سبز و سفید اور نیلے اور لاجوردی تھے۔

۶- اس کے مزاج میں خیال کی سی رفتار یعنی تیز رفتاری تھی اور زمین سے لے کر کہکشاں تک کا سفر اس کے لیے ایک پل کا سفر تھا۔ (بالکل خیال کی طرح جو انسان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے اور کہیں سے کہیں پل بھر میں پہنچتا ہے۔)

۷- ہر لمحہ اس میں ایک نئی آرزو پیدا ہوتی تھی اور ہر پل ایک نئی فضا میں اس کی اڑان تھی۔

۸- وہ بولا ''میں زروان ہوں اور اس جہان پر میں قاہر/مسلط ہوں۔ میں نگاہ سے پنہاں بھی ہوں اور ظاہر بھی ہوں۔''

۹- ہر تدبیر میری تقدیر سے وابستہ ہے۔ بولنے والے اور نہ بولنے والے سبھی میرے شکار ہیں۔ مطلب یہ کہ کائنات کی کوئی بھی شے اور مخلوق میرے تسلط سے آزاد نہیں ہے۔

۱۰- شاخ کے اندر کلی میری وجہ سے پھوٹتی ہے اور پرندہ آشیانے میں میری وجہ سے فریادی ہے۔

۱۱- دانہ میری ہی پرواز سے درخت کی صورت اختیار کرتا ہے اور ہر فراق/ہجر میرے ہی فیض سے وصل بنتا ہے یا وصل میں تبدیل ہوتا ہے۔

۱۲- میں عتاب بھی لاتا ہوں اور خطاب بھی اور میں ہی کسی کو پیاسا بناتا ہوں تاکہ اس کے لیے پینے کی چیز لاؤں یعنی عذاب اور ثواب لانے والا میں ہی ہوں۔

۱۳- میں ہی زندگی ہوں، میں ہی موت ہوں، میں ہی قیامت ہوں، میں ہی حسابِ حشر

ہوں، میں ہی دوزخ ہوں اور میں ہی فردوس اور میں ہی حور ہوں۔

۱۴- آدمی اور فرشتہ دونوں میرے بندھن میں بندھے یا قیدی ہیں۔ یہ چھ روزہ جہان میرا بیٹا ہے۔ (فرہنگ.....)

۱۵- ہر وہ پھول جو تو شاخ سے توڑتا/ چنتا ہے۔ وہ میں ہوں اور ہر وہ چیز جو تو دیکھتا ہے اس کی ماں/ جڑ میں ہوں۔

۱۶- یہ جہان/ کائنات میرے طلسم/ جادو میں اسیر ہے اور میرے دم یا میری پھونک سے یہ جہان ہر لمحہ بوڑھا ہو رہا ہے۔ گویا وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عمر رسیدہ ہو رہا ہے۔

۱۷- جس کسی کے بھی دل میں ''لی مع اللہ'' (کا نقش) بیٹھ گیا، اس جواں مرد/ دلیر آدمی نے میرا جادو توڑ دیا۔ (فرہنگ دیکھیے) مطلب یہ کہ ''لی مع اللہ'' کی رمز سے آشنا انسان وقت پر قابو پا لیتا ہے اور زمانہ اس کی غلامی میں آ جاتا ہے۔

۱۸- اگر تیری یہ خواہش ہے کہ میں درمیان میں نہ رہوں تو پھر تو ''لی مع اللہ'' کو عین جان سے دوبارہ پڑھ۔ گویا اگر تو چاہتا ہے کہ وقت تیری غلامی میں آ جائے یعنی تجھے بلند مرتبہ حاصل ہو تو پھر تو اسے دوبارہ پڑھ کر خود پر نافذ کر لے۔

۱۹- درنگاہِ او نمی دانم چہ بود   از نگاہم ایں کہن عالم ربود
۲۰- یا نگاہم بر دگر عالم کشود   یا دگرگوں شد ہماں عالم کہ بود
۲۱- مردم اندر کائناتِ رنگ و بو   زادم اندر عالم بے ہائے وہو
۲۲- رشتۂ من زاں کُہن عالم گسست   یک جہانِ تازہ ے آمد بدست
۲۳- از زیانِ عالمے جانم تپید   تا دگر عالم زخاکم بردمید
۲۴- تن سبک ترگشت و جاں سیارتر   چشمِ دل بینندہ و بیدار تر
۲۵- پردگی ہا بے حجاب آمد پدید   نغمہ انجم بگوشِ من رسید

۱۹- میں نہیں جانتا (یا خدا جانے) اس کی نگاہ میں کیا تھا کہ اس نے میری نگاہ سے یہ پرانا جہان اڑا لیا یعنی میں اس ہزاروں برس سے چلی آنے والی دنیا کو بھول گیا۔

۲۰- یا تو میری نگاہ کسی اور جہان پر کھل گئی یا پھر وہی پرانا جہاں دگرگوں ہو گیا۔

۲۱- میں اس رنگ و بو کی کائنات (اس مادی جہان) میں تو مر گیا اور ایک ہنگاموں اور شور و غوغا سے خالی جہان میں پیدا ہو گیا۔ غالباً عالمِ سفلی سے عالم علوی پہنچنا مراد ہے۔

۲۲- میرا تعلق اس پرانے جہان/ مادی دنیا سے ختم ہو گیا/ ٹوٹ گیا اور ایک نئی دنیا میرے

ہاتھ لگی۔

۲۳- ایک جہان کے نقصان (کھو جانے) سے میری جان تڑپ اٹھی، تا آن کہ میری خاک میں ایک نیا جہان پیدا ہو گیا۔

۲۴- میرا جسم پہلے سے زیادہ ہلکا ہو گیا اور جان پہلے سے زیادہ تیز رفتار ہو گئی جبکہ میرے دل کی آنکھ پہلے سے زیادہ دیکھنے والی (یعنی تیز نگاہ) اور پہلے سے زیادہ بیدار ہو گئی۔

۲۵- چھپی ہوئی/ پوشیدہ اشیا بے پردہ ہو کر ظاہر ہو گئیں اور (اسی اثنا میں) میرے کانوں میں ستاروں کا گیت پہنچا، میں نے ستاروں کا نغمہ سنا۔

نغمۂ انجم

(پہلا بند)

۱- عقل تو حاصلِ حیات عشق تو سرِ کائنات — پیکرِ خاک! خوش بیا ایں سوئے عالمِ جہات

۲- زہرہ و ماہ و مشتری از تو رقیبِ یک دگر — از پے یک نگاہِ تو کشمکشِ تجلیات

۳- در رہِ دوست جلوہ ہاست تازہ بتازہ نو بنو — صاحبِ شوق و آرزو دل ندہد بہ کلیات

۴- صدق و صفاست زندگی، نشو و نماست زندگی — تا ابد از ازل بتاز ملکِ خداست زندگی

۱- تیری عقل تو زندگی کا حاصل اور تیرا عشق کائنات کا بھید۔ اے مٹی کے پیکر یعنی اے انسان (اقبال) تو اس عالم جہات سے اس طرف خوشی خوشی آ۔ گویا تیرا ہماری طرف آنا تجھے مبارک ہو۔

۲- زہرہ اور چاند اور مشتری تیری وجہ سے ایک دوسرے کے رقیب بن گئے ہیں۔ تیری ایک نگاہ کی خاطر جہانِ تجلیات میں کشمکش/ کھینچا تانی پیدا ہو گئی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر کوئی (ماہ و مشتری وغیرہ) اس بات کا خواہشمند ہے کہ تو اس کی طرف آئے اور خدا کی تجلیوں کا جہان تجھے منور کرنے کے لیے بیقرار ہے۔

۳- دوست/محبوبِ حقیقی کی راہ میں نت نئے اور تازہ بتازہ جلوے ہیں۔ جو کوئی صاحبِ شوق اور آرزو والا ہے'' وہ کلیات ہی کو دل نہیں دیتا یا اس سے ہی دل نہیں لگاتا، بلکہ جزئیات کے نظارے میں بھی اس کے لیے دل کشی ہوتی ہے، اس لیے تو ہر اس تجلی جزوی (چاند ستارے) کا بھی نظارہ کر جو کُل (محبوب حقیقی) کے جلووں کا جز ہے۔

۴۔ زندگی صدق وصفا (کا نام) ہے، زندگی نشو ونما (کا نام) ہے۔ تو ازل سے ابد تک گھوڑا دوڑا، زندگی تیرے خدا کا ملک ہے۔ گویا زندگی میں صدق وصفا پیدا کرنا ہی زندگی کا اصل مقصد ہے، جس کے حصول کے لیے مسلسل جہد وعمل ضروری ہے۔ تا آنکہ انسان صاحب بقا بن جاتا اور ازل سے اب تک کا زمانہ اس کی تسخیر میں آ جاتا ہے۔

(نغمۂ انجم کا دوسرا بند)

۱۔ شوقِ غزل سرائے را رُخصتِ ہائے وہو بدہ — باز بہ رند و محتسب بادہ سبو سبو بدہ

۲۔ شام وعراق وہند و پارس خو بہ نبات کردہ اند — خو بہ نبات کردہ را تلخی آرزو بدہ

۳۔ تا بہ یم بلند موج معرکۂ بنا کند — لذتِ سیل تند رو با دلِ آبجو بدہ

۴۔ مردِ فقیر آتش است، میری وقیصری خس است — فال وفرِ ملوک را حرفِ برہنہ بس است

۱۔ تو اپنے غزل سرائی کے شوق کو ہائے وہو کی اجازت دے۔ پھر رند اور محتسب کو مٹکے بھر بھر کے شراب دے۔ مطلب یہ کہ تو (اقبال) ایسی غزل چھیڑ/گا جس سے عشق کے ہنگامی جذبے پیدا ہوں اور رند ومحتسب کو جو شرابِ عشق سے بیگانہ ہو چکے ہیں، اتنی پلا کہ وہ صرف اسی شراب کے رسیا ہو جائیں اور دوسری طرف توجہ نہ کریں۔ ان میں عشق کے سچے جذبے پیدا ہو جائیں اور انہی میں وہ محو رہیں۔

۲۔ شام اور عراق اور ہند اور ایران (کے مسلمان) مصری/شیرینی کے عادی ہو چکے ہیں۔ ان مصری کھانے کے عادیوں میں آرزو کی تلخی پیدا کر یعنی یہ مسلمان آرام طلب ہو چکے اور جہد وعمل سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ ان میں ایسے جذبے پیدا کر کہ وہ محنت اور جہد وعمل کی زندگی اپنائیں اور یوں صاحب بقا بننے کی کوشش کریں۔

۳۔ اس خاطر کہ وہ بلند موجوں والے سمندر سے معرکہ آرائی/الجھنے کا آغاز کرے، تو ندی کے دل کو تیز رو سیلاب کی لذت دے۔ ندی سے مذکورہ کمزور مسلمان اور یم بلند موج سے دنیا کی طاقتور اور غاصب قومیں مراد ہیں یعنی ان میں ایسے قومی جذبے پیدا کر دے کہ وہ ان طاقتور قوموں سے ٹکر لینے میں لذت محسوس کریں اور ان کی غلامی سے بچیں۔

۴۔ درویش/فقیر آدمی آگ ہے جبکہ امیری اور شہنشاہی تنکا ہیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت کو مٹانے/ختم کرنے کے لیے حق وصداقت پر مبنی ایک صاف اور بے باک بات کافی ہے۔ گویا ایک ظالم وجابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے والے درویش کے

لیے اس حاکم وسلطان کی شاہانہ سطوت اور اس کے دبدبہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(نغمۂ انجم کا تیسرا بند)

۱۔ دبدبۂ قلندری طنطنۂ سکندری ‌ ‌ آں ہمہ جذبۂ کلیم ایں ہمہ سحرِ سامری
۲۔ آں بہ نگاہ می کشد ایں بہ سپاہ می کشد ‌ ‌ آں ہمہ صلح و آشتی ایں ہمہ جنگ و داوری
۳۔ ہر دو، جہاں کشاستند ہر دو دوام خواستند ‌ ‌ ایں بہ دلیل قاہری آں بہ دلیلِ دلبری
۴۔ ضرب قلندری بیار سد سکندری شکن ‌ ‌ رسمِ کلیم تازہ کن رونق ساحری شکن

۱۔ قلندری دبدبہ اور سکندری شان وشکوہ (کی کیفیت کچھ یوں ہے کہ) وہ یعنی قلندری دبدبہ پورے طور پر حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کا جذبہ ہے جبکہ یہ (طنطنۂ سکندری) سراسر سحر سامری ہے۔ سامری کے جادو کا توڑ حضرت موسیٰؑ نے کیا تھا۔ اس حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ کلیمی یا قلندری صاحب بقا ہے جبکہ سکندری و سامریت کو فنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں قلندری فتح مند اور ملوکیت شکست خوردہ ہے، اسے کوئی ثبات و دوام نہیں ہے۔

۲۔ وہ یعنی قلندر تو نگاہ سے مارتا ہے جبکہ یہ (بادشاہ/حکمران) فوج کے ذریعے قتل و غارت گری کرتا ہے یعنی قلندر اپنی نگاہِ فیض اثر سے دلوں پر قابو پالیتا ہے اور یوں کسی قتل و غارت گری کے بغیر اور انسانوں کی آزادی چھینے بغیر انہیں اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔ بقولِ مولانا رومیؒ:

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

(دلوں پر قبضہ کرو یا قابو میں لاؤ یعنی انسانوں سے محبت کرکے ان کے دل جیتو کہ یہ سب سے بڑا حج ہے۔ ہزاروں کعبوں سے ایک دل زیادہ اچھا ہے) اور پنجابی صوفی کے بقول:

ع یار دی گلی دے کُتے بینے نال لاندا جائیں

قلندر کے برعکس، جو سراپا صلح اور امن ہے، بادشاہ سراسر ظلم وستم اور جنگ وحکمرانی ہے۔

۳۔ یہ دونوں قلندر اور بادشاہ دنیا کو فتح کرتے ہیں اور دونوں بقا کے آرزومند ہیں، یہ یعنی بادشاہ تو قہر وغضب اور ظلم وستم کی دلیل سے ایسا چاہتا ہے جبکہ وہ یعنی قلندر دلبری کی دلیل سے ایسا کرتا ہے۔ (شعر ۲ کی تشریح دیکھیے)۔

۴۔ تو خود میں قلندری ضرب پیدا کر اور سدِ سکندری توڑ ڈال (فرہنگ دیکھیے) رسمِ کلیمؑ تازہ کر اور سامری کی رونق ختم کر دے یا مٹا دے یعنی تو (اقبال) خود میں قلندری شان پیدا کر اور سکندری شان و شکوہ کو پاؤں تلے روند ڈال اور تو بھی حضرت موسیٰؑ کی طرح اس دور کے سامریوں/ جادوگروں کو تباہ و برباد کر کے صرف اللہ کی حکمرانی قائم کر جس میں ہر انسان صحیح معنوں میں آزاد ہو، کوئی کسی کا غلام نہ ہو اور سب انسان صرف اللہ ہی کو حاکمِ مطلق سمجھیں اور صرف اسی کے حضور سر بسجدہ ہوں۔

فلکِ قمر

(مسافر اقبال ستاروں کی دنیا سے گذر کر فلکِ قمر کی طرف جا رہا ہے)

۱۔ ایں زمین و آسماں ملک خداست — ایں مہ و پرویں ہمہ میراثِ ماست
۲۔ اندریں رہ ہرچہ آید در نظر — بانگاہِ محرمے او را نگر
۳۔ چوں غریباں در دیارِ خود مرو — اے ز خود گم اندکے بیباک شو
۴۔ این و آں حکم ترا بر دل زند — گر تو گوئی ایں مکن آں کن، کند
۵۔ نیست عالم جز بتانِ چشم و گوش — ایں کہ ہر فردائے او میرد چو دوش
۶۔ در بیابانِ طلب دیوانہ شو — یعنی ابراہیمؑ ایں بت خانہ شو
۷۔ چوں زمین و آسماں را طے کنی — ایں جہان و آں جہاں راطے کنی
۸۔ از خدا ہفت آسماں دیگر طلب — صد زمان و صد زماں دیگر طلب
۹۔ بے خود افتادن لب جوئے بہشت — بے نیاز از حرب و ضرب خوب و زشت
۱۰۔ گر نجاتِ ما فراغ از جستجوست — گور خوشتر از بہشتِ رنگ و بوست
۱۱۔ اے مسافر جاں بمیرد از مقام — زندہ تر گردد ز پروازِ مدام

۱۔ یہ زمین اور آسمان خدا تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ یہ چاند یہ پروین ستارہ یعنی ستارے سب ہماری میراث ہیں۔ نائب حق ہونے کے ناطے انسان کائنات کی ہر شے کو تسخیر کر کے اس سے فائدہ اٹھانے کا حقدار ہے یا اسے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔

۲۔ اس راستے میں جو کچھ نظر آ رہا ہے، اے مسافر تو اسے محرمانہ نگاہوں سے دیکھ یعنی اس پر غور و فکر کر، سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے مت گذر۔

۳- تو اپنے شہر میں اجنبیوں کی طرح مت چل، اے کہ تو خود کو گم کیے ہوئے ہے، ذرا بیباک ہو جا۔ اس کائنات کا وجود تیرے (انسان) ہی کے وجود کا مرہونِ منت ہے۔ تو اپنی خودی سے آگاہ ہو کر اسے مسخر کر۔ یہ تیری ہی خدمت کے لیے تخلیق ہوئی ہے۔

۴- یہ اور وہ (ساری اشیا) تیرا حکم دل سے مانتی ہیں۔ اگر تو کسی شے سے کہے کہ یہ مت کر، وہ کر تو وہ وہی کچھ کرے گی۔

۵- یہ کائنات/ جہان آنکھ اور کانوں کے بتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا ہر آنے والا کل گذرے ہوئے کل کی طرح مر جاتا ہے یعنی اس عالم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے، کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کا وجود ہمارے حواس خمسہ کی بنا پر ہے۔ (حواسِ خمسہ: سونگھنے کی قوت، چھونے کی قوت، سننے کی قوت، دیکھنے کی قوت اور بولنے کی قوت)

۶- تو طلب کے بیابان میں دیوانہ ہو جا یعنی اس بت خانہ کا ابراہیم ہو جا (فرہنگ دیکھیے) شعر ۵ کے حوالے سے مطلب یہ کہ تو اپنی معرفت حاصل کر اور اس بے حقیقت کائنات کے بت کو توڑ کر توحید پرست ہو جا جس طرح حضرت ابراہیمؑ ہوئے تھے۔

۷-۸: جب تو زمین اور آسمان کو طے کر لے اور اس جہان اور اس جہان کو طے کر لے تو پھر بھی آرام سے نہ بیٹھ بلکہ خدا سے سات آسمان اور طلب کر اور سینکڑوں نئے زمانے اور مکاں طلب کر یعنی حقیقی زندگی مسلسل جدوجہد کرنے اور حرکت میں رہنے کا نام ہے۔

۹-۱۰: بہشت کی ندی/ نہر کے کنارے بے خود پڑے رہنا اور نیکی اور بدی کی جنگ اور ضرب سے بے نیاز رہنا کوئی اچھی بات نہیں، اس لیے کہ اگر ہماری نجات جستجو سے فراغ میں ہے تو رنگ و بو کی بہشت سے قبر ہی بہتر ہے۔ یعنی بہشت میں آرام کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے اس لیے کہ ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں'' ان سب سے بے نیاز ہو کر مسلسل آگے بڑھتا چلا جا تا آنکہ محبوبِ حقیقی کی تجلیوں سے تیرا وجود منور ہو جائے۔

۱۱- اے مسافر (یہ جان لے کہ) مقام/ پڑاؤ سے جان مر جاتی ہے جبکہ مسلسل پرواز سے اور بھی زیادہ زندہ ہو جاتی ہے۔ حقیقی زندگی حرکت و عمل پیہم ہی میں ہے، سکون و بے عملی کی زندگی محض ایک چلتی پھرتی لاش کی صورت ہے۔

۱۲- ہم سفر با اختراں بودن خوش است   در سفر یک دم نیاسودن خوش است

۱۳- تا شدم اندر فضا ہا پے سپر   آنچہ بالا بود زیر آمد نظر

۱۴- تیرہ خاکے بر تراز قندیل شب سایہ من برسر من اے عجب
۱۵- ہر زماں نزدیک تر نزدیک تر تانمایاں شد کہستانِ قمر
۱۶- گفت رومی ”از گمانہا پاک شو خوگرِ رسم و رہِ افلاک شو
۱۷- ماہ از ما دور و باما آشناست ایں نخستیں منزل اندر راہِ ماست
۱۸- دیر و زود روزگارش دیدنی است غار ہائے کوہسارش دیدنی است“

۱۲- ستاروں کے ساتھ ہم سفر ہونا ایک اچھی بات ہے اور سفر میں ذرا بھی یا ایک پل کے لیے بھی آرام نہ کرنا اچھی بات ہے، لہٰذا تو اے مسافر سفر میں مصروف رہ۔

۱۳- جب میں (مسافر یعنی اقبال) فضاؤں میں مصروفِ سفر ہوا تو جو کچھ اوپر تھا وہ نیچے نظر آنے گا۔ اس سفر میں کسی قسم کی مشکل محسوس کرنے کی بجائے میرا حوصلہ بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔

۱۴- تاریک مٹی (زمین) اب مجھے رات کی قندیل سے زیادہ دکھائی دینے لگی۔ میرا سایہ میرے سر پر تھا، کیسی عجیب بات تھی یعنی زمین پر تو میرا سایہ میرے پاؤں پر تھا، یہاں مذکورہ عجیب منظر نظر آیا۔

۱۵- ہر لمحہ ہم چاند سے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے گئے تا آنکہ چاند کا پہاڑی سلسلہ نمایاں ہو گیا، نظر آنے لگا۔

۱۶- رومی جو اقبال کے ہمسفر تھے، کہنے لگے ”تو (اقبال) وہم وگمان سے پاک ہو جا، کسی شک وشبہہ میں نہ پڑ اور آسمانوں کے رسم ورہ کا عادی ہو جا۔ مطلب یہ کہ یہاں کے طور طریقے، قاعدے اور ضابطے زمین کے طور طریقوں سے مختلف ہیں، لہٰذا تو وہم و گمان کا شکار ہونے کی بجائے ان قواعد کی روشنی میں اس فضا کو دیکھ۔

۱۷- چاند ہم سے اگرچہ دور ہے (کہ ہم زمین پر رہنے والے ہیں اور وہ آسمان پر ہوتا ہے) لیکن وہ ہم سے آشنا ہے یا ہم اسے جانتے پہچانتے ہیں۔ یہ ہمارے سفر کے راستے کی پہلی منزل ہے۔

۱۸- اس (چاند) کے زمانے کے دیر اور زود دیکھنے کے لائق ہیں۔ اس کے کوہسار کی غاریں دیکھنے کے لائق ہیں۔ مطلب یہ کہ یہاں کے زمان ومکاں کی کیفیت زمینی زمان ومکاں کی کیفیت سے مختلف ہے اور اسی طرح یہاں کی جو غاریں ہیں وہ بھی زمینی غاروں سے مختلف ہیں۔

۱۹- آں سکوت آں کوہسارِ ہولناک اندروں پرسوز و بیروں چاک چاک

۲۰۔ صد جبل از خافطین و یلدرم — بردہانش دود و نار اندر شکم
۲۱۔ از درونش سبزہ ے سربر نزد — طائرے اندر فضایش پر نزد
۲۲۔ ابرہا بے نم ہوا ہا تند و تیز — بازمینِ مردہ ے اندر ستیز
۲۳۔ عالمے فرسودہ ے بے رنگ وصوت — نے نشانِ زندگی در وے نہ موت
۲۴۔ نے بنافش ریشۂ نخلِ حیات — نے بہ صلبِ روز گارش حادثات
۲۵۔ گرچہ ہست از دودمانِ آفتاب — صبح و شامِ او نزاید انقلاب

۱۹۔ وہ خاموشی اور وہ کوہسار (پہاڑی سلسلہ) بھیانک/ ڈراؤنا تھا۔ اس (چاند) کا اندر تو پرسوز تھا لیکن اس کا ظاہر چاک چاک تھا (پھٹا پھٹا سا تھا)

۲۰۔ وہاں خافطین اور یلدرم نام کے سینکڑوں آتش فشاں پہاڑ تھے جن کے دہانوں پر تو دھواں تھا لیکن ان کے پیٹ میں آگ تھی۔ آتش فشاں پہاڑ کے حوالے سے ایسا کہا ہے۔

۲۱۔ اس کے اندر سے سبزے نے سر نہ نکالا تھا اور اس کی فضا میں کوئی پرندہ محوِ پرواز نہ تھا یعنی ایسی فضا تھی جہاں نہ سبزہ تھا اور نہ کوئی پرندہ ہی نظر آ رہا تھا۔

۲۲۔ وہاں کے بادلوں میں نمی نہ تھی اور ہوائیں تند و تیز تھیں۔ یہ بادل اور ہوائیں اس کی مردہ زمین سے برسرِ پیکار تھی۔ یعنی بادلوں میں پانی بالکل نہ تھا اور زمین ایسی کہ اس میں سبزہ نہیں اگ سکتا تھا۔ اسی حوالے سے برسرِ پیکار کہا ہے، یعنی وہ زمین سے اس لیے الجھ رہے تھے کہ شاید وہ سبزہ وغیرہ اگائے جبکہ ایسی فضا میں ایسا ناممکن تھا۔

۲۳۔ وہ ایک فرسودہ جہان تھا جو رنگ اور آواز سے خالی تھا، یعنی وہاں نہ کوئی رنگ نظر آ رہا تھا اور نہ کوئی آواز ہی سنائی دے رہی تھی، نہ وہاں زندگی ہی کے کوئی آثار نظر آ رہے تھے اور نہ موت ہی کے آثار تھے۔

۲۴۔ نہ تو اس کی ناف میں زندگی کے درخت کی کوئی رگ تھی (جس کی بنا پر کوئی پودا وغیرہ اگ سکے یعنی زندگی ظاہر ہو سکے) اور نہ اس کے زمانے کی پشت ہی میں حادثات تھے۔ گویا وہ ایک بے آواز و بے رنگ وسوز اور زندگی و سبزہ سے محروم ویران جہان تھا۔

۲۵۔ اگر چہ وہ (چاند) سورج کے خاندان سے ہے (اس بنا پر کہ نظامِ شمسی سے اس کا تعلق ہے) لیکن اس کی صبح اور شام کوئی انقلاب پیدا نہیں کرتی۔ اس میں کوئی نت نئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، اور وہ محض ایک ڈگر پر قائم ہے۔

۲۶۔ گفت رومی "خیز و گامے پیش نہ — دولتِ بیدار را از کف مدہ

۲۷- باطنش از ظاہرِ او خوشتر است | در قفارِ او جہانے دیگر است
۲۸- ہرچہ پیش آید ترا اے مردِ ہوش | گیر اندر حلقہ ہائے چشم و گوش
۲۹- چشم اگر بیناست ہر شے دیدنی است | در ترازوئے نگہ سنجیدنی است
۳۰- ہر کجا رومی برد آنجا برو | یک دو دم از غیرِ او بیگانہ شو"
۳۱- دستِ من آہستہ سوئے خود کشید | تند رفت و برسرِ غارے رسید

۲۶- رومی مجھ (اقبال) سے کہنے لگے "اٹھ اور قدم آگے بڑھا، تو بیدار مقدر/نصیب کو ہاتھ سے مت دے۔ مطلب یہ کہ تو آگے بڑھے گا تو وہاں تجھے بہت سی قابل اور مفید چیزیں دیکھنے میں آئیں گی۔

۲۷- اس (چاند) کا باطن اس کے ظاہر سے کہیں/ بہت اچھا ہے۔ اس کی غاروں کے اندر ایک اور ہی دنیا ہے۔ وہی مطلب کہ اس کے اندر کی چیزیں دیدنی ہیں۔

۲۸- اے صاحب ہوش وخرد (اقبال) جو کچھ بھی تیرے سامنے آئے اسے تو اپنے چشم و گوش کے حلقوں میں لے لے۔ گویا جو کچھ بھی تجھے نظر آئے یا سنے اس پر غور وفکر کر۔

۲۹- اگر آنکھ دیکھنے والی (یا بصیرت کی حامل) ہے تو ہر شے دیکھنے کے لائق ہے اور وہ نگاہ کے ترازو میں تولنے کے لائق ہے۔ ایک صاحب بصیرت کو ہر چیز میں، خواہ اس کا تعلق زمینی کائنات سے ہے یا آسمانی دنیا سے، اس محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے، اسی بنا پر ہر شے اس کے لیے دیکھنے کے لائق ہوتی ہے۔

۳۰- رومی جہاں کہیں تجھے لے جائے تو وہاں چل اور ایک دو پل کے لیے اس (رومی) کے سوا ہر شے سے بیگانہ یا بے نیاز ہو جا۔

۳۱- اس کے بعد رومی نے آہستہ سے میرا ہاتھ اپنی طرف کھینچا اور تیز چلتے ہوئے ایک غار کے کنارے پہنچ گیا۔ ہم دونوں وہاں پہنچ گئے۔

عارفِ ہندی کہ بہ یکے از غار ہائے قمر خلوت گرفتہ

واہل ہند اورا "جہاں دوست" می گویند

(ہندوستان کا ایک عارف جس نے چاند کی ایک غار میں خلوت اختیار کر رکھی تھی اور اہل ہند جسے

''جہان دوست'' کہتے ہیں۔فرہنگ دیکھیے) گویا اس سے دونوں کی ملاقات ہوئی ہے۔

۱- من چو کوراں دست بر دوشِ رفیق | پا نہادم اندر آں غارِ عمیق
۲- ماہ را از ظلمتش دل داغ داغ | اندرو خورشید محتاجِ چراغ
۳- وہم و شک بر من شبیخوں ریختند | عقل و ہوشم را بدار آویختند
۴- راہ رفتم رہ زناں اندر کمیں | دل تہی از لذتِ صدق و یقیں
۵- تا نگہ را جلوہ ہا شد بے حجاب | صبحِ روشن بے طلوعِ آفتاب
۶- وادیِ ہر سنگِ او زنار بند | دیو سار از نخل ہائے سربلند
۷- از سرشتِ آب و خاک است ایں مقام | یا خیالم نقش بندد در منام
۸- در ہوائے او چو مے ذوق و سرور | سایہ از تقبیلِ خاکش عینِ نور
۹- نے زمینش را سپہرِ لاجورد | نے کنارش از شفق ہا سرخ و زرد
۱۰- نور در بندِ ظلام آنجا نبود | دود گردِ صبح و شام آنجا نبود
۱۱- زیرِ نخلے عارفِ ہندی نژاد | دیدہ ہا از سرمہ اش روشن سواد
۱۲- موئے بر سر بستہ و عریاں بدن | گردِ او مارے سفیدے حلقہ زن
۱۳- آدمے از آب و گل بالا ترے | عالم از دیرِ خیالش پیکرے
۱۴- وقتِ او را گردشِ ایام نے | کارِ او با چرخِ نیلی فام نے
۱۵- گفت با رومی کہ ''ہمراہِ تو کیست؟ | در نگاہش آرزوئے زندگیست''

۱- میں نے اندھوں کی طرح اپنے ہم سفر (رومی) کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور اس صورت میں اس گہری غار میں قدم رکھا۔

۲- اس (غار) کی تاریکی سے چاند کا دل داغ داغ تھا اور اس کے اندر دیکھنے کے لیے سورج بھی چراغ کا محتاج تھا۔انتہائی تاریکی مراد ہے۔

۳- وہم اور شک نے مجھ پر شب خون مارا۔انہوں (وہم و شک) نے گویا میرے ہوش و عقل کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا۔مطلب یہ کہ وہاں ایسی صورتِ حال تھی کہ ہوش و خرد اسے سمجھنے میں بے بس تھے۔

۴- میں راستہ چلتا رہا جبکہ راہزن (وہم و شک) گھات میں لگے ہوئے تھے، اور دل صدق و یقین کی لذت سے خالی تھا۔سارا راستہ مجھ پر وہم و شک کا غلبہ رہا۔

۵- تا آنکہ میری نگاہ پر جلوے ظاہر ہوگئے اور سورج کے طلوع ہوئے بغیر ہی صبح روشن ہوگئی۔

٦- (اس روشنی صبح میں) مجھے ایک وادی نظر آئی جس کا ہر ہر پتھر زنار بند تھا اور وہ (وادی) بہت اونچے اونچے درختوں کی وجہ سے دیوؤں کا ٹھکانا معلوم ہوتی تھی۔ زنار بند ہندو عارف کے حوالے سے کہا ہے۔ شاید ان پتھروں پر لکیریں ہوں گی جنہیں زنار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

٧- (میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ) یہ وادی آب و خاک کے (مادی) جہان کی سی فطرت والی ہے، یا پھر میرا خیال ہی نیند میں اس قسم کی نقش بندی کر رہا ہے۔

٨- اس کی فضا میں شراب کا سا ذوق و سرور تھا۔ سایہ اس کی خاک پر پڑنے سے سراپا نور بن رہا تھا۔

٩- نہ تو اس کی زمین کے اوپر کوئی نیلا آسمان تھا اور نہ اس کا کنارہ ہی شفق کی بنا پر سرخ اور زرد تھا۔

١٠- وہاں نور تاریکی کی قید میں نہ تھا اور نہ وہاں کی صبح اور شام کے گرد دھواں ہی تھا۔ وہاں کے صبح و شام زمینی صبح و شام سے مختلف تھے۔

١١- وہاں ایک درخت کے نیچے ایک ہندی نسل کا عارف بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اس سرمے کی وجہ سے، جو اس نے لگا رکھا تھا، بینا تھیں۔

١٢- اس نے بال سر پر لپیٹ/ باندھے رکھے تھے اور اس کا بدن ننگا تھا۔ اس کے گرد ایک سفید سانپ حلقہ بنائے بیٹھا/ پڑا تھا۔

١٣- وہ ایک ایسا آدمی تھا جو عام آدمیوں سے برتر تھا (ان جیسا نہ تھا) اور اس کے خیال کے مطابق جہان ایک پیکر تھا۔

١٤- اس کے وقت میں دنوں کی گردش نہ تھی اور اس کا نیلے رنگ کے آسمان سے کوئی سروکار نہ تھا۔ دنوں کی گردش یہی ہے کہ کبھی صبح ہو رہی ہے تو کبھی شام۔

١٥- وہ (عارف ہندی) رومیؔ سے پوچھنے لگا کہ ''تیرے ساتھ یہ کون ہے؟ اس کی نگاہ میں زندگی کی آرزو ہے۔'' یعنی اسے علامہ کی نگاہ میں ان کی حقیقی زندگی کی خواہش نظر آئی۔

رومیؔ

١- مردے اندر جستجو آوارہ ے ثابتے بافطرت سیارہ ے

۲- پختہ تر کارش زخامی ہائے او — من شہیدِ ناتمامی ہائے او
۳- شیشہ خود را بگردوں بستہ طاق — فکرش از جبریل می خواہد صداق
۴- چوں عقاب افتد بصیدِ ماہ و مہر — گرم رَو اندر طوافِ نہ سپہر
۵- حرف با اہلِ زمیں رندانہ گفت — حورو جنت رابت و بتخانہ گفت
۶- شعلہ ہا در موجِ دودش دیدہ ام — کبریا اندر سجودش دیدہ ام
۷- ہر زماں از شوق می نالد چو نال — می کشد او را فراق و ہم وصال
۸- من ندانم چیست در آب و گلش — من ندانم از مقام و منزلش

۱- (اس کے جواب میں رومیؒ نے اسے بتایا کہ) یہ ایک ایسا آدمی ہے جو تلاش میں مصروف رہتا ہے اور ایک ایسا ثابت ہے جس کی فطرت سیارے کی سی ہے۔ گویا وہ حق کی تلاش میں مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔

۲- اس کی خامیوں سے اس کا کام پختہ ہے۔ میں تو اس کی ناتمامی کا شہید ہوں۔ مطلب یہ کہ خود کو مکمل یا کامل سمجھنے والا صحیح معنوں میں ارتقاء سے محروم رہتا ہے اور جو سب کچھ حاصل کرنے کے بعد بھی خود کو نامکمل سمجھے وہ مسلسل جستجو میں لگا رہتا ہے اور یوں وہ پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ رومیؒ نے اسی حوالے سے مذکورہ بات کی ہے۔

۳- اس نے اپنی صراحی کے لیے آسمان کو طاق بنا رکھا ہے اور اس کی فکر حضرت جبرئیل جیسے فرشتہ سے تصدیق چاہتی ہے۔ گویا اس کی سوچ اور فکر زمین سے متعلق نہیں بلکہ آسمانی ہے۔

۴- وہ عقاب کی طرح چاند اور سورج کے شکار پر جھپٹتا ہے اور نو آسمانوں کے طواف میں ہمیشہ سرگرم رہتا ہے۔ وہی بات کہ اس کی تمام تر توجہ اور جستجو عالم بالا/ لاہوت سے متعلق ہے اور وہ تلاشِ حق میں لگا رہتا ہے۔

۵- اس نے اہل زمین سے رندانہ انداز میں باتیں کی ہیں اور حور و جنت کو بت اور بت خانہ کہا ہے۔ یعنی جراتمندانہ انداز میں باتیں کی ہیں اور یہ کہا یا بتایا ہے کہ انسان کا اصل مقصد محبوب حقیقی تک رسائی ہونا چاہیے، محض حور و جنت کے چکر میں پڑ کر کہ یہ اس مقصد کی راہ میں رکاوٹ ہیں، خود کو اس مقصد سے دور کرنا ہے۔

۶- میں نے اس کے دھوئیں کی لہر/ موج میں شعلے دیکھے ہیں اور کبریا/ خدا کو اس کے سجدے کے اندر دیکھا ہے۔ علامہ کے پرسوز جذبات یا فکر کی بات کی ہے، جو شعلہ

عشق کے حامل ہیں، اور یہ کہ وہ ہے تو ساجد (سجدہ کرنے والا) لیکن اس میں اس مسجود (خالق کائنات جسے سجدہ کیا جاتا ہے) کا عکس نظر آتا ہے۔

۷- وہ شوق کی بنا پر ہر وقت/لحہ بانسری کی طرح نالے کھینچتا ہے۔ اسے ہجر بھی مارتا ہے اور وصل بھی۔ چونکہ وہ عاشق صادق ہے، اس لیے وہ دونوں حالتوں میں بیقرار ہی رہتا ہے۔

۸- میں نہیں جانتا کہ اس کے جسم کے اندر کیا ہے اور نہ مجھے اس کے مقام و منزل ہی کی کچھ خبر ہے۔ مطلب یہ کہ بظاہر وہ ایک عام انسان ہے لیکن بباطن وہ ایسی صلاحیتوں اور قوتوں کا مالک ہے جن کی بنا پر اس کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ (رومیؒ کا جواب ختم ہوا)

جہاں دوست

= عالم از رنگ است و بے رنگی است حق　　چیست عالم؟ چیست آدم؟ چیست حق؟

= عالم رنگ سے ہے یعنی مادی ہے اور حق بے رنگ ہے یعنی وہ لاثانی ہے۔ عالم کیا ہے؟ آدم کیا ہے اور حق کیا ہے؟ یہ سوالات جہاں دوست/ وشوامتر نے رومیؒ سے کیے ہیں۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک عارف/ رشی ہوتے ہوئے بھی وشوامتر ان رموز و اسرار سے آگاہ نہیں ہے جن سے ایک مسلم صوفی آگاہ ہوتا ہے۔

رومی

۱- آدمی شمشیر و حق شمشیر زن　　عالمِ ایں شمشیر را سنگِ فسن

۲- شرق حق را دید و عالم را ندید　　غرب در عالم خزید، از حق رمید

۳- چشم برحق باز کردن بندگی است　　خویش را بے پردہ دیدن زندگی است

۴- بندہ چوں از زندگی گیرد برات　　ہم خدا آں بندہ را گوید صلوٰت

۵- ہر کہ از تقدیرِ خویش آگاہ نیست　　خاکِ او باسوزِ جاں ہمراہ نیست

۱- آدمی تلوار ہے اور حق تلوار چلانے والا ہے جبکہ یہ کائنات اس تلوار کے سان کا پتھر

ہے۔ اگر تلوار چلانے والا نہ ہو تو تلوار ایک بیکار چیز ہوگی، اسی طرح تلوار نہ ہو تو سان کس کام کی۔ گویا اگر خالق کائنات کا وجود نہ ہو تو آدم کا وجود بیکار ہے اور اگر آدم کا وجود نہ ہو تو اس کائنات کا وجود بے کار و بے مقصد ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کے ذریعے خدا کائنات میں اپنے احکام کرتا ہے، کائنات اس کی راہ میں مشکلات پیدا کرتی ہے جن سے انسان کی صلاحیتیں اور قوتیں تیز ہوتی چلی جاتی ہیں جس طرح تلوار سان پر تیز ہوتی ہے۔

۲۔ مشرق نے حق کو تو دیکھا لیکن عالم کو نہ دیکھا جبکہ مغرب عالم میں رینگتا رہا اور حق سے دور ہو گیا۔ اہل مشرق نے، جن کے نظریات غیر اسلامی ہیں، دین اور دنیا کو الگ الگ قرار دے کر رہبانیت اختیار کی، حالانکہ دونوں باہم لازم وملزوم ہیں۔ ان کے برعکس اہل مغرب صرف دنیا ہی کے ہو رہے اور دین سے بیگانہ ہو گئے۔ پوری طرح مادیات میں کھو گئے، مذہب و روحانیت سے بالکل کٹ گئے۔

۳۔ حق پر آنکھ کھولنا یا نگاہ کرنا ہی بندگی ہے اور خود کو بے پردہ دیکھنا ہی زندگی یعنی حقیقی زندگی ہے۔ مطلب یہ کہ حق کو بھی دیکھنا اور خود کو بھی دیکھنا خدا کی معرفت اور اپنی معرفت ہی صحیح زندگی و بندگی ہے۔

۴۔ جب کوئی بندہ زندگی سے حصہ حاصل کرتا ہے تو ایسے بندے پر اللہ تعالیٰ بھی صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے۔ مطلب یہ کہ اپنی معرفت کی بنا پر اپنی صلاحیتوں اور مخفی قوتوں سے آگاہ ہو کر اور انہیں عمل میں لانے سے ایسا انسان دینی اور دنیاوی دونوں ترقیاں حاصل کرتا ہے۔

۵۔ جو کوئی بھی اپنی تقدیر سے آگاہ نہیں ہے۔ اس کی خاک سوزِ جان کا ساتھ نہیں دیتی۔ گویا ایسا شخص اپنی تخلیق کے مقصد سے بے خبر ہے، اسی طرح وہ جسم اور روح کے باہمی اور اہم تعلق سے نا آشنا ہے، جبکہ ان دونوں کا انسان پر حق ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ وہ دین اور دنیا دونوں سے تعلق رکھے، رہبانیت کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہے۔

جہان دوست

۱۔ بر وجود و بر عدم پیچیدہ است　　مشرق ایں اسرار را کم دیدہ است

۲- کارِ ما افلاکیاں جز دید نیست　　جانم از فردائے او نومید نیست
۳- دوش دیدم بر فرازِ قشمرود　　ز آسماں افرشتہ ے آمد فرود
۴- از نگاہش ذوقِ دیدارے چکید　　جز بسوئے خاکدانِ ما ندید
۵- گفتمش از محرماں رازے مپوش　　تو چہ بینی اندر آں خاکِ خموش؟
۶- از جمال زہرہ ے بگداختی؟　　دل بہ چاہِ بابلے انداختی؟
۷- گفت "ہنگامِ طلوعِ خاور است　　آفتابِ تازہ او را در براست
۸- لعل ہا از سنگِ رہ آید بروں　　یوسفانِ او ز چہ آید بروں
۹- رستخیزے در کنارش دیدہ ام　　لرزہ اندر کوہسارش دیدہ ام
۱۰- رخت بندد از مقامِ آزری　　تاشود خوگر ز ترکِ بت گری
۱۱- اے خوش آں قومے کہ جانِ او تپید　　از گِلِ خود خویش را باز آفرید
۱۲- عرشیاں را صبحِ عیدآں ساعتے　　چوں شود بیدار چشمِ ملتے"

۱- وہ (مشرق) تو وجود اور عدم کے نظریات میں الجھا رہا ہے۔ مشرق نے یہ راز نہیں دیکھے۔ گویا اسلام مخالف اہلِ مشرق نے وجود و عدم کی باتیں تو کی ہیں لیکن ان کے حقائق و معارف پر توجہ نہیں کی اور یوں انہوں نے وجود کی نفی کر دی۔ (وشوامتر، رومی کے جواب سے متاثر ہو کر اب ان سے کہتا ہے کہ وجود و عدم کے رازوں سے ہم اہلِ مشرق ناواقف ہیں تو ہمیں ان کے بارے میں بتا)

۲- ہم آسمان پر رہنے والوں کے کام دیکھنے/ دید کے سوا کچھ نہیں۔ میری جان اس (مشرق) کے مستقبل سے ناامید نہیں ہے یعنی جو حالات مشرق کے مجھے نظر آ رہے ہیں وہ کچھ امید افزا ہی ہیں۔

۳- کل میں نے چاند کے پہاڑ (قشمرود) سے ایک فرشتے کو نیچے اترتے دیکھا۔

۴- اس کی نگاہ سے ذوق کا دیدار ٹپک رہا تھا۔ اس نے ہمارے مٹی کے جہاں (مادی دنیا) کے سوا اور کسی طرف نہ دیکھا۔

۵- میں (وشوامتر) نے اس (فرشتے) سے کہا کہ تو اپنے رازداروں سے کوئی راز نہ چھپا۔ تو اس خاموش خاک میں کیا دیکھ رہا ہے؟

۶- کیا تو (ستارۂ) زہرہ کے حسن سے پگھل گیا ہے؟ کیا تو نے بابل کے کنویں میں اپنا دل ڈال دیا ہے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۷- فرشتے نے جواب میں کہا کہ مشرق میں سورج طلوع ہونے کا وقت آ گیا ہے اور ایک نیا سورج اس کے پہلو میں ہے یعنی میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مشرق میں انقلاب آنے والا ہے اور اس کی غلامی کی تاریک رات آزادی کے سورج سے روشن ہونے والی ہے۔

۸- اس (مشرق) کے راستے کے پتھروں سے لعل نکلیں گے اور اس کے یوسف کنویں سے باہر آئیں گے۔ (فرہنگ.....) گویا مشرق کے لوگ بھی غلامی اور زوال کے کنویں سے نکل کر آزادی اور ترقی کا حسن پھیلانے والے ہیں۔

۹- میں نے اس (مشرق) کے پہلو میں ایک قیامت دیکھی ہے، اور اس کے کوہسار کو لرزتے کانپتے دیکھا ہے۔ قیامت یعنی ہنگامہ۔ (یہ ساری باتیں فرشتہ، وشوامتر کی بات کے جواب میں کہہ رہا ہے)

۱۰- وہ آزری کے مقام سے اپنا سامانِ سفر باندھ رہا ہے تا کہ وہ بت تراشی کو ترک کرنے کا عادی ہو جائے۔ (فرہنگ.....) مطلب یہ کہ اہل مشرق اپنے غاصب آقاؤں کے خلاف نبرد آزما ہونے والے ہیں۔

۱۱- وہ قوم بڑی مبارک قوم ہے جس کی جان تڑپی اور اس نے اپنی مٹی سے خود کو پھر سے پیدا کر لیا۔ گویا وہ غلامی اور زوال کے دور سے آزادی اور ترقی کے دور میں آ گئی۔

۱۲- اہل عرش/آسمان کے لیے وہ گھڑی عید کی صبح ہوتی ہے جب کسی قوم کی آنکھ بیدار ہو جاتی ہے یعنی اس میں اپنے اچھے اور برے کو دیکھنے کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۳- پیرِ ہندی اندکے دم درکشید — باز درمن دید و بے تابانہ دید
۱۴- گفت ''مرگِ عقل؟'' گفتم ترکِ فکر — گفت ''مرگِ قلب؟'' گفتم ترکِ ذکر
۱۵- گفت تن؟ گفتم کہ زاد از گردِ رہ — گفت جاں؟ گفتم کہ رمزِ لا الٰہ
۱۶- گفت آدم؟ گفتم از اسرارِ اوست — گفت عالم؟ گفتم او خود روبروست
۱۷- گفت ایں علم و ہنر؟ گفتم کہ پوست — گفت حجت چیست؟ گفتم روئے دوست
۱۸- گفت دینِ عامیاں؟ گفتم شنید — گفت دینِ عارفاں؟ گفتم کہ دید
۱۹- از کلامم لذتِ جانش فزود — نکتہ ہائے دل نشیں برمن کشود

۱۳- ہندی بزرگ (وشوامتر فرشتے کی باتیں سن کر) کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور بیقراری کے ساتھ دیکھا۔

۱۴- اس نے مجھ سے پوچھا ''عقل کی موت کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ وہ فکر کو ترک

کر دینا ہے۔ پھر اس نے پوچھا ''دل کی موت کیا ہے؟'' میں نے کہا وہ ذکر کا ترک کر دینا ہے یعنی محبوبِ حقیقی کے عشق سے دل خالی کر لینا ہے۔

۱۵- پھر اس نے سوال کیا کہ ''تن کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ وہ راستے کی گرد سے پیدا ہوا ہے، اس کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا ''جان کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ وہ ''لا الہٰ'' کی رمز ہے۔ گویا لا الہٰ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کی حقیقت کو سمجھا جائے تو اس سے یہ راز واضح ہو جائے گا کہ اس کائنات میں جان اور جسم وغیرہ جو کچھ بھی ہے، سبھی اس ذاتِ حق کا پرتو ہے، اپنے آپ اس کا کوئی وجود نہیں، لہٰذا توجہ کا اصل مرکز وہی خالق و مالک ہے۔

۱۶- اس (وشوامتر) نے پوچھا ''آدم کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا، وہ اس اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ پھر اس نے پوچھا ''عالم کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ وہ خود سامنے ہے۔ گویا آدم خدا کا نائب یا خلیفۃ الارض ہے، اسے اسی مقام پر فائز ہو کر دیکھا جا سکتا ہے اور کسی نبی یا ولی میں وہ صحیح معنوں میں نظر آتا ہے۔ رہا عالم تو وہ الٰہی / خدائی رازوں میں سے نہیں ہے'' وہ تو وہی کچھ ہے جو سامنے ہے، دیکھنے پر بظاہر اس کا وجود ہے لیکن درحقیقت نہیں ہے۔

۱۷- اس نے پوچھا کہ ''یہ علم و ہنر کیا ہے؟'' میں نے کہا کہ یہ محض چھلکا ہے، یعنی یہ مغز سے خالی ہے اور اس سے آدمی کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ ''حجت کیا ہے؟'' میں نے کہا محبوب یعنی محبوب حقیقی کا چہرہ۔ گویا محبوب کے چہرے کا دیدار ہو جائے تو محبوب کے اثباتِ وجود کا یقین ہو جاتا ہے، اس کے لیے عقلی دلیل کی ضرورت نہیں، یہاں حجت سے مراد خدا کے وجود کے اثبات کی دلیل ہے اور اس کے لیے اس کا مشاہدہ شرط ہے۔

۱۸- اس نے پوچھا ''عام لوگوں کا دین کیا ہے؟'' میں نے کہا کہ وہ سنی سنائی باتوں پر بھروسے کا نام ہے۔ گویا انہوں نے مشاہدہ کرنے والے انسانوں کی باتیں سن کر ان پر یقین کیا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا ''عارفوں کا دین کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا، وہ دید ہے یعنی وہ خود تحقیق کر کے حقیقت کا مشاہدہ کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۹- میری یہ باتیں سن کر پیر ہندی کی جان کی لذت میں اضافہ ہوا اور اس لذت سے لطف اندوز ہو کر اس نے مجھ پر چند دل نشین نکتے کھولے، واضح کیے۔

نہ تاسخن از عارفِ ہندی

(عارفِ ہندی کی ۹ باتیں)

(۱)

= ذاتِ حق رانیست ایں عالم حجاب　　غوطہ را حایل نگردد نقشِ آب

= ذاتِ حق کے لیے یہ کائنات پردہ نہیں ہے۔ پانی کی سطح کا نقش غوطہ لگانے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

مطلب یہ کہ یہ کائنات خالق کے ناموں/ اسما اور صفات کا ظہور ہے، یعنی اس کی جلوہ گاہ ہے۔ نقشِ آب کے استعارے میں اس کی وضاحت ہے یعنی پانی کا نقش خود پانی ہی کی ایک شان ہے اور یہ نقش غوطہ خور کے لیے رکاوٹ نہیں بنتا، بعینہ یہ کائنات اس خالق کی جلوہ گری ہی کی ایک شان ہونے کے باعث خالق کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتی۔

(۲)

= زادن اندر عالمے دیگر خوش است　　تاشبابِ دیگرے آید بدست

= کسی اور جہان میں (مادی دنیا میں پیدا ہونے کے بعد) پیدا ہونا اچھی بات ہے، خوش آیند ہے تاکہ ایک اور جوانی ہاتھ لگ جائے۔ گویا اس دنیا میں پیدا ہونا مجبوری جبکہ دوسری میں پیدا ہونا اختیار ہے۔ انسان اس زمان و مکاں کا طلسم توڑ کر اس کی قید سے آزاد ہو جاتا اور ایسے جہان میں پہنچتا ہے جہاں وہ نہ بوڑھا ہوتا اور نہ مرتا ہے، وہ صاحبِ بقا بن جاتا ہے۔ ایسی زندگی سے آگاہی کے لیے کسی صاحبِ فقر و معرفت ہی کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے جو اس کے طریقے سے باخبر ہے۔

(۳)

۱۔ حق ورائے مرگ و عینِ زندگی است　　بندہ چوں میرد نمی داند کہ چیست؟

۲۔ گرچہ ما مُرغانِ بے بال و پریم　　از خدا در علمِ مرگ افزوں تریم

۱-۲: حق موت سے ماورا اور سراپا زندگی ہے۔ بندہ جب مرتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ یہ یعنی حق کیا ہے؟ اگرچہ ہم بال و پر کے بغیر پرندے ہیں لیکن موت کے بارے میں ہمارا

علم خدا (کے علم) سے زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ ''حی و قیوم'' ہے یعنی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ انسان کی موت اس باعث ہے کہ حق تعالیٰ سراپا حیات ہے اور انسان کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ اگر وہ خود میں الٰہی صفات پیدا کرلے تو وہ صاحب بقاء بن جائے گا۔ اس کی جسمانی موت تو ایک لازمی امر ہے لیکن مذکورہ صفات پیدا کرنے کے باعث وہ روحانی طور پر ہمیشہ زندہ رہے گا، ایسی زندگی سے عام آدمی بے خبر ہے۔ چوتھے مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ جسمانی موت تو صرف انسان کی ہوتی ہے اور کائنات کی ہر شے کو فنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو حی و قیوم ہے۔

(۴)

۱- وقت؟ شیرینی بزہر آمیختہ — رحمتِ عامے بقہر آمیختہ
۲- خالی از قہرش بہ بینی شہر و دشت — رحمتِ او ایں کہ گوئی در گذشت

۱-۲: وقت کیا ہے؟ وقت ایک ایسی شیرینی ہے جس میں زہر ملا ہوا ہے، ایک ایسی عام رحمت ہے جس میں قہر ملا ہوا ہے۔ تو شہر اور بیابان (آبادی اور ویرانے) کو وقت کے قہر کی بنا پر خالی پائے گا۔ اس کی رحمت یہ ہے کہ تو کہے وقت گذر گیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ کائنات میں خدا تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی صفت ہر لحہ جلوہ گر ہوتی رہتی ہے، اس لحاظ سے وقت/ زمانہ اس کی صفات کے ظہور کا تسلسل ہے اس کے تسلسل کا نام ہے۔ اسی بنا پر حضور اکرم کا ارشاد ہے کہ ارشاد خداوندی ہے ''زمانے کو برا مت کہو، اس لیے کہ میں خود ہی زمانہ ہوں۔'' جمال اور جلال اللہ تعالیٰ کی دو صفات/ شانیں ہیں۔ جمال رحمت کی اور جلال قہر کی علامت ہے۔ اس لحاظ سے شان جمال/ رحمت تو آباد کرتی ہے جبکہ شان جلال برباد کرتی ہے۔ اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ وقت شیریں بھی ہے اور زہر بھی۔ اس کے قہر سے آبادیاں اور بیابان خالی یا برباد ہو جاتے ہیں جبکہ اس کی رحمت/ شان جمال سے وہ بھر جاتے یا پوری طور پر آباد ہو جاتے ہیں۔

(۵)

۱- کافری مرگ است اے روشن نہاد — کے سزد بامردہ غازی راجہاد
۲- مردِ مومن زندہ و باخود بجنگ — برخود افتد ہمچو برآہو، پلنگ

۱-۲: اے روشن فطرت/ضمیر السان (اقبال) یہ جان لے کہ کافری (خدا کے وجود سے انکار) موت ہے۔ غازی کے یہ کیونکر شایان ہے یا اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مردے سے جہاد کرے۔ مردِ مومن زندہ ہے اور وہ اپنے آپ سے برسرِ پیکار ہے۔ وہ (مومن) خود پر کچھ اس انداز میں جھپٹتا ہے جیسے چیتا، ہرن پر جھپٹتا ہے۔ گویا معرفت حق صحیح معنوں میں ایمان ہے اور ایسی معرفت سے خالی ہونا کفر ہے۔ مومن چونکہ معرفتِ حق کے جذبے سے سرشار ہے اس لیے وہ زندہ یعنی صاحب بقاء ہے۔ اسی بنا پر وہ مردے سے نہیں خود اپنی ذات سے جنگ آزما رہتا ہے۔ اپنی ذات سے جنگ آزمائی دراصل اپنے نفس کے خلاف جنگ ہے جو کفر کے خلاف جنگ/ جہاد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کفر کے خلاف بھی مردِ مومن جہاد کرتا ہے کہ یہ اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔

(۶)

= کافرِ بیدار دل پیشِ صنم   بہ ز دیندارے کہ خفت اندر حرم

= کسی بت کے سامنے بیٹھا ہوا ایک بیدار دل کافر اس دین دار سے افضل ہے جو کعبہ میں سویا ہوا ہے یعنی ایک ایسا کافر جو پورے دلی جذبے کے ساتھ بت کی پوجا کرتا ہے۔ اس مومن/ مسلمان سے بہتر ہے جو مسجد میں سوئے ہوئے دل کے ساتھ یعنی صحیح معنوں میں دلی توجہ کے بغیر عبادت کرتا ہے۔ بظاہر وہ عبادت کر رہا ہوتا ہے لیکن دل اس کا کہیں اور یا خیالوں میں کھویا ہوتا ہے۔ اصل عبادت حضورِ قلب سے ہے۔

(۷)

= چشم کور است ایں کہ بیند ناصواب   ہیچ گہ شب را نہ بیند آفتاب

= جو آنکھ برائی کو دیکھتی ہے وہ اندھی ہے، اس لیے کہ سورج کو کسی بھی جگہ رات نظر نہیں آتی۔ مطلب یہ کہ اچھے انسان کو ہر جگہ اچھائی ہی نظر آتی ہے جبکہ برے کو برائی ہی برائی نظر آتی ہے۔

(۸)

۱- صحبتِ گل دانہ را سازد درخت   آدمی از صحبتِ گل تیرہ بخت

۲- دانہ از گِل می پذیرد پیچ و تاب تا کند صیدِ شعاعِ آفتاب

۱-۲: مٹی کی صحبت سے دانہ درخت کی صورت اختیار کر جاتا ہے (بیج کا بڑھ کر پھول کر درخت بننا مٹی/ زمین کے طفیل ہے) جبکہ آدمی مٹی کی صحبت سے تیرہ بخت/ بدنصیب ہو جاتا ہے۔ دانہ مٹی کے اندر یعنی زمین میں پیچ و تاب کھا کر اس سے باہر نکل آتا ہے تا کہ وہ آفتاب کی شعاع کو شکار کرے۔ آدمی کا مٹی کی صحبت سے تیرہ بخت ہونا، اس لحاظ سے ہے کہ جب کوئی انسان مادیات سے خود کو وابستہ کر لیتا ہے اور روحانیت اور جذبہ عشق سے دور رہتا ہے تو وہ اس طرح صاحبِ بقا نہیں بن پاتا اور مقام و مرتبہ سے محروم رہتا ہے۔ اگر وہ اس جذبہ سے سرشار ہو جائے تو خوش بختی اور بلند مرتبگی اس کا مقدر بنے گی۔ ان اشعار میں بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک ہی چیز مختلف اشیاء پر ان کی فطرت کے مطابق اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی مثال دانے/ بیج اور آدمی کی مٹی سے صحبت کی صورت میں دی گئی ہے۔ (کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے)

(۹)

۱- من بہ گل گفتم بگو اے سینہ چاک چوں بگیری رنگ و بو از باد و خاک؟

۲- گفت گل اے ہوشمندِ رفتہ ہوش چوں پیامے گیری از برقِ خموش؟

۳- جاں بہ تن مارا ز جذبِ این و آں جذبِ تو پیدا و جذبِ ما نہاں

۱- میں نے پھول سے کہا کہ اے سینہ چاک تو ذرا یہ تو بتا کہ تو ہوا اور مٹی سے رنگ اور خوشبو کیونکر یا کیسے حاصل کرتا ہے؟

۲-۳: پھول نے جواب میں کہا کہ اے ہوش سے خالی صاحبِ ہوش، تو خاموش بجلی سے پیغام کیسے حاصل کرتا ہے؟ ہمارے جسم میں جو جان ہے وہ اس اور اس کے جذب سے ہے (این سے مراد خاک اور آن سے مراد ہوا) تیرا جذب ظاہر ہے اور ہمارا جذب پوشیدہ ہے۔ گویا خالق کائنات نے ہر شے کو ایسی قوت سے نوازا ہوا ہے جو ان عناصر کو جذب کر سکے جو اس کی نشو و نما کے لیے یا اسے اس کے ارتقائی مقام تک پہنچانے کے لیے بنیادی شرط اور ضروری ہیں۔ اس کی مثال پھول اور باد و خاک ہیں۔ خود ان دو میں رنگ و بو نہیں ہے لیکن پھول یہ دونوں صفتیں انہی کی بدولت حاصل کرتا ہے۔ دوسری مثال برق خاموش یعنی ٹیلی گراف کی ہے جس کے ذریعے

ہم دور دور یا دوسرے شہروں میں بیٹھے ہوئے دوستوں عزیزوں وغیرہ تک پیغام پہنچا سکتے ہیں۔ گویا یہ بجلی خود تو خاموش ہے لیکن اس کے ذریعے بھیجے ہوئے پیغام ایک طرح سے گویائی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ پھول اس قسم کی مثال دے کر عارف سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ تو اس امر پر حیران کیوں ہے۔ اس قسم کی قوتِ جاذبہ کہیں پوشیدہ اور کہیں نمایاں اور ظاہر ہے۔

جلوۂ سروش

(فرشتۂ غیب کا ظہور)

۱- مردِ عارف گفتگو را در بہ بست | مستِ خود گردید و از عالم گسست
۲- ذوق و شوق او را ز دستِ او ربود | در وجود آمد ز نیرنگِ شہود
۳- در حضورش ذرہ ہا مانندِ طور | بے حضورِ او نہ نور و نے ظہور
۴- نازنینے در طلسم آں شبے | آں شبے بے کوکبے را کوکبے
۵- سنبلستانِ دو زلفش تا کمر | تاب گیر از طلعتش کوہ و کمر
۶- غرق اندر جلوۂ مستانہ ے | خوش سرود آں مستِ بے پیمانہ ے
۷- پیشِ او گردندہ فانوسِ خیال | ذوفنوں مثل سپہر دیر سال
۸- اندر آں فانوس پیکر رنگ رنگ | شکرہ بر کنجشک و برآہو، پلنگ
۹- من بہ رومی گفتم "اے دانائے راز | بر رفیقِ کم نظر بکشائے راز"
۱۰- گفت "ایں پیکر چو سیم تابناک | زاد در اندیشۂ یزدانِ پاک
۱۱- بازبے تابانہ از ذوقِ نمود | در شبستانِ وجود آمد فرود
۱۲- ہمچو ما آوارہ و غربت نصیب | تو غریبی، من غریبم، او غریب
۱۳- شانِ او جبریلی و نامش سروش | می برد از ہوش و می آرد بہوش
۱۴- غنچۂ مارا کشود از شبنمش | مردہ آتش زندہ از سوزِ دمش
۱۵- زخمۂ شاعر بسازِ دل ازوست | چاکہا در پردۂ محمل ازوست
۱۶- دیدہ ام در نغمۂ او عالمے | آتشے گیر از نوائے او دمے"

۱- (اب) مرد عارف یعنی وشوامتر نے گفتگو کا دروازہ بند کر دیا (خاموش ہو گیا) وہ

اپنے آپ میں مست ہو گیا اور اس نے عالم سے اپنا ناتا توڑ لیا، قطع تعلق کر لیا۔

۲- اس کے ذوق وشوق نے اسے اس کے ہاتھ سے چھین لیا (وہ بے خود و مست ہو گیا) اور وہ شہود کا طلسم توڑ کر وجود میں آ گیا۔ شہود یہ ظاہری عالم جو نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس کا وجود نہیں ہے اور یہاں وجود سے مراد ایسا وجود جو انسانی آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور یہ خالق کائنات کا وجود ہے۔ گویا وشوامتر اس مادی دنیا سے ناتا توڑ کر ذات حق کی صفات کی جلوہ گری میں محو ہو گیا۔

۳- اس کی حضوری سے ذرے طور کی مانند ہو گئے۔ اس کی حضوری کے بغیر نہ تو کوئی نور تھا اور نہ کوئی ظہور ہی تھا۔

۴- اس رات کے طلسم کے اندر ایک نازنین/ حسینہ ظاہر ہوئی، جو اس بے ستارہ رات کے لیے گویا ستارہ تھی۔ انتہائی حسین وجمیل تھی۔

۵- اس کی دونوں زلفوں کے سنبلستان اس کی کمر تک لٹکے ہوئے تھے اور اس کے چمکتے چہرے سے پہاڑ اور کمر (پہاڑ کے درمیان تنگ راستہ) روشنی حاصل کر رہے تھے۔

۶- وہ مستانہ جلوے میں ڈوبی ہوئی/ محو تھی۔ شراب کا پیالہ پیے بغیر اس مست (نازنین) نے اچھا/ دلکش نغمہ چھیڑا۔

۷- اس کے سامنے خیال کا فانوس/ شمعدان گردش کر رہا تھا، جو بے حد قدیم آسمان کی طرح ذوفنون تھا۔ گویا وہ دل لبھانے کی بہت سی تدبیریں جانتی تھی۔

۸- اس فانوس کے اندر قسم قسم کے، طرح طرح کے پیکر تھے۔ باز، چڑیا پر اور چیتا ہرن پر جھپٹتا نظر آ رہا تھا۔

۹- میں (اقبال) نے رومی سے کہا کہ اے دانائے راز اپنے اس کم عقل ساتھی پر یہ راز کھول (یہ نازنین کون ہے)

۱۰- وہ بولے کہ یہ چاندی کی طرح کا چمکتا ہوا پیکر خدائے پاک کی مشیت/ فکر میں پیدا ہوا۔

۱۱- پھر یہ پیکر ذوقِ نمود/ نمائش سے بیقرار/ بیتاب ہو کر وجود کے شبستان میں اتر آیا۔ مطلب یہ کہ اس نے وجود اختیار کر لیا۔

۱۲- یہ ہماری طرح بے مقصد گھوم رہا ہے اور بے وطن ہے۔ تو بھی بے وطن ہے، میں بھی بے وطن ہوں اور وہ بھی بے وطن ہے۔

۱۳- اس کی شان جبرئیل کی سی اور اس کا نام سروش ہے۔ وہ ہوش لے جاتا اور ہوش لاتا

ہے یعنی جب وہ کسی کے سامنے نمودار ہوتا ہے تو اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں اور جو کوئی بیہوش ہوتا ہے وہ اس کی اس نموداری سے ہوش میں آ جاتا ہے۔

۱۴- ہماری کلی کا کھلنا اس کی شبنم کے باعث ہے اور اس کے سوز کے دم سے بجھی ہوئی آگ جلنے لگتی ہے۔

۱۵- دل کے ساز پر شاعری مضراب اس سے ہے۔ محمل کے پردے میں چاک اس سے ہیں۔

۱۶- میں نے اس کے نغمہ کے اندر ایک دنیا دیکھی ہے۔ تو بھی کچھ دیر کے لیے اس کی نوا/نغمہ سے حرارت حاصل کر۔

نوائے سروش

۱-	ترسم کہ تو می رانی زورق بسراب اندر	زادی بہ حجاب اندر میری بہ حجاب اندر
۲-	چوں سرمۂ رازی را از دیدہ فروشستم	تقدیر امم دیدم پنہاں بکتاب اندر
۳-	برکشت و خیاباں پیچ، برکوہ و بیاباں پیچ	برقے کہ بخود پیچد میرد بہ سحاب اندر
۴-	با مغربیاں بودم پُرجستم و کم دیدم	مُردے کہ مقاماتش ناید بہ حساب اندر
۵-	بے دردِ جہانگیری آں قرب میسر نیست	گلشن بگریباں کش اے بو بہ گلاب اندر
۶-	اے زاہدِ ظاہر بیں گیرم کہ خودی فانی است	لیکن تو نمی بینی طوفاں بہ حباب اندر
۷-	ایں صوتِ دل آویزے از زخمۂ مطرب نیست	مہجورِ جناں حورے نالد بہ رباب اندر

۱- مجھے یہ ڈر ہے کہ تو سراب میں کشتی چلاتا رہے گا۔ تو حجاب/ پردے میں پیدا ہوا ہے اور حجاب ہی میں مر جائے گا۔ سراب سے مراد عقل ہے۔ مطلب یہ کہ صرف عقل ہی کے ذریعے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرنا ایک بیکار مشغلہ ہے، حقیقت اس کے لیے پردے ہی میں رہے گی۔ حقیقت سے آگاہی کے لیے جذبۂ عشق کا ہونا ایک بنیادی امر ہے۔

۲- جب میں نے اپنی آنکھوں سے رازیؔ کا سرمہ دھو ڈالا تو میں نے قوموں کی تقدیر کتاب کے اندر چھپی دیکھی۔ رازیؔ کی تفسیرِ قرآن عقل و حکمت کی حامل ہے، جس سے قرآن کریم میں پوشیدہ رازوں کو سمجھنا ممکن نہیں۔ ہاں اگر یقینِ کامل اور سچے جذبۂ عشق سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہ راز منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔

۳- (اے مخاطب تو ایک بجلی ہے) تو بادل کے اندر ہی خود پر نہ گر بلکہ بادل سے باہر نکل

کر کھیت، باغ اور کوہ و بیاباں پر گر، کیونکہ جو بجلی اپنے اندر اندر ہی گرتی ہے، وہ بادل ہی میں مر جاتی یا رہ جاتی ہے، اور اس طرح وہ حصول مقصد (جلانے) میں ناکام رہتی ہے۔ کشت و خیابان سے مراد گویا باطل قوتیں ہیں اور بجلی استعارہ ہے مردِ مومن کا۔ اگر مردِ مومن باطل قوتوں سے ٹکرا کر انہیں ختم نہیں کرتا یا تباہ نہیں کرتا تو اس کی زندگی بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے جس کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہے۔

۴۔ میں اہل مغرب کے ساتھ رہا ہوں۔ وہاں میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجھے کوئی ایسا آدمی/ مرد نظر نہیں آیا جس کے مقامات بے شمار ہوں یعنی اہل مغرب مادیات ہی میں محو ہیں اور عشق و روحانیت سے دور ہیں جس کے باعث ان میں کوئی بھی بلند مرتبہ اور بے حساب/ شمار مقامات کا حامل آدمی نہیں ہے۔

۵۔ تسخیر کائنات کی محنت اٹھائے بغیر وہ قرب/نزدیکی حاصل نہیں ہوتا۔ اے گلاب کے اندر کی خوشبو ہی پر اکتفا کرنے والے تو گلشن کو اپنے گریبان میں لے۔ گویا جذبۂ عشق سے سرشار اور اپنی معرفت سے آگاہ ہو کر کائنات تسخیر کیے بغیر قربِ الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔

۶۔ اے ظاہر بیں زاہد میں مانتا ہوں کہ خودی فانی ہے، لیکن کیا تو بلبلے کے اندر موجود طوفان کو نہیں دیکھتا۔ بلبلا دل کا اور طوفان عشق کا استعارہ ہے۔ مطلب یہ کہ دل میں جذبۂ عشق کا ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ خودی فانی نہیں ہے۔

۷۔ یہ دل آویز آواز مطرب کے مضراب سے پیدا نہیں ہو رہی بلکہ یہ جنت سے بچھڑی ہوئی ایک حور ہے جو رباب کے اندر نالہ و فریاد کر رہی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ عام قسم کی شاعری نہیں ہے، بلکہ جذبۂ عشق سے سرشار اور درد دل رکھنے والے عاشق کی آواز ہے۔

حرکت بہ وادیِ یرغمید کہ ملائکہ اورا

وادیِ طواسین می نامند

(وادیِ یرغمید کی طرف کوچ/ سفر، جسے یعنی یرغمید کو فرشتے وادیِ طواسین کے نام سے یاد کرتے ہیں)

۱۔ رومی آں عشق و محبت را دلیل ۔۔۔ تشنہ کاماں را کلامش سلسبیل

۲۔ گفت ”آں شعرے کہ آتش اندروست ۔۔۔ اصلِ او از گرمیِ ”اللہ ھو“ ست

۳- آں نوا گلشن کند خاشاک را — آں نوا برہم زند افلاک را
۴- آں نوا برحق گواہی می دہد — بافقیراں پادشاہی می دہد
۵- خون ازو اندر بدن سیار تر — قلب از روح الامیں بیدار تر
۶- اے بسا شاعر کہ از سحرِ ہنر — رہزنِ قلب است و ابلیس نظر
۷- شاعرِ ہندی، خدایش یار باد — جانِ او بے لذتِ گفتار باد
۸- عشق را خنیاگری آموختہ — باخلیلاں آزری آموختہ
۹- حرفِ او چاویدہ و بے سوز و درد — مرد خوانند اہلِ درد او را نہ مرد
۱۰- زاں نوائے خوش کہ نشناسد مقام — خوشتر آں حرفے کہ گوئی در منام
۱۱- فطرتِ شاعر سراپا جستجوست — خالق و پروردگارِ آرزوست
۱۲- شاعر اندر سینہ ملت چو دل — ملتے بے شاعرے انبارِ گل
۱۳- سوز و مستی نقشبندِ عالمے است — شاعری بے سوز و مستی ماتمے است
۱۴- شعر را مقصود اگر آدم گری است — شاعری ہم وارثِ پیغمبری است''

۱-۲: رومیؔ نے، جو عشق و محبت کی دلیل ہیں اور جن کا (عارفانہ) کلام (عشق کے) پیاسوں کے لیے سلسبیل کی حیثیت رکھتا ہے، مجھ (اقبال) سے کہا کہ وہ شعر جس کے اندر آگ ہے، اس کی اصل/ بنیاد ''اللہ ھو'' کی گرمی سے ہے۔ ایسا شعر محبوبِ حقیقی/ خدا کی گواہی دینے والا ہے۔ گویا جو شعر یقین اور حق وصداقت کا حامل ہے وہ عظمت اور قدر وقعت والا ہے۔ (شعر سے مراد شاعری ہے)

۳- ایسی نوا (شاعری) خاشاک کو گلشن بنا دیتی ہے اور افلاک کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ گویا ایسی شاعری قاری اور سامع دونوں میں انقلاب پیدا کرتی ہے جس کے نتیجے میں وہ (قاری) اپنے خارج میں بھی انقلاب پیدا کرنے کی قوت وصلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔

۴- ایسی نوا/ شاعری حق پر گواہی دیتی اور فقیروں کو بادشاہی عطا کرتی ہے۔ اسی انقلاب کی بدولت ایک معمولی انسان بھی عظمت و مرتبہ والا بن جاتا ہے۔

۵- اس (شاعری) سے خون بدن میں تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے، اور اس کی بنا پر دل روح الامین/ جبرئیل سے زیادہ بیدار ہو جاتا ہے۔ یہ سب نتیجہ ہے ایسی شاعری سے اثر پذیری کا۔ اس سے دلِ قاری جذبوں سے سرشار ہو جاتا ہے۔

۶- اے کہ بہت سے شاعر اپنے فن کے جادو سے دل کے رہزن اور نظر کے ابلیس ہیں۔

گویا ان کی شاعری سے قاری کا دل پاکیزگی وطہارت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے نظر کے زاویے شیطانی قسم کے ہو جاتے ہیں۔

۷- ہندوستان کے شاعر کا خدا یار ہو اور اس کی جان لذتِ گفتار سے محروم ہو جائے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے نوازے اور وہ اس قسم کی بیہودہ شاعری کرنے سے باز آ جائے۔ علامہ نے ضرب کلیم میں ''ہنرورانِ ہند'' کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے۔ اس کے آخری دو شعر ملاحظہ ہوں:

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گرو افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

۸- اس ہندی (اردو کے) شاعر نے عشق کو راگ رنگ سکھا دیا ہے اور خلیلوں یعنی توحید پرستوں کو آزری (بت پرستی) سکھا دی ہے۔ گویا اس کی شاعری نفسانی خواہشات پوری کرنے کا ایک ذریعہ بنا ہوا ہے۔

۹- اس کے الفاظ چاویدہ اور درد و سوز سے خالی ہیں۔ اہل درد اس شاعر کو مرد نہیں مردہ کہتے ہیں۔ گویا یہ شاعری محض بے مقصد شور شرابا ہے۔

۱۰- اس بظاہر اچھی نوا/ شاعری سے، جو اپنے نچلے اونچے سروں سے ناآشنا ہے، وہ بات بہتر ہے جو تو نیند یا خواب میں کرتا ہے۔ جس شاعری سے آدمی میں تعمیری جذبے پیدا نہ ہوں اس سے بہتر تو نیند میں کی جانے والی بڑبڑاہٹ ہے۔

۱۱- (ایک صحیح) شاعر کی فطرت پورے طور پر جستجو ہے۔ وہ آرزو کی تخلیق کرنے والا اور اسے نشو ونما دینے والا ہے یعنی وہ ہر لمحہ نئے سے نئے افکارِ عظیم و پاکیزہ تلاش کرتا رہتا اور اس تلاش کی وساطت سے وہ قاری و سامع میں تلاش حق، حقیقت تک رسائی اور انسانیت کے مقام کی معرفت کی خواہش پیدا کرتا ہے۔

۱۲- شاعر تو ملت کے سینے میں گویا دل ہے۔ شاعر کے بغیر جو ملت ہے، وہ محض مٹی کا ڈھیر ہے۔ صحیح اور حقیقی شاعر اپنی قوم میں زندہ جذبے پیدا کرتا ہے۔ ایسے شاعر سے محروم قوم ایک طرح سے مردہ ہے۔

۱۳- سوز اور مستی (یعنی جذب و عشق) ایک عالم کی نقشبند ہے۔ سوز و مستی سے خالی شاعری

ایک طرح سے ماتم کرنا ہے۔ سوز والی شاعری دنیا کو زندہ رکھنے والی ہے، اور چونکہ دنیا کا وجود اسی جذبے سے قائم ہے، اسی لیے اسی سوز و مستی والی شاعری کو حقیقی اور با مقصد شاعری کہا جائے گا۔

۱۴- شعر سے اگر انسانی شخصیت کی تعمیر مقصود ہے تو ایسی شاعری بھی پیغمبری کی وارث ہے۔ جو شاعری انسان کو اس کی تخلیق کے مقصد اور حقیقی مقام کی طرف توجہ دلاتی ہے وہ درحقیقت پیغمبروں کے پیغام والا کام ہی کرتی ہے۔

۱۵- گفتم ''از پیغمبری ہم باز گوے ... سرِ او با مردِ محرم باز گوے''

۱۶- گفت ''اقوام و ملل آیاتِ اوست ... عصر ہائے ما ز مخلوقاتِ اوست

۱۷- از دمِ او ناطق آمد سنگ و خشت ... ماہمہ مانندِ حاصل او چو کشت

۱۸- پاک سازد استخوان و ریشہ را ... بالِ جبریلے دہد اندیشہ را

۱۹- ہائے و ہوئے اندرونِ کائنات ... از لب او نجم و نور و نازعات

۲۰- آفتابش را زوالے نیست نیست ... منکرِ او را کمالے نیست نیست

۲۱- رحمتِ حق صحبتِ احرارِ او ... قہرِ یزداں ضربتِ کرار او

۲۲- گرچہ باشی عقل کل از وے مرم ... زانکہ او بیند تن و جاں را بہم

۲۳- تیز تر نہ پا براہِ ریگمید ... تا بہ بینی آنچہ می بایست دید

۲۴- کندہ بر دیوار از سنگِ قمر ... چار طاسینِ نبوت را نگر''

۱۵- میں (اقبال) نے رومیؒ سے کہا کہ پیغمبر کے بارے میں پھر کچھ بتائیے۔ اس کا راز اس واقفِ راز سے پھر کہیے۔

۱۶- وہ بولے کہ قومیں اور ملتیں، پیغمبری کی نشانیاں ہیں۔ ہمارے زمانے اس کی مخلوقات میں سے ہیں۔ پیغمبر اپنے پیغام سے ایک قوم وجود میں لاتا اور زمانے کو اپنے پیغام کے مطابق ڈھال دیتا ہے۔

۱۷- اس (پیغمبر) کے دم سے پتھر اور اینٹوں میں بولنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم سب انسان گویا حاصل ہیں اور وہ کھیت ہے۔ مذکورہ قوت پیدا کرنا معجزے کی صورت ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کے پیغام سے ناخواندہ انسان بھی صاحب علم بن جاتا ہے۔

۱۸- وہ ہڈیوں اور ریشہ کو پاک بنا دیتا ہے اور انسانی فکر کو جبرئیل کے سے شہپر/ بازو دیتا ہے۔ گویا وہ انسانی زندگی کو مادیات کی آلائشوں سے پاک کر دیتا اور فکر کو بلند

پروازی/ بلندی عطا کرتا ہے۔

۱۹- کائنات کے اندر ہر طرح کے ہنگامے اس کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی ''والنجم، النور اور نازعات'' (فرہنگ دیکھیے) کے باعث ہیں۔ گویا پیغمبر کے تمام انقلاب انگیز پیغامات وحی کی بنا پر ہیں۔

۲۰- اس کے آفتاب کو کوئی زوال نہیں ہے، نہیں ہے۔ اس کا جو منکر ہے اسے کوئی کمال حاصل نہیں ہے، نہیں ہے۔ یعنی پیغمبر کی تعلیمات لازوال ہیں اور جو اس کا انکاری ہے، وہ ہر طرح کے کمال سے محروم ہے۔

۲۱- اس کے (پیغمبر کے) آزاد بندوں کی صحبت رحمتِ حق ہے جبکہ اس کے کرار کی ضرب خدا تعالیٰ کے قہر کا پتا دیتی ہے۔ آزاد بندوں سے مراد پیغمبر کے صحابہ یا اولیا ہو سکتے ہیں۔ کرار حضرت علیؓ کا لقب ہے۔ یہاں یہ مراد ہے کہ حضرت علیؓ یا ان جیسے دوسرے دلیر و قوی امتی باطل قوتوں پر جو ضرب/ ضربیں لگاتے ہیں وہ خدائی قہر کی علامت ہوتی ہے/ ہیں۔

۲۲- اگرچہ تو عقل کل ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی اس (پیغمبر) کی صحبت اور اس کے حقیقی پیرو یعنی صحابہ اور اولیاء کی صحبت سے مت بھاگ، اس لیے کہ پیغمبر کے نزدیک جان اور بدن باہم ایک ہیں۔ یعنی وہ دین اور دنیا کو ایک دوسرے سے الگ نہیں سمجھتا اور دونوں پر پورے طور پر توجہ دیتا ہے۔

۲۳- تو (اب) وادیِ یرغمید کی طرف تیز تر قدم اٹھا یعنی تیز تیز چل تاکہ تو وہاں وہ کچھ دیکھے جو کچھ دیکھنا چاہیے (جاوید نامہ مطبوعہ ۱۹۴۷ء میں لفظ ''بہ'' کی جگہ ''نہ'' چھپا ہے جو کتابت کی غلطی ہے)

۲۴- وہاں تو چاند کے پتھروں سے بنی ہوئی ایک دیوار پر کندہ کیے ہوئے نبوت کے چار طاسین دیکھے گا۔

۲۵- شوق راہِ خویش بیند بے دلیل   شوق پروازے ببالِ جبرئیل

۲۶- شوق را راہِ دراز آمد دو گام   ایں مسافر خستہ گردد از مقام

۲۷- پا زدم مستانہ سوئے یرغمید   تا بلندی ہائے او آمد پدید

۲۸- من چہ گویم از شکوہِ آں مقام   ہفت کوکب در طوافِ او مدام

۲۹- فرشیاں از نورِ او روشن ضمیر   عرشیاں از سرمۂ خاکش بصیر

۳۰- حق مرا چشم و دل و گفتار داد جستجوئے عالمِ اسرار داد
۳۱- پردہ را بر گیرم از اسرارِ کل باتو گویم از طواسین رُسل

۲۵- شوق کسی رہنما کے بغیر ہی اپنا راستہ دیکھ لیتا ہے۔ شوق گویا جبرئیل کے شہپر سے پرواز کرتا ہے۔ گویا عشق ایک سچے عاشق کو خود ہی اس کائنات سے عالم لاہوت تک پہنچا دیتا ہے۔

۲۶- شوق/عشق کے لیے ایک طویل راستہ بھی دو قدم کے راستے کے برابر ہے۔ یہ مسافر (عاشق) منزل/ پڑاؤ سے تھک جاتا ہے۔ گویا وہ مسلسل چلتے رہنے یا حرکت میں رہنے ہی میں خوش رہتا ہے۔

۲۷- میں (اقبال) وادیِ یرغمید کی طرف مستانہ وار چلا، تا آنکہ اس وادی کی بلندیاں ظاہر ہو گئیں۔

۲۸- میں اس مقام کی شان وشکوہ کے بارے میں کیا بیان کروں، (اس کی شان وشکوہ کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ) سات ستارے ہر وقت اس کے طواف میں لگے رہتے ہیں۔

۲۹- اہل زمین اس کے نور سے روشن ضمیر ہیں جبکہ اہلِ عرش اس کی خاک کے سرمے سے صاحب بینائی ہیں۔

۳۰- (اس موقع پر) خدا تعالیٰ نے مجھے آنکھ، دل اور قوتِ گویائی/ گفتار عطا فرمادی، اور مجھ میں عالم اسرار کے رازوں کو جاننے کی جستجو پیدا فرمادی۔

۳۱- اب میں تمام رازوں سے پردہ اٹھاتا ہوں اور تجھے رسولوں کے طواسین کے بارے میں بتاتا ہوں۔

طاسین گوتم

توبہ آوردنِ زنِ رقاصۂ عشوہ فروش

= گوتم بدھ کی تعلیمات۔ ایک ناز و ادا دکھانے والی رقاصہ کا توبہ کرنا۔

گوتم

۱- مۓ دیرینہ و معشوقِ جواں چیزے نیست پیشِ صاحب نظراں حورِ جناں چیزے نیست

۲-	ہر چہ از محکم پایندہ شناسی، گذرد	کوہ وصحرا و بر و بحر و کراں چیزے نیست
۳-	دانشِ مغربیاں، فلسفۂ مشرقیاں	ہمہ بت خانہ و در طوفِ بتاں چیزے نیست
۴-	از خود اندیش و ازیں بادیہ ترساں مگذر	کہ تو ہستی و وجودِ دو جہاں چیزے نیست
۵-	در طریقے کہ بنوکِ مژہ کاویدم من	منزل و قافلہ و ریگِ رواں چیزے نیست
۶-	بگذر از غیب کہ ایں وہم وگماں چیزے نیست	در جہاں بودن و رستن زجہاں، چیزے ہست
۷-	آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ	تا جزائے عملِ تست جناں، چیزے ہست
۸-	راحتِ جاں طلبی؟ راحتِ جاں چیزے نیست	در غمِ ہمنفساں اشکِ رواں، چیزے ہست
۹-	چشمِ مخمور و نگاہِ غلط انداز و سرود	ہمہ خوب است ولے خوشتر ازاں، چیزے ہست
۱۰-	حسنِ رخسار دمے ہست و دمے دیگر نیست	حسنِ کردار و خیالاتِ خوشاں، چیزے ہست

۱- (ان اشعار میں گوتم بدھ کی باتیں ہیں) پرانی شراب اور جوان معشوق کوئی چیز نہیں ہے اور اہلِ نظر کے نزدیک جنت کی حور کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی ان کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہے۔

۲- ہر وہ شے جسے تو مضبوط اور ہمیشہ رہنے والی سمجھتا ہے، وہ گذر جاتی ہے، اسے فنا ہے۔ یہ پہاڑ اور صحرا اور خشکی اور سمندر اور ساحل سب کوئی چیز نہیں ہے۔ کائنات کی ہر شے فانی ہے۔

۳- اہلِ مغرب/ یورپ کی دانش اور اہلِ مشرق کا فلسفہ، یہ سب بت خانہ ہے اور بتوں کا طواف کوئی چیز نہیں ہے۔ چونکہ یہ سب سوز و جذبہ عشق سے خالی ہے، اس لیے ان دونوں (دانش و فلسفہ) سے کچھ حاصل نہیں ہے، بے قدر و اہمیت ہیں۔

۴- تو اپنے آپ پر غور کر اور اس بیابان سے خوف زدہ ہوتے ہوئے نہ گذر، اس لیے کہ تو ہے اور دونوں جہانوں کا وجود کوئی چیز نہیں ہے۔ دونوں جہانوں کا وجود انسان کے وجود کے باعث ہے۔ اگر انسان نہ ہوتا تو یہ جہان بھی نہ ہوتے۔ ان کی اصل و حقیقت کچھ نہیں ہے، یہ ہمارے شعور کی بنا پر وجود والے نظر آتے ہیں۔

۵- اس راہ میں، جو میں نے اپنی پلکوں کی نوک سے تراشا ہے، منزل اور قافلہ اور اڑتی ہوئی ریت کوئی چیز نہیں ہے۔ گویا یہ چیزیں مادیات کی علامت ہیں اور میں ان کو اہمیت نہیں دیتا۔ (فرہنگ بھی دیکھیے)

۶- تو غیب سے گذر جا، اس لیے کہ یہ سب وہم وگماں ہے اور وہم وگماں کوئی چیز نہیں ہے، جہان میں ہوتے/ رہتے ہوئے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا (ترک دنیا کرنا)

اصل چیز ہے۔ گویا رہبانیت کی اہمیت ہے۔

۷- وہ بہشت جو خدا تجھے عطا کرتا ہے وہ سب ہیچ ہے۔ البتہ اگر وہ جنت تیرے عملوں کے باعث، جزا کی صورت میں، تجھے ملی ہے تو وہ کوئی چیز ہے، اس کی اہمیت و وقعت ہے۔

۸- کیا تجھے آرام جاں کی خواہش ہے؟ (تو یاد رکھ) آرامِ جاں کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں اپنے دوستوں کے غم میں شریک ہو کر آنسو بہانا ایک قابل قدر بات ہے۔

۹- مستی بھری/نشیلی آنکھ اور غلط انداز نگاہ اور گانا بجانا، سب اچھی باتیں ہیں لیکن ان سے بھی اچھی کوئی چیز ہے۔ اچھی ہوتے ہوئے بھی عارضی و فانی ہیں، بقاء کا سامان کرنا سب سے اچھا ہے۔

۱۰- رخسار/گالوں کا حسن (کتنا ہی دل کش کیوں نہ ہو وہ) ایک پل ہے اور دوسرے پل نہیں ہے۔ البتہ کردار و عمل اور خیالات کا حسن کوئی چیز ہے۔ اچھا کردار اور اچھے خیالات ہی کی اہمیت و قدر ہے۔

رَقّاصہ

۱- فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بیقرار را — یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار

۲- از تو درونِ سینہ ام برقِ تجلّیی کہ من — بامہ و مہر دادہ ام تلخیِ انتظار را

۳- ذوقِ حضور در جہاں رسمِ صنم گری نہاد — عشق فریب می دہد جانِ امیدوار

۴- تا بفراغِ خاطرے نغمہ تازہ ے زنم — باز بہ مرغزار دہ طائرِ مرغزار را

۵- طبعِ بلند دادہ ای، بند ز پائے من کشائے — تا بہ پلاسِ تو دہم خلعتِ شہریار را

۶- تیشہ اگر بہ سنگ زد ایں چہ مقامِ گفتگوست — عشق بدوش می کشد ایں ہمہ کوہسار را

۱- (گوتم بدھ کی باتیں سن کر اب رقاصہ کہتی ہے۔) تو اس بیقرار دل کو کشمکش کا موقع یا اجازت نہ دے۔ تو اپنے پیچدار گیسوؤں میں ایک دو بل اور ڈال کہ یہ بیقراری دور کرنے کا باعث بنیں گے۔

۲- تیری وجہ سے (تیری توجہ سے) میرے سینے میں وہ برقِ تجلی ہے کہ میں نے چاند اور سورج کو بھی انتظار کی تلخی سے دوچار کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ تیری تجلی کے باعث میرے سینے میں پیدا ہونے والی روشنی کو چاند اور سورج بھی دیکھنے کے لیے بیقرار ہیں۔

۳۔ محبوب کو اپنے حضور دیکھنے کے ذوق نے دنیا میں بت گری کی رسم کی بنیاد رکھی۔ امیدوار جان کو عشق فریب دیتا ہے۔ گویا پردۂ غیب میں موجود محبوب کو اپنے سامنے دیکھنے کی خواہشمند جان کو عشق چکر میں ڈالے رکھتا ہے، اس لیے کہ ایسے محبوب کو دیکھنا ممکن نہیں۔

۴۔ اس خاطر کہ میں دلی اطمینان سے کوئی نیا نغمہ الاپوں/ چھیڑوں تو پھر سے سبزہ زار کے پرندے کو سبزہ زار کی طرف بھیج یعنی جس عالمِ ارواح (روحوں کی دنیا) سے میری آمد ہوئی ہے تو مجھے وہاں لے جا۔ پھر دیکھنا کہ مادی دنیا کے بندھن سے آزاد ہونے کے بعد میرے نغموں میں کیسی تاثیر و دل کشی ہے۔

۵۔ تو نے مجھے اگر بلند طبع سے نوازا ہے تو پھر میرے پاؤں سے زنجیر کھول دے تاکہ میں تیرے عطا کیے ہوئے بوریائی لباس کے عوض بادشاہ کی خلعت دے دوں۔ دوسرے لفظوں میں میں مادی دنیا کی فانی شان وشوکت سے بے نیاز ہو کر فقر و درویشی اختیار کرلوں جس میں بقا بھی ہے اور بلند مرتبگی بھی۔

٦۔ اگر فرہاد نے پتھر پر تیشہ چلایا تو یہ کون سا مقامِ گفتگو ہے۔ عشق تو اس پہاڑی سلسلے کو کندھوں پر اٹھالیتا ہے۔ شیریں کے عاشق فرہاد نے خسرو پرویز (بادشاہ) کے حکم پر پہاڑ کھود کر نہر جاری کی تھی۔ اس حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ حقیقی عشق تو بڑے بڑے معرکے مارتا ہے اور اس کائنات کو مسخر کرنا بھی اس کے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔

طاسینِ زرتشت

آزمایش کردنِ اہرمن زرتشت را

(اہرمن کا زرتشت کی آزمایش کرنا)

اہرمن

۱۔ از تو مخلوقاتِ من نالاں چونے   از تو مارا فرودیں مانندِ دے

۲۔ درجہاں خوار و زبونم کردہ ای   نقشِ خود رنگیں زخونم کردہ ای

۳- زندہ حق از جلوۂ سینائے تست مرگِ من اندر یدِ بیضائے تست

۱- (زرتشت سے خطاب کرتے ہوئے اہرمن کہتا ہے کہ اے زرتشت) تیری وجہ سے میری مخلوق بانسری کی طرح نالہ وزاری کر رہی ہے، تیری وجہ سے ہمارے لیے موسم بہار، موسم خزاں کی مانند ہو گیا ہے۔ میری مخلوقات سے مراد شیطان کے پیروکار، شیطان صفت لوگ ہیں۔ زرتشت نے اسے برائیوں کا نمائندہ کہا ہے۔ اس لیے یہ کہا کہ ہماری بہار، خزاں بن گئی ہے۔

۲- تو نے مجھے دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ تو نے اپنا نقش میرے خون سے رنگین کیا ہے۔ گویا زرتشت نے اسے خدائے شر کہہ کر اپنے مذہب کی چمک کا سامان کیا ہے۔

۳- تیرے جلوۂ سینا کی بنا پر حق زندہ ہے اور میری موت تیرے ید بیضا کے اندر ہے۔ (فرہنگ دیکھیے) مطلب یہی ہے کہ بقولِ اہرمن، زرتشت نے یہ کہہ کر کہ اہرمن برائیوں اور شر کا نمائندہ ہے جبکہ خیر سراسر حق سے ہے، اپنی شخصیت اور اپنے مذہب کو عظیم ثابت کیا ہے جبکہ اس کی بدنامی و برائی کا سامان کیا ہے۔

۴- تکیہ بر میثاقِ یزداں ابلہی است برمرادش راہ رفتن گمرہی است
۵- زہرہا در بادۂ گل فامِ اوست ارہ و کرم و صلیب، انعام اوست
۶- جز دعاہا نوح تدبیرے نداشت حرفِ آں بیچارہ تاثیرے نداشت
۷- شہر را بگذار و درغارے نشین ہم بہ خیلِ نوریاں صحبت گزیں
۸- از نگاہے کیمیا کن خاک را از مناجاتے بسوز افلاک را
۹- در کہستاں چوں کلیم آوارہ شو نیم سوزِ آتشِ نظارہ شو
۱۰- لیکن از پیغمبری باید گذشت از چنیں ملا گری باید گذشت
۱۱- کس میانِ ناکساں ناکس شود فطرتش گر شعلہ باشد خس شود
۱۲- تانبوت از ولایت کمتر است عشق را پیغمبری دردِ سر است
۱۳- خیز و در کاشانۂ وحدت نشیں ترکِ جلوت گوے و در خلوت نشیں

۴- خدائے خیر/ یزداں کے وعدے پر اعتبار کرنا یا بھروسا کرنا نادانی ہے۔ اس (یزداں) کی آرزو کے مطابق زندگی کی راہ پر چلنا (زندگی اختیار کرنا گمراہی ہے۔ گویا نیکی کرنا اور یزداں سے اس کی جزا کی توقع رکھنا سراسر سیدھے راستے سے بھٹکنا یعنی جہالت ہے۔

۵- اس (یزداں) کی گلابی رنگ کی شراب میں زہر ملے ہوئے ہیں۔ ارہ اور کیڑا اور صلیب اس کے انعام ہیں۔ (فرہنگ دیکھیے) گویا جس طرح مذکورہ پیغمبرحق کا ساتھ دینے کی بنا پر ان اذیتوں کا شکار ہوئے ہیں، تجھے یعنی زرتشت کو بھی ایسی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۶- (حضرتِ) نوحؑ کے پاس دعا کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ اس بیچارے کی باتوں میں کوئی اثر نہ تھا یعنی حضرت نوح اپنی قوم کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہو سکے، آخر بد دعا سے اپنی قوم کو غرق کروادیا۔

۷- تو (اے زرتشت) شہر/ آبادی چھوڑ دے اور کسی غار میں جا بیٹھ اور یوں تو بھی فرشتوں کے گروہ کے ساتھ خلوت/صحبت اختیار کر۔

۸- تو اپنی ایک نگاہ سے خاک کو سونا بنادے اور اپنی مناجات سے آسمانوں کو جلا ڈال۔ یعنی اپنی فریاد بھری دعا کو آسمانوں کے اس پار (خدا تک) پہنچا۔

۹- تو بھی (حضرت موسیٰؑ) کلیم (اللہ) کی طرح پہاڑوں میں آوارہ چل پھر اور نظارے/ جلوۂ ایزدی کی آگ سے خود کو نیم سوز کر لے۔ حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر جلوۂ ایزدی سے بیہوش ہو گئے تھے۔ اس قرآنی تلمیح کی طرف اشارہ ہے۔

۱۰- سوائے زرتشت تو یہ سب کچھ کر لیکن پیغمبری سے ہاتھ اٹھا لے، اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ اس قسم کی ملاگیری سے بچنا ضروری ہے۔ گویا اہرمن، زرتشت کو بہکانے کے چکر میں پڑا ہوا ہے اور اس خاطر وہ پیغمبری تک کو ایک بیکار اور بے اہمیت سی چیز قرار دے رہا ہے۔

۱۱- ایک صلاحیتوں والا انسان گھٹیا لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے گھٹیا اور نا اہل بن جاتا ہے۔ اس کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں، اس صاحب صلاحیت کی فطرت اگر شعلہ ہو تو وہ خس بن جاتی ہے۔ (بقول رومیؔ:

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

یعنی اچھے آدمی کی صحبت سے تو اچھا اور برے کی صحبت سے برا بنے گا۔)

۱۲- چونکہ نبوت، ولایت (ولی ہونا، نیک انسان کا اللہ تعالیٰ سے قرب) سے کم درجے کی ہے اس لیے عشق کے مطابق پیغمبری دردِ سر ہے۔

۱۳۔ اے زرتشت تو اٹھ اور وحدت کے گھر/محل میں جا بیٹھ، جلوت کو ترک کر اور خلوت میں جا بیٹھ یعنی ترکِ دنیا کر کے راہبوں/ پادریوں کی سی زندگی بسر کر۔ (اہرمن کا بہکاوا ختم ہوا۔ اب زرتشت اس کے جواب میں کہتا ہے۔ اگلے اشعار ملاحظہ ہوں)

زرتشت

۱۔ نور دریاے است ظلمت ساحلش ہم چومن سیلے نزاد اندر دلش
۲۔ اندرونم موج ہائے بے قرار سیل را جز غارتِ ساحل چہ کار؟
۳۔ نقشِ بے رنگے کہ او راکس ندید جز بخونِ اہرمن نتواں کشید
۴۔ خویشتن را وانمودن زندگی است ضربِ خود را آزمودن زندگی است

۱۔ نور ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل تاریکی ہے۔ اس کے سمندر کے اندر مجھ جیسا سیلاب/طوفان پیدا نہیں ہوا۔ نور، خدائے خیر یعنی یزداں ہے اور تاریکی خدائے شر یعنی اہرمن ہے۔ زرتشت کے بقول اس کی پیغمبری تاریکی کو بہا لے جانے والی ہے۔

۲۔ میرے اندر بے قرار موجیں ہیں۔ بھلا سیلاب کا ساحل کو غارت/ تباہ کرنے کے سوا اور کیا کام ہے؟ دوسرے لفظوں میں مجھ میں ایسے قوی جذبے ہیں جن کی بنا پر میں تجھے (اہرمن کو) تباہ کر سکتا ہوں۔

۳۔ ایک ایسا بے رنگ نقش، جسے کسی نے نہیں دیکھا، اہرمن کے خون کے سوا اور کسی چیز سے کھینچا نہیں جا سکتا۔ بے رنگ نقش یزداں کا استعارہ ہے۔ گویا اہرمن کی تباہی کا سامان کر کے ہی یزداں تک رسائی ہو سکتی ہے۔

۴۔ اپنے آپ کو آشکارا کرنا (اپنی معربت سے آگاہ ہونا) ہی زندگی ہے۔ اپنی ضرب کو آزمانا ہی زندگی ہے۔ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے کام لینا ہی زندگی کا اصل مقصد ہے اور باطل قوتوں سے ٹکرا کر اور انہیں تباہ کر کے اپنی قوتوں کی آزمائش کرنا ہی صحیح زندگی ہے۔

۵۔ از بلاہا پختہ تر گردد خودی تا خدا را پردہ در گردد خودی
۶۔ مردِ حق بیں جز بحق خود را ندید ''لا الٰہ'' می گفت و درخوں می تپید
۷۔ عشق را درخوں تپیدن آبروست ارّہ و چوب و رسَن عیدینِ اوست

۸۔ در رہِ حق ہرچہ پیش آید نکوست　　مرحبا نامہربانی ہائے دوست

۵۔ حوادث اور آفتوں کی آزمائش میں پڑ کر خودی زیادہ مضبوط ہوتی ہے، یہاں تک کہ خودی خدا کا پردہ اٹھانے والی بن جاتی ہے۔ جب صاحبِ خودی مذکورہ آزمائش میں پورا اترتا ہے تو وہ محبوبِ حقیقی کے دیدار سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔

۶۔ حق کو دیکھنے والے آدمی نے حق کے سوا خود کو نہیں دیکھا۔ وہ ''لا الہٰ'' کہتا اور خون میں تڑپتا رہتا' وہ خود میں خدائی صفات پیدا کرتا اور خود کو اس کے احکام کا پابند کرتا ہے اور اس کے سوا کسی اور کو معبود تسلیم نہیں کرتا۔ یہ سب اس کے جذبۂ عشق سے سرشار ہونے اور سوز و درد کے باعث ہے۔

۷۔ عشق کی آبرو خون میں تڑپنے سے ہے۔ آرہ اور لکڑی اور رسی (پھانسی اور پھانسی کی رسی) اس کے لیے عیدیں ہیں۔ (اس میں قرآنی تلمیحات کے حوالے سے بات ہوئی ہے۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔)

۸۔ حق کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آئے وہ خوب / اچھا یا درست ہے۔ دوست (محبوب حقیقی) کی نامہربانیاں بھی باعث مسرت و شادمانی ہیں۔ (''ہر چہ از دوست رسد، خوب است''، یعنی محبوب کی طرف سے جو کچھ بھی پہنچے وہ خوب ہے۔) ایک سچا عاشق محبوب کی طرف سے مختلف صورتوں میں کی جانے والی آزمائشوں سے گھبرانے یا ڈرنے کی بجائے خوش ہوتا ہے، انہیں وہ اپنے لیے رحمت ہی سمجھتا ہے۔

۹۔ جلوۂ حق چشمِ من تنہا نخواست　　حسن را بے انجمن دیدن خطاست
۱۰۔ چیست خلوت؟ درد و سوز و آرزوست　　انجمن دیداست و خلوت جستجوست
۱۱۔ عشق در خلوت کلیم اللّٰہی است　　چوں بجلوت می خرامد شاہی است
۱۲۔ خلوت و جلوت کمالِ سوز و ساز　　ہر دو حالات و مقاماتِ نیاز
۱۳۔ چیست آں؟ بگذشتن از دیر و کنشت　　چیست ایں؟ تنہا نہ رفتن در بہشت
۱۴۔ گرچہ اندر خلوت و جلوت خداست　　خلوت آغازست و جلوت انتہاست
۱۵۔ گفتہ ای پیغمبری دردِ سر است　　عشق چوں کامل شود آدم گراست
۱۶۔ راہِ حق با کارواں رفتن خوش است　　ہمچو جان اندر جہاں رفتن خوش است

۹۔ میری آنکھ نے حق کا جلوہ تنہا / اکیلے دیکھنا پسند نہ کیا، اس لیے کہ حسن کو انجمن کے بغیر دیکھنا خطا ہے۔ گویا پیغمبر نہ صرف خود جلوۂ حق سے فیضیاب ہوتا ہے بلکہ اپنی تعلیم کے ذریعے قوم

میں بھی وہ جذبے پیدا کرتا ہے جن سے وہ جلوۂ حق دیکھنے کی طرف مائل ہوتی ہے۔

۱۰- خلوت کیا ہے؟ خلوت، درد و سوز اور آرزو کا نام ہے۔ انجمن/ جلوت دیدار کا نام ہے جبکہ خلوت جستجو کی صورت ہے۔ مطلب یہ کہ خلوت میں دیدارِ محبوب کی آرزو عاشق میں سوز و درد پیدا کرتی ہے اور یہی سوز و درد اسے جلوت میں دیدار آشنا کرتا ہے۔ ایسا عاشق اسی دیدار کے باعث آگے خدا کی مخلوق کو فیض پہنچانے میں لگ جاتا ہے۔

۱۱- عشق خلوت میں کلیم اللٰہی ہے اور جب وہ جلوت کی طرف گامزن ہوتا ہے تو وہ شاہی پر فائز ہو جاتا ہے۔ تنہائی میں وہ حضرت موسیٰ کی طرح اللہ تعالٰی سے باتیں کرتا ہے اور جلوت میں خلقِ خدا کو فیض پہنچانے کے باعث ان کے دلوں اور ذہنوں پر حکمران ہو جاتا ہے۔ مخلوق دل و جان سے اس کی اطاعت گزار بن جاتی ہے۔

۱۲- خلوت اور جلوت دونوں سوز و ساز کا کمال ہیں اور یہ دونوں نیاز/ انکسار کے حالات و مقامات ہیں۔ جب عشق درجہ کمال کو پہنچتا ہے تو اس میں خلوت و جلوت دونوں کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ خلوت میں محبوب حقیقی کے ساتھ نیاز مندی سے ہم کلامی اور جلوت میں اس کی خلق سے ایسی ہم کلامی دونوں صورتوں میں عاشق کا مقصود، محبوب ہوتا ہے۔

۱۳- وہ (خلوت) کیا ہے؟ وہ مندر اور آتش کدہ سے دور ہو جانا ہے۔ یہ (جلوت) کیا ہے؟ یہ بہشت میں اکیلے نہ جانے کی حالت ہے۔ گویا صرف محبوبِ حقیقی کا وصال ہونا خلوت اور خدا کی مخلوق کو اپنی تعلیم و ہدایت سے بہشت کے قابل بنا دینا جلوت ہے۔

۱۴- اگرچہ خلوت اور جلوت دونوں کے اندر خدا ہی ہے، تاہم خلوت اس وصال کا آغاز اور جلوت انتہا ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں عاشق یا بندۂ حق اللہ تعالٰی کی معیت میں ہوتا ہے۔

۱۵- تو (اہرمن) نے کہا ہے کہ پیغمبری دردِ سر ہے لیکن تجھے یہ معلوم نہیں کہ عشق جب کامل ہو جاتا ہے تو آدم گر بن جاتا ہے۔ پیغمبر عاشق خدا ہوتا ہے۔ خلوت میں جب اس کا عشق کمال کو پہنچتا ہے تو وہ جلوت میں آ کر آدم گری کرتا ہے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۱۶- حق کی راہ میں قافلے کے ساتھ چلنا اچھی بات ہے۔ جان کی طرح جہان کے اندر چلنا اچھی بات ہے۔ مطلب یہ کہ پیغمبر ایک طرح سے قافلہ سالار ہے۔ وہ راہ عشق تنہا طے نہیں کرتا بلکہ مخلوق کو بھی اس راہ پر لے آتا ہے۔ پیغمبر ایک طرح سے روح اور

اہل دنیا جسم ہیں۔ روح ہی سے جسم میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ گویا پیغمبر انسانوں کے زندگی کے حقیقی مقصد سے ناآشنا مردہ جسموں میں اپنے پیغام وعمل سے جان پیدا کر دیتا ہے اور حصولِ مقصد میں سرگرم کر دیتا ہے۔

طاسینِ مسیح

رویائے حکیم طالستائی

= حضرت عیسیٰؑ مسیح کی تعلیمات

= حکیم طالستائی کا خواب

۱- درمیانِ کوہسارِ ہفت مرگ — وادیِ بے طائر و بے شاخ و برگ
۲- تابِ مہ از دود گردِ او چو قیر — آفتاب اندر فضایش تشنہ میر
۳- رودِ سیماب اندر آں وادی رواں — خم بخم مانندِ جوئے کہکشاں
۴- پیشِ او پست و بلندِ راہ ہیچ — تند سیر و موج موج و پیچ پیچ
۵- غرق در سیماب مردے تا کمر — با ہزاراں نالہ ہائے بے اثر
۶- قسمتِ او ابر و باد و آب نے — تشنہ و آبے بجز سیماب نے
۷- برکراں دیدم زنے نازک تنے — چشمِ او صد کارواں را رہزنے
۸- کافری آموزِ پیرانِ کنشت — از نگاہش زشت خوب وخوب زشت
۹- گفتمش "تو کیستی، نامِ تو چیست — ایں سراپا نالہ و فریادِ کیست؟"
۱۰- گفت "در چشمم فسونِ سامری است — نامم افرنگین و کارم ساحری است"
۱۱- ناگہاں آں جوئے سیمیں یخ بہ بست — استخوانِ آں جواں درتن شکست
۱۲- بانگ زد "اے وائے برتقدیرِ من — وائے برفریادِ بے تاثیر من"
۱۳- گفت افرنگین "اگر داری نظر — اندکے اعمالِ خود را ہم نگر
۱۴- پورِ مریمؑ آں چراغِ کائنات — نورِ او اندر جہات و بے جہات
۱۵- آن فلاطوس آں صلیب آں روئے زرد — زیرِ گردوں توچہ کردی اوچہ کرد
۱۶- اے بجانت لذتِ ایماں حرام — اے پرستارِ بتانِ نیم خام

۱۷۔ قیمتِ روح القدس نشناختی تن خریدی نقدِ جاں درباختی''

۱۔ کوہسار ہفت مرگ کے درمیان ایک ایسی وادی ہے جس میں نہ تو کوئی پرندہ ہے اور نہ کوئی درخت اور سبزہ ہی ہے۔

۲۔ چاندکی روشنی اس کے گرد دھوئیں کے باعث تارکول کی سی سیاہ ہے اور سورج اس کی فضا میں پیاسا مر جاتا ہے یعنی سورج بھی وہاں روشنی سے محروم رہتا ہے۔

۳۔ اس وادی میں پارے کی ندی بہ رہی ہے جو کہکشاں کی نہر کی مانند بل کھاتی ہوئی رواں ہے۔

۴۔ اس ندی کے لیے راستے کی اونچائی اور پستی کوئی چیز نہیں۔ وہ تیز بہنے والی اور موج در موج اور بل پر بل کھاتی ہوئی ہے۔

۵۔ اس ندی کے پارے میں ایک آدمی کمر تک ڈوبا ہوا تھا جو ہزاروں بے اثر نالے کر رہا تھا۔

۶۔ اس کے نصیب میں نہ کوئی بادل تھا نہ کوئی ہوا اور نہ پانی تھا۔ وہ پیاسا تھا اور پارے کے سوا کوئی پانی نہ تھا، پارہ کو پیا نہیں جا سکتا تھا۔

۷۔ اس ندی کے کنارے میں نے ایک نازک بدن عورت/حسینہ دیکھی جس کی آنکھیں سینکڑوں قافلوں کی رہزن تھیں۔ وہ بڑی دل کش آنکھوں والی حسینہ تھی۔ میر ممنونؔ کے بقول:

غلط کہ صرفِ خرابی ہے گردشِ شب و روز
کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے ہیں تباہ کیے

۸۔ وہ حسینہ راہبوں/پادریوں کو کافری سکھانے والی تھی۔ اس کی نگاہ سے برا، اچھا اور اچھا، برا بن جاتا تھا۔ گویا اس کے حسن میں ایسی دل کشی تھی کہ مذہبی رہنما بھی اس پر فریفتہ ہو کر مذہب سے دوری اختیار کر لیتے اور وہ بھلائی کو برائی اور برائی کو بھلائی بنا کر دکھانے میں ماہر تھی۔

۹۔ میں نے اس حسینہ سے پوچھا کہ تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اور یہ جو پورے طور پر نالہ وفریاد بنا ہوا ہے، کون ہے؟ (کیا تیرے ہجر میں وہ فریاد و نالہ کر رہا ہے؟)

۱۰۔ وہ حسینہ بولی کہ میری آنکھوں میں سحر سامری ہے۔ میرا نام افرنگین ہے اور میرا کام جادوگری ہے۔

۱۱۔ اچانک وہ چاندی کی طرح سفید ندی جمی ہوئی برف بن گئی اور اس میں غرق جوان کی

ہڈیاں اس کے جسم میں ٹوٹ گئیں۔

۱۲- وہ جوان چلا اٹھا کہ افسوس ہے میری تقدیر پر، افسوس ہے میری اس بے اثر فریاد پر۔

۱۳- اس جوان سے افرنگین کہنے لگی کہ اگر تو صاحبِ نظر ہے تو ذرا اپنے اعمال پر نظر/غور کر۔ گویا تو نے حضرت مسیحؑ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اس کے بارے میں سوچ۔

۱۴- مریمؑ کا بیٹا (حضرت عیسیٰؑ) جو کائنات کا چراغ تھا، جس کا نور مکاں اور لامکاں دونوں میں تھا۔

۱۵- اس فلاطوس، اس صلیب اور اس زرد چہرے کو دیکھ۔ آسمان تلے/ دنیا میں تو نے کیا کیا اور اس نے کیا کیا۔ (فرہنگ دیکھیے) یہ دیکھ کہ حضرت مسیحؑ نے قوم پر کیسے کیسے احسانات کیے اور قوم نے ان کو کیا صلہ دیا، ان سے کیسا ظالمانہ سلوک کیا، تو اس پر غور کر، یہ سب دیکھ۔

۱۶-۱۷: اے وہ جوان جس کی/ تیری جان پر ایمان کی لذت حرام ہے، تو جو کچی چاندی کے بتوں کا پجاری ہے (یعنی تو نے مجھ جیسی حسیناؤں کی محبت میں مبتلا ہو کر ایمان و مذہب کو بھلا دیا ہے) تو نے روح القدس کی قدر و قیمت نہ پہچانی (فرہنگ دیکھیے) تو نے جسم خریدا اور روح کو ہار دیا یعنی برباد کر دیا۔ مطلب یہ کہ دنیاوی اور مادی مفادات کی خاطر تو نے اپنا دین اور اپنی آخرت دونوں برباد کر لیے۔

۱۸- طعنۂ آں نازنینِ جلوہ مست ۔۔۔ آں جواں را نشتر اندر دل شکست
۱۹- گفت "اے گندم نمائے جو فروش ۔۔۔ از تو شیخ و برہمن ملت فروش
۲۰- عقل و دیں از کافری ہائے تو خوار ۔۔۔ عشق از سوداگری ہائے تو خوار
۲۱- مہرِ تو آزار و آزارِ نہاں ۔۔۔ کینِ تو مرگ است و مرگِ ناگہاں
۲۲- صحبتے با آب و گِل ورزیدہ ای ۔۔۔ بندہ را از پیشِ حق دزدیدہ ای
۲۳- حکمتے کو عقدۂ اشیا کشاد ۔۔۔ با تو غیر از فکرِ چنگیزی نداد
۲۴- داند آں مردے کہ صاحب جوہر است ۔۔۔ جرمِ تو از جرمِ من سنگین تر است
۲۵- از دمِ او رفتہ جاں آمد بتن ۔۔۔ از تو جاں را دخمہ می گردد بدن
۲۶- آنچہ ما کردیم با ناسوتِ او ۔۔۔ ملتِ او کرد با لاہوتِ او
۲۷- مرگِ تو اہلِ جہاں را زندگی است ۔۔۔ باش! تا بینی کہ انجامِ تو چیست"

۱۸- اپنے حسن کے جلوے میں مست اس نازنین (افرنگین) کا طعنہ اس جوان کے دل

میں نشتر کی طرح کھب کر ٹوٹ گیا۔ اس کے دل پر بڑا افسوسناک اثر ہوا۔ (اس حصے میں افرنگین سے مراد یورپی قومیں ہیں جو حضرت مسیحؑ کی پیروی کی دعویدار تو بنتی ہیں لیکن حضرت کی تعلیمات کو انہوں نے بالکل بھلا رکھا ہے، ان اقوام کی موجودہ تہذیب و ثقافت سراسر مادیت کا شکار اور شیطنت/ ابلیسیت کی حامل ہے، گویا ان کے جسم زندہ اور روحیں مردہ ہیں۔)

۱۹- فرنگین کی طعنہ بھری باتیں سن کر وہ نوجوان بولا: اے گندم دکھا کر جَو بیچنے والی یعنی فریبی حسینہ، تیری وجہ سے شیخ اور برہمن ملت فروش بن گئے ہیں، گویا یورپی تہذیب و ثقافت اور علم و ہنر وغیرہ نے مذہبی رہنماؤں میں الحاد پیدا کر دیا ہے اور وہ اپنی اپنی قوموں کو ملحد بنانے میں لگ گئے ہیں۔

۲۰- تیری کافری (کافرانہ طور طریقوں) سے عقل اور دین خوار ہو گئے ہیں، تیری سوداگری نے عشق کو ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ تیرے نازنخروں نے عقل، دین اور عشق تینوں کو گمراہ کر دیا ہے (چونکہ افرنگیں استعارہ ہے، اس لیے ایک حسینہ کے حوالے سے نازنخروں اور اداؤں وغیرہ کی بات ہوگی۔)

۲۱- تیری محبت ایک اذیت ہے اور اذیت یا بیماری بھی ایسی جو پوشیدہ ہے، تیری دشمنی موت ہے اور موت بھی ایسی جو اچانک واقع ہوتی ہے۔ آزار نہاں گویا ایسی بیماری جو انسان کو اندر ہی اندر گھلا دے اور اسے پتا نہ چلے، جیسے دق کا مرض۔

۲۲- تو نے دنیا/ مادیات سے صحبت اختیار کر رکھی ہے اور بندے کو اللہ کے حضور سے چرا لیا ہے۔ مطلب یہ کہ تیرا سارا مقصد اور مطمحِ نظر دنیاوی مفادات حاصل کرنا ہے۔ یوں تو نے اللہ کے بندوں کو اللہ سے دور کر کے دنیا/ مادہ پرست بنا دیا ہے۔

۲۳- وہ حکمت/ سائنس جس نے اشیا کی گتھی سلجھائی، اس نے تجھے چنگیزی فکر کے سوا اور کچھ نہ دیا۔ جس طرح چنگیز (منگول سردار) نے ۶۰۶ھ میں ایران میں قتل عام اور غارت گری کر کے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، اسی طرح تیری یہ حکمت دنیا اور اہلِ دنیا یعنی انسانیت کی تباہی کا سامان بن رہی ہے۔

۲۴- جو بھی کوئی حقیقت شناس ہے وہ یہ جانتا ہے کہ تیرا جرم میرے جرم سے کہیں بڑھ کر ہے، سنگین ہے۔ (پہلے حصے کی فرہنگ دیکھیے)

۲۵- اس (حضرت عیسیٰؑ) کے دم/ پھونک سے بدن سے نکلی ہوئی جان پھر بدن میں آ گئی،

جبکہ تیری وجہ سے بدن جان کے لیے قبر بن جاتا ہے۔ پہلے مصرع میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزہ کی طرف اشارہ اور قرآنی تلمیح ہے۔ ان کے دم سے مردہ زندہ ہو جایا کرتا تھا۔ اور تو روحوں کو ان کے جوہر سے بیگانہ کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں انسان ایک طرح سے چلتی پھرتی لاش بن کر رہ گئے ہیں، جذبۂ عشق سے محروم ہو گئے ہیں۔

۲۶۔ جو کچھ ہم نے اس (حضرت عیسیٰؑ) کے جسم کے ساتھ کیا (فرہنگ شعر ۱۵ دیکھیے) اس/ان کی ملت نے ان کی روح کے ساتھ کیا۔ گویا ان کی تعلیمات کو فراموش کر کے اور انہیں ''خدا کا بیٹا'' کہہ کر توحید پرستی سے کنارہ کشی کی اور الحاد کو پوری طرح اپنا لیا۔

۲۷۔ تیری موت (مراد یورپی تہذیب وثقافت اور حکمت وغیرہ کی تباہی) اہلِ جہان کے لیے زندگی کا باعث ہے۔ تو ٹھہر، تاکہ تو یہ دیکھ لے کہ تیرا انجام کیا اور کیسا ہوگا۔ مطلب یہ کہ وہ وقت آنے والا ہے جب اہل دنیا تجھ سے بیزار اور متنفر ہو جائیں گے اور انسانیت کی حامل تہذیب وثقافت وغیرہ کو اپنانے لگیں گے۔

طاسینِ محمدؐ (حضور اکرم محمدؐ کی تعلیمات)

نوحۂ روحِ ابوجہل در حرم کعبہ

(کعبہ کے حرم میں ابوجہل کا بین)

۱۔ سینۂ ما از محمدؐ داغ داغ — از دمِ اوؐ کعبہ را گل شد چراغ

۲۔ از ہلاکِ قیصر و کسریٰ سرود — نوجواناں را زِ دستِ ما ربود

۳۔ ساحر و اندر کلامش ساحری است — ایں دو حرف ''لا الٰہ'' خود کافری است

۴۔ تا بساطِ دینِ آبا در نورد — با خداوندانِ ما کرد آنچہ کرد

۵۔ پاش پاش از ضربتش لات و منات — انتقام از وے بگیر اے کائنات

۶۔ دل بغایب بست و از حاضر گسست — نقشِ حاضر را فسونِ او شکست

۷۔ دیدہ برغایب فرو بستن خطاست — آں چہ اندر دیدہ می ناید کجاست

۸۔ پیشِ غایب سجدہ بردن کوری است — دینِ نو کور است و کوری دوری است

۹۔ خم شدن پیشِ خدائے بے جہات — بندہ را ذوقے نہ بخشد ایں صلوات

۱۔ ہمارا سینہ محمدؐ کی وجہ سے داغ داغ ہے۔ اس/آپؐ کی پھونک یا سانس سے کعبہ کا چراغ بجھ گیا۔ ابوجہل یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ کعبہ میں اس کے بزرگوں (آباواجداد) کے رکھے ہوئے بت توڑ دیے گئے ہیں اور ان کا دین ختم کر دیا گیا ہے۔

۲۔ اس/آپؐ نے قیصروکسریٰ کی تباہی و بربادی کی بات کی اور نوجوانون یا نوجوان نسل کو ہم سے چھین/اچک لیا۔ گویا انہیں ہمارے دین کے خلاف کر دیا اور اپنے دین کا حامی بنا لیا۔

۳۔ وہ/آپؐ جادوگر ہے/ہیں اور اس/آپؐ کے کلام میں جادوگری ہے۔ یہ جو ''لا الہ'' کے دو الفاظ ہیں بجائے خود کافری ہیں۔ جادوگر اس لحاظ سے کہا ہے کہ ایک تو حضورؐ کے انتہائی حسنِ اخلاق اور دوسری آپؐ کے پرتاثیر ارشادات سے لوگ متاثر ہو کر اسلام قبول کرنا شروع ہو گئے تھے۔ ابوجہل کے نزدیک بت پرستی گویا حق ہے جبکہ توحیدایزدی کی بات کرنا اور اس پر ایمان لانا کفر ہے۔

۴۔ جب اس/آپؐ نے ہمارے آبا کے دین (بت پرستی) کی بساط لپیٹ دی تو اس/آپؐ نے ہمارے خداؤں (بتوں) کے ساتھ وہ کیا جو کچھ کیا، بہت کچھ کیا جسے بیان کرنا اذیت ناک ہے۔ بتوں کے توڑنے کی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ اس/آپؐ کی ضرب سے لاتؔ اور مناتؔ جیسے بت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اے کائنات تو اس/آپؐ سے اس کا بدلہ لے۔ چونکہ خدائے واحد پر اس کا یقین وایمان نہیں ہے، اس لیے کائنات کے آگے اپنا رونا رویا ہے۔

۶۔ اس/آپؐ نے غیب سے، یعنی خدا سے جو پردۂ غیب میں ہے، دل لگایا اور حاضر یعنی سامنے رکھے ہوئے بتوں سے دل توڑ/ہٹا لیا۔ (مطلب یہ کہ حضورؐ کے پیغام اور تعلیمات نے لوگوں کی توجہ بتوں سے ہٹا کر توحید کی طرف کر دی۔)

۷۔ غیب پر نگاہ جمائے رکھنا غلطی ہے، وہ جو نظر ہی نہیں آتا وہ کہاں ہے؟ یعنی اس کا وجود نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں ابوجہل یہ کہہ رہا ہے کہ بت تو سامنے ہیں، ان پر ایمان لانا چاہیے لیکن جو پردۂ غیب میں ہے اور نظر نہیں آ رہا اس کا تو وجود بھی نہیں ہوگا، اس لیے اس پر ایمان لانا کیا معنی۔

۸۔ غیب کے آگے سجدہ کرنا اندھے پن کی علامت ہے۔ یہ نیا دین (دینِ اسلام) اندھا

ہے اور یہ اندھاپن حقیقت کے دیدار سے دوری کی نشانی ہے۔

۹- بے جہات خدا/ لاثانی خدا کے آگے جھکنا (جو سجدے کی علامت ہے) یہ ایسی نماز ہے جو بندے کو ذوق عطا نہیں کرتی۔ گویا ابوجہل کے نزدیک اس عبادت میں بڑا ذوق/ لطف ہے جو سامنے موجود خدا (بت) کے لیے ہو۔

۱۰- مذہبِ او قاطعِ ملک و نسب — از قریش و منکر از فضلِ عرب

۱۱- در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلامِ خویش بریک خواں نشست

۱۲- قدرِ احرارِ عرب نشناختہ — با کلفتانِ حبش در ساختہ

۱۳- احمراں با اسوداں آمیختند — آبروئے دودمانے ریختند

۱۴- ایں مساوات ایں مواخات اعجمی است — خوب می دانم کہ سلمانؓ مزدکی است

۱۵- ابنِ عبداللہ فریبش خوردہ است — رستخیزے بر عرب آوردہ است

۱۶- عترتِ ہاشم زخود مہجور گشت — از دو رکعت چشم شاں بے نور گشت

۱۷- اعجمی را اصلِ عدنانی کجاست — گنگ را گفتارِ سحبانی کجاست

۱۸- چشمِ خاصانِ عرب گردیدہ کور — بر نیائی اے زہیر از خاکِ گور؟

۱۹- اے تو مارا اندریں صحرا دلیل — بشکن افسونِ نوائے جبرئیل

۱۰- اس/ آپ کا مذہب (اسلام) ملک اور خاندان کی جڑیں کاٹنے والا ہے۔ اس/ آپؐ کا تعلق قریش خاندان سے ہے اور وہ/ آپؐ عرب کی فضیلت کا منکر ہے/ ہیں۔ اسلام رنگ ونسل اور وطن کا قائل نہیں ہے۔ یہ چیزیں پہچان کے لیے ہیں، ان کے حوالے سے کوئی بھی انسان افضل نہیں ہے، فضیلت صرف اسے حاصل ہے جو تقویٰ میں افضل ہے اور اس تقویٰ کی بنا پر ایک غیر عرب کو عرب پر فضیلت حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۱- اس/ آپؐ کی نگاہ میں اعلیٰ اور ادنیٰ سبھی ایک/ برابر ہیں تھے وہ/ آپؐ اپنے غلام کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھا/ بیٹھے۔ یعنی حضورؐ نے عملاً ثابت کر دیا کہ اسلام میں چھوٹے بڑے میں تمیز نہیں ہے سبھی برابر ہیں۔

۱۲- اس/ آپؐ نے عرب کے آزاد لوگوں کی قدر نہیں پہچانی۔ اس/ آپؐ نے حبشہ کے بدصورت/ سیاہ فام لوگوں (حبشیوں) سے موافقت کر لی۔ وہی بات کہ اسلام میں گورے کالے کی کوئی تمیز/ فرق نہیں ہے۔

۱۳- (دین اسلام کے باعث) گورے کالے باہم مل گئے اور یوں انہوں نے خاندان کی

آبرو مٹی میں ملادی۔ مطلب یہ کہ کسی کو کسی پر فضیلت نہ رہی۔ سبھی انسان برابر ہیں۔

۱۴- یہ برابری اور یہ بھائی چارا (ایک دوسرے کو بھائی سمجھنا غیر عرب لوگوں کا نظریہ ہے۔ میں (ابوجہل) اچھی طرح یہ جانتا ہوں کہ سلمان، مزدک کا پرستار ہے۔ (فرہنگ دیکھیے) مزدک کے حوالے سے برابری کی بات کی ہے، ظاہر ہے مزدک غیر عرب ہے۔

۱۵- عبداللہ کے بیٹے (حضور اکرم محمدؐ) نے اس نظریے کا فریب کھایا ہے اور یوں اس / آپؐ نے عرب پر ایک قیامت ڈھادی ہے۔

۱۶- ہاشم کے خاندان والے یعنی قریش (یا حضور اکرمؐ کے اہل خاندان) اپنے نسب سے دور ہو گئے ہیں۔ گویا انہوں نے اپنی خاندانی فضیلت و برتری کو بھلا دیا اور کمتر درجے کے لوگوں کو اپنے برابر سمجھ لیا ہے۔ دو رکعتوں کی نماز سے ان کی آنکھیں بے نور ہو گئی ہیں یعنی اسلام نے اس برابری کے حوالے سے باعزت اور بے عزت انسانوں میں فرق ختم کر دیا ہے۔ نماز کے حوالے سے برابری کی بات علامہ کی نظم ''شکوہ'' کے ان شعروں میں زبردست صورت میں ہوئی ہے:

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمودؔ و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

۱۷- (اسلام نے غیر عربوں کو عربوں کے برابر تو کر دیا ہے لیکن) یہ بھی تو پتا چلے کہ غیر عرب کی عدنانی اصل کہاں ہے، مطلب یہ کہ کوئی بھی غیر عرب عدنان کی نسل سے نہیں ہے۔ (فرہنگ) وہ عربوں کے ہم پلہ کیونکر ہو سکتے ہیں (نہیں ہو سکتے) بھلا ایک گونگے آدمی میں سحبانؔ جیسا فصیح انداز گفتگو کیونکر پیدا ہو سکتا ہے، غیر عرب کو گونگا کہا ہے۔

۱۸- عرب کے خاص لوگوں کی آنکھ اندھی ہو گئی ہے۔ اے زہیرؔ کیا تو خاکِ قبر سے باہر نہیں آئے گا، یعنی باہر آ اور اس صورت حال کا توڑ کر (نیز فرہنگ)

۱۹- اے کہ تو (زہیرؔ) ہمارے لیے اس صحرا میں رہنما ہے (باہر آ اور) جبرئیل کی نوا کے

جادو کا توڑ کر۔ ابوجہل قرآن کریم کی تاثیر سے آگاہ ہو کر اس کے بارے میں یہ کہا کرتا تھا کہ یہ جادو بھرے الفاظ ہیں۔ ابوجہل زہیر سے گویا یہ کہتا ہے کہ قبر سے باہر آ اور اپنی مخالف اسلام شاعری سے اس کا سحر وافسوں توڑ دے۔

۲۰- باز گو اے سنگِ اسود باز گوے ‏ ‏ آنچہ دیدیم از محمدؐ باز گوے
۲۱- اے ہبلؔ اے بندہ را پوزش پذیر ‏ ‏ خانۂ خود را ز بے کیشاں بگیر
۲۲- گلۂ شاں را بگرگاں کن سبیل ‏ ‏ تلخ کن خرمائے شاں رابر نخیل
۲۳- صرصرے دہ بادِ ہوائے بادیہ ‏ ‏ اَنَّھُم اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃ
۲۴- اے منات، اے لات ازیں منزل مرو ‏ ‏ گر ز منزل می روی از دل مرو
۲۵- اے ترا اندر دو چشم ما وثاق ‏ ‏ مہلتے اِنْ کُنْتِ اَزْمَعْتِ الْفِرَاق

۲۰- تو پھر کہہ اے سنگ اسود پھر کہہ۔ ہم نے محمدؐ سے جو کچھ دیکھا ہے وہ تو پھر کہہ۔ یعنی ابوجہل اب سنگ اسود سے کہتا ہے کہ اہل اسلام کے ہاتھوں کعبہ کے بتوں کی توڑ پھوڑ کا تو عینی گواہ ہے۔ اس لیے تو اس صورت حال پر روشنی ڈال، بیان کر۔

۲۱- اے ہبلؔ، تو جو بندوں کی معذرت ومعافی قبول کرنے والا ہے، بے دینوں سے اپنا گھر واپس لے۔ اہل اسلام نے تجھے کعبہ سے نکال دیا (توڑ دیا) ہے تو ان کو نکال دے اور اپنے گھر میں پھر آ جا۔

۲۲- ان کے بھیڑوں کے ریوڑ کو بھیڑیوں کے سپرد کر دے اور کھجور کے درخت پر جو کھجوریں ہیں ان کو ان اہل اسلام کے لیے کڑوی کر دے۔

۲۳- تو ان پر صحرا کی ہوا کو تیز اور زہریلی گرم ہوا بنا کر بھیج تا کہ وہ اس طرح گر جائیں جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے گرتے ہیں۔ (دوسرے مصرع میں سورۂ القمر، آیت ۲۰ کا اقتباس ہے، نیز فرہنگ دیکھیے)

۲۴- اے منات اور اے لات، تم کہ میرے دو عظیم خدا ہو، اس منزل (کعبہ) سے مت جاؤ۔ اگر تم یہ منزل چھوڑ بھی دو یا چھوڑنے پر مجبور بھی ہو جاؤ تو پھر ہمارے دلوں سے نہ جاؤ یعنی ہمارے دل تمہاری یادوں میں محو رہیں۔

۲۵- اے وہ (لات ومنات) کہ ہماری آنکھوں کے اندر تمہارا گھر ہے، اگر تم نے ہم سے جدا/دور ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے، پھر بھی کچھ دیر کے لیے تو رک جاؤ۔ (نیز فرہنگ...)

فلکِ عطارد

زیارتِ اَرواحِ جمال الدین افغانی وسعید حلیم پاشا

۱- مشتِ خاکے کارِ خود را بردہ پیش — در تماشائے تجلی ہائے خویش
۲- یا من افتادم بدامِ ہست و بود — یا بدامِ من اسیر آمد وجود
۳- اندریں نیلی تتق چاک ازمن است؟ — من زا فلاکم کہ افلاک ازمن است
۴- یاضمیرم را فلک در بر گرفت — یاضمیرِ من فلک را در گرفت
۵- اندرون است ایں کہ بیرون است؟ چیست؟ — آنچہ می بیندنگہ چون است؟ چیست
۶- پر زنم بر آسمانے دیگرے — پیشِ خود بینم جہانے دیگرے
۷- عالمے باکوہ و دشت و بحر و بر — عالمے از خاکِ ما دیرینہ تر
۸- عالمے از 'ابرکے' بالیدہ ے — دستبردِ آدمے نادیدہ ے
۹- نقشہا نابستہ برلوحِ وجود — خردہ گیرِ فطرت آنجا کس نبود

۱- خاک کی مٹھی/ آدمی یعنی اقبال نے اپنی تجلیوں کے تماشا میں اپنا کام آگے بڑھایا، یعنی چاند کے فلک سے فلکِ عطارد کا رخ کیا۔

۲- یا تو یہ کیفیت تھی کہ میں (اقبال) زمان ومکاں/ مادی دنیا کے دام/ جال میں گرفتار تھا یا اب یہ صورت حال ہے کہ وجود میرے جال میں گرفتار ہے۔ مطلب یہ کہ جب تک انسان اپنی معرفت سے بے خبر رہتا ہے اس پر زمان ومکاں/ مادی دنیا کا غلبہ رہتا ہے اور جب وہ اپنی معرفت سے آگاہ ہوجاتا ہے تو وہ زمان ومکاں پر غالب آجاتا ہے۔

۳- کیا اس نیلے آسمان کے اندر چاک مجھ سے ہے؟ (یعنی واقعی مجھ سے ہے) کیا میں افلاک سے ہوں یا افلاک مجھ سے ہیں۔ گویا میں نہیں بلکہ افلاک ہی مجھ سے ہیں۔

۴- یا تو یہ بات ہے کہ فلک نے میرے ضمیر کو اپنے اندر سمولیا ہے یا پھر میرے ضمیر نے فلک کو اپنے اندر سمولیا ہے۔ تیسرے شعر والا انداز، یعنی میرے ہی ضمیر نے فلک کو اپنے پہلو میں سمولیا ہے۔

۵- اپنے اردگرد یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ کیا یہ خود میرے اندر کا منظر ہے یا میرے باہر ہے، کیا ہے، یعنی اصل حقیقت کیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ سب کچھ خود میرے

اپنے اندر ہے۔ میری نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں، وہ کیسا ہے اور کیا ہے؟ مطلب یہ کہ جو کچھ بھی ہے سب میرے ہونے کے باعث ہے۔

۶- اب میں ایک اور آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا ہوں۔ میں اپنے سامنے ایک اور جہان دیکھ رہا ہوں۔

۷- یہ جہان، جدھر میں اب جا رہا ہوں، ایک ایسا عالم ہے جس میں پہاڑ، جنگل، سمندر اور خشکی یعنی سب کچھ ہے اور یہ ایک ایسا عالم ہے جو ہماری زمین سے بہت قدیم یعنی بہت پہلے کا ہے۔

۸- یہ عالم ایک چھوٹے سے بادل سے ابھرا یعنی پیدا ہوا ہے اور جس نے انسان کی لوٹ مار نہیں دیکھی۔ اس لوٹ مار سے محفوظ ہے۔

۹- اس عالم کے وجود کی تختی پر ابھی کوئی نقش ثبت نہیں ہوا اور وہاں ابھی کوئی بھی انسان فطرت پر نکتہ چینی کرنے والا نہ تھا۔

۱۰- من بہ رومی گفتم "ایں صحرا خوش است — در کہستان شورشِ دریا خوش است
۱۱- من نیابم از حیات ایں جانشاں — از کجا می آید آوازِ اذاں"؟
۱۲- گفت رومی "ایں مقامِ اولیاست — آشنا ایں خاکداں با خاکِ ماست
۱۳- بوالبشر چوں رخت از فردوس بست — یک دو روزے اندریں عالم نشست
۱۴- ایں فضاہا سوزِ آہش دیدہ است — نالہ ہائے صبح گاہش دیدہ است
۱۵- زائرانِ ایں مقامِ ارجمند — پاک مرداں از مقاماتِ بلند
۱۶- پاک مرداں چوں فضیلؒ و بوسعیدؒ — عارفاں مثلِ جنیدؒ و بایزیدؒ
۱۷- خیز تا مارا نماز آید بدست — یک دو دم سوز و گداز آید بدست"

۱۰- یہاں پہنچ کر میں نے رومیؒ سے کہا کہ یہ صحرا اچھا ہے اور اس کے پہاڑوں میں سمندر کا شور دل کو بھاتا ہے۔

۱۱- لیکن مجھے یہاں زندگی کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آ رہا۔ پھر یہ اذان کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟

۱۲- میرے راہنمائے سفر رومیؒ بولے "یہ اولیا (اللہ کے دوستوں) کا مقام ہے۔ اس کی زمین یا یہ زمین ہماری خاک سے آشنا ہے۔ ہماری خاک سے مراد آدمؑ ہے۔

۱۳- جب بوالبشر/آدم نے فردوس سے اپنا سامانِ سفر باندھا تو انہوں نے دو ایک روز

یہاں قیام کیا تھا۔

۱۴- یہاں کی فضاؤں نے آدم کی آہوں کا سوز دیکھا ہے اور ان کے صبح کے نالے بھی دیکھے/سنے ہیں۔ جنت سے جب انہیں نکالا گیا تو وہ یہاں پر سوز آہیں بھرتے اور نالہ وزاری کرتے رہے۔

۱۵- اس مقامِ ارجمند کی زیارت کرنے والے بلند مقامات والے پاک مرد/لوگ ہیں۔ گویا یہاں کی زیارت ہر کسی کے مقدر میں نہیں ہے، صرف عظیم مرتبہ پاک لوگ ہی اس کے زائر بنتے ہیں۔

۱۶- وہ پاک مرد فضیلؒ اور بوسعیدؒ جیسے ہیں اور عارف جنیدؒ اور بایزیدؒ جیسے ہیں۔ (فرہنگ دیکھیے)

۱۷- تو (اقبال) اب جلدی سے اٹھ تاکہ ہمیں ان عظیم مرتبہ ہستیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہو، اور یوں کچھ دیر کے لیے ہم بھی سوز درد کی نعمت حاصل کر لیں۔ ہم میں بھی ان کی طرح جذبہ عشق کی بدولت سوز وگداز پیدا ہو۔

۱۸- رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام — مقتدی تاتار و افغانی امام
۱۹- پیرِ رومی ہر زماں اندر حضور — طلعتش برتافت از ذوق و سرور
۲۰- گفت ''مشرق زیں دوکس بہتر نزاد — ناخن شاں عقدہ ہائے ماکشاد
۲۱- سید السادات مولانا جمال — زندہ از گفتارِ او سنگ و سفال
۲۲- ترک سالار آں حلیم درد مند — فکرِ او مثلِ مقامِ او بلند
۲۳- باچنیں مرداں دو رکعت طاعت است — ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است''

۱۸- میں آگے بڑھا اور ایک جگہ دو آدمیوں کو نماز میں کھڑے دیکھا۔ مقتدی تو تاتار تھے جبکہ امامت افغانی کر رہے تھے۔ تاتار سے مراد سعید حلیم پاشا ہیں۔

۱۹- میرے مرشدِ رومیؒ جو ہر وقت محبوبِ حقیقی کی حضوری میں رہتے ہیں، ان کا چہرہ ذوق و سرور کی تجلی سے چمک اٹھا۔ وہ تو پہلے ہی عشق الٰہی میں محو رہتے ہیں، اس منظر نے ان کو اور بھی مست ومحو کر دیا، جس سے ان کا چہرہ خوب چمکنے لگا۔

۲۰- رومی بولے کہ سرزمینِ مشرق (اسلامی ممالک) نے (اس دور میں) ان دو ہستیوں سے بہتر اور کوئی ہستی پیدا نہیں کی۔ ان ہستیوں (سعید حلیم اور افغانی) کے ناخنوں نے ہماری گتھیاں سلجھائیں یعنی ان کے کارناموں اور کاوشوں نے ہماری مشکلات حل کی ہیں۔

۲۱- ان میں ایک تو سید السادات مولانا جمال (جمال الدین افغانیؒ) ہیں جن کی گفتار سے مٹی اور پتھر زندہ ہو گئے۔ گویا انہوں نے مردہ دل مسلمانوں میں عشق کے جذبے اور ولولے پیدا کیے۔

۲۲- دوسری ہستی ترک سالار (ترک قوم کے لیڈر/رہنما) وہ دردمند حلیم ہیں جن کی فکر ان کے مقام و رتبہ کی طرح بلند ہے۔ بلند مقام و مرتبہ اشارہ ہے ان کے مختلف عظیم عہدوں پر فائز ہونے کی طرف۔ ان کا ذکر فرہنگ میں ہے۔

۲۳- ایسی عظیم ہستیوں کے ساتھ مل کر دو رکعت نماز ادا کرنا صحیح معنوں میں عبادت ہے۔ ورنہ نماز/عبادت تو ایک ایسا کام ہے جس کی مزدوری/اجرت جنت ہے۔ یعنی لوگ جنت کے خیال سے عبادت کرتے ہیں جبکہ یہ لوگ اس سے بے نیاز ہو کر حضورِ قلب اور سچے جذبوں کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

۲۴- قرأت آں پیر مردے سخت کوش ۔۔۔ سورۂ ''والنجم'' وآں دشتِ خموش
۲۵- قرأتے کزوے خلیلؑ آید بوجد ۔۔۔ روحِ پاک جبرئیل آید بوجد
۲۶- دل ازو در سینہ گردد ناصبور ۔۔۔ شورِ ''اِلا اللہ'' خیزد از قبور
۲۷- اضطرابِ شعلہ بخشد دود را ۔۔۔ سوز و مستی می دہد داؤد را
۲۸- آشکارا ہر غیاب از قرأتش ۔۔۔ بے حجاب اُم الکتاب از قرأتش

۲۴- اس سخت کوش پیر مرد کی قرأت، سورۂ والنجم اور وہ خاموش دشت۔ گویا افغانی نماز میں بطورِ امام سورۂ والنجم پڑھ رہے تھے اور اس خاموش فضا میں ان کی پرتاثیر آواز کچھ اس طرح گونج رہی تھی کہ الفاظ میں اسے بیان کرنا ممکن نہیں۔ سورۂ والنجم میں حضور اکرمؐ کے واقعہ معراج اور وہاں کے اسرار و رموز سے متعلق اشاروں میں بیان ہے۔ اسی لیے علامہ نے اس سورت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

۲۵- افغانیؒ کی قرأت کچھ اس انداز کی تھی کہ اس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے پیغمبر بھی وجود میں آ جائیں اور جبرئیل کی پاک روح بھی وجد میں آنے لگے۔

۲۶- ان کی ایسی قرأت تھی جس سے دل سینے میں بیقرار ہو جاتا ہے اور قبروں سے ''الا اللہ'' کا شور اٹھنے لگے۔ یعنی جسے سن کر مردے بھی اللہ کی توحید و معبودیت کا اقرار کرتے ہوئے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں۔

۲۷- یہ قرأت دھوئیں کو شعلے کی بیقراری بخشتی اور حضرت داؤد کو سوز و مستی عطا کرتی ہے۔

(فرہنگ دیکھیے) گویا حضرت داؤدؑ جیسے پیغمبر بھی اس قرأت سے بے حد متاثر ہوتے۔

۲۸- افغانی کی ایسی قرأت سے ہر غیب، ظاہر ہو رہا تھا اور اس کی قرأت سے اُم الکتاب بے حجاب ہو رہی تھی۔ گویا قرآن کریم کی صحیح معنوں میں تفہیم ہو رہی تھی اور ہر غیب حاضر بن کر سامنے آ رہا تھا۔

۲۹- من زجا برخاستم بعد از نماز دستِ او بوسیدم از راہِ نیاز
۳۰- گفت رومی ''ذرۂ گردوں نورد در دلِ او یک جہانِ سوز و درد
۳۱- چشم جز برخویشتن نکشادہ ئے دل بکس نادادہ ئے آزادہ ئے
۳۲- تند سیر اندر فراخائے وجود من زشوخی گویم اورا زندہ رودؔ''

۲۹- میں (اقبال) نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا اور نیاز مندی کے ساتھ اس (افغانی) کا ہاتھ چوما۔

۳۰- رومیؔ (میرا تعارف کراتے ہوئے افغانی سے) کہنے لگے کہ یہ ایک ذرہ ہے جو آسمان کو طے کرنے والا ہے یعنی آسمانوں کی سیر کرنے آیا ہے۔ اس کے دل میں سوز و درد کی ایک دنیا سمائی ہوئی ہے۔ علامہ نے انکسار کے طور پر خود کو ذرہ کہا ہے۔

۳۱- اس نے اپنے سوا کسی اور پر آنکھ نہیں کھولی۔ اس نے کسی کو دل نہیں دیا۔ یہ ایک آزاد انسان ہے۔ گویا اپنی معرفت سے آگاہی اس کا طرزِ عمل ہے اور کسی کے دامِ محبت میں گرفتار نہ ہونے کے باعث وہ آزادانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔

۳۲- وہ کائنات کی وسعت میں سیر میں سرگرم ہے۔ میں (رومی) از راہِ شوخی اسے اقبال کہنے کی بجائے زندہ رود کہتا ہوں۔ (فرہنگ)

افغانیؔ

۱- ''زندہ رودؔ! از خاکدانِ ما بگوے از زمین و آسمانِ ما بگوے
۲- خاکی و چوں قدسیاں روشن بصر از مسلماناں بدہ مارا خبر''

۱- افغانی میرے اس تعارف کے بعد بولے کہ اے زندہ رود تو ہماری دنیا کے بارے میں کچھ بتا، ہمارے زمین و آسمان کے بارے میں کچھ بتا۔ یعنی اب وہاں کیا صورتِ حال ہے، اس کے بارے میں ہمیں آگاہ کر۔

۲۔ تو ہے تو مٹی سے تخلیق شدہ لیکن فرشتوں کی طرح روشن بصر ہے۔ یعنی گہری بصیرت والا ہے، تو ہمیں (خاص طور پر) مسلمانوں کے بارے میں کچھ بتا۔

زندہ رود

۱۔ در ضمیرِ ملتِ گیتی شکن — دیدہ ام آویزشِ دین و وطن

۲۔ روح درتن مردہ از ضعفِ یقیں — نا امید از قوتِ دینِ مبیں

۳۔ ترک و ایران و عرب مستِ فرنگ — ہر کسے را در گلو شستِ فرنگ

۴۔ مشرق از سلطانیِ مغرب خراب — اشتراک از دین و ملت بردہ تاب

۱۔ (زندہ رود/اقبال جواب میں کہتا ہے) گیتی شکن ملت کے ضمیر میں میں نے دین اور وطن کی آویزش دیکھی ہے۔ گویا آج کا مسلمان مغربی تہذیب وفکر سے متاثر ہو کر رنگ ونسل، حسب ونسب اور وطن پرستی کے چکر میں پڑ کر جہاں دین کی آفاقی روح سے بیگانہ ہو گیا ہے وہاں اس نے ملت کو انتشار وافتراق کا شکار کر دیا ہے۔

۲۔ یقین وایمان کی کمزوری کے باعث اس کی روح جسم میں مردہ ہو چکی ہے اور وہ دینِ مبین اسلام کی قوت سے ناامید ہے۔ اس میں جذبے اور ولولے نہیں رہے جس کی وجہ سے وہ محض چلتی پھرتی لاش بن کے رہ گیا ہے اور اسی بنا پر وہ اپنے عظیم وقوی دینِ اسلام کے بارے میں مایوسیوں کا شکار ہے۔

۳۔ کیا ترک اور کیا ایران و عرب سبھی مسلم ممالک یورپی تہذیب وفکر سے بری طرح متاثر ہو کر اسی میں کھوئے رہتے ہیں۔ ہر مسلمان کے گلے میں انگریزوں/فرنگیوں کا پھندا پڑا ہوا ہے۔ گویا آج کا مسلمان اہل یورپ کا سیاسی طور پر بھی غلام ہے اور فکر و خیال کے لحاظ سے بھی اس نے اس کی غلامی بخوشی قبول کی ہوئی ہے۔

۴۔ مشرق یعنی مسلمان ممالک یورپ کی حکمرانی کے باعث بربادی کا شکار ہیں جبکہ اشتراکیت یعنی سوشلزم نے دین وملت کی چمک دمک ہی اڑا ای ہے۔ مطلب یہ کہ یورپ کے حکومت و جمہوریت کے نام نہاد نظریات نے مسلمانوں کے دلوں سے ان کا اپنا دینی نظریہ (دین اور سیاست الگ الگ نہیں ہیں) بھلا دیا ہے۔

افغانی

دین و وطن

۱- لردِ مغرب آں سراپا مکر و فن — اہل دیں را داد تعلیم وطن
۲- او بفکرِ مرکز و تو در نفاق — بگذر از شآم و فلسطیؔن و عراؔق
۳- تو اگر داری تمیزِ خوب و زشت — دل نہ بندی باکلوخ و سنگ و خشت
۴- چیست دیں؟ برخاستن از روئے خاک — تا ز خود آگاہ گردد جانِ پاک
۵- می نگنجد آں کہ گفت اللہ ھو — در حدودِ ایں نظامِ چار سو
۶- پرِ کہ از خاک و برخیزد زخاک — حیف اگر در خاک میرد جانِ پاک
۷- گرچہ آدم بردمید از آب و گل — رنگ ونم چوں گل کشید از آب وگل
۸- حیف اگر در آب و گل غلتد مدام — حیف اگر برتر نپرد زیں مقام
۹- گفت تن در شو بخاکِ رہگذر — گفت جاں پہنائے عالم رانگر
۱۰- جاں نگنجد درجہات اے ہوشمند — مردِ حُر بیگانہ از ہر قید و بند
۱۱- حُر زخاکِ تیرہ آید در خروش — زاں کہ از بازاں نیاید کارِ موش

۱- (اب افغانی بول رہے ہیں) مغرب کے لارڈ نے، جو سراسر مکر وفریب ہے، اہل دین کو وطن کی تعلیم دی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کے مطابق ملت وطن کے حوالے سے بنتی ہے، دین کے حوالے سے نہیں۔

۲- (یورپ نے ہم مسلمانوں کو تو نظریۂ دین سے دور کر دیا ہے لیکن خود تو وہ مرکز (مرکزیت) کی فکر میں ہے اور تو انتشار و افتراق میں کھویا ہوا ہے۔ تو (مسلمان) شام اور فلسطین و عراق یعنی وطنیت کے چکر سے نکل۔

۳- اگر تجھ میں اچھے اور برے یا حق اور باطل میں فرق کا شعور ہے تو پھر تجھے ڈھیلوں، اینٹوں اور پتھروں سے دل نہ لگانا چاہیے۔ یعنی وطن ہی کو سب کچھ سمجھ کر آپس میں نفاق مت پیدا کر۔

۴- دین کیا ہے؟ دین خاک پر سے اٹھنے کا نام ہے تا کہ جانِ پاک اپنے آپ سے آگاہ ہو جائے۔ دین مادہ پرستی سے دور رہنے اور اپنی معرفت حاصل کر کے اپنی بقا کا

سامان کرنے کا نام ہے۔

۵- جو کوئی ''اللہ ھو'' کہتا ہے۔ (صرف اللہ کو معبودِ مطلق مانتا ہے) وہ اس چار طرفوں والے نظام یعنی زمان و مکاں کی حدود میں نہیں سماتا۔ ایک صحیح مسلمان توحید پرست وطنیت کے چکر میں نہیں پڑتا۔ اس کے نزدیک پوری دنیا مسلمان کا وطن ہے کہ یہ سب اس کے خالق کی تخلیق ہے۔

۶- گھاس کا تنکا اگرچہ خاک سے ہے لیکن وہ خاک سے اوپر اٹھتا ہے، گویا اسے مٹی میں رہنا اچھا نہیں لگتا تو پھر افسوس کی بات ہوگی اگر جانِ پاک خاک میں مر جائے یعنی اگر مسلمان مادہ/جسم پرستی میں پڑ کر روح سے بیگانہ ہو جائے تو یہ مقامِ افسوس ہوگا۔

۷- اگرچہ آدمی کی تخلیق پانی اور مٹی یعنی عناصر (چار عناصر آب و آتش، خاک و باد) سے ہوئی ہے، لیکن اس نے اس سے پھول کی طرح رنگ اور نمی حاصل کی ہے۔ گویا وہ محض مٹی کا پتلا نہیں بلکہ اس کے جسم میں روح بھی ہے جسے سچے جذبوں سے زندہ رکھا جا سکتا ہے۔

۸- یہ افسوس کی بات ہوگی۔ اگر وہ (آدمی) ہمیشہ مٹی اور پانی ہی میں لوٹتا رہے۔ افسوس ہوگا اگر وہ اس مقام سے بلند پروازی نہ کرے یعنی مادی دنیا ہی کے عارضی فائدوں میں نہ الجھا رہے بلکہ خود کو روحانی جذبوں سے سرشار کر کے بلند مرتبہ حاصل کرے اور یوں صاحب بقا ہو جائے۔

۹- جسم نے تو یہ کہا کہ تو راستے کی خاک میں مل جا جبکہ جان نے کہا کہ تو کائنات کی وسعت کو دیکھ۔ جسم تجھے مادیت کی طرف کھینچتا ہے جبکہ جان تجھے بلند پروازی کی نصیحت کرتی ہے تاکہ تو بلند مقام حاصل کرے۔

۱۰- اے صاحبِ ہوش و خرد! جان اطراف یعنی زمان و مکاں کی حدود میں نہیں سماتی۔ آزاد مرد یا مردِ حق ہر طرح کی قید و بند سے آزاد ہوتا ہے۔

۱۱- آزاد مرد خاکِ تیرہ/ سیاہ مٹی سے بلبلا اٹھتا ہے، اس لیے کہ بازوں سے چوہوں کا کام نہیں ہوتا یعنی وہ اس خاک کے خلاف آواز بلند کرتا اور جہانِ روشن کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔

۱۲- آں کفِ خاکے کہ نامیدی وطن ــــ ایں کہ گوئی مصر و ایران و یمن

۱۳- باوطن اہلِ وطن را نسبتے است ــــ زانکہ از خاکش طلوعِ ملتے است

۱۴- اندریں نسبت اگر داری نظر　　نکتہ ے بینی ز مو باریک تر
۱۵- گرچہ از مشرق بر آید آفتاب　　با تجلّی ہائے شوخ و بے حجاب
۱۶- در تب و تاب است از سوزِ دروں　　تا ز قیدِ شرق و غرب آید بروں
۱۷- بردمد از مشرقِ خود جلوہ مست　　تا ہمہ آفاق را آرد بدست
۱۸- فطرتش از مشرق و مغرب بری است　　گرچہ او از روئے نسبت خاوری است

۱۲- وہ مٹی کی مٹھی یعنی سرزمین جسے تو نے وطن کا نام دے رکھا ہے، یہ کہ جسے تو مصر اور ایران اور یمن کہتا ہے، کفِ خاک استعارہ ہے تصورِ وطنیت کا جو ملت کی تقسیم کا باعث بنتا ہے۔

۱۳- اہل وطن کو وطن سے تعلق ہے، اس لیے کہ اس کی خاک سے ایک قوم وجود میں آتی ہے۔ گویا کسی قوم کا وجود وطن ہی سے ہے، مذہب سے نہیں اور یہ نظریہ یورپی فکر کا نتیجہ ہے۔

۱۴- اگر تو (اقبال) اس تعلق و نسبت پر نظر کرے تو پھر تجھے اس میں بال سے بھی زیادہ باریک نکتہ نظر آئے گا اور وہ یہ کہ اس نظریہ سے قوموں بالخصوص مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا ہے۔

۱۵- آفتاب اگرچہ مشرق سے طلوع ہوتا / آتا ہے اور اس میں شوخ / تیز اور بے حجاب تجلیاں ہوتی ہیں، یعنی بہت تیز روشنی اور کرنوں کے ساتھ وہ طلوع ہوتا ہے؛

۱۶- وہ اپنے اندرونی سوز کی وجہ سے کشمکش میں ہوتا ہے تاکہ وہ مشرق اور مغرب کی قید سے آزاد ہو جائے۔

۱۷- لیکن وہ اپنے مشرق سے جلوہ میں مست ہو کر نکلتا ہے، یہاں تک کہ وہ تمام کائنات کو ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ دوسرے مصرعے کا ترجمہ یہاں تک کی بجائے ''تاکہ'' سے بھی ممکن ہے، یعنی تاکہ وہ تمام کائنات کو اپنے ہاتھ یعنی اپنی کرنوں کی لپیٹ میں لے لے۔

۱۸- اس کی فطرت مشرق اور مغرب سے آزاد ہے، گو وہ نسبت کے لحاظ سے مشرقی ہے۔ مطلب یہ کہ مردِ آزاد بھی اسی طرح حدود و قیود سے آزاد ہے اور انسانوں کو ایسا ہی بننا چاہیے۔

اشتراکیت و ملوکیت

۱- صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیلؑ　　یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل

۲- زانکہ حق در باطلِ او مضمر است | قلب او مومن دماغش کافر است
۳- غربیاں گم کردہ اند افلاک را | در شکم جویند جانِ پاک را
۴- رنگ و بو از تن نگیرد جانِ پاک | جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
۵- دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس | برمساواتِ شکم دارد اساس
۶- تا اخوت را مقام اندر دل است | بیخ اُو در دل نہ در آب و گل است

۱- حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی نسل سے ایک آدمی جو کتاب ''سرمایہ'' کا مصنف ہے، وہ گویا جبرئیل کے بغیر ایک پیغمبر ہے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۲- چونکہ حق اس کے باطل میں چھپا ہوا ہے، اس لیے اس کا دل تو مومن ہے لیکن اس کا دماغ کافر ہے۔ مطلب یہ کہ اس کے نظریہ میں کسی قدر حق کی بات ہے لیکن وہ باطل کے اثرات کو چھپانے کی خاطر ہے۔ کافر اس لحاظ سے کہ وہ خدا کا منکر ہے۔

۳- اہل مغرب نے افلاک کو گم کر دیا ہے۔ وہ پیٹ میں جانِ پاک تلاش کرتے ہیں۔ گویا ان کے نظریات و افکار صرف مادی دنیا ہی کے حوالے سے ہیں اور ان کے نزدیک شکم پروری ہی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ روحانیت کی طرف ان کی بالکل توجہ نہیں۔

۴- جانِ پاک بدن سے رنگ و بو حاصل نہیں کرتی۔ اشتراکیت (کمیونزم) کو صرف جسم ہی سے سروکار ہے۔ وہی بات کہ ان کی ساری توجہ مادیت کی طرف ہے۔

۵- اس حق ناشناس یعنی خدا کے منکر پیغمبر (کارل مارکس) کا دین پیٹ کی مساوات کی بنیاد پر قائم ہے۔

۶- چونکہ اخوت کا مقام دل کے اندر ہے، اس لیے اس کی جڑ دل ہی کے اندر ہے، جسم میں نہیں۔ کارل مارکس کی اخوت دراصل مساواتِ شکم ہے، جبکہ اسلام کے مطابق یہ اخوت دل میں ہے اور اس میں سب انسان برابر ہیں، کالے گورے کی کوئی تمیز نہیں، جبکہ مساواتِ شکم کا معاملہ اس کے سراسر برعکس ہے۔

۷- ہم ملوکیت بدن را فربہی است | سینۂ بے نورِ او از دل تہی است
۸- مثلِ زنبورے کہ برگل می چرد | برگ را بگذارد و شہدش برد
۹- شاخ و برگ و رنگ و بوئے گل ہماں | برجمالش نالۂ بلبل ہماں
۱۰- از طلسم و رنگ و بوئے او گذر | ترکِ صورت گوے و در معنی نگر
۱۱- مرگِ باطن گرچہ دیدن مشکل است | گل مخواں او را کہ در معنی گل است

۷- ملوکیت بھی جسم ہی کے موٹاپے کا نام ہے۔ اس کا بے نور سینہ دل سے خالی ہے یعنی اس کی بھی ساری توجہ مادیت ہی کی طرف ہے۔ انسان دوستی اور روحانی جذبوں کی بجائے اس کی ساری توجہ ذاتی مفاد پر ہے۔

۸- اس (ملوکیت) کی کیفیت شہد کی اس مکھی کی سی ہے جو پھول پر چرتی ہے، پتے چھوڑ دیتی ہے اور اس سے شہد نکال لے جاتی ہے۔

۹- مکھی کے شہد چوسنے کے بعد پھول کی شاخ اور پتیاں اور اس کا رنگ اور خوشبو اپنی اصل صورت/ حالت ہی میں رہتے ہیں اور اس (پھول) کے حسن پر بلبل کا نالہ بھی ویسا ہی رہتا ہے۔ گویا اس کا ظاہری حسن تو ویسا ہی رہتا ہے لیکن اس کے اندر مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔

۱۰- تو (اقبال) اس کے رنگ و بو کے طلسم سے گذر جا، اس پر توجہ نہ کر۔ تو صورت چھوڑ کر حقیقت یا باطن پر توجہ کر۔ جس طرح پھول کا ظاہر شہد سے خالی ہونے کے باوجود ویسا ہی رہتا ہے کچھ ایسی ہی صورت حال ملوکیت کی ہے۔ یعنی ملوکیت میں عوام بظاہر ٹھیک ٹھاک دکھائی دیتے ہیں لیکن دلی طور پر وہ غلامی کے مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں گویا ان کا جسم تو زندہ رہتا ہے لیکن ان کی روح مر جاتی ہے۔ ان میں روحانی جذبے نہیں رہتے۔

۱۱- اگرچہ باطن کی موت کو دیکھنا مشکل ہے، تاہم تو پھول کو، جو شہد سے خالی ہو چکا ہے، پھول نہ کہہ، اس لیے کہ حقیقت/ باطن میں وہ محض مٹی ہے۔ کچھ یہی صورت حال ملوکیت میں انسانوں کی ہوتی ہے کہ ان کا باطن بھی ایک طرح سے مٹی ہوتا ہے۔ روحانی جذبوں سے دور ہوتا ہے۔

۱۲- ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب ہر دو یزداں ناشناس آدم فریب
۱۳- زندگی ایں را خروج آں را خراج درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج
۱۴- ایں بہ علم و دین و فن آرد شکست آں برد جاں را زِتن ناں را زِ دست
۱۵- غرق دیدم ہر دو را در آب و گل ہر دو را تن روشن و تاریک دل
۱۶- زندگانی سوختن باساختن در گلے تخمِ دلے انداختن

۱۲- اشتراکیت اور ملوکیت دونوں ایسے نظام ہیں جن میں روح عدمِ اطمینان اور بیقراری کی شکار ہے اور یہ دونوں نظام حق ناشناس (منکرِ خدا) اور انسانوں کو دھوکے فریب

میں مبتلا رکھنے والے ہیں۔

۱۳۔ زندگی اس (اشتراکیت) کے لیے گویا ملوکیت اور مذہب کے خلاف بغاوت/ اعلانِ جنگ کا نام ہے، جبکہ اس (ملوکیت) کے لیے یہ خراج ہے۔ یعنی لوگوں پر مختلف صورتوں میں (ٹیکس وغیرہ) ستم ڈھا کر خزانے جمع کرنے کا نام ہے۔ جس کے نتیجے میں آدمی ان دو پتھروں کے درمیان گویا شیشہ ہے جسے مختلف طریقوں سے چکنا چور کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ یہ (اشتراکیت) علم و مذہب اور ہنر و فن کے ذریعے معاشرے کی توڑ پھوڑ کا سامان کرتی ہے جبکہ وہ (ملوکیت) بدن سے روح/ جان اڑا لیتی اور ہاتھ سے روٹی لے جاتی یا چھین لیتی ہے۔ اشتراکیت کے باعث لوگ روحانی جذبوں سے دور ہو جاتے ہیں اور ملوکیت کے نتیجے میں ان کی روزی چھن جاتی ہے۔

۱۵۔ میں نے دونوں کو مادیت یا مادہ پرستی میں غرق دیکھا ہے اور دونوں کے جسم تو روشن ہیں لیکن دل تاریک ہیں۔ وہی شعر ۴ والی بات ذرا بدل کر۔

۱۶۔ زندگی تو سوز و ساز کا نام ہے (جسے ساختن، یعنی موافقت کرنا کے ساتھ سوختن بمعنی جلنا، سوز کہا گیا ہے) اور زندگی مٹی/ جسم میں دل کا بیج بونے/ ڈالنے کا نام ہے۔ حقیقی زندگی کھانے پینے، سونے اور آرام کرنے وغیرہ اور کچھ عرصہ جی کر مر جانے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد جسم میں روح کو یا روحانی جذبوں کو زندہ رکھنا اور اس طرح اپنی بقا کا سامان کرنا ہے۔

سعید حلیم پاشا

شرق و غرب

۱۔ غربیاں را زیرکی سازِ حیات — شرقیاں را عشق رازِ کائنات

۲۔ زیرکی از عشق گردد حق شناس — کارِ عشق از زیرکی محکم اساس

۳۔ عشق چوں با زیرکی ہمبر شود — نقشبندِ عالمِ دیگر شود

۴۔ خیز و نقش عالمِ دیگر بنہ — عشق را با زیرکی آمیز دہ

۵- شعلہ افرنگیاں نم خوردہ ایست چشمِ شاں صاحب نظر دل مردہ ایست
۶- زخم ہا خوردند از شمشیرِ خویش بسمل افتادند چوں نخچیرِ خویش
۷- سوز و مستی را مجو از تاکِ شاں عصرِ دیگر نیست در افلاکِ شاں
۸- زندگی را سوز و ساز از نارِ تست عالمِ نو آفریدن کارِ تست

۱- (اب سعید حلیم بولنے لگے ہیں) اہل مغرب کے لیے زیرکی ہی زندگی کا ساز و سامان ہے جبکہ اہل مشرق کے لیے عشق کائنات کا راز ہے۔ اہل مغرب صرف عقل و دانش ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں۔ اس سے انسان گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر عشق کو زندگی کا رہنما بنایا جائے تو وہ اپنا عظیم مقصد پا لیتی ہے۔

۲- زیرکی عشق سے حق شناس بن جاتی ہے جبکہ عشق کا معاملہ زیرکی سے مضبوط بنیاد والا بن جاتا ہے۔

۳- عشق جب زیرکی سے ہم آغوش ہوتا ہے یعنی عشق اور زیرکی دونوں باہم مل جاتے ہیں تو وہ ایک نئی دنیا کا نقش پیدا کرنے والا بن جاتا ہے۔

۴- تو اٹھ اور ایک اور ہی دنیا کا نقش ثبت کر یعنی عشق اور زیرکی کو باہم ملا دے۔ مطلب یہ کہ تو دونوں سے حتی المقدور کام لے تاکہ مادی دنیا سے ہٹ کر روحانی دنیا وجود میں آئے۔

۵- اہل مغرب/ افرنگیوں کے شعلے میں نمی آ گئی ہے، گویا اس کی حرارت میں کمی آ رہی ہے۔ ان کی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن ان کے دل مردہ ہیں۔ شعلے میں نمی آنے سے مراد ہے کہ مغرب کی تہذیب و فکر کا سحر ٹوٹ رہا ہے جبکہ ان کی سیاسی برتری بھی بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔

۶- اہل مغرب نے اپنی ہی تلوار سے خود کو زخمی کر لیا ہے اور اپنے شکار کی طرح زخمی ہو کر گر پڑے ہیں۔ ''اپنی ہی تلوار.....'' سے مراد ہے کہ انہوں نے اپنی جس گستاخانہ فکر کو پھیلایا آج اسی کی بنا پر وہ خود تنگیِ معیشت کا شکار ہو رہے ہیں۔

۷- ان کی انگور کی بیل (شراب) سے سوز و مستی تلاش نہ کر۔ ان کے آسمانوں میں کوئی اور زمانہ نہیں ہے۔ اہل مغرب سوز و مستی سے، جو روح پروری کا نتیجہ اور بہت بڑی نعمت ہے، دور اور محروم ہیں۔ اپنی اس فکر کی بنا پر وہ کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتے۔ انقلاب یہی ہے کہ انسان میں انسانیت/ آدمیت پیدا ہو جو زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔

۸- زندگی میں جو سوز و ساز ہے وہ تیری (اہلِ مشرق یعنی مسلمان) ہی کی آگ کی

بدولت ہے۔ ایک نئی دنیا پیدا کرنا تیرا کام ہے۔ مطلب یہ کہ اسلام کی بدولت مسلمانوں کا جو نظام زندگی ہے، وہ زندگی کے حقیقی مقصد کو پورا کرتا ہے۔ اس کے مطابق روح و بدن اور عقل و عشق دونوں کے ارتقا کے لیے جدو جہد کرنا ہے۔

۹- مصطفیٰ کو از تجدد می سرود ۔۔۔ گفت "نقشِ کہنہ را باید زدود"
۱۰- نو نگردد کعبہ را رختِ حیات ۔۔۔ گر ز افرنگ آیدش لات و منات
۱۱- ترک را آہنگِ نو در چنگ نیست ۔۔۔ تازہ اش جز کہنہ افرنگ نیست
۱۲- سینہ او را دمے دیگر نبود ۔۔۔ در ضمیرش عالمے دیگر نبود
۱۳- لاجرم باعالم موجود ساخت ۔۔۔ مثلِ موم از سوز ایں عالم گداخت
۱۴- طرفگی ہا در نہادِ کائنات ۔۔۔ نیست از تقلید تقویمِ حیات
۱۵- زندہ دل خلاقِ اعصار و دہور ۔۔۔ جانش از تقلید گردد بے حضور
۱۶- چوں مسلماناں اگر داری جگر ۔۔۔ در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
۱۷- صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست ۔۔۔ عصر ہا پیچیدہ در آناتِ اوست
۱۸- یک جہانش عصرِ حاضر را بس است ۔۔۔ گیر اگر در سینہ دل معنی رس است
۱۹- بندۂ مومن ز آیاتِ خداست ۔۔۔ ہر جہاں اندر برِ او چوں قباست
۲۰- چوں کہن گردد جہانے در برش ۔۔۔ می دہد قرآں جہانے دیگرش

۹- جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال کا، جو تجدد کا راگ الاپتا رہا، کہنا تھا کہ پرانے نقش مٹا دینے چاہئیں۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ ترکی کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ سمرنا کی فتح پر برصغیر کے مسلمان بے حد خوش ہوئے تھے اور جگہ جگہ چراغاں کیا گیا تھا لیکن اس کے اعلان اور پھر جابرانہ طرز حکومت سے سب بدظن ہو گئے۔ اس نے ترکی میں مغربی تہذیب کو رواج دیا، حتیٰ کہ ترکی رسم الخط کو لاطینی رسم الخط میں بدل دیا اور اسلام سے پوری طرح تعلق ختم کر لیا (راقم نے پاکستان سے پہلے امرتسر اور لاہور کے اکثر مسلمانوں کے گھروں میں اس کی بڑی بڑی تصویریں لگی دیکھی ہیں)

۱۰- (بہر حال) اگر افرنگ یعنی یورپ سے اس (کعبہ) کے لیے لات و منات آ بھی جائیں تو بھی کعبہ کا سامانِ زندگی نیا نہیں ہو جائے گا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ مصطفیٰ اتاترک نے مغربی تہذیب کو فروغ دیا ہے لیکن وہ ایک باطل نقش ہے جس کی اسلام جیسے نقشِ حق کے سامنے کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہے۔

۱۱- ترکی کے ساز میں کوئی نیا سر/ راگ نہیں ہے۔ اس کی ہر نئی چیز یورپ والوں کی پرانی چیز کے سوا اور کچھ نہیں ہے یعنی اتاترک (مطفیٰ کمال) نے ترکی کو جدید بنانے کی خاطر یورپ کی جو تقلید کی ہے وہ یورپ کے محض گھسے پٹے نظریات کے حوالے سے ہے اور اس میں کسی قسم کی جدت نہیں ہے۔

۱۲- اس (مصطفیٰ کمال) کے سینے میں کوئی اور یا نیا سانس نہ تھا اور اس کے ضمیر میں کوئی نیا عالم نہ تھا۔ وہی شعرا والی بات نئے استعاروں میں، مطلب یہ کہ مسلمان ہوتے ہوئے اس نے یورپ کے باطل اور گھٹیا نظام کو اپنے ملک میں رائج کر دیا اور یہ اس کی اسلام سے برگشتہ ہونے کی دلیل ہے۔

۱۳- بے شک اس (اتاترک) نے موجودہ عالم سے موافقت کر لی لیکن وہ اس عالم کی تپش سے موم کی طرح پگھل کے رہ گیا۔ گو اس نے بظاہر اپنی جدت پسندی کا مظاہرہ کیا لیکن درحقیقت اس کے اس انداز نے خود اس کی شخصیت کو ملت اسلامیہ میں رسوا کر دیا۔

۱۴- کائنات کی فطرت میں جو انوکھے پن ہیں یا جو جدیدیت ہے وہ زندگی کی تقویم کی جا و بے جا قسم کی پیروی کے باعث نہیں ہیں/ ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

ع اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
(خضر راہ)

۱۵- زندہ دل انسان خود زمانوں اور ادوار کی تخلیق کرتا ہے۔ اس کی جان حقیقت جانے بغیر (دوسروں کی) پیروی سے بے حضور ہو جاتی ہے۔ گویا اس پیروی کی صورت میں چونکہ وہ ایک طرح سے حق نا آشنا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کی روح محبوبِ حقیقی کے فیضان سے محروم ہو جاتی ہے۔

۱۶- اگر تجھ میں مسلمانوں کا سا ہمت و حوصلہ ہے تو پھر ذرا اپنے ضمیر میں جھانک اور قرآن پر نظر کر۔ اپنی معرفت سے آشنا ہو اور قرآن کریم کی تعلیم کو اپنا رہنما بنا۔ دوسروں یا باطل و مادہ پرستوں کی تقلید سے دور رہ۔

۱۷- قرآن کریم کی آیات میں سینکڑوں نئے جہان ہیں۔ اس (مرد مومن) کے اوقات/ زمانے بل کھا رہے ہیں۔ اگر تو ان آیات پر غور و فکر کرے گا تو تجھ میں ایسی قوت پیدا ہو جائے گی جس سے تو نت نئے جہان پیدا کر سکے گا۔

۱۸- قرآنِ کریم کی آیات میں موجود جہانوں میں سے دورِ حاضر کے لیے ایک ہی جہان

کافی ہے۔ سو اگر تیرے سینے میں معنی رس دل ہے تو تو اسے حاصل کر لے۔

۱۹- بندۂ مومن خدا کی نشانیوں میں سے ہے اور اس بنا پر ہر جہاں اس کے پہلو میں قبا کی مانند ہے یعنی ہر جہان اس کے لیے سازگار/موافق ہے۔

۲۰- جب کوئی جہان اس کے پہلو میں پرانا ہو جاتا ہے تو قرآن کریم اسے ایک اور نیا جہان عطا کر دیتا ہے۔ چونکہ پہلے قبا کی طرح کہا ہے' اس لیے اس حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ بندۂ مومن قرآن کریم پر غور و فکر کے باعث اور اس کے فیضان سے نت نیا جہان تخلیق کرتا رہتا ہے جس طرح قبا پرانی ہونے سے آدمی نئی قبا کا سامان کرتا ہے۔

زندہ رود

۱- زورقِ ما خاکیاں بے ناخداست   کس نداند عالمِ قرآں کجاست

۱- ہم انسانوں کی کشتی ملاح کے بغیر ہے۔ کسی کو یہ خبر نہیں کہ قرآن کریم کا جہان کہاں ہے۔

افغانی

۱- عالمے در سینہ ما گم ہنوز   عالمے در انتظارِ قم ہنوز
۲- عالمے بے امتیازِ خون و رنگ   شام او روشن تر از صبحِ فرنگ
۳- عالمے پاک از سلاطین و عبید   چوں دلِ مومن کرانش ناپدید
۴- عالمے رعنا کہ فیضِ یک نظر   تخم او افگند در جانِ عمرؓ
۵- لایزال و وارداتش نو بنو   برگ و بارِ محکماتش نو بنو
۶- باطنِ او از تغیر بے غمے   ظاہرِ او انقلابِ ہر دمے
۷- اندرونِ تست آں عالم نگر   می دہم از محکماتِ او خبر

۱- (زندہ رود کی اس بات پر کہ ''عالم قرآن'' کہاں ہے، افغانی جواب دیتے ہیں) وہ ایک ایسا جہان ہے جو ابھی تک ہمارے سینوں میں گم ہے اور وہ ایسا جہان ہے جو ابھی تک ''قم'' کے انتظار میں ہے۔ گویا وہ جہان کسی ایسے منہ سے نکلے ہوئے ان الفاظ ''خدا کے حکم سے اٹھو'' کا منتظر ہے۔ جب ایسا وقت آ گیا تو وہ عالم بھی ظہور پذیر

ہو جائے گا۔

۲- وہ ایک ایسا جہان ہے جس میں خون اور رنگ میں کوئی امتیاز نہیں ہے اور اس کی شام مغرب/ فرنگ کی صبح سے بھی زیادہ روشن ہے۔ گویا اس میں رنگ و نسل اور حسب و نسب نہیں چلتے بلکہ سب انسان برابر ہیں جبکہ یورپ والوں کی تہذیب اور ان کا نظریہ وغیرہ سبھی باطل پرستی و مادہ پرستی کی بنا پر تاریک ہیں۔

۳- وہ ایک ایسا جہان ہے جو آقاؤں اور غلاموں سے پاک ہے یعنی اس میں آقا اور غلام میں کوئی امتیاز نہیں ہے اور مومن کے دل کی طرح اس کا کنارہ بھی ظاہر نہیں ہے۔ بے پناہ وسعتوں والا ہے۔ پہلے مصرعے کے حوالے سے علامہ کی نظم ''شکوہ'' کے یہ اشعار پھر ملاحظہ ہوں:

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمودؔ و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

۴- وہ ایک ایسا جہان ہے جو شاداب و تازہ اور دل کش ہے جس کی ایک نظر کے فیض نے حضرت عمرؓ کی جان میں اس کا بیج بو دیا تھا۔ اس میں انؓ کے اسلام لانے کے واقعہ اور ان کے عظیم دور کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر تمہیں اس جہان کا فیض نظر دیکھنا ہے تو مذکورہ واقعہ اور دور کو دیکھ لو۔

۵- وہ جہان لازوال ہے اور اس کی واردات نو بنو ہیں۔ یعنی قرآن کے پیدا کردہ اس جہان میں نت نئے کارنامے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی محکمات کے برگ و بار (پتے اور پھل) تازہ بتازہ ہیں۔ گویا ان سے نئے نئے نتیجے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

۶- اس جہان کا باطن تغیر و تبدل (تبدیلیوں) سے بے غم ہے۔ اس کا ظاہر ہر لحہ کا انقلاب ہے۔ گویا قرآن کے اصول ایسے ہیں جو تغیر ناپذیر ہیں، وہ دائمی ہیں ''اس کے ظاہر'' سے مراد اس کی ایسی جزئیات ہیں جن میں ضرورتِ وقت کے مطابق تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔

۷- وہ جہان تیرے اندر ہے تو اسے دیکھ، میں اس کی محکمات سے تجھے آگاہ کرتا

ہوں۔ مطلب یہ کہ مسلمان اس بات کو سمجھے کہ یہ جہان خود اس کے اپنے اندر ہے، کہیں باہر نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے عمل میں لایا جائے یا اسے عملی شکل دی جائے۔

محکماتِ عالم قرآنی

(جہانِ قرآنی کی بنیادی تعلیمات جن میں واضح احکام ہیں)

۱۔ خلافت آدم

۱۔ در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق — ابنِ آدم سرے از اسرارِ عشق
۲۔ سرِ عشق از عالم ارحام نیست — او زسام و حام و روم و شام نیست
۳۔ کوکب بے شرق و غرب و بے غروب — در مدارش نے شمال و نے جنوب
۴۔ حرفِ ''انی جاعل'' تقدیر او — از زمیں تا آسماں تفسیر او
۵۔ مرگ و قبر و حشر و نشر احوالِ اوست — نور و نارِ آں جہاں اعمالِ اوست
۶۔ او امام و او صلوٰۃ و او حرم — او مداد و او کتاب و او قلم
۷۔ خردہ خردہ غیب او گردد حضور — نے حدود او را نہ ملکش را ثغور
۸۔ از وجودش اعتبارِ ممکنات — اعتدالِ او عیارِ ممکنات
۹۔ من چہ گویم از یم بے ساحلش — غرق اعصار و دہور اندر دلش
۱۰۔ آنچہ در آدم بگنجد عالم است — آنچہ در عالم نگنجد آدم است
۱۱۔ آشکارا مہر و مہ از جلوتش — نیست رہ جبریل را در خلوتش
۱۲۔ برتر از گردوں مقامِ آدم است — اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

۱۔ دونوں جہانوں میں جہاں کہیں بھی عشق کے آثار ہیں وہاں ابن آدم (اولادِ آدم) عشق کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

۲۔ عشق کے راز کا تعلق ارحام سے نہیں ہے۔ اس کا یعنی رازِ عشق کا سام اور حام اور روم و شام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ عشق حسب و نسب اور رنگ و نسل کی قید

سے آزاد ہے۔ سرِ عشق یا صفاتِ ایزدی کا حامل انسان، اگرچہ دوسرے انسانوں کی طرح پیدا تو ماں کے پیٹ ہی سے ہوتا ہے، لیکن وہ مذکورہ صفات کی بنا پر انسان کامل بن جاتا ہے۔

۳- وہ ایک ایسا ستارہ ہے جس کا مشرق و مغرب اور غروب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (وہ غروب نہیں ہوتا) اور اس کے مدار میں نہ شمال ہے اور نہ جنوب ہے۔ انسان کامل آفاقی ہوتا ہے اور زمان و مکاں کی قید و حدود سے بہت بلند ہوتا ہے۔ حیات جاوداں اس کا مقصدر ہوتی ہے۔

۴- ''انی جاعل'' کے الفاظ اس کی تقدیر ہیں اور زمین سے آسمان تک اس کی تفسیر ہے۔ (فرہنگ) مطلب یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کا نائب/ خلیفہ اور اس لحاظ سے اس ذات کی صفات کا مظہر ہے۔ یہ کائنات اسی کے لیے بنائی گئی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو اس کائنات کے وجود کا کوئی مقصد نہ ہوتا۔

۵- موت اور قبر اور حشر و نشر اس (مردِ کامل) کے احوال ہیں جبکہ اس جہان کا نور یعنی جنت اور آگ یعنی دوزخ اس کے اعمال ہیں۔ گویا موت سے اس کی جسمانی زندگی تو ختم ہو جاتی ہے لیکن حقیقی یا روحانی زندگی بقاوآلی ہوتی ہے، موت کے بعد اسے پیش آنے والی ہر بات/ معاملہ گویا اس کی زندگی ہی کے مختلف مرحلے ہیں۔

۶- وہ امام اور وہ نماز اور وہ کعبہ ہے۔ وہ سیاہی ہے اور وہ کتاب ہے اور وہ قلم ہے۔ مطلب وہی کہ انسان ہی کائنات کا دائرہ (جائے گردش) ہے اور کائنات کی تخلیق کا باعث بھی وہی ہے۔ اس کے وجود ہی سے سب کچھ ہے، بصورتِ دیگر کچھ بھی نہ ہوتا۔

۷- اس کا غیب آہستہ آہستہ اس کے لیے ظہور بن جاتا ہے۔ نہ تو اس کی اپنی کوئی حدیں ہیں اور نہ اس کے ملک کی سرحدیں ہیں۔ گویا خالق نے اس میں بے حد صلاحیتیں اور اہلیتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ اس کائنات کی حدیں اس میں یا اس کی حدوں میں سمائی ہوئی ہیں۔ وہ وہ اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اس کائنات کو مسخر و مطیع کر سکتا ہے۔

۸- اس کے وجود ہی سے ممکنات کی عظمت/ بڑائی ہے۔ اس کا اعتدال ممکنات کی پرکھ/ کسوٹی ہے۔ گویا انسان ہی کی بدولت دوسری مخلوقات کی قدر و اہمیت ہے اور اس کے مزاج کے اعتدال پر پوری اترنے والی ہر بات/ چیز قابل قدر و قیمت ہے۔

۹- میں اس کے ناپیدا کنار سمندر کے بارے میں کیا کہوں، بس یوں سمجھ لو کہ اس کے دل

میں زمانے اور ادوار غرق ہیں۔ مردِ کامل کے دل کو بے کنار یعنی بے پناہ وسیع سمندر سے تشبیہ دی ہے۔

۱۰- وہ چیز/ شے جو آدم میں سماتی یا سما سکتی ہے۔ وہ عالم/ کائنات ہے، اور جو عالم میں نہیں سماتا یا نہیں سما سکتا وہ آدم ہے۔ گویا جو کچھ خارج میں موجود ہے وہ خود آدم کے اندر ہے۔ اس لحاظ سے وہ جہانِ اکبر (بڑا جہان) اور یہ کائنات جہانِ اصغر (چھوٹا جہان) ہے۔

۱۱- سورج اور چاند اس کی جلوت ہی سے نمایاں ہیں۔ اس کی خلوت میں جبرئیل کا بھی گذر نہیں ہے۔ سورج اور چاند کا ظہور آدم ہی کی بدولت ہے۔ بصورتِ دیگر ان (مہر و ماہ) کی خاصیتیں ایک طرح سے مخفی ہی رہتیں۔ آدم کا دل/ باطن کچھ اس ڈھب کا ہے کہ جس کی بنا پر وہ اس محبوب حقیقی کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کر لیتا ہے جس سے اللہ کا مقرب فرشتہ بھی محروم رہتا ہے اور اس کی اللہ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

۱۲- آدم کا مقام آسمان سے بلند تر ہے۔ تہذیب کی اصل آدم کا احترام ہے۔ آدمی کا احترام اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ گویا توحید ایک ایسا دائرہ ہے جس کے گرد احترام آدمی گردش کرتا ہے۔ اس میں حسب ونسب اور رنگ ونسل وغیرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ وہ تمام انسانوں کی مساوات/ برابری کا درس دیتا ہے۔ اس کے مطابق وہی انسان افضل ہے جو تقویٰ و پرہیز گاری میں افضل ہے۔ احترام آدمی کو مولانا روم نے یوں بیان کیا ہے:

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یعنی انسانوں کے دل جیتو (محبت و احترام ہے) کہ یہ سب سے بڑا حج ہے۔ ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے۔

۱۳- زندگی، اے زندہ دل دانی کہ چیست — عشقِ یک بیں در تماشائے دوئی است
۱۴- مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند — کائناتِ شوق را صورت گر اند
۱۵- زن نگہ دارندۂ نارِ حیات — فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات
۱۶- آتشِ مارا بجانِ خود زند — جوہرِ او خاک را آدم کند
۱۷- در ضمیرش ممکناتِ زندگی — از تب و تابش ثباتِ زندگی
۱۸- شعلہ ے کزوے شرر ہا درگسست — جان وتن بے سوزِ او صورت نہ بست

۱۹- ارجِ ما از ارجمندی ہائے او ماہمہ ازنقشبندی ہائے او
۲۰- حق ترا داد است اگر تابِ نظر پاک شو قدسیت او را نگر

۱۳- اے زندہ و بیدار دل انسان کیا تجھے علم ہے کہ زندگی کیا ہے؟ زندگی یعنی حقیقی زندگی دوئی میں ایک کو دیکھنے یعنی کثرت میں وحدت دیکھنے کا نام ہے۔ جب ایک بیدار دل انسان کائنات کی اشیا پر غور کرتا ہے تو اسے ان سب میں اس ذات اقدس ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

۱۴- مرد اور عورت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ دونوں شوق کی کائنات کے صورت گر ہیں۔ ان دونوں میں جو باہمی تعلق اور کشش و محبت ہے، وہ نسلِ آدم بڑھانے کا باعث بنتی ہے۔

۱۵- عورت زندگی کی آگ کی حفاظت کرنے والی ہے۔ اس کی فطرت زندگی کے رازوں کی تختی ہے۔ مطلب یہ کہ ان دونوں کے باہمی تعلق سے عورت کے رحم (بچہ دانی) میں جو نطفہ قرار پاتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتی ہے اور نسل انسانی میں اضافے کا باعث بنتی ہے، چنانچہ تمام انسانوں کا وجود اسی کے طفیل ہے۔

۱۶- عورت ہماری آگ کو اپنی جان پر لگاتی ہے۔ اس کا جوہر خاک کو آدمی بنا دیتا ہے۔ گویا وہ جنسی حرارت سے پیدا ہونے والے نطفہ کو اپنے رحمِ مادر میں لے لیتی ہے اور پھر اسی رحم سے انسان جنم لیتا ہے۔

۱۷- اس کے ضمیر میں زندگی کے ممکنات ہیں۔ اس کی تب و تاب سے زندگی کا ثبات ہے۔ گویا زندگی کا وجود اور تسلسل اسی کے طفیل ہے اور وہی انسانی نسل میں مسلسل اضافے کا باعث بنتی ہے۔

۱۸- وہ (عورت) ایک ایسا شعلہ ہے جس سے بہت سی چنگاریاں نکلتی ہیں۔ اس کے سوز کے بغیر جسم اور جان صورت پذیر نہیں ہوتے۔ شعلہ گویا ایک عورت ہے اور چنگاریاں کئی بچوں کے پیدا ہونے کا استعارہ۔

۱۹- ہمارا وقار عورت ہی کی سربلندی سے ہے۔ ہم سب انسانوں کا وجود عورت (ماں) کی نقش بندی کے نتیجے میں ہے۔

۲۰- اگر حق تعالیٰ نے تجھے نظر کی روشنی سے نوازا ہے تو تو پہلے خود پاک ہو اور پھر اس (ماں) کی قدسیت کو دیکھ۔ گویا عورت کا وجود انسانوں کے لیے بڑا ہی لائق احترام و

محبت ہے۔ اس کے بارے میں غلط اور بیہودہ جذبوں سے بچنا چاہیے۔

۲۱- اے زدینت عصرِ حاضر بردہ تاب — فاش گویم باتو اسرارِ حجاب
۲۲- ذوقِ تخلیق آتشے اندر بدن — از فروغِ او فروغِ انجمن
۲۳- ہر کہ بردارد ازیں آتش نصیب — سوز و سازِ خویش را گردد رقیب
۲۴- ہر زماں بر نقشِ خود بندد نظر — تانگیرد لوحِ او نقشِ دگر
۲۵- مصطفیٰؐ اندر حرا خلوت گزید — مدتے جز خویشتن کس را ندید
۲۶- نقش ما را دردلِ اوؐ ریختند — ملتے از خلوتش انگیختند
۲۷- می توانی منکر یزداں شدن — منکر از شانِ نبیؐ نتواں شدن
۲۸- گرچہ داری جانِ روشن چوں کلیم — ہست افکارِ تو بے خلوت عقیم
۲۹- از کم آمیزی تخیل زندہ تر — زندہ تر،جویندہ تر، یابندہ تر

۲۱- (اے موجودہ دور کے مسلمان) تجھ سے عصر حاضر/ جدید دور نے دین کی روشنی چھین لی ہے۔ میں تجھ سے پردے کے رازوں کی بات کھل کر یا واضح طور پر کرتا ہوں۔ تجھے عورت کے پردے کے بارے میں واضح طور پر بتاتا ہوں۔

۲۲- تخلیق کا ذوق گویا بدن میں ایک آگ کا ہونا ہے۔ اس کی روشنی سے انجمن کی روشنی ہے۔ مطلب یہ کہ تخلیق (پیدا کرنے) کا ذوق ہی نسل آدم میں اضافے کا باعث بنتا رہتا ہے اور اسی کے باعث دنیا کی یہ رونق ہے۔ اگر مرد و زن اس ذوق سے عاری ہوں تو یہ سلسلہ اضافہ جاری نہیں رہ سکتا۔

۲۳- جو کوئی بھی اس آگ سے حصہ پاتا ہے وہ اپنے سوز و ساز کا محافظ بن جاتا ہے۔ گویا اس پر اس کی حفاظت اور نگرانی لازمی ہے۔ بصورتِ دیگر تخلیق کا عمل ٹھنڈا پڑ جائے گا، ختم ہو جائے گا۔

۲۴- وہ ہر وقت اپنے نقش پر نظر رکھتا ہے تا کہ اس کی تختی کوئی اور نقش اختیار نہ کر لے۔ گویا اس کی تمام تر توجہ اپنے تخلیقی فعل پر ہوتی ہے تا کہ اس فعل سے اس کے حسب منشا نقش بنے/ پیدا ہو اور کوئی دوسرا نقش نہ بن سکے۔

۲۵- حضور اکرم محمد مصطفیٰؐ نے غارِ حرا میں خلوت اختیار کی اور ایک مدت تک آپؐ نے اپنے سوا اور کسی کو نہ دیکھا۔

۲۶- ہمارا نقش، قدرت کی طرف سے، حضور اکرمؐ کے دل میں ڈالا گیا اور یوں اس خلوت

سے ایک ملت وجود میں لائی گئی۔ (فرہنگ دیکھیے) ملت یعنی ملت اسلامیہ۔

۲۷- تو خدا کا منکر تو ہوسکتا ہے لیکن حضور نبی کریمؐ کی عظمت و شان کا منکر ہونا ممکن نہیں۔

۲۸- اگر چہ تجھ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی سی روشن جان کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی خلوت کے بغیر تیرے افکار بانجھ ہی رہیں گے، یعنی وہ ایسے افکار ہوں گے جو ہر طرح کی نتیجہ خیز بات سے عاری ہوں گے۔

۲۹- کم آمیزی سے تخیل بہت زندہ ہو جاتا ہے، پہلے سے زیادہ زندہ، زیادہ تلاش کرنے والا اور اپنی تلاش کے مقصد کو زیادہ پانے والا بن جاتا ہے۔

۳۰- علم و ہم شوق از مقاماتِ حیات — ہر دو می گیرد نصیب از وارِدات
۳۱- علم از تحقیق لذت می برد — عشق از تخلیق لذت می برد
۳۲- صاحبِ تحقیق را جلوت عزیز — صاحب تخلیق را خلوت عزیز
۳۳- چشم موسیٰ خواست دیدارِ وجود — ایں ہمہ از لذتِ تحقیق بود
۳۴- ''لن ترانی'' نکتہ ہا دارد دقیق — اندکے گم شو دریں بحرِ عمیق
۳۵- ہر کجا بے پردہ آثارِ حیات — چشمہ زارش در ضمیر کائنات
۳۶- در نگر ہنگامۂ آفاق را — زحمتِ جلوت مدہ خلاق را
۳۷- حفظِ ہر نقش آفریں از خلوت است — خاتمِ او را نگیں از خلوت است

۳۰- علم اور عشق بھی زندگی کے مقامات میں سے ہیں۔ دونوں واردات سے اپنا نصیب پاتے ہیں۔ گویا زندگی کا سفر ان (علم و عشق) کی وجہ سے جاری رہتا ہے۔ زندگی کے لیے یہ دونوں لازم ہیں۔ علم کے بغیر عشق اور عشق کے بغیر علم دونوں بے مقصد زندگی کا باعث بنتے ہیں۔

۳۱- علم، تحقیق سے لذت حاصل کرتا ہے جبکہ عشق تخلیق سے لذت اندوز ہوتا ہے یعنی علم تحقیق کے عمل سے نت نئی چیزیں/ باتیں دریافت کرتا ہے اور یہ امر اس کے لیے لطف کا باعث بنتا ہے جبکہ عشق نت نئے جہان پیدا کر کے لطف اندوز ہوتا ہے۔

۳۲- تحقیق کرنے والے (صاحبِ علم) کو جلوت/ انجمن پیاری ہے اور صاحبِ تخلیق کو خلوت عزیز ہے۔

۳۳- حضرتِ موسیٰ کی آنکھوں نے اس ذاتِ باری کے دیدار کی خواہش کی (''رب ارنی'' اے رب مجھے اپنا دیدار کرا، کہا)۔ ان کی یہ خواہش سراسر تحقیق کی لذت کے باعث

تھی۔ مطلب یہ کہ جس خدا سے مجھے باتیں کرنے کا موقع ملا ہے، اسے سامنے بھی دیکھ لوں کہ وہ کیسا اور کون ہے؟

۳۴۔ ''لن ترانی'' (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، خدا کا جواب) میں بڑی مشکل اور گہری باتیں ہیں۔ تو کچھ دیر کے لیے اس گہرے سمندر میں گم ہو جا۔ گویا جب تو اس پر غور و فکر کرے گا تو تجھ پر معاملہ واضح ہو جائے گا کہ اس میں کیا راز تھا۔ ایک گہری بات/ رمز یہ ہو سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو جو پردۂ غیب میں ہے اس کی صفات سے جو کائنات کی ہر شے میں جلوہ گر ہیں، پہچاننا چاہیے نہ یہ کہ اسے یہ کہا جائے کہ غیب/ پردے سے باہر آ کر اپنا دیدار کرا۔

۳۵۔ جہاں کہیں بھی زندگی کے آثار بے پردہ ہیں یا بے پردہ نظر آتے ہیں، ان کا سرچشمہ کائنات کے ضمیر کے اندر ہے۔ مطلب یہ کہ تخلیق کا نقش خلوت ہی میں پیدا کرنا ممکن ہے، بصورت دیگر کوئی نقش پیدا نہیں ہو سکتا۔

۳۶۔ تو آفاق کے ہنگاموں پر نظر ڈال اور خالق کائنات کو ظاہر ہونے کی زحمت نہ دے۔ مطلب یہ کہ کائنات کی ہر شے میں اس کی جلوہ گری ہے۔ بقول سعدیؔ:

برگِ درختانِ سبز پیشِ خداوندِ ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

(ایک صاحب عقل و دانش کے نزدیک سبز درختوں کا ایک ایک پتا اس کردگار کی معرفت کی ایک ایک کتاب ہے) تو مخلوق یا مصنوعات کو دیکھ کر خالق/ صانع پر ایمان لے آ، اس لیے کہ ہر خالق کو خلوت عزیز ہے اور خالق کائنات تو سب سے بڑا خالق/ خلاق ہے۔ اگر وہ غیب میں ہے تو یہ بالکل بجا ہے۔

۳۷۔ ہر نقش آفریں کی حفاظت خلوت میں ہے۔ اس کی انگوٹھی کا نگینہ خلوت ہی ہے۔ وہی شعر ۳۶ والی بات کہ کسی بھی خالق کی تخلیقی قوت اس کے خلوت میں رہنے ہی سے ہے۔

۲۔ حکومتِ الٰہی

۱۔ بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام   نے غلام او را نہ او کس را غلام
۲۔ بندۂ حق مردِ آزاد است و بس   ملک و آئینش خداداد است و بس

۳- رسم و راہ و دین و آئینش زحق — زشت وخوب و تلخ و نوشینش زحق
۴- عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر — سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
۵- وحی حق بینندۂ سودِ ہمہ — درنگاہش سود و بہبودِ ہمہ
۶- عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف — وصل و فصلش لایراعی لایخاف
۷- غیرِ حق چوں ناہی و آمر شود — زور ور برناتواں قاہر شود
۸- زیرِ گردوں آمری از قاہری است — آمری از ماسواللہ کافری است

۱- بندۂ حق/ مردِ حق ہر مقام سے بے نیاز ہے۔ نہ تو اس کا کوئی غلام ہے اور نہ وہ ہی کسی کا غلام ہے۔ اسے کسی کو غلام بنانے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

۲- بندۂ حق صرف ایک آزاد مرد/ انسان ہے۔ اس کا ملک اور آئین/ دستور و قانون خدا کا عطا کردہ ہے۔

۳- اس کے طور طریقے اور اس کا دین اور اس کا آئین سب خدا کی طرف سے ہیں۔ اس کا برا اور بھلا اور کڑوا اور میٹھا سب اللہ کی طرف سے ہے۔

۴- خود بیں عقل دوسروں کی بھلائی کے سلسلے میں غافل ہے۔ وہ تو صرف اپنا مفاد دیکھتی ہے اور دوسروں کے مفاد پر توجہ نہیں دیتی۔ دوسروں کے فائدے کے بارے میں نہیں سوچتی، اسے تو بس اپنی پڑی رہتی ہے۔

۵- جبکہ وحی حق سب کے فائدے/ مفاد پر توجہ دیتی ہے۔ اس کی نگاہ میں سب کا مفاد/ فائدہ اور بھلائی ہوتی ہے۔ وحی حق یعنی اللہ کی طرف سے پیغمبروں پر جو کچھ نازل ہوتا ہے۔ گویا بندہ حق کو سب کا مفاد عزیز ہوتا ہے، اسی لیے وہ اس پر توجہ دیتا ہے۔

۶- وحی حق صلح میں بھی اور جنگ میں بھی عدل و انصاف سے کام لیتی ہے۔ وہ دوستی اور دشمنی میں نہ تو کسی کی رعایت کرتی ہے اور نہ کسی سے خوفزدہ ہوتی ہے۔ (عدل سے متعلق سورۂ النساء آیت ۱۳۵ ملاحظہ ہو)

۷- حق کے سوا جب کوئی اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینے والا بن جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں ایک طاقتور، کمزور پر قہر کرنے والا بن جاتا ہے۔

۸- آسمان تلے یعنی دنیا میں آمریت، قاہری/ظلم و جور سے قائم کی جاتی ہے۔ جو آمریت خدا کی حکمرانی سے ہٹ کر ہو وہ سراسر کافری ہے۔ آمریت اسی صورت میں دین بنتی ہے جب ایک آمر خدائی احکام کے نفاذ کے لیے کام کرتا ہے۔

۹- قاہرِ آمر کہ باشد پختہ کار | از قوانیں گردِ خود بندد حصار
۱۰- جرہ شاہیں تیز چنگ و زود گیر | صعوہ را در کارہا گیرد مشیر
۱۱- قاہری را شرع و دستورے دہد | بے بصیرت سرمہ با کورے دہد
۱۲- حاصلِ آئین و دستورِ ملوک؟ | دہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

۹- قہر وغضب ڈھانے والا مطلق العنان حکمران، جو تجربہ کار ہوتا ہے، اپنے گرد قوانین کا قلعہ بنالیتا ہے۔ گویا وہ ایسے ایسے جابرانہ قانون بناتا ہے کہ جن کی وجہ سے کسی کو اس کے خلاف بولنے تک کی جرأت نہیں ہوسکتی۔

۱۰- تیز پنجوں اور شکار کو جلد پکڑنے والا نر باز اپنے کاموں میں ممولے کو مشیر بنالیتا ہے۔ جرہ شاہیں استعارہ ہے جابر آمر کا اور ممولا عام لوگوں کا۔ گویا وہ جہاں جابرانہ قوانین بناتا ہے وہاں محض عوام کی تسلی کی خاطر کہ وہ بھی اس کی حکومت میں شامل ہیں، بعض لوگوں کو اپنا وزیر اور مشیر وغیرہ بنالیتا ہے اور یہ لوگ اس کے آگے بولنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

۱۱- وہ (قاہر آمر) قاہری کو شرع اور دستور کی صورت دیتا ہے جو سراسر اس کا فریب ہوتا ہے۔ بس اس کی مثال اس نابینا آدمی کی سی ہے جو کسی اندھے کو سرمہ دے رہا ہو۔

۱۲- بادشاہوں (مطلق العنان حکمرانوں) کے دستور و آئین کا نتیجہ یہ ہے کہ جاگیردار/ زمیندار تو موٹے ہوتے جاتے ہیں جبکہ کسان بیچارہ چرخے کے تکلے کی مانند یعنی پتلا دبلا اور کمزور ہوتا جاتا ہے۔ جاگیردار جو خود محنت نہیں کرتا وہ تو مزے کی زندگی گذارتا ہے جبکہ بے حد محنت کرنے والے کسان کی ضروریاتِ زندگی بھی پوری نہیں ہوتیں۔

۱۳- وائے بر دستورِ جمہورِ فرنگ | مردہ تر شد مردہ از صورِ فرنگ
۱۴- حقہ بازاں چوں سپہرِ گرد گرد | از امم بر تختۂ خود چیدہ نرد
۱۵- شاطراں ایں گنج ور آں رنج بر | ہر زماں اندر کمینِ یک دگر
۱۶- فاش باید گفت سِرِّ دلبراں | ما متاع و ایں ہمہ سوداگراں
۱۷- دیدہ ہا بے نم ز حبِ سیم و زر | مادراں را بارِ دوش آمد پسر
۱۸- وائے بر قومے کہ از بیم ثمر | می برد نم را ز اندامِ شجر
۱۹- تا نیارد زخمہ از تارش سرود | می کشد نازادہ را اندر وجود
۲۰- گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ | من بجز عبرت نگیرم از فرنگ
۲۱- اے بہ تقلیدش اسیر، آزاد شو | دامنِ قرآں بگیر، آزاد شو

۱۳- اہل مغرب/ یورپ کے جمہوری آئین پر افسوس ہے۔ یورپ والوں کے صور پھونکنے سے تو مردہ (زندہ ہونے کی بجائے) اور بھی مردہ ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ یورپ والے جس آئین جمہوریت (عوام کی حکومت) کے دعوے دار ہیں، اس سے تو غلام قوموں کو شدید قسم کی مزید غلامی کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ اس آئین کا مقصد بھی یہی ہے کہ کمزور قوموں کو مزید کمزور کر دیا جائے تاکہ کسی کو ان (اہل یورپ) سے ٹکر لینے کی جرأت نہ ہو اور یوں وہ دنیا پر چھا جائیں۔

۱۴- جمہوری تماشا دکھانے والے یورپی مداری نے گردش کرنے والے آسمان کی مانند اپنی شطرنج کے تختہ پر قوں کے مہرے رکھے ہوئے ہیں۔ گویا وہ اپنی مرضی کی بازی لگاتا یعنی جس طرح چاہتا ہے ان قوموں کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

۱۵- یورپی شاطر تو خزانے اکٹھے کرنے میں لگے ہوئے ہیں جبکہ دوسرے دکھ اٹھا رہے ہیں۔ یہ ہر لمحہ ایک دوسرے کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔

۱۶- حسینوں/محبوبوں کا راز کھل کر یا واضح طور پر بیان کر دینا چاہیے۔ (اور وہ راز یہ ہے کہ) ہم تو مال/ سامان ہیں اور فرنگی اس مال کے سوداگر ہیں۔ یعنی وہ کمزور قوموں کا خون نچوڑ کر اپنا چہرہ سرخ کرتے ہیں (یا خود کو حسین بناتے) ہیں۔ دوسری قوموں کو اپنے مختلف حربوں سے غلام بنا کر ان کی سیاسی قوت تو ختم کرتے ہی ہیں، ان کی اقتصادی حالت بھی پتلی کر دیتے ہیں اور یوں خود اہلِ دولت و ثروت بن جاتے ہیں۔

۱۷- چاندی سونے یعنی مال و دولت کی محبت نے ان کی آنکھوں سے نمی غائب کر دی ہے۔ یعنی انہیں دوسروں کے رنج و غم کا کوئی احساس نہیں ہے۔ صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ ماؤں کے لیے اولاد گویا کندھوں کا بوجھ بن رہی ہے۔ یعنی وہ اپنی اولاد کو، جس پر وہ واری نثاری ہوتی ہیں، یا ہوتی تھیں، اپنے لیے ایک بوجھ سمجھ رہی ہیں۔

۱۸- اس قوم کی حالت قابل افسوس ہے جو پھل کے خوف سے درخت کے تنے کے اندر سے نمی کھینچ لیتی ہے۔

۱۹- تاکہ اس کی مضراب، ساز سے کوئی سُر پیدا نہ کرے، وہ نہ پیدا ہونے والے بچوں کو وجود کے اندر ختم کر دیتے ہیں۔ گویا حمل گرانے اور حمل سے روکنے جیسی مختلف صورتیں اختیار کر کے وہ ماں کے رحم میں پرورش پانے والے بچوں کو ختم کر دیتے ہیں۔

۲۰- اگرچہ یورپ/ مغرب رنگ رنگ کے طور طریقوں والا ہے لیکن میں فرنگ/ اہل

مغرب سے عبرت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کرتا۔ گویا ان کی تہذیب وثقافت اور ان کے علم و ہنر کو دنیا میں پذیرائی ملی ہے لیکن ان کی مادی ترقی نے آدمیت کو بے حد نقصان پہنچایا ہے اور یہ بات لائق عبرت ہے۔

۲۱- اے (مسلمان) تو جو افرنگی کی بے جا قسم کی پیروی کا اسیر/ قیدی ہے، یعنی دھڑا دھڑ اس کی پیروی میں لگا ہوا ہے، اس سے آزاد ہو جا۔ قرآن کریم کا دامن تھام اور مذکورہ تہذیب وآئین سے آزاد ہو جا۔ قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر تو صحیح معنوں میں ایک آزاد اور عظیم قوم بن جائے گا۔

۳- ارض مِلکِ خدا است

(زمین خدا کی ملکیت ہے)

۱- سرگذشتِ آدم اندر شرق و غرب — بہرِ خاکے فتنہ ہائے حرب و ضرب
۲- یک عروس و شوہرِ او ماہمہ — آں فسوں گر بے ہمہ ہم باہمہ
۳- عشوہ ہائے او ہمہ مکر و فن است — نے از آنِ تو نہ از آنِ من است
۴- در نسازد باتو ایں سنگ و حجر — ایں زاسبابِ حضر تو در سفر
۵- اختلاطِ خفتہ و بیدار چیست؟ — ثابتے را کار باسیار چیست؟
۶- حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت — ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت
۷- دہ خدایا! نکتہ اے ازمن پذیر — رزق و گور از وے بگیر او را مگیر
۸- صحبتش تا کے تو بود و او نبود — تو وجود و او نمودِ بے وجود
۹- تو عقابی طائفِ افلاک شو — بال و پر بکشا و پاک از خاک شو
۱۰- باطنِ "الارض للہ" ظاہر است — ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

۱- مشرق ومغرب کے عوام کے حالات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں زمین کی خاطر جنگ وجدال اور لڑائی جھگڑوں کے فتنے پیدا ہوئے یا ہو رہے ہیں۔

۲- وہ (زمین گویا) ایک دلہن ہے اور ہم سب اس کے خاوند ہیں۔ وہ ایک ساحرہ/ جادوگر ہے جو ہم سب کے ساتھ بھی ہے اور ہم سب کے بغیر بھی۔ مطلب یہ کہ زمین کسی ایک کی ملکیت ہوتے ہوئے بھی اس سے بے وفائی کر جاتی ہے، جس طرح کئی

شوہروں والی دلہن/ بیوی کسی ایک کی ہو کر نہیں رہتی۔

۳- اس کے تمام ناز نخرے مکروفریب ہیں، وہ نہ تو تیری ہے اور نہ میری ہے۔

۴- یہ روڑے اور پتھر تجھ سے موافقت نہیں کریں گے، اس لیے کہ یہ تو سامانِ حضر ہیں، ایک جگہ ٹکے ہوئے ہیں جبکہ تو سفر میں ہے۔ انسان آتے جاتے رہتے ہیں لیکن زمین کبھی کسی کی ملکیت ہوتی ہے اور کبھی کسی کی اور اپنی جگہ پہ رہتی ہے۔

۵- بھلا سوئے ہوئے اور بیدار میں باہمی میل جول کیسا؟ بھلا کسی ساکن کو حرکت و گردش میں رہنے والے سے کیا سروکار؟ دوسرے لفظوں میں زمین کا غلام بن کر رہنا کوئی زندگی نہیں، اس سے بچو۔

۶- خدا تعالیٰ نے زمین کو ہماری متاع کے سوا کچھ نہیں کہا۔ یہ بے بہا (قیمتی/ انمول) زمین مفت ہے مفت۔ ایسا اس بنا پر کہا ہے علامہ نے کہ مولا کریم نے یہ زمین ہماری خاطر پیدا کی ہے۔

۷- اے جاگیردار/ زمیندار! تو مجھ سے ایک گہری بات سن۔ تو اس (زمین) سے رزق اور قبر حاصل کر اس پر قبضہ نہ کر۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور تو اگلے جہان کو سدھار چکا ہو گا۔

۸- تو (جاگیردار/ زمیندار) کب تک اس کی صحبت اختیار کر رکھے گا، اس لیے کہ تو تو بود (وجود) ہے اور وہ نبود (نابود، مردہ) ہے۔ یعنی اگر یہ زمین کاشت نہ کی جائے تو یہ بیکار یا مردہ ہے۔ یا یہ کہ تیرے (انسان کے) وجود ہی سے اس کا وجود ہے۔ تو اس سے افضل ہے۔

۹- تو تو ایک عقاب ہے، تو آسمانوں کا طواف کرنے والا بن۔ بال و پر کھول یعنی اڑ اور خاک سے پاک ہو جا۔ مطلب یہ کہ تو (افضل مخلوقات ہونے کے ناتے) عظمت و بلندی کے حصول پر توجہ دے جو اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد سے ملے گی۔ تو اپنی زندگی اس زمین کے چکر ہی میں پڑ کر نہ گذار دے۔

۱۰- ''الارض للہ'' (زمین اللہ کی ہے) کا باطن ظاہر ہے۔ (اس کا مفہوم بالکل واضح ہے) جو کوئی یہ ظاہر نہیں دیکھتا وہ کافر ہے۔ مطلب یہ کہ قرآنی آیت کے حوالے سے زمین اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اسے اللہ کی زمین نہ سمجھتے ہوئے محض اپنی ملکیت سمجھنا کافرانہ سوچ ہے۔ اس ''اپنی'' سے مراد وہ کاغذی رجسٹریوں وغیرہ والی ملکیت نہیں ہے، وہ تو

کسی نہ کسی کی ہوگی لیکن اسے اللہ کی ملکیت نہ سمجھتے ہوئے اپنی ملکیت سمجھنا کفر ہے۔

۱۱- من نگویم در گذر از کاخ و کوے — دولتِ تست ایں جہانِ رنگ و بوے
۱۲- دانہ دانہ گوہر از خاکش بگیر — صید چوں شاہیں ز افلاکش بگیر
۱۳- تیشۂ خود را بکہسارش بزن — نورے ازخود گیر و برنارش بزن
۱۴- از طریقِ آزری بیگانہ باش — برمرادِ خود جہانِ نو تراش
۱۵- دل برنگ و بوے و کاخ و کو مدہ — دل حریمِ اوست جز با او مدہ
۱۶- مردنِ بے برگ و بے گور و کفن؟ — گم شدن در نقرہ و فرزند و زن
۱۷- ہر کہ حرف "لاَ الہٰ" ازبرکند — عالمے را گم بخویش اندر کند
۱۸- فقر جوع و رقص و عریانی کجاست — فقر سلطانی است رہبانی کجاست

۱۱- میں تجھے (زمیندار، وڈیرے) یہ تو نہیں کہتا کہ تو مکان اور آبادی چھوڑ دے، اس لیے کہ یہ دل کش لیکن فانی جہان تو تیری دولت ہے۔ مطلب یہ کہ تو میری ان باتوں سے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تجھے ترکِ دنیا کا درس دے رہا ہوں۔

۱۲- تو اس (جہان) کی زمین سے دانوں کے موتی حاصل کر (اس کی کاشت سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی کوشش کر) تو اس کے آسمانوں سے شاہین کی طرح شکار حاصل کر۔ گویا زمین سے ہٹ کر تجھے اگر آسمان سے بھی کچھ فائدے حاصل ہو سکتے ہوں تو ان کے حصول کے لیے بھی کوشش کر۔

۱۳- تو اپنی کلہاڑی اس (جہان) کے کوہسار پر چلا۔ اپنے آپ سے نور حاصل کر کے اس کی آگ پر لگا۔ مطلب یہ کہ زمین کی پیداوار اور دوسرے مادی مفادات کو خدا کی طرف سے عطا کردہ نورِ ہدایت کی روشنی میں دیکھ اور روحانی فوائد پر ان کے غلبے کو پسند نہ کر۔

۱۴- آزری طریقے سے بیگانہ ہو جا اور اپنی مراد/خواہش کے مطابق ایک نیا جہان تراش (وجود میں لا)۔ (فرہنگ.....) گویا اس زمین اور اس سے حاصل ہونے والے مادی فوائد ہی کو اپنا خدا نہ سمجھ لے بلکہ اسے خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے مطابق استعمال کر۔ تیرا یہ عمل ایک طرح سے نئے جہان کی تخلیق کا باعث بنے گا۔

۱۵- تو دنیا کی دل کشیوں اور دلچسپیوں اور محل اور آبادی وغیرہ یعنی دنیاوی آسائشوں سے دل نہ لگا، اس لیے کہ دل تو اس ذاتِ اقدس کا گھر ہے، اسے تو اس ذات کے سوا

اور کسی کو نہ دے۔ مادہ پرستی سے بچ اور روحانیت کی طرف آ اور یوں خدا کو اپنے دل میں بسا۔

۱۶- ساز و سامان اور گور و کفن کے بغیر مرنا کیا ہے؟ یہ مال و دولت اور اہل و عیال/ بال بچوں میں خود کو کھونا یا محو کرنا ہے۔ گویا زندگی میں اس قسم کی محویت طبعی موت سے بھی بدتر ہے۔

۱۷- جو کوئی ''لا الہٰ'' (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) کے الفاظ حفظ/ یاد کر لیتا ہے وہ ایک دنیا کو اپنے اندر سمو لیتا ہے جس کا توحید ایزدی پر کامل ایمان ہے وہ اس مادی دنیا کے چکر میں نہیں پڑا رہتا بلکہ توحید پرست زندگی بسر کرنے کے نتیجے میں وہ گویا دنیا کو مسخر کر لیتا ہے۔

۱۸- بھوک اور رقص/ ناچ اور عریانی یہ فقر کہاں ہے یا یہ کہاں کا فقر ہے۔ فقر تو بادشاہت ہے۔ اس میں ترکِ دنیا کہاں ہے (نہیں ہے) آج کل کے نام نہاد درویشوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے درویشی کا اس قسم کا انداز اپنا رکھا ہے اور یہ سراسر غیر اسلامی فعل ہے۔ حقیقی فقیر/ درویش تو سلطان اور اسلامی انداز کی سلطانی کرنے والا درویش ہے۔

حکمت خیرِ کثیر است

۱- ''گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر — ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر''

۲- علم حرف و صوت را شہپر دہد — پاکیِ گوہر بہ ناگوہر دہد

۳- علم را بر اوجِ افلاک است رہ — تا ز چشمِ مہر برکند نگہ

۴- نسخۂ او نسخہ تفسیر کل — بستۂ تدبیر او تقدیرِ کل

۵- دشت را گوید حبابے دہ، دہد — بحر را گوید سرابے دہ، دہد

۶- چشم او بر وارداتِ کائنات — تا بہ بیند محکماتِ کائنات

۷- دل اگر بندد بحق، پیغمبری است — ور ز حق بیگانہ گردد کافری است

۸- علم را بے سوزِ دل خوانی، شراست — نورِ او تاریکیِ بحر و براست

۹- عالمے از غازِ او کور و کبود — فرودینش برگ ریزِ ہست و بود

۱۰۔ بحر و دشت و کوہ سار و باغ و راغ — از بمِ طیارۂ او داغ داغ

۱۱۔ سینۂ افرنگ رانارے ازوست — لذتِ شبخون و یلغارے ازوست

۱۲۔ سیرِ واژونے دہد ایام را — می برد سرمایۂ اقوام را

۱۳۔ قوتش ابلیس را یارے شود — نور، نار از صحبتِ نارے شود

۱۴۔ کشتن ابلیس کارے مشکل است — زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است

۱۵۔ خوشتر آں باشند مسلمانش کنی — کشتہ شمشیرِ قرآنش کنی

۱۶۔ از جلالِ بے جمالے الاماں — از فراقِ بے وصالے الاماں

۱۷۔ علم بے عشق است از طاغوتیاں — علم باعشق است از لاہوتیاں

۱۸۔ بے محبت علم و حکمت مردہ ے — عقلِ تیرے بر ہدف نا خوردہ ے

۱۹۔ کور را بینندہ از دیدار کن — بولہب را حیدر کرار کن

۱۔ خدا تعالٰی نے حکمت کو خیرِ کثیر کہا ہے (فرہنگ دیکھیے) یہ نعمت جہاں کہیں بھی تجھے نظر آئے حاصل کر۔ حضور اکرمؐ کی بھی حدیث ہے کہ علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔

۲۔ علم حرف اور آواز کو بڑی پرواز کرنے والے پر عطا کرتا ہے اور اپنی چمک سے محروم ہو جانے والے موتیوں کو چمک کی پا کی عطا کرتا ہے۔ حرف یعنی تحریر اور آواز یعنی تقریر دونوں کے ذریعے تقدیر بدلنے کا سامان کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ علم کا راستہ آسمانوں کی بلندی پر ہے، اور اس میں وہ قوت ہے کہ وہ سورج کی آنکھ سے نگاہ چھین لیتا ہے۔ گویا وہ صرف زمین کی اشیا سے فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ آسمانی مخلوق چاند، سورج وغیرہ کو بھی مسخر کر لیتا اور ان سے کام لیتا ہے۔

۴۔ علم کا نسخہ کائنات کی ساری موجودات کے نسخہ کی تفسیر ہے اور تمام موجودات کی تقدیر اس سے وابستہ ہے۔ گویا علم ہی کے ذریعے تمام موجودات کے خواص اور ان کی تخلیق کے مقصد وغیرہ سے آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے اور انہیں مسخر کر کے ان سے پورے طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ اگر علم بیابان سے یہ کہے کہ پانی کا بلبلا دے تو وہ دے دیتا ہے اور اگر وہ سمندر سے کہے کہ سراب دے تو وہ دے دیتا ہے۔ علم کی قوت کا بیان ہے۔ اس کی بدولت ایک صاحب علم ان سے اپنے حسب خواہش استفادہ کر سکتا ہے۔

۶۔ اس کی آنکھ کائنات کی واردات پر ہوتی ہے تا کہ وہ کائنات کی محکمات دیکھ سکے۔ علم

کائنات کی موجودات کی جزئیات تک رسائی حاصل کر کے اور ان کے مشاہدہ اور تجربہ سے قسم قسم کے نتیجے اخذ اور فائدے حاصل کر سکتا ہے اور محکمات سے آگاہی کے بعد کائنات کے بنیادی اصولوں سے بھی آگاہ ہو سکتا ہے۔

۷- اگر علم حق سے دل لگائے تو اس کا یہ عمل پیغمبری ہے اور اگر وہ حق سے بیگانہ ہو جائے تو اس کی یہ بیگانگی گویا کافری ہے۔علم کا مقصد ہی خالق کائنات تک رسائی ہے، اگر یہ نہیں تو وہ کفر ہی کا باعث بنتا ہے۔

۸- اگر تو علم کو سوزِ دل کے بغیر پڑھے تو تیرا یہ عمل گویا شر ہے اور اس کا نور بحر و بر کی تاریکی کا باعث ہوگا۔سوزِ دل سے خالی پڑھا ہوا علم انسان کو فائدہ پہنچانے کی بجائے الٹا اس کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ جیسے جدید مغربی طرز تعلیم۔ اکبرالہ آبادی مرحوم نے خوب کہا ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

۹- اس کی (مذکورہ علم کی) گیس کے دھوئیں سے دنیا میں تاریکی پھیل جاتی ہے اور اس کا موسم بہار کائنات کے پتے اور پھل گرا دیتا یعنی خزاں کی صورت ہوتا ہے۔ بے سوز علم تعمیر انسانیت کی بجائے تخریب کا کام کرتا ہے۔

۱۰- کیا سمندر اور دشت و کوہسار اور کیا باغ و سبزہ زار بھی اس کے جہاز کے بم سے تباہ و برباد ہو جاتے یا ہو گئے ہیں۔

۱۱- افرنگ/ اہل یورپ کے سینے میں مذکورہ علم کی وجہ سے آگ بھری ہوئی ہے اور اسی علم کی بدولت وہ دوسری قوموں پر شب خون مارنے اور ان پر حملے کرنے کی لذت سے سرشار ہیں۔ خبیث انگریزوں نے جس طرح کمزور قوموں کو لوٹا اور تباہ کیا اور یوں اپنی خوشحالی اور آبادی کا سامان کیا وہ واضح ہے۔

۱۲- ایسا علم، جو انگریزوں کا ''عطا'' کردہ ہے۔ وہ زمانے کی رفتار کو الٹا کر دیتا ہے۔اور وہ قوموں کا ہر سرمایہ چھین لیتا ہے یعنی انسان ترقی کرنے کی بجائے زوال کی طرف گامزن ہونے لگتا ہے۔

۱۳- اس علم کی قوت شیطان کی دوست/ مددگار بن جاتی ہے۔آگ یعنی ابلیس کی دوستی سے اس کا علم اپنا نور بھی نار بن جاتا ہے۔ایسے علم سے اچھا بھلا انسان بھی شیطانی

صفات کا حامل بن جاتا ہے۔

۱۴۔ شیطان کو مارنا مشکل کام ہے، اس لیے کہ وہ دل کی گہرائیوں میں گم ہے۔ اسے زیر کرنے کا طریقہ اگلے شعر میں بتایا ہے۔

۱۵۔ بہتر یہی ہے کہ تو اسے مسلمان کر لے اور اسے قرآن کریم کی تلوار سے قتل کر دے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ''شیطان ہر انسان کے خون میں گردش کر رہا ہے لیکن میںؐ نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔'' اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ زندگی قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق گذاری جائے، ایسی صورت میں شیطان نزدیک بھی نہیں پھٹک سکتا۔

۱۶۔ ایسا جلال جو جمال سے عاری ہے، اس سے خدا کی پناہ ہے۔ وصال کے بغیر جو فراق ہے، اس سے خدا کی پناہ یعنی ایسا علم جس سے دنیاوی آسائشیں وغیرہ تو حاصل ہوتی ہوں لیکن انسان دوستی اور انسانی عظمت کا سامان نہ ہوتا ہو، وہ گویا شیطانی علم ہے۔ یورپی طرز تعلیم نے شیطنت کو تو عروج دیا ہے لیکن انسان کو خدا اور انسانیت سے دور کر دیا ہے۔

۱۷۔ عشق سے خالی جو علم ہے وہ شیطانوں کا علم ہے جبکہ عشق والا علم لاہوتیوں کا علم ہے۔ (فرہنگ.....)

۱۸۔ محبت کے بغیر جو علم و حکمت ہے وہ ایک طرح سے ایک مردہ ہے اور محبت سے محروم عقل ایک ایسا تیر ہے جو نشانے پر نہیں لگتا۔ ایسی عقل گمراہی کا باعث بنتی اور منزلِ مقصود سے دور کر دیتی ہے۔

۱۹۔ تو اندھے کو دیدار سے بینا کر دے اور بولہبؔ کو حیدر کرارؓ بنا دے۔ گویا سوزِ دل سے خالی عشق بولہب کی سی خصلت والا اور عشق کا حامل دل حضرت علیؓ حیدر کرار کی مانند ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ علم و حکمت کو اندھا بنانے کی بجائے اسے عشق و محبت سے صاحب بصیرت بنا دے۔

زندہ رود

۱۔ محکماتش وانمودی از کتاب ہست آں عالم ہنوز اندر حجاب

۲۔ پردہ را از چہرہ نکشاید چرا؟ از ضمیرِ ما بروں ناید چرا؟

۳- پیشِ ما یک عالمِ فرسودہ ایست ملت اندر خاکِ او آسودہ ایست
۴- رفت سوزِ سینۂ تاتار و کُرد یا مسلماں مرد یا قرآں بمرد

۱- اب زندہ رود، افغانی سے مخاطب ہے۔ تو نے قرآن کریم سے اس کی بنیادی تعلیمات کو تو ظاہر کر دیا ہے لیکن ابھی تک تیرا بیان کردہ جہان پردے میں ہے۔ گویا ایسا جہان آج کے دور میں ناپید ہے، کہیں نظر نہیں آ رہا۔

۲- یہ جہان اپنے چہرے سے پردہ کیوں نہیں اٹھاتا۔ وہ ہمارے ضمیر سے باہر کیوں نہیں آتا؟ مطلب یہ کہ ایسا نظامِ محکمات (قرآنی تعلیمات پر عمل) کسی بھی اسلامی ملک میں نظر نہیں آ رہا، آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

۳- ہمارے سامنے تو ایک گھسا پٹا اور ناکارہ جہان ہے، جس کی مٹی میں ملت اسلامیہ آرام کر رہی ہے۔ یہ فرسودہ عالم مغربی طرزِ تعلیم اور علوم و فنون کے نتیجے میں ہے۔ ملتِ اسلامیہ ایسے نظام کو اپنا کر قرآنی محکمات سے دور ہو گئی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

۴- تاتاریوں اور کردوں کے سینوں کا سوز ختم ہو گیا ہے۔ یا تو مسلمان مر گیا ہے یا پھر قرآن مر گیا ہے۔ کبھی وہ وقت تھا جب مذکورہ لوگوں نے اسلام کی خاطر خاصی تگ و دو کی لیکن ان میں اب وہ جذبہ کیوں نہیں رہا۔ لگتا ہے مسلمان ہی بے عمل اور قرآنی تعلیمات سے دور ہو گیا ہے ورنہ قرآن کریم تو ایک جاودانی کتاب ہے۔

سعید حلیم پاشا

۱- دینِ حق از کافری رسوا تراست زانکہ ملا مومنِ کافر گراست
۲- شبنمِ ما در نگاہِ ما یم است از نگاہِ اویم ما شبنم است
۳- از شگرفی ہائے آں قرآن فروش دیدہ ام روح الامیں را در خروش
۴- زاں سوئے گردوں دلش بیگانہ ے نزدِ او ام الکتاب افسانہ ے
۵- بے نصیب از حکمتِ دینِ نبیؐ آسمانش تیرہ از بے کوکبی
۶- کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد ملت از قال و اقولش فرد فرد
۷- مکتب و ملا و اسرارِ کتاب کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب
۸- دین کافر فکر و تدبیرِ جہاد دین ملا فی سبیل اللہ فساد

۱- زندہ رود کے سوالوں کا جواب افغانی کی بجائے سعید دے رہے ہیں۔ آج دینِ حق کافری سے بھی زیادہ رسوا ہو چکا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کا نام نہاد ملا ایک ایسا مومن ہے جو خود مسلمانوں کو کافر بنا رہا ہے۔ ملا جو کبھی دینی رہنما اور قابل احترام تھا آج وہ دین کی روح سے بیگانہ ہو کر شکم پروری میں لگا ہوا ہے۔

۲- ہماری شبنم ہماری نگاہ میں سمندر ہے جبکہ اس کی نگاہ سے ہمارا سمندر گویا شبنم ہے۔ عام مسلمان تو دین کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی دین کی بنیاد سمجھتے ہیں جبکہ آج کا ملا اسلام کے بنیادی اصولوں پر بھی توجہ دینا نہیں چاہتا۔

۳- اس قرآن فروش کی عجیب وغریب باتوں سے میں نے روح الامین جبرئیل کو واویلا کرتے دیکھا ہے یعنی ملا جو باتیں کر رہے ہیں، ان کا وحی سے کوئی تعلق نہیں، اس بات کو مذکورہ واویلا کہا ہے۔

۴- آج کے ملا کا دل آسمان سے دوسری طرف کی دنیا سے بیگانہ ہے۔ اس کے نزدیک قرآن کریم محض ایک افسانہ ہے۔ گویا وہ ان ہدایات سے، جو قرآن کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کے لیے اتاری ہیں، آگاہ نہیں ہے۔ وہ قرآن کریم کو محض خیالی یا تصوراتی باتوں کا مجموعہ سمجھتا ہے۔

۵- آج کا ملا نبی کریم کے دین کی حکمت سے بے بہرہ ہے۔ اس کا آسمان ستارے نہ ہونے کے باعث تاریکی کا شکار ہے۔ گویا وہ قرآن کریم کی تعلیمات کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا اور قرآنی حوالے سے جس حکمت کو خیر کثیر کہا گیا ہے، اس کے وہ نزدیک بھی نہیں پھٹکا۔

۶- وہ کم نگاہ اور کور ذوق اور بیہودہ گو ہے۔ اس کی بحثوں اور مناظروں نے ملت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ملت اسلامیہ مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور انتشار وافتراق کا شکار ہو گئی ہے۔

۷- آج مدرسہ اور ملا اور قرآن کے اسرار کچھ اس طرح ہیں جیسے کوئی مادرزاد اندھا ہو اور سورج کی روشنی ہو۔ گویا جس طرح اندھا سورج کی روشنی سے بے خبر ہے ویسے ہی آج کا ملا قرآن کریم کی روشنی سے بے خبر ہے۔

۸- آج جبکہ کافر کا دین تو غور وفکر اور تدبیر جہاد ہے، ملا کا دین خدا واسطے کا فساد ہے۔ غیر مسلم تو اپنے دین کی اشاعت وسربلندی میں کوشاں ہیں جبکہ ہمارا ملا فکر وتدبیر سے

عاری اور جہاد سے دور ہے، اسے تو بس ملت کو فرقوں میں تقسیم کرنا اور انہیں باہم لڑانا ہی آتا ہے۔ اس کا یہ عمل ملت میں بگاڑ پیدا کر رہا ہے۔

۹۔ مردِ حق جانِ جہانِ چارسوے　　آں بخلوت رفتہ را از من بگوے
۱۰۔ اے ز افکارِ تو مومن را حیات　　از نفس ہائے تو ملت را ثبات
۱۱۔ حفظِ قرآن عظیم آئین تست　　حرفِ حق را فاش گفتن دینِ تست
۱۲۔ تو کلیمی، چند باشی سرنگوں　　دست خویش از آستیں آور بروں
۱۳۔ سرگذشتِ ملتِ بیضا بگوے　　باغزال از وسعتِ صحرا بگوے
۱۴۔ فطرتِ تو مستنیر از مصطفیٰؐ است　　باز گو آخر مقامِ ما کجاست

۹۔ مردِ حق طرفوں میں گھرے ہوئے اس جہان کی جان ہے۔ تو اس خلوت اختیار کرنے والے کو میری طرف سے کہہ۔ یعنی میری طرف سے مردِ حق کو، جس نے خلوت اختیار کر رکھی ہے، یہ کہہ کہ (اگلے اشعار)

۱۰۔ اے کہ تیرے افکار سے مومن کی زندگی ہے اور تیری سانسوں ہی کی بدولت ملت کو استحکام حاصل ہے، تو کہ مقربِ ایزدی ہے؛

۱۱۔ قرآن کریم کی حفاظت کرنا تیرا آئین / دستور ہے اور حق بات کو کھل کر یا واضح طور پر کہنا تیرا دین ہے؛

۱۲۔ تو تو کلیم ہے، آخر تو کب تک سر جھکائے (خلوت میں) بیٹھا رہے گا۔ اپنا ہاتھ اپنی آستین سے باہر نکال، قرآنی تلمیح کے حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کو قدرت کی طرف سے یدِ بیضا کا معجزہ عطا ہوا تھا اور انہوں نے فرعون سے ٹکر لی تھی، تجھے بھی خالق نے بہت زبردست صلاحیتوں اور قوتوں سے نوازا ہے، تو خلوت سے باہر آ اور اس دور کے فرعونوں کی تباہی کا سامان کر کے امت مسلمہ کو ان سے نجات دلا۔

۱۳۔ تو روشن ملت (ملتِ اسلامیہ) کی سرگذشت بیان کر اور ہرن سے صحرا کی وسعت کی بات کر۔ ہرن استعارہ ہے ملت بیضا کا اور صحرا اسلام کی وسعت وعظمت کا۔ یعنی تو اہل ملت سے ملت کی سابقہ عظمت و سربلندی کی تاریخ بیان کر اور ان میں پھر سے وہی ماضی والا جوش جذبہ پیدا کر تا کہ وہ اپنے شاندار اور عظیم ماضی کو پھر سے زندہ کر سکیں۔ نیز ان پر اسلامی تعلیمات کی وسعت واضح کر۔

۱۴۔ تیری (مردِ حق کی) فطرت حضور نبی کریم محمد مصطفیٰؐ کے نور سے روشن ہے۔ تو ذرا پھر

یہ بتا کہ آخر ہمارا (مسلمانوں کا) مقام کیا ہے؟

۱۵- مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بو — مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بو

۱۶- ہر زماں اندر تنش جانے دگر — ہر زماں او را چو حق شانے دگر

۱۷- رازہا با مردِ مومن باز گوے — شرحِ رمزِ "کل یومٍ" باز گوے

۱۸- جز حرم منزل ندارد کارواں — غیرِ حق در دل ندارد کارواں

۱۹- من نمی گویم کہ راہش دیگر است — کارواں دیگر نگاہش دیگر است

۱۵- مردِ حق کسی سے رنگ و بو حاصل نہیں کرتا یعنی وہ صرف ایزدِ خالق اور حضور اکرمؐ کے رنگ میں اپنی زندگی ڈھالتا ہے۔ مردِ حق صرف حق / خدا تعالیٰ سے رنگ و بو قبول کرتا یعنی لیتا ہے۔

۱۶- ہر لمحہ اس (مردِ حق) کے بدن میں ایک نئی جان ہوتی ہے اور ہر لحظہ حق کی طرح اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔ یعنی وہ ہر لمحہ جہد و عمل میں سرگرم اور نت نئے انقلاب پیدا کرتا رہتا ہے۔ دوسرے مصرعے کی بات تیسرے شعر میں آ گئی ہے، فرہنگ ملاحظہ ہو۔

۱۷- تو (اے مردِ حق) مردِ مومن یعنی مسلمانوں کو ان کے بھولے ہوئے راز پھر سے بتا اور ان سے "کل یومٍ" کی رمز کی شرح بھی بیان کر۔

۱۸- ملت اسلامیہ کے قافلے کی منزل کعبہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور اس قافلے کے دل میں حق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ گویا مومن کی زندگی کی منزل بھی اس معبودِ حقیقی کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور نہ اس کے دل میں اس خالق کے سوا کوئی اور رہی بستا ہے۔

۱۹- میں یہ تو نہیں کہتا کہ ملت کا راستہ کوئی اور ہے، البتہ آج صورتِ حال یہ ہے کہ اب قافلہ وہ نہیں رہا اور اس کی نگاہ بھی اَور ہو گئی ہے (وہ نہیں رہی) مطلب یہ کہ ملت کا راستہ تو وہی ایک راستہ ہے کعبہ کو جانے والا، مرکزیت کا راستہ، لیکن آج کی ملت کی سوچ پہلے جیسی نہیں رہی اور کسی کی اسلام سے وابستگی بھی وہ نہیں رہی جو کبھی تھی اور جس کے باعث وہ عظمت و سربلندی اور سرخ روئی کی زندگی بسر کرتی تھی۔

افغانی

۱- از حدیثِ مصطفیٰؐ داری نصیب؟ — دینِ حق اندر جہاں آمد "غریب"

۲- باتو گویم معنیِ ایں حرفِ بکر — غربتِ دیں نیست فقرِ اہلِ ذکر
۳- بہرِ آں مردے کہ صاحب جستجو است — غربتِ دیں ندرتِ آیاتِ اوست
۴- غربت دیں ہر زماں نوعِ دگر — نکتہ را دریاب اگر داری نظر
۵- دل بہ آیاتِ مبیں دیگر بہ بند — تا بگیری عصرِ نو را در کمند
۶- کس نمی دانڈ ز اسرارِ کتاب — شرقیاں ہم غربیاں در پیچ و تاب
۷- روسیاں نقشِ نوی انداختند — آب و ناں بردند دیں در باختند
۸- حق بہیں، حق گوے وغیر از حق مجوے — یک دو حرف از من بہ آں ملت بگوے

۱- اب افغانی زندہ رود سے مخاطب ہیں۔ کیا تو حضور اکرم مصطفیٰؐ کی اس حدیث سے بہرہ ور ہے؟ یعنی آگاہ ہے؟ اور وہ حدیث یہ ہے کہ دینِ حق دنیا میں اجنبی صورت میں آیا تھا۔ یعنی پہلے اسلام کو کوئی نہیں جانتا تھا۔

۲- میں تجھ سے اس اچھوتے لفظ (''غریب'') کے معنی بتاتا ہوں، اس کا مفہوم بتاتا ہوں۔ دین کی غربت (اجنبیت) سے مراد اہل ذکر کا فقر نہیں ہے۔ گویا غربت سے مراد دنیاوی مال واسباب کا نہ ہونا یا مفلسی نہیں ہے بلکہ یہاں اس کا مفہوم اور ہے۔

۳- ایک ایسے انسان کے لیے جو تحقیق وتلاش کرنے والا ہے، غربتِ دین سے مراد اس کی آیات کی ندرت ہے۔ مطلب یہ کہ خالقِ کائنات کی نشانیوں کے عجائبات ہیں جو انسان ان آیات پر غور وفکر کرتا ہے وہ ان عجائبات کو پالیتا ہے۔

۴- غربتِ دیں ہر لمحہ یا ہر دور میں ایک نئے طرز/ انداز کی ہوتی ہے۔ اگر تو صاحب نظر/ بصیرت ہے تو اس گہری بات کو سمجھ۔ گویا آیات تو وہی ہیں لیکن ہر دور میں ان کے نئے نئے مفہوم ومعنی سامنے آتے رہتے ہیں۔

۵- تو قرآن کریم کی روشن آیات سے دوبارہ دل لگا تاکہ تو عصرِ حاضر کو کمند میں پکڑ سکے یعنی جدید دور کی برائیوں اور خرابیوں کا خاتمہ کرکے اسے منشائے ایزدی کے مطابق صورت دے سکے۔

۶- کوئی بھی کتاب (قرآن کریم) کے رازوں سے آگاہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیا اہل مشرق اور کیا اہل مغرب سبھی الجھاؤ میں پڑے ہوئے ہیں، گمراہ ہیں۔ گویا آیات کے وہ عجائبات جو آج کے دور سے متعلق ان میں ہیں، وہ ان لوگوں کے سامنے نہیں آئے۔

۷- روسیوں نے اشتراکیت/ کمیونزم کی صورت میں ایک نیا ہی نقش ڈھالا ہے۔ انہوں

(اہل روس) نے روٹی اور پانی تو حاصل کر لیا ہے لیکن دین ہاتھ سے دے بیٹھے یا ہار گئے ہیں۔

اشتراکیت، جس کا آغاز ۱۹۲۰ء سے ہوا، خدا اور مذہب سے دوری اور بیزاری اور مادی فوائد روٹی کپڑے سے محبت کا درس دیتی ہے۔ کارل مارکس یہودی اس نظام کا بانی تھا۔ (اس پر نوٹ دیا جا چکا ہے) حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ نظام صحیح طور پر عوام کو روٹی کپڑا بھی مہیا نہیں کر سکا۔ یوں یہ لوگ مذہب سے تو بیگانہ ہوئے ہی تھے، روٹی کپڑے سے بھی گئے۔

۸۔ (سوائے زندہ رود) تو حق کو دیکھ، حق کہہ اور حق کے سوا اور کسی چیز کی تلاش میں نہ رہ۔ تو میری (افغانی کی) طرف سے روسی قوم کو یہ دو ایک باتیں سنا دے، ان تک پہنچا دے۔ (وہ باتیں اگلے اشعار میں ہیں)

پیغامِ افغانی با ملتِ روسیہ

(روسی قوم کے نام افغانی کا پیغام)

۱۔ منزل و مقصودِ قرآں دیگر است — رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

۲۔ دردلِ او آتشِ سوزندہ نیست — مصطفیٰؐ در سینہ او زندہ نیست

۳۔ بندۂ مومن ز قرآں بر نخورد — در ایاغِ او نہ مے دیدم نہ دُرد

۴۔ خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست — خود سرِ تختِ ملوکیت نشست

۵۔ تا نہالِ سلطنت قوت گرفت — دینِ او نقش از ملوکیت گرفت

۶۔ از ملوکیت نگاہ گردد دگر — عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر

۱۔ قرآن کی منزل اور اس کا مقصود اور ہے۔ مسلمان کے رسم و آئین اور ہیں۔ گویا آج کا مسلمان قرآن کریم اور اس کی عظیم تعلیمات سے دور اور بیگانہ ہو گیا ہے۔

۲۔ (آج کے مسلمان) کے دل میں جلا دینے والی آگ نہیں ہے۔ (جو باطل کو جلا دے) اور حضرت محمد مصطفیٰؐ اس کے سینے میں زندہ نہیں ہیں یعنی وہ خود مادہ پرستی کا شکار ہو کر باطل قوتوں کا محکوم ہو گیا ہے اور اس کے دل میں حضور اکرمؐ کی محبت نہیں رہی۔

۳۔ بندۂ مومن (آج کے مسلمان) نے قرآن سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ میں نے اس کے

پیالے میں نہ تو شراب ہی دیکھی ہے اور نہ تلچھٹ ہی دیکھی ہے۔ گویا جس طور کی وہ زندگی گذار رہا ہے، اس میں اسلامی تعلیمات کی معمولی سی جھلک نظر نہیں آتی۔

۴- اس نے (ماضی میں) خود قیصر و کسریٰ جیسے بڑے بڑے بادشاہوں کا طلسم توڑا لیکن پھر وہ خود شاہی تخت پر بیٹھ گیا۔ مطلب یہ کہ اسلام کی شروع کی صدی میں مسلمانوں نے ایک آدمی کی حکومت یعنی شاہی نظام کا خاتمہ کر کے نظام خلافت رائج کیا لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے خلافت چھوڑ کر خود نظام ملوکیت اپنا لیا۔

۵- پھر جیسے جیسے مسلمانوں کی سلطنت/ ملوکیت کا درخت قوت پکڑتا گیا، اس کے دین نے ملوکیت کا نقش اختیار کر لیا۔ گویا نظام خلافت ختم ہو گیا اور اس کے برعکس ملوکیت میں حکومت و سلطنت اول اور دین ثانوی ہو کے رہ گیا۔

۶- ملوکیت سے نگاہ کا انداز ہی بدل جاتا ہے، جس کے نتیجے میں عقل و ہوش اور رسم و رہ بھی بدل جاتے ہیں۔ عشق کے جذبے ختم ہو جاتے ہیں اور عقل ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح زندگی کے طور طریقے بھی بدل جاتے ہیں۔

۷- تو کہ طرحِ دیگرے انداختی ۔۔۔ دل ز دستورِ کہن پرداختی
۸- ہمچو ما اسلامیاں اندر جہاں ۔۔۔ قیصریت را شکستی استخواں
۹- تا بر افروزی چراغے در ضمیر ۔۔۔ عبرتے از سرگذشتِ ما بگیر
۱۰- پائے خود محکم گذار اندر نبرد ۔۔۔ گردِ ایں لات و ہبل دیگر مگرد
۱۱- ملتے می خواہد ایں دنیائے پیر ۔۔۔ آں کہ باشد ہم بشیر و ہم نذیر
۱۲- بازمی آئی سوئے اقوامِ شرق ۔۔۔ بستہ ایام تو با ایامِ شرق
۱۳- تو بجا افگندہ ای سوزے دگر ۔۔۔ در ضمیر تو شب و روزے دگر
۱۴- کہنہ شد افرنگ را آئین و دیں ۔۔۔ سوئے آں دیرِ کہن دیگر مبیں
۱۵- کردہ ای کارِ خداونداں تمام ۔۔۔ بگذر از ''لا'' جانب ''الا'' خرام
۱۶- در گذر از ''لا'' اگر جویندہ ای ۔۔۔ تا رہِ اثبات گیری زندہ ای
۱۷- اے کہ می خواہی نظامِ عالمے ۔۔۔ جستہ ای او را اساسِ محکمے؟

۷- اے روسی قوم! تو نے جو ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی ہے اور پرانے حیات و سلطنت کے دستور سے دل ہٹا لیا ہے (کمیونزم کی بنیاد رکھ کر شاہی نظام ختم کر دیا ہے)؛

۸- تو نے بھی دنیا میں ہم مسلمانوں کی طرح قیصریت/ ملوکیت کی ہڈی توڑ ڈالی ہے۔

(شاہی نظام ختم کر دیا ہے)

۹۔ اس خاطر کہ تو اپنے ضمیر میں کوئی چراغ روشن کر لے یا کر سکے تو ہم مسلمانوں کی سرگذشت سے عبرت حاصل کر۔ کبھی اسلام سے دلی وابستگی کی بنا پر ہم عظمت و سربلندی وسرخ روئی کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن اسلام سے دور ہونے کے باعث ہم ذلت وغلامی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ ہماری اس سرگذشت سے عبرت حاصل کر کے تو ابھی سے سیدھی راہ اختیار کر لے تاکہ تو صحیح معنوں میں عزت وعظمت کی زندگی سے شادکام ہو۔

۱۰۔ تو اس جنگ میں مضبوطی سے اپنے پاؤں رکھ، پوری ثابت قدمی سے اپنے نظریے پر قائم رہ اور لات وہبل کے گرد پھر طواف نہ کر یعنی تو نے ملوکیت کا جو توڑ کیا ہے، اس پر ثابت قدمی سے ڈٹا رہ، کہیں یہ نظام پھر نہ اپنا لینا۔

۱۱۔ اس پرانی دنیا کو اب ایک ایسی ملت کی آرزو ہے جو بشیر بھی ہو اور نذیر بھی ہو۔ یعنی اہل ایمان کو تو دنیا و آخرت کی خوش خبری دے اور ایمان سے دور اور بیگانہ رہنے والوں کو آخرت اور یوم حساب سے ڈرائے۔

۱۲۔ تو پھر سے مشرقی قوموں کی طرف آجا، اس لیے کہ تیرے زمانے مشرق کے زمانوں سے وابستہ یا ملے ہوئے ہیں۔ گویا تیری تاریخ میں جو کچھ ہے، وہ مشرق کے حوالے سے ہے، مغرب کے حوالے سے نہیں۔

۱۳۔ تو نے اپنی جان میں ایک نیا سوز پیدا کر لیا ہے۔ تیرے ضمیر میں روز وشب بھی اب نئے ہیں۔ حالات سے پتا چل رہا ہے کہ تو نے اس نظام (کمیونزم) کو دل سے اختیار کر لیا ہے اور یوں تیرے حالات وواقعات میں تبدیلی آ گئی ہے۔

۱۴۔ افرنگ/یورپ کے دین وآئین اب پرانے ہو چکے ہیں تو اس پرانے مندر کی طرف مت دیکھ۔ پرانا مندر استعارہ ہے مذکورہ دین وآئین کا یعنی ان کے نظام پر کوئی توجہ نہ دے۔

۱۵۔ تو نے پرانے آقاؤں کا کام تمام کر دیا ہے، اب تو ''لا'' کی منزل سے گذر کر ''الا'' کی طرف آجا۔ پرانے آقا سے مراد زارِ روس، اس کے امراء وغیرہ اور روسی جاگیردار وغیرہ ہیں۔ انہیں تو تو نے بجا طور پر ختم کر دیا ہے لیکن اب تو کلمۂ توحید کی طرف آجا یعنی ہر آقا کی نفی تو تو نے کر دی ہے اب واحد آقا اور آقاؤں کے آقا خدا تعالیٰ پر ایمان لے آ جس کو فنا نہیں اور جس کا نظام بھی زوال پذیر نہیں ہے۔ یوں تو

اپنی دنیا و آخرت دونوں سنوار لے۔

۱۶- اگر تجھ میں تلاش و جستجو کا مادہ ہے تو ''لا'' کی منزل سے گذر جا یعنی خدا کی نفی یا اس کے وجود کے انکار سے دور رہ، کیونکہ جب تو اثبات کی راہ اختیار کرے گا تو تو زندہ و جاوید ہو جائے گا (روسی قوم تو زندہ و جاوید ہو جائے گی۔) اثبات سے مراد ہے خدا تعالیٰ اور اس کے ابدی نظام کا اقرار اور اس پر ایمان۔

۱۷- اے ملت روسیہ تو جو ایک عالم گیر نظام قائم کرنے کی آرزومند ہے کیا تو نے اس کے لیے کوئی مضبوط بنیاد تلاش کر لی ہے؟ یعنی تیرا یہ نظام عالم گیر نہیں ہو سکتا۔ عالم گیر نظام صرف اسلام ہی کا ہے۔

۱۸- داستانِ کہنہ شستی باب باب — فکر را روشن کن از ام الکتاب
۱۹- باسیہ فاماں یدِ بیضا کہ داد؟ — مژدۂ ''لاقیصر و کسرےٰ کہ داد؟
۲۰- در گذر از جلوہ ہائے رنگ رنگ — خویش را دریاب از ترکِ فرنگ
۲۱- گر ز مکر غربیاں باشی خبیر — روبہی بگذار و شیری پیشہ گیر
۲۲- چیست روباہی تلاشِ ساز و برگ — ''شیرِ مولا جوید آزادی و مرگ''
۲۳- جز بقرآں ضیغمی روباہی است — فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
۲۴- فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر — فکر را کامل ندیدم جز بذکر
۲۵- ذکر؟ ذوق و شوق را دادن ادب — کارِ جان است ایں نہ کارِ کام و لب
۲۶- خیزد از وے شعلہ ہائے سینہ سوز — بامزاجِ تو نمی سازد ہنوز
۲۷- اے شہیدِ شاہدِ رعنائے فکر — با تو گویم از تجلّی ہائے فکر

۱۸- تو (روسی قوم) نے پرانی داستان یعنی روس کی تاریخ کا ہر ہر باب/فصل دھو ڈالا ہے۔ تو اب قرآن کریم سے اپنی فکر کو روشن کر۔ اگرچہ تو نے ایک نئی تاریخ تحریر کی ہے، تاہم تو اپنی فکر کو قرآنی تعلیمات کے حوالے سے ڈھال۔

۱۹- سیاہ فاموں کو ید بیضا سے کس نے نوازا؟ قیصر و کسریٰ کی نفی کی خوش خبری کس نے دی؟ مطلب یہ کہ حضور اکرمؐ، قرآن کریم اور دین اسلام نے کالوں اور گوروں کو برابر کے درجے سے نوازا اور ملوکیت کا طلسم توڑ کر خدا کے بندوں کو اس نظام سے نجات دلائی۔

۲۰- (عہد جدید کے جو فکری و سیاسی) رنگا رنگ جلوے ہیں ان پر توجہ نہ دے، ان سے دور

رہ اور فرنگ کے دیے ہوئے ان جلووں کو ترک کر کے خود کو پالے۔ یعنی ان کی پیروی کرنے کی بجائے اپنا سیاسی و فکری مسلک خود پیدا کر اور اس کے لیے قرآنِ کریم اور اسلام سے رہنمائی حاصل کر۔

۲۱- اگر تو اہلِ مغرب کے مکر و فریب سے باخبر ہے تو پھر لومڑی پن چھوڑ دے اور شیر کی سی خصلت پیدا کر لے یعنی مغرب کے حامل فکر و فن طرزِ حکومت کی بجائے بے باکانہ طرز حکومت اختیار کر، جو تجھے صرف قرآنی تعلیمات اور اسلام کی رہنمائی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۲- یہ لومڑی پن (فرنگی طرز حکومت) کیا ہے؟ یہ محض دنیاوی ساز و سامان کی تلاش ہے، جبکہ اللہ کا شیر آزادی اور موت تلاش کرتا ہے۔ مذکورہ طرز حکومت میں کمزوروں کا ہر طرح سے استحصال کر کے اپنا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ گویا شیطانی نظام ہے جبکہ اللہ کے شیروں کا نظام دنیاوی دولت و مفاد کی خاطر بندوں کو حریص بننے سے بچاتا اور اس مقام تک انہیں لے جاتا ہے جہاں اللہ کے سوا کسی اور کو آقا تسلیم نہیں کیا جاتا اور وہ غلامی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲۳- قرآن کے بغیر شیری بھی لومڑی پن ہے اور قرآن کا فقر اصل شہنشاہی ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن کا فقر ایک ایسا فقر ہے جس کی بنا پر فقر میں شاہانہ عظمت آجاتی ہے اور بادشاہت میں فقیری جذبے پیدا ہونے کا باعث بنتا ہے، چنانچہ ماضی کے مسلمانوں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے جن کی شیری میں فقر کی پوری کیفیت تھی۔

۲۴- قرآن کا فقر ذکر اور فکر کا باہم اختلاط ہے، میں نے ذکر کے بغیر فکر کو کامل/مکمل نہیں دیکھا۔ فکر سے مراد اپنی ذات پر اور کائنات کی اشیا اور ذاتِ ایزدی پر غور کرنا ہے جبکہ ذکر خدا اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کو یاد کرنا ہے۔ جب انسان ان دونوں خصوصیات کا حامل ہو جاتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں صاحب فقر ہو جاتا ہے۔

۲۵- ذکر کیا ہے؟ ذکر شوق و ذوق کو ادب سکھانے کا نام ہے اور یہ جان/ روح کا کام ہے۔ حلق اور ہونٹوں کا کام نہیں یعنی وہ انسان کو حرص و ہوس سے بچا کر صحیح معنوں میں اس کے ذوق و شوق کو عشق حقیقی کے جذبوں سے سرشار کرتا ہے اور اس کے لیے دلی طور پر تصدیق ہونی چاہیے، زبانی کلامی ذکر محض دکھاوا ہوگا۔

۲۶- اللہ کے ذکر سے سینے کو جلا دینے والے شعلے اٹھتے ہیں۔ اور یہ ابھی تک تیرے مزاج

سے موافقت نہیں رکھتے۔ گویا عشق کی آگ ماسوااللہ کو جلا ڈالتی ہے، لیکن تم اہل روس ذکر کی لذت سے آشنا نہیں ہو اور نہ اس سلسلے میں تمہارا کوئی ارادہ ہی نظر آتا ہے۔

۲۷- تو اے فکر کے حسین و جمیل اور شگفتہ محبوب پر مر مٹنے والے (روسی) میں تجھے فکر کی تجلیوں کے بارے میں بتاتا ہوں۔ (ذکر کی بات ختم ہوئی۔ اب فکر پر روشنی ڈالی جائے گی کہ فکر کیا ہے)

۲۸- چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ — دستگیر بندۂ بے ساز و برگ
۲۹- ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو — "لن تنالو البر حتیٰ تنفقوا"
۳۰- از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن — کس نداند لذتِ قرضِ حسن
۳۱- از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ — آدمی درندہ بے دندان و چنگ
۳۲- رزقِ خود را از زمین بردن رواست — ایں 'متاع' بندہ و ملک خداست
۳۳- بندۂ مومن امیں، حق مالک است — غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است
۳۴- رایتِ حق از ملوک آمد نگوں — قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں
۳۵- آب و نانِ ماست از یک مائدہ — دودۂ آدم "کنفسٍ واحدہ"

۲۸- قرآں کیا ہے؟ قرآن آقا کے لیے موت کا پیغام ہے جبکہ بے ساز و سامان یا مفلس غلام کا مددگار ہے۔

۲۹- تو دولت اینٹھنے والے گھٹیا آدمی سے کسی خیر کی توقع نہ رکھ اور قرآنی حوالے سے یہ یاد رکھ کہ "تم نیکی یا خیر نہیں پا سکتے جب تک کہ تم اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو۔" گویا دولت سمیٹ اور سنبھال کر رکھنے والے بڑے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے لیے جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، موت کا پیغام ہے اور مفلسوں، غریبوں کو صحیح زندگی گذارنے کے ڈھب سے آگاہ کرتا ہے۔

۳۰- سود سے آخر کیا پیدا ہوتا ہے؟ فتنے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی بھی قرضِ حسنہ کی لذت سے آشنا نہیں ہے۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا کیونکہ یہ فساد کا باعث بنتا ہے۔ (بہت عرصہ ہوا ایبٹ آباد کے ایک عالم کا مضمون احمد ندیم قاسمی صاحب کے رسالہ فنون میں شائع ہوا تھا۔ ان کا نام بھی بھول گیا ہوں۔ انہوں نے ربا سے مراد ایسا سود لیا تھا جو کسی غریب و نادار کو قرض دے کر اس سے وصول کیا جائے، یہ ظلم ہے۔ ان کے مطابق بینک والے چونکہ دوسروں کی رقم سے کاروبار کرتے ہیں، اس لیے یہ ربا

نہیں بلکہ اس کاروبار وغیرہ میں شرکت کا حسب رقم منافع ہے۔ چنانچہ سعودی عرب میں بھی بینک کام کر رہے ہیں۔)

۳۱- ربا سے جان تاریک ہو جاتی اور دل اینٹ پتھر کی مانند ہو جاتا ہے، اور انسان دانتوں اور پنجوں کے بغیر درندہ بن جاتا ہے۔ ربا خور سوز و درد کے جذبوں سے عاری ہو جاتا ہے۔

۳۲- اپنا رزق زمین سے حاصل کرنا جائز ہے، مناسب ہے۔ یہ (زمین) بندے کی متاع تو ہے لیکن حقیقی ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ بندہ اللہ کی اس ملکیت سے اپنا کام نکالتا ہے۔

۳۳- بندۂ مومن اللہ کی زمین کا امین ہے جبکہ مالک اللہ ہی ہے۔ حق کے سوا جو کچھ بھی تجھے نظر آتا ہے وہ ہلاک/ فنا ہونے والا ہے۔ قرآنی آیت کا حوالہ ''اللہ تعالیٰ کے چہرے کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔'' سورۂ القصص، آیت ۸۸۔ گویا زمین کا مالک چونکہ باقی اور حی و قیوم (اللہ) ہے، اس لیے فانی مالک نہیں ہو سکتا، البتہ خدا کی طرف سے اس کو کام میں لانے، استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

۳۴- پرچمِ حق بادشاہوں نے سرنگوں کر دیا۔ یوں ان کی مداخلت سے بستیاں خوار و زبوں ہو گئیں، برباد ہو گئیں۔ گویا بادشاہوں نے اللہ کا نظام رائج کرنے کی بجائے حسب خواہش، اپنا ذاتی نظام چلایا، اس کا پرچم بلند کر دیا اور یوں آبادیوں کی تباہی و بربادی کا سامان کیا۔ قرآنی تلمیح ''بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں۔'' سورۂ النمل، آیت ۳۴

۳۵- ہمارا رزق ایک دسترخوان سے ہے۔ آدم کا خاندان (نسل آدم) گویا ایک نفس ہے۔ (فرہنگ) مطلب یہ کہ سبھی انسان ایک آدم کی اولاد ہیں لیکن ہوس وحرص نے نسل انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

ع ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو

(بانگِ درا، طلوعِ اسلام)

۳۶- نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست | نقشہائے کاہن و پاپا شکست

۳۷- فاش گویم آنچہ در دل مضمر است | ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

۳۸- چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود | جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

۳۹- مثل حق پنہان و ہم پیداست ایں زندہ و پایندہ و گویاست ایں
۴۰- اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق سرعت اندیشہ پیدا کن چو برق
۴۱- بامسلماں گفت جاں برکف بنہ ہرچہ از حاجت فزوں داری بدہ
۴۲- آفریدی شرع و آئینے دگر اندکے بانورِ قرآنش نگر
۴۳- از بم و زیرِ حیات آگہ شوی ہم زتقدیرِ حیات آگہ شوی

۳۶- جب قرآن کا نقش اس عالم پر ثبت ہوا تو برہمنوں اور پادریوں کے نقش مٹ گئے۔ گویا اسلام میں مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام ایسی اجارہ داری کے سخت خلاف ہے۔

۳۷- میرے دل میں جو کچھ پوشیدہ ہے وہ میں واضح طور پر بیان کرتا ہوں، اور وہ یہ کہ یہ (قرآن) کوئی کتاب نہیں ہے، کچھ اور ہی شے ہے۔ یہ عظیم ولا فانی لائحہ حیات ہے۔

۳۸- جب یہ (قرآن) روح میں سما جاتا ہے تو جان/ روح کچھ اور ہی ہو جاتی ہے اور جب جان کچھ اور ہو جاتی ہے تو دنیا بھی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ جب انسان اس کو اپنی روح پر وارد کرتا ہے تو اس کے لیے یہ کائنات ایک مادی کائنات نہیں رہتی بلکہ اس کی ہر ہر شے میں اسے اس محبوبِ حقیقی کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے اور یوں وہ ذاتِ حق کے ذکر وفکر میں محو/ فنا ہو جاتا ہے۔

۳۹- حق کی مانند یہ (قرآن کریم) مخفی/ چھپا ہوا بھی ہے اور ظاہر بھی ہے۔ یہ زندہ، ہمیشہ رہنے والا یعنی لافانی اور بولنے والا ہے۔ گویا زندہ ان معنوں میں کہ اس کی عبارت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی اور نہ یہ قیامت تک مٹ سکے گا کیونکہ اس کی جو تعلیمات ہیں، وہ ہر زمانے اور ہر دور کے لیے ہیں اور قیامت تک رہیں گی۔ اس لحاظ سے اس کی کیفیت کچھ اس طرح کی ہے جیسے وہ بول کر سب کچھ بتا رہا ہے۔

۴۰- اس کے اندر مشرق اور مغرب کی تقدیریں ہیں۔ تو انہیں سمجھنے اور ان سے استفادہ کی خاطر خود میں بجلی کی سی تیزی فکر پیدا کر۔ مطلب یہ کہ قرآن کریم میں پوری دنیا کے لیے طرح طرح کی ہدایات موجود ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ کے لیے قوانین و انداز دیے گئے ہیں۔ ان سے استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنی فکری صلاحیت کو روشن اور تیز کرے۔

۴۱- قرآن کریم نے مسلمانوں سے یہ کہا ہے کہ تم اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لو اور جو کچھ تمہاری

ضرورت سے زیادہ ہے، اسے دوسروں یا مفلسوں وغیرہ کو دے دو۔ گویا اللہ کی راہ میں جہاد کرو خواہ تمھیں جان قربان کرنی پڑے۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اللہ کی راہ میں جہاد اور خرچ کرنے کے عمل کو اپنالو (دوسرے مصرعے میں شعر ۲۹ کے دوسرے مصرعے والی بات آگئی ہے۔)

۴۲- تو (روسی قوم) نے ایک نئی یا کچھ اور ہی ڈھب کی شرع اور آئین ترتیب دے لیے یا پیدا کر لیے ہیں۔ تو اپنے ان قوانین کو ذرا قرآن کی روشنی میں دیکھ۔ اشتراکی/کمیونزم نظام کی طرف اشارہ ہے جس پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔ مطلب یہ کہ تیرا یہ نظام انسانی فلاح کی بجائے خرابی کا باعث بنے گا۔ (حالات نے واقعی یہ بات سچ ثابت کر دی ہے) اگر تم اس نظام میں قرآن کی روشنی میں کسی قدر تبدیلی و اضافہ کرلو تو یہ ایک قرآنی نظام بن جائے گا۔

۴۳- جب تو (روسی قوم) اپنے نظام کو قرآن کے مطابق ڈھالے گی تو تو زندگی کی اونچ نیچ (اچھائی برائی) سے آگاہ ہو جائے گی اور اسی طرح زندگی کی تقدیر بھی تجھ پر پورے طور پر واضح ہو جائے گی، لہٰذا تو ''کتابِ سرمایہ'' (کارل مارکس کی تصنیف) کی بجائے قرآن پر توجہ کر جوام الکتاب ہے۔

۴۴- محفل مابے مے و بے ساقی است — سازِ قرآں را نواہا باقی است
۴۵- زخمہ ما بے اثر افتد اگر — آسماں دارد ہزاراں زخمہ ور
۴۶- ذکرِ حق از امتاں آمد غنی — از زمان و از مکاں آمد غنی
۴۷- ذکرِ حق از ذکر ہر ذاکر جد است — احتیاجِ روم و شام او را کجاست
۴۸- حق اگر از پیشِ ما بردارش — پیشِ قومے دیگرے بگذاردش
۴۹- از مسلماں دیدہ ام تقلید وظن — ہر زماں جانم بلرزد در بدن
۵۰- ترسم از روزے کہ محرومش کنند — آتشِ خود بر دلِ دیگر زنند

۴۴- ہماری (آج کے مسلمانوں کی) محفل شراب اور ساقی کے بغیر ہے، تاہم قرآن کے ساز کے نغمے اپنی جگہ برقرار ہیں۔ مطلب یہ کہ آج کے مسلمان قرآن سے ہٹ گئے اور دین سے بیگانہ ہو گئے ہیں اور ان کو دین کی طرف لانے والا کوئی بھی آدمی نظر نہیں آرہا، تاہم قرآن کریم کا نور موجود ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اس کی طرف رغبت کریں اور یوں ایک باوقار اور پر عظمت زندگی کا سامان کرلیں۔

۴۵- اگر ہماری مضراب میں کوئی اثر نہیں ہے یا نہیں رہا تو آسمان کے پاس ہزاروں اور سازندے موجود ہیں۔ گویا اگر ہم قرآن کریم کی تعلیمات کو نہیں اپنائیں گے اور ان پر عمل نہیں کریں گے تو خالق حقیقی کوئی اور قوم پیدا کر دے گا جو ہماری جگہ یہ فریضہ انجام دے گی۔

۴۶- خدا تعالیٰ کا ذکر قوموں سے بے نیاز ہے۔ وہ زمان اور مکان دونوں سے بے نیاز ہے۔ گویا قرآنی تعلیمات کے نفاذ کی خاطر وہ (قرآن) کسی قوم اور کسی جگہ اور کسی دور کا محتاج نہیں ہے۔

۴۷- ذکرِ حق ہر ذاکر سے یعنی اس کے ذکر کرنے سے ایک الگ بات ہے۔ اسے روم اور شام کی کیا ضرورت ہے یعنی کوئی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم اپنی تبلیغ واشاعت کے لیے کسی بھی ملک وقوم کا محتاج نہیں ہے۔

۴۸- اگر اللہ تعالیٰ اسے (قرآن کو) ہمارے سامنے سے اٹھالے تو وہ اسے کسی اور قوم کے سامنے رکھ دے گا، یعنی ہم مسلمان اگر اسی طرح قرآن سے دور رہے تو خدا تعالیٰ کسی دوسری قوم کو اس توفیق سے نوازے گا کہ وہ قرآنِ کریم کو اپنا لائحہ عمل بنا لے۔

۴۹- آج کے مسلمانوں میں تو میں نے دوسروں کی بلاوجہ کی پیروی اور قیاس کو دیکھا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میری جان ہر لمحہ جسم میں لرزتی رہتی ہے۔

۵۰- میں اس دن سے ڈر رہا ہوں جب مسلمان کو قرآن سے محروم کر دیا جائے گا۔ (خدا محروم کر دے گا) اور مولا کریم اپنے عشق کی آگ کسی اور کے دل پر لگا دے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم مسلمان قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تا کہ خدائے قدوس کے فضل وکرم اور فیضان سے کما حقہ بہرہ ور ہوں۔

پیر رومیؔ بہ زندہ رودؔ می گوید کہ شعرے بیار

(پیر رومی، زندہ رود سے کہتے ہیں کہ کوئی شعر سنا)

۱- پیرِ رومیؔ آں سراپا جذب و درد ・ ایں سخن، دانم کہ باجانش چہ کرد

۲- از دروں آہے جگر دوزے کشید ・ اشکِ او رنگیں تراز خونِ شہید

۳- آں کہ تیرش جز دلِ مرداں نہ سفت ・ سوئے افغانیؔ نگاہے کرد و گفت

۴۔ ''دل بخوں مثلِ شفق باید زدن — دست در فتراکِ حق باید زدن
۵۔ جاں ز امید است چوں جوئے رواں — ترکِ امید است مرگِ جاوداں''
۶۔ باز در من دید و گفت ''اے زندہ رود — با دو بیتے آتش افگن در وجود
۷۔ ناقۂ ما خستہ و محمل گراں — تلخ تر باید نوائے ساربان
۸۔ امتحانِ پاک مرداں از بلاست — تشنگاں را تشنہ تر کردن رواست
۹۔ در گذر مثلِ کلیم از رودِ نیل — سوئے آتش گام زن مثلِ خلیل
۱۰۔ نغمۂ مردے کہ دارد بوئے دوست — ملتے را می برد تا کوئے دوست

۱۔ پیرِ رومیؒ جو سراپا سوز و درد ہیں، ان کی جان پر افغانی کی بات یا مذکورہ باتوں نے کیا اثر ڈالا، اس سے میں آگاہ ہوں، میں جانتا ہوں۔
۲۔ انہوں (رومیؒ) نے دل سے ایک جگر دوز آہ بھری/کھینچی۔ ان کی آنکھوں سے نکلے آنسو شہید کے خون سے بھی زیادہ رنگین تھے۔
۳۔ وہ شخصیت (رومیؒ) جس کی نگاہ کے تیر نے بندگانِ حق کے دلوں کے سوا اور کسی کو نہیں چھیدا، اس نے افغانی کی طرف دیکھا اور کہا۔
۴۔ دل کو شفق کی مانند خون میں رنگ لینا چاہیے اور اپنا ہاتھ اللہ کی فتراک میں دے دینا چاہیے یعنی ہمیں اپنے مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور اللہ کی طرف توجہ کر کے اور قرآن پر عمل کی صورت میں روشن مستقبل کی امید رکھنی چاہیے۔
۵۔ جان امید ہی کی بنا پر بہتی ہوئی ندی کی مانند بنتی ہے۔ امید ترک کر دینا جان کی ہمیشہ کی موت ہے۔ گویا امید ہی کے باعث آدمی راہِ عمل پر گامزن ہوتا ہے۔ ویسے بھی ارشاد ایزدی ہے کہ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔'' (لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ)
۶۔ پھر پیرِ رومیؒ میری طرف دیکھے اور کہنے لگے کہ اے زندہ رود! دو ایک شعروں سے وجود کے اندر آگ لگا یعنی ایسے اشعار سنا جنہیں سن کر دل میں سوز و جذبہ پیدا ہو جائے۔
۷۔ ہماری اونٹنی تھک چکی یا ہانپ گئی ہے اور محمل/کجاوہ بوجھل ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ساربان کا نغمہ زیادہ تلخ ہو تا کہ اس نغمے سے مست ہو کر وہ بوجھ محسوس کیے بغیر منزل کی طرف رواں رہے۔ غالباً اپنے عالم بالا کے سفر یا پھر ملت کی صورت حال کے حوالے سے ایسا کہا ہے۔
۸۔ اللہ کے پاک/خاص بندوں کی آزمائش آلام و مصائب سے ہوتی ہے، پیاسوں کو

زیادہ پیاسا کرنا مناسب ہے۔ گویا خدا ان کے محبت کے دعوے کو انہیں مصائب میں ڈال کر آزماتا ہے۔ (اللہ کے ان بندوں کا یہ نظریہ ہے کہ ''ہر چہ از دوست رسد خوب است''، محبوبِ حقیقی کی طرف سے جو کچھ بھی ملے، غم یا خوشی، سب خوب ہے)

۹- تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی طرح دریائے نیل سے گذر جا، اور خلیلؑ کی طرح آگ کی طرف قدم بڑھا۔ (فرہنگ دیکھیے) گویا تو بھی ''ہر چہ از دوست....'' الخ والا رویہ اختیار کر۔

۱۰- اس مردِ حق کا نغمہ جس میں دوست (محبوبِ حقیقی) کی خوشبو ہو، ملت کو دوست کے کوچے میں لے جاتا ہے۔ بالواسطہ مطلب یہ کہ تو ایسی شاعری کر جو عشقِ حقیقی کی حامل اور سچے جذبوں سے پر ہو اور اس سے ملت میں ایسے جذبے پیدا کر دے جن سے اس کا توحیدِ ایزدی، قرآن کریم اور حضور اکرمؐ کی رسالت پر ایمانِ کامل ہو۔

غزلِ زندہ رود

۱- این گل و لالہ تو گوئی کہ مقیم اندہمہ
راہ پیما صفتِ موجِ نسیم اندہمہ

۲- معنیِ تازہ کہ جوئیم و نیابیم کجاست
مسجد و مکتب و میخانہ عقیم اندہمہ

۳- حرفے از خویشتن آموز و درآں حرف بسوز
کہ دریں خانقہ بے سوز کلیم اندہمہ

۴- از صفا کوشیِ ایں تکیہ نشیناں کم گوی
موئے ژولیدہ و ناشستہ گلیم اندہمہ

۵- چہ حرمہا کہ درونِ حرمے ساختہ اند
اہلِ توحید یک اندیش و دونیم اندہمہ

۶- مشکل این نیست کہ بزم از سرِ ہنگامہ گذشت
مشکل این است کہ بے نقل و ندیم اندہمہ

۱- تیرا یہ کہنا کہ یہ گل و لالہ غیر فانی ہیں (درست نہیں ہے اس لیے کہ) یہ تو موجِ نسیم کی طرح راستہ چلنے والے ہیں۔ گویا دنیاوی مال و دولت اور اقتدار و حکمرانی کو ثبات نہیں ہے اور کائنات کی ہر شے فنا کی طرف چل رہی ہے۔

۲- وہ تازہ معنی جن کی ہم تلاش میں ہیں اور ہمیں مل نہیں رہے (خدا جانے وہ) کہاں ہیں؟ کیا مسجد اور کیا مکتب اور کیا مے خانہ سبھی بانجھ ہیں۔ ان سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا یعنی جس شے کی مجھے تلاش ہے، یہ اسے دینے سے قاصر ہیں۔

۳- اپنے آپ سے ایک حرف / لفظ سیکھ اور اس حرف میں جل جا، اس لیے کہ اس خانقاہ میں سارے کلیم سوز سے خالی ہیں۔ ایک حرف سے مراد توحید ہے۔ آج کے صوفیا

بظاہر توحید/ اللہ کے لفظ کو اپنے ضمیر پر نقش کرنے کی بڑی تلقین کرتے ہیں لیکن درحقیقت ان میں محبوب حقیقی کے جلوہ کے لیے وہ سوز نہیں ہے جو حضرت موسیٰ میں تھا۔ وہ جذبہ عشق سے عاری ہیں، لہٰذا ان کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے تو خود اپنے ضمیر میں اس ذاتِ اقدس کا نقش ابھار۔

۴۔ تو ان تکیہ نشین (نام نہاد درویشوں) کی پاک باطنی کے بارے میں کچھ نہ کہہ۔ ان کے بال الجھے ہوئے ہیں اور ان کی گدڑی ان دھلی / ناصاف ہے۔ گویا اپنے مریدوں کو فریب دینے کی خاطر انہوں نے یہ انداز اختیار کر رکھا ہے۔

۵۔ کس قدر یا کتنے حرم ہیں جو انہوں نے ایک حرم کے اندر بنا رکھے ہیں۔ اہل توحید کی فکر تو واحد ہے لیکن عملی طور پر وہ ٹکڑوں/گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پہلے نام نہاد درویشوں کی بات ہوئی ہے۔ اب اہل مدرسہ یعنی عالموں یا ملاؤں کی بات ہے اور وہ یہ کہ ان لوگوں نے توحید پرست ہونے کے باوجود اپنے الٹے سیدھے افکار کو رواج دے کر ملت کو انتشار و افتراق کا شکار کر دیا ہے اور وہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے۔

۶۔ مشکل یہ امر نہیں ہے کہ بزم یعنی ملت نے ہنگامہ آرائی (جوش و جذبہ) کا خیال ترک کر دیا ہے بلکہ مشکل یہ ہے کہ تمام اہل محفل شیرینی اور احباب کے بغیر ہیں۔ گویا مسلمانوں میں آج بھی اسلام کا جذبہ زندہ ہے، لیکن ایسا کوئی حقیقی راہنما نظر نہیں آ رہا جو ان کو اسلام کی صحیح سمت کی طرف لے چلے اور یوں ان کے جذبے کو عمل کی صورت دے سکے۔

فلکِ زہرہ

۱۔ درمیانِ ماہ و نورِ آفتاب — از فضائے توبتو چندیں حجاب
۲۔ پیشِ ما صد پردہ را آویختند — جلوہ ہائے آتشیں را بیختند
۳۔ تا زِ کم سوزی شود دل سوزتر — سازگار آید بشاخ و برگ و بر
۴۔ از تبِ او در عروقِ لالہ خوں — آبجو از رقصِ او سیماب گوں
۵۔ ہم چناں از خاک خیزد جانِ پاک — سوئے بے سوئی گریزد جانِ پاک
۶۔ در رہِ او مرگ و حشر و حشر و مرگ — جز تب و تابے ندارد ساز و برگ

۷- در فضائے صد سپہر نیلگوں غوطہ پیہم خوردہ باز آید بروں
۸- خود حریم خویش و ابراہیمؑ خویش چوں ذبیح اللہ در تسلیم خویش
۹- پیشِ او نُہ آسماں نُہ خیبر است ضربتِ او از مقامِ حیدرؓ است
۱۰- ایں ستیزِ دم بدم پاکش کند محکم و سیار و چالاکش کند
۱۱- می کند پرواز در پہنائے نور مخلبش گیرندۂ جبریل و حور
۱۲- تاز ''ما زاغ البصر'' گیرد نصیب برمقامِ ''عبدہ'' گردد رقیب

۱- ہمارے اور سورج کی روشنی کے درمیان کئی تہ بتہ پردے ہیں۔

۲- ہمارے سامنے کارکنانِ قضا و قدر نے سینکڑوں پردے لٹکا دیے اور ان میں آتشیں جلوے لپیٹ دیے ہیں۔

۳- تاکہ ان کی کم سوزی کے باعث دل زیادہ سوز والا بن جائے اور یہ سوز شاخ اور پتوں اور پھل کے لیے سازگار ٹھہرے یعنی اگر سورج کی تیز حدت اور زمین کی اشیا کے درمیان یہ پردے نہ ہوتے تو یہ مادی دنیا جل جاتی۔

۴- اس کی حدت و حرارت لالہ کے پھول کی رگوں میں خون ہے (یعنی وہ سرخ ہے) جبکہ ندی اس کے رقص یعنی گردش سے پارے کی مانند ہو جاتی ہے (بیقرار رہتی ہے) گویا اس کائنات کی چیزوں میں زندگی کے آثار نظر آتے ہیں تو یہ سورج کی در پردہ شعاعوں کے باعث ہیں، بصورت دیگر ہر شے جل جاتی۔

۵- اسی طرح جان پاک بھی مٹی سے پیدا ہوتی ہے، اور جانِ پاک لامکاں کی طرف دوڑتی ہے۔ گویا جس طرح مذکورہ پردوں سے گذر کر سورج کی شعاعیں کائنات کی اشیا کی زندگی کا باعث بنتی ہیں، اسی طرح روح بھی ہماری زمین یعنی جسم میں پیدا ہوتی ہے۔ سو اگر روح اور جلوۂ ایزدی کے درمیان پردے نہ ہوں تو اس کی تاب لانا ممکن نہ ہوگا۔

۶- اس (روح) کے راستے میں موت اور بعد از موت جی اٹھنے کے مقامات آتے ہیں اور اس سفر میں اس کے پاس عشق کی تڑپ کے سوا اور کوئی سامان نہیں ہوتا۔ گویا اس کا زادِ راہ عشق ہے اور اسی کی بدولت سفرِ آخرت بہ آسانی طے ہوگا۔

۷- وہ (جانِ پاک) سینکڑوں نیلے آسمانوں کی فضا میں مسلسل غوطے لگا کر باہر آتی ہے۔ جس طرح بیج نشو و نما پا کر زمین سے باہر آتا ہے۔ کچھ اسی طرح روح جسم میں نشو و نما

پاتی ہے۔ اس کی صلاحیتوں سے آگاہی کے لیے مجاہدہ و ریاضت کی کئی منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

۸۔ وہ (جانِ پاک) آپ ہی اپنا کعبہ اور آپ ہی اپنا ابراہیمؑ ہے اور ذبیح اللہ (حضرت اسمٰعیلؑ) کی طرح خود ہی اپنے سامنے سرِ تسلیم خم کرتی ہے۔ قرآنی تلمیح کے حوالے سے بات ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کے بت گرائے اور کعبہ تعمیر کیا تھا اور ان کے فرزند اسمٰعیلؑ نے قربانی کے لیے اپنی جان پیش کر دی تھی۔ گویا جانِ پاک جذبہ عشق سے سرشار ہونے کے باعث اپنا باطنی کعبہ تعمیر کرتی اور اپنے نفس امارہ پر اسی طرح چھری چلا دیتی ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ پر چلائی تھی۔ یوں وہ اپنا نفس بتوں (مادی فوائد وغیرہ) سے پاک کر لیتی اور اسے تسلیم و رضا کا حامل بنا دیتی ہے۔

۹۔ اس جان کے سامنے یہ نو آسمان گویا نو خیبر ہیں۔ اس کا وار حیدر کے مقام سے ہے۔ گویا اس میں حضرت علیؓ حیدر کرار کی سی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ہر باطل قوت کو شکست دے کر عظمت پاتی چلی جاتی ہے۔

۱۰۔ یہ ہر لحہ کی جنگ/ کھینچا تانی اس کو پاک کر دیتی ہے، اور اسے مضبوط و متحرک اور مستعد بنا دیتی ہے۔ گویا جانِ پاک مسلسل اپنے نفس کے خلاف جہاد میں مصروف رہتی اور یوں اپنی استقامت و عزمت اور بیداری کا سامان کر لیتی ہے۔

۱۱۔ وہ نور کی وسعتوں میں پرواز کرتی ہے۔ اس کا چنگل/ پنجہ جبرئیل اور حور کو اپنی گرفت میں لینے والا بن جاتا ہے۔

۱۲۔ یہاں تک کہ وہ ''مازاغ البصر'' سے حصہ پا لیتی ہے اور یوں ''عبدہ'' کے مقام کی نگران بن جاتی ہے۔ (فرہنگ) حضور اکرمؐ کے واقعہ معراج کے حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ جب جانِ پاک خود کو حضورؐ کے رنگ میں رنگ لیتی ہے تو اسے عبدہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ از مقامِ خود نمی دانم کجاست ‏ ‏ ‏ ایں قدر دانم کہ از یاراں جداست
۱۴۔ اندرونم جنگ بے خیل و سپہ ‏ ‏ ‏ بیند آں کو ہم چومن دارد نگہ
۱۵۔ بے خبر مرداں ز رزمِ کفر و دیں ‏ ‏ ‏ جانِ من تنہا چو زین العابدینؒ
۱۶۔ از مقام و راہ کس آگاہ نیست ‏ ‏ ‏ جز نوائے من چراغِ راہ نیست
۱۷۔ غرقِ دریا طفلک و برنا و پیر ‏ ‏ ‏ جاں بساحل بردہ یک مردِ فقیر

۱۸- برکشیدم پردہ ہائے ایں وثاق ترسم از وصل و بنالم از فراق
۱۹- وصل اگر پایان شوق است الحذر اے خنک آہ و فغانِ بے اثر
۲۰- راہ رو از جادہ کم گیرد سراغ گر بجانش سازگار آید فراغ
۲۱- آں دلے دارم کہ از ذوقِ نظر ہر زماں خواہد جہانے تازہ تر
۲۲- رومی از احوالِ جانِ من خبیر گفت ''می خواہی دگر عالم؟ بگیر
۲۳- عشق شاطر، ما بدستش مہرہ ایم پیش بنگر در سوادِ زہرہ ایم
۲۴- عالمے از آب و خاک او را قوام چوں حرم اندر غلافِ مشک فام
۲۵- بانگاہِ پردہ سوز و پردہ در از درونِ میغ و ماغ او گذر
۲۶- اندرو بینی خدایانِ کہن می شناسم من ہمہ راتن بہ تن
۲۷- بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر رم خن و لات و منات و عسر و غسر
۲۸- برقیامِ خویش می آرد دلیل از مزاجِ ایں زمانِ بے خلیل''

۱۳- مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ میرا مقام کہاں ہے۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ وہ (مقام) دوستوں مراد عام لوگوں سے جدا / الگ ہے۔

۱۴- میرے اندر (باطن میں) فوج اور لشکر کے بغیر جنگ جاری ہے۔ یہ جنگ وہی دیکھ سکتا ہے جو میری طرح صاحب نگاہ یا صاحب بصیرت ہو۔ گویا میرے (علامہ کے) اندر حق اور باطل کی جنگ مسلسل جاری رہتی ہے۔

۱۵- لوگ کفر اور دین کے درمیان جنگ سے بے خبر ہیں جبکہ میری جان زین العابدینؒ کی طرح تنہا ہے۔ (فرہنگ) یہ ایک طرح سے بالواسطہ اظہارِ افسوس ہے آج کے مسلمانوں کی دین سے دوری و بیگانگی پر جبکہ کفر اور دین کی جنگ میں خود کو تنہا کہا ہے، کوئی ساتھ دینے والا نہیں ہے۔

۱۶- منزل اور راستے سے کوئی بھی (آج کا مسلمان) آگاہ نہیں ہے۔ میری شاعری کے سوا راستے کا اور کوئی چراغ نہیں ہے۔ گویا علامہ کی شاعری میں دیا گیا پیغام ہی مسلمانوں کو ان کی منزل (مقصدِ زندگی) اور راستے کا پتا دے گا، یعنی وہ کس طرح جہد و عمل سے اور دین سے وابستہ ہو کر حقیقی مسلمانوں کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

۱۷- سب چھوٹے بچے اور جوان اور بوڑھے (سب چھوٹے بڑے) غفلت کے سمندر میں غرق ہیں، صرف ایک فقیر مرد جان بچا کر ساحل پر پہنچا ہے۔ گویا پوری قوم بری طرح

غفلت کی شکار ہے۔ صرف زندہ رود بچا ہے جو اسے پکار پکار کر اس غفلت سے بچنے اور جہد و عمل کی راہ اختیار کرنے کو کہہ رہا ہے۔

۱۸- میں (زندہ رود، علامہ) نے غفلت کے مکان کے پردے ہٹا دیے ہیں۔ میں وصل سے تو خوف زدہ ہوں جبکہ ہجر کے باعث نالاں ہوں۔ گویا مسلمانوں کی خود ساختہ منزل سے جو حقیقی زندگی سے دور ہے، خوف زدہ ہوں اور ان کی مذکورہ زندگی سے دوری مجھے رُلا رہی ہے۔ یا یہ کہ وہ مومن کی طرح وصل کو موت اور فراق کو زندگی سمجھتے ہیں:

مرگ ہے انتہائے شوق، یاں رہی ابتدائے عشق
زندگی اپنی ہوگئی رنجشِ بار بار میں

۱۹- اگر وصل عشق کے خاتمے کا باعث بنتا ہے تو اس سے بچو۔ وہ آہ و فغاں مبارک ہے جس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہی مومنؔ خان مومنؔ والی بات ذرا بدل کر۔

۲۰- راستہ چلنے والے کی جان کو اگر فراغت و سکون راس آ جائے تو وہ راستے کا سراغ ہی نہیں لگا تا بس سکون ہی میں محو رہتا ہے۔

۲۱- میرے سینے میں ایک ایسا دل ہے جو ذوقِ نظر کی بنا پر ہر پل ایک نئی دنیا کی آرزو میں رہتا ہے۔ گویا اس ذوقِ نظر کے باعث میرے لیے سفر میں رہنا ہی باعث مسرت ہے یعنی میں جمود کی بجائے حرکت کا قائل ہوں۔

۲۲- رومیؒ جو میری جان کے احوال/ کیفیات سے باخبر ہیں، کہنے لگے "کیا تم کوئی اور جہان چاہتے ہو؟ یعنی دیکھنا چاہتے ہو؟ تو یہ لو، مطلب یہ کہ اب ایک نیا جہان تمہارے سامنے ہے۔ اب اس کی طرف گامزن ہو۔

۲۳- عشق شطرنج کا کھلاڑی ہے اور ہم اس کے ہاتھ میں شطرنج کی گوٹ/ پانسا ہیں۔ تو ذرا سامنے دیکھ، اب ہم زہرہ یعنی فلکِ زہرہ کی حدود میں ہیں۔

۲۴- یہ جہان ایسا جہان ہے جس کا خمیر پانی اور مٹی سے ہے۔ کعبہ کی طرح یہ سیاہ رنگ کے غلاف میں ہے۔ گویا اس کی فضا تاریک ہے۔ پانی اور مٹی کے خمیر سے مراد غالباً زہرہ کی طرف اشارہ ہے جو دنیا میں ایک رقاصہ تھی، ہاروت و ماروت دو فرشتے دنیا میں آئے اور اس پر عاشق ہو گئے۔ چنانچہ قدرت کی طرف سے انہیں چاہِ بابل میں الٹا لٹکا دیا گیا۔

۲۵- پردے کو جلا دینے والی اور پردہ پھاڑ دینے والی نگاہ سے اس کے بادلوں اور دھند

میں سے گذر۔

۲۶۔ اس میں تجھے پرانے بت نظر آئیں گے، میں ان سب کو ایک ایک کر کے پہچانتا ہوں۔ خدایانِ کہن سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

۲۷۔ یہ پرانے خدا یا بت ان ناموں سے مشہور تھے: بعل، مردوخ، یعوق، نسر، فسر، رم خن، لاتغ، منات، عسر اور خسر۔

۲۸۔ یہ پرانے خدا اپنے زندہ ہونے پر آج کے دور کے مزاج کی دلیل لاتے ہیں جو ابراہیم جیسے بت شکن سے خالی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کے تمام بت توڑ ڈالے تھے۔ اس حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ آج کے دور میں سب بت گر یا باطل پرست ہیں اور بت شکن یا حق پرست کوئی نہیں ہے۔ گویا مذکورہ بت اسی حوالے سے خود کو زندہ سمجھ رہے ہیں۔

مجلسِ خدایانِ اقوامِ قدیم

(پرانے زمانے کی قوموں کے خداؤں کی مجلس)

۱۔ آں ہوائے تندو آں شب گوں سحاب — برق اندر ظلمتش گم کردہ تاب

۲۔ قلزمے اندر ہوا آویختہ — چاک دامان و گہر کم ریختہ

۳۔ ساحلش ناپید و موجش گرم خیز — گرم خیز و با ہوا ہا کم ستیز

۴۔ رومی و من اندر آں دریائے قیر — چوں خیال اندر شبستانِ ضمیر

۵۔ او سفر ہا دیدہ و من نو سفر — در دو چشم ناصبور آمد نظر

۶۔ ہر زماں گفتم نگاہم نارساست — آں دگر عالم نمی بینم کجاست

۷۔ تانشانِ کوہسار آمد پدید — جوئبار و مرغزار آمد پدید

۸۔ کوہ و صحرا صد بہار اندر کنار — مشکبار آمد نسیم از کوہسار

۹۔ نغمہ ہائے طائرانِ ہم نفس — چشمہ زار و سبزہ ہائے نیم رس

۱۰۔ تن زفیضِ آں ہوا پایندہ تر — جانِ پاک اندر بدن بینندہ تر

۱۱۔ از سرِ کہ پارہ ے کردم نظر — خرم آن کوہ و کمر آں دشت و در

۱۲۔ وادیِ خوش بے نشیب و بے فراز — آبِ خضر آرد بخاکِ او نیاز

۱۳۔ اندریں وادی خدایانِ کہن — آں خدائے مصر و ایں رب الیمن

۱۴- آں ز اربابِ عرب ایں از عراق | ایں الٰہ الوصل و آں رب الفراق

۱۵- ایں زنسلِ مہر و دامادِ قمر | آں بہ زوجِ مشتری دارد نظر

۱۶- آں یکے در دستِ او تیغِ دو رُو | واں دگر پیچیدہ مارے در گلو

۱۷- ہر یکے ترسندہ از "ذکرِ جمیل" | ہر یکے آزردہ از ضرب خلیلؑ

۱۸- گفت مرد وخ "آدم از یزداں گریخت | از کلیسا و حرم نالاں گریخت

۱۹- تابیفزاید بہ ادراک و نظر | سوئے عہدِ رفتہ باز آید نگر

۲۰- می برد لذت ز آثارِ کہن | از تجلی ہائے مادارد سخن

۲۱- روزگار افسانۂ دیگر کشاد | می وزد زاں خاکدان بادِ مراد"

۲۲- بعلؑ از فرطِ طرب خوش می سرود | بر خدایاں راز ہائے ماکشود ٭

۱- (مذکورہ مجلس کے ماحول کے حوالے سے بات ہو رہی ہے۔) وہاں کا ماحول ایسا تھا کہ تیز ہوا تھی، بادل رات کی طرح کالا/ سیاہ جس کی تاریکی میں بجلی اپنی چمک بھی کھو چکی تھی، انتہائی تاریک ماحول تھا۔

۲- وہ ہوا میں لٹکا ہوا ایک سمندر تھا جس کا دامن تو چاک/ پھٹا ہوا تھا لیکن اس سے موتی نہیں گر رہے تھے۔

۳- اس کا کنارہ غایب تھا جبکہ اس کی موجیں شدید تھپیڑوں کی حامل تھیں۔ یہ موجیں تیزی سے اٹھ رہی تھیں لیکن ہوا سے نہیں ٹکرا رہی تھیں۔

۴- رومیؒ اور میں اس سیاہ سمندر میں کچھ اس طرح تھے جیسے ضمیر کے شبستان میں خیال ہو۔

۵- انہوں (رومیؒ) نے تو بہت سے سفر دیکھے ہوئے تھے۔ (انہیں سفر کا بہت تجربہ و مشاہدہ تھا) جبکہ میں نیا نیا مسافر بنا تھا۔ اس صورت حال میں میری دونوں آنکھوں میں نظر بے قرار ہوگئی۔

۶- میں ہر لحہ یہ کہنے لگا کہ میری نگاہ یہاں کی اشیا دیکھنے سے محروم ہے، یا نہیں دیکھ سکتی۔ وہ دوسرا جہاں جس کا ذکر آپ (رومی) نے کیا تھا وہ کہاں ہے۔

۷- اسی اثنا میں کوہسار کا نشان ظاہر ہوا۔ ندی اور سبزہ زار نظر آ گئے۔

۸- یہاں کے پہاڑ اور صحرا ایسے تھے جن میں سینکڑوں بہاریں تھیں۔ ان پہاڑوں سے آنے والی بادِ نسیم خوب خوشبو پھیلا رہی تھی۔

۹۔ وہاں ایک طرح کے راگ الاپنے (یعنی چہچہانے) والے پرندوں کے نغمے تھے، اور چشموں کا سلسلہ اور تازہ اگا سبزہ تھا۔

۱۰۔ جسم اس فضا کے فیض سے زیادہ پایدار ہو گیا جبکہ بدن میں پاک جان خوب دیکھنے والی بن گئی۔

۱۱۔ میں نے ایک پہاڑی پر سے دیکھا (تو یہ منظر تھا) وہ پہاڑ اور وادی اور وہ دشت و در سبھی مبارک یا دلکش تھے۔

۱۲۔ وہ ایک ایسی اچھی وادی تھی جس میں کوئی نشیب و فراز نہ تھا، جس کی خاک کے سامنے آبِ خضر (آب حیات) سراپا انکسار تھا۔ یعنی اس میں ایسی زندگی تھی جس سے مردہ زمین بھی زندہ ہو جائے۔

۱۳۔ اس وادی کے اندر پرانے زمانے کے معبود/ خدا تھے۔ ان میں کوئی تو اہل مصر کا خدا تھا اور کوئی اہل یمن کا رب تھا۔

۱۴۔ کوئی عرب کے رب تھے تو کوئی عراق والوں کے۔ ایک وصل کا دیوتا تھا تو دوسرا فراق کا رب تھا۔

۱۵۔ یہ معبود/ دیوتا اگر سورج کی نسل سے اور چاند کا داماد تھا تو وہ/ کوئی مشتری (سیارہ) کی زوج پر نظر رکھے ہوئے یعنی مشتری کو چاہنے والا تھا۔ (مشتری کا تعلق نظام شمسی سے ہے)

۱۶۔ وہ/ کوئی ایسا تھا جس کے ہاتھ میں دودھاری تلوار تھی اور دوسرے کے گلے میں سانپ لپٹا ہوا تھا۔ (شعر ۱۳ سے ۱۶ تک میں دیوتاؤں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ دراصل پرانی قوموں کے ان دیوتاؤں سے متعلق عقیدوں کے حوالے سے ہے)۔

۱۷۔ یہ سب ذکر جمیل یعنی ذکرِ حق سے خوف زدہ تھے، اور حضرت ابراہیمؑ بت شکن کی ضرب سے ملول تھے۔

۱۸۔ مردوخ (اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر) بولا کہ آج کا انسان خدائے واحد سے بھاگ گیا یا دور ہو گیا ہے۔ وہ کلیسا اور حرم (گرجا اور مسجد) سے نالہ و فریاد کرتے ہوئے دوڑ گیا ہے۔ مذہب سے بالکل بیگانہ ہو گیا ہے۔ ایک طرح سے اس نے ساتھیوں کو مبارک دی کہ آج کے انسان کی یہ روش ہمارا نیا دور آنے کی علامت ہے۔

۱۹۔ ذرا دیکھو کہ آج کا انسان، اس خاطر کہ وہ اپنی نظر اور اپنے فہم/ سمجھ میں اضافہ کرے،

گذرے ہوئے عہد (دیوتاؤں کے عہد) کی طرف لوٹ رہا ہے۔ گویا وہ حق کی بجائے باطل پرستی کو اپنے لیے مفید سمجھ رہا ہے۔ اب اسے ہماری ضرورت ہے۔

۲۰- آج وہ (انسان) پرانے آثار سے لذت حاصل کر رہا ہے۔ وہ ہماری تجلیوں کی بات کر رہا ہے یعنی پرانی تہذیب کی دریافت کے حوالے سے ہمیں نمایاں کر رہا اور ہمارا تعارف آثارِ قدیمہ کے طور پر کرا رہا ہے۔

۲۱- اس دور نے ایک اور داستان کی فصل لکھی ہے۔ اس خاکدان (فصل) سے ہمارے لیے بادِ مراد چل/ آ رہی ہے۔ حالات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ پھر سے ہمیں لائق پرستش سمجھا جائے گا۔

۲۲- مردوخ کی یہ باتیں سن کر بعل دیوتا فرطِ مسرت میں پیارا نغمہ گانے لگا اور ان دیوتاؤں پر ہمارے راز افشا کیے۔

نغمۂ بعل

(پہلا بند)

۱- آدم ایں نیلی تتق را بر درید　　آں سوئے گردوں خدائے را ندید
۲- در دلِ آدم بجز افکار چیست؟　　ہم چو موج ایں سر کشید و آں رمید
۳- جانش از محسوس می گیرد قرار　　بو کہ عہدِ رفتہ باز آید پدید
۴- زندہ باد افرنگی مشرق شناس　　آں کہ مارا از لحد بیروں کشید
۵- اے خدایانِ کہن وقت است وقت

۱- دورِ حاضر کے انسان نے اس نیلے آسمان کو پھاڑ ڈالا (یوں وہ ستاروں تک پہنچ گیا) لیکن آسمان کے اس پار (لامکاں میں) خدا کو نہ دیکھا۔

۲- آج کے انسان کے دل میں افکار کے سوا اور کیا ہے؟ (کچھ بھی نہیں ہے) موج کی طرح ایک فکر اس میں سر اٹھاتا اور دوسرا بھاگ جاتا ہے۔ گویا آج کا انسان صرف عقل کا بندہ ہے، سوز و عشق اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکا، پختہ عقیدوں سے بیزار اور منتشر خیالوں میں محو رہتا ہے۔

۳- اس کی جان محسوس سے قرار پاتی ہے۔ ممکن ہے کہ گذرا ہوا زمانہ (دورِ بت پرستی) پھر آ جائے۔ گویا اسے صرف ان اشیا سے لطف ملتا ہے جو اس کے حواسِ خمسہ میں آ سکتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ روحانیت کی بجائے مادہ پرستی سے دل لگائے ہوئے ہے۔ یہ صورتِ حال ہمارے لیے امید افزا ہے۔

۴- مشرق کا مزاج شناس افرنگی سلامت رہے۔ یہ (اسی کی مہربانی ہے کہ) اس نے ہمیں قبر سے باہر نکالا ہے۔ انگریز نے انسانوں کو مادہ پرستی کی طرف رغبت دلا کر انہیں خدائے واحد سے دور کر دیا ہے۔ گویا اس نے ہمارے پرستار پیدا کر کے ہمیں نئی زندگی سے نوازا ہے۔

۵- (مصرع) اے پرانے خداؤ! یہ وقت ہے فائدہ اٹھانے کا وقت۔

(دوسرا بند)

۱- در نگر آں حلقۂ وحدت شکست — آلِ ابراہیمؑ بے ذوقِ الست

۲- صحبتش پاشیدہ جامش ریز ریز — آں کہ بود از بادۂ جبریل مست

۳- مردِ حر افتاد در بندِ جہات — باوطن پیوست و از یزداں گسست

۴- خونِ او سرد از شکوہِ دیریاں — لاجرم پیرِ حرم زنار بست

۵- اے خدایانِ کہن وقت است وقت

۱- دیکھو وہ توحید کا حلقہ ٹوٹ گیا۔ اولادِ ابراہیمؑ ''الست'' کے ذوق سے محروم ہے۔ (فرہنگ دیکھیے) یعنی صرف خدائے واحد پر ایمان رکھنے والے مسلمان بھی روحوں کی اس ''ہاں'' کو بھول گئے اور باطل پرستی میں غرق ہو گئے ہیں۔

۲- آج کے مسلمانوں کی، جو کبھی جبریل کی شراب سے مست تھے، محفل منتشر ہے اور ان کا جام ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے یعنی ان کی ملی وحدت انتشار و افتراق کا شکار ہو چکی ہے اور وہ قرآن کریم کو چھوڑ کر فرسودہ اور باطل عقیدوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔

۳- آزاد مرد اب اطراف کی قید میں گرفتار ہے۔ وہ وطن سے وابستہ ہو کر خدا سے دور ہٹ گیا/ جدا ہو گیا ہے۔ آج کے مسلمان کی ساری توجہ وطن پرستی پر ہے جبکہ اسلام کا سارا زور وطنیت کی بجائے توحید اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی یک جہتی پر ہے۔

۴- ان کا خون بت پرستوں اور مشرکوں کے دبدبہ سے سرد ہو چکا ہے۔ گویا وہ دنیا کی

باطل اور مادہ پرست قوموں سے مرعوب ہوکر خود کو ان کے رنگ میں رنگ رہے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پیرِ حرم نے جنیو پہن لیا ہے (جنیو جو برہموں کا مقدس دھاگا ہے) دوسرے لفظوں میں وہ غیر اسلامی عقیدوں اور راہ و رسم کا شیدائی بن گیا ہے۔

۵۔ (مصرع) اے پرانے خداؤ! یہ وقت ہے فائدہ اٹھانے کا، وقت

(تیسرا بند)

۱۔ در جہاں باز آمد ایامِ طرب　　دیں ہزیمت خوردہ از ملک و نسب

۲۔ از چراغِ مصطفیٰ اندیشہ چیست؟　　زاں کہ او را پف زند صد بولہب

۳۔ گرچہ می آید صدائے لا الٰہ　　آں چہ از دل رفت کہ ماند بہ لب

۴۔ اہرمن را زندہ کرد افسونِ غرب　　روزِ یزداں زرد رُو از بیمِ شب

۵۔ اے خدایانِ کہن وقت است وقت

۱۔ دنیا میں ہماری مسرت و شادمانی کا دور پھر آ گیا ہے۔ دین، ملک اور نسب کے ہاتھوں شکست کھا گیا ہے۔ اسلام کے حوالے سے ایسا کہا ہے، اس لیے کہ اسلام میں رنگ و نسل، حسب نسب اور ملک وغیرہ کی تفریق بالکل نہیں ہے، جبکہ آج کے مسلمان مذہب سے دور ہو گئے اور اہل مغرب کے نظریات اپنا کر اس تفریق کا شکار ہو گئے ہیں۔ مذہب کی بجائے ان کا سارا زور فرقہ بندی اور حسب نسب وغیرہ پر ہے۔

۲۔ (حضور اکرم محمدؐ) مصطفیٰؐ کے چراغ سے اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی، اس لیے کہ اب اسے پھونکیں مارنے/ بجھانے کے لیے سینکڑوں بولہب موجود ہیں یعنی خود آج کا مسلمان مذہب سے دور ہو گیا ہے، اس لیے ہم خداوندانِ کہن کو اسلام سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔

۳۔ اگر چہ لا الٰہ (توحید ایزدی) کی آواز سنائی دے رہی ہے لیکن جو (توحید پرستی کا جذبہ) دل ہی سے نکل گیا ہو، وہ بھلا ہونٹوں پر کیونکر رہ سکتا ہے۔ مسلمان اگر چہ آج بھی کلمہ توحید پڑھتے رہتے ہیں لیکن یہ محض پڑھنے تک ہی محدود ہے؟ دلی طور پر اس پر عمل نہیں ہو رہا۔ سو ان کا یہ وطیرہ (یعنی محض کلمہ پڑھنا) بھی ختم ہو جائے گا۔

۴۔ مغرب کے جادو نے ابلیس/ شیطان کو زندہ کر دیا ہے۔ چنانچہ خدا کا دن، رات کے خوف سے زرد رو ہو گیا ہے۔ گویا اہل مغرب کے نظریات، علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی پیروی کے نتیجے میں مسلمانوں کے دل سے خدائے واحد نکل گیا ہے اور اس

کی جگہ شیطان نے لے لی ہے۔

۵۔ (مصرع) اے پرانے خداؤ! یہ وقت ہے فائدہ اٹھانے کا وقت

(چوتھا بند)

۱۔ بندِ دیں از گردنش باید کشود — بندۂ ما بندۂ آزاد بود
۲۔ تاصلوٰت او را گراں آید ہمی — رکعتے خواہیم و آں ہم بے سجود
۳۔ جذبہ ہا از نغمہ می گردد بلند — پس چہ لذت در نمازِ بے سرود
۴۔ از خداوندے کہ غیب او را سزد — خوشتر آں دیوے کہ آید در شہود
۵۔ اے خدایانِ کہن وقت است وقت

۱۔ اس کی گردن سے دین کی زنجیر کھول دینی چاہیے۔ ہمارا بندہ تو آزاد بندہ ہوا کرتا تھا جو چاہتا تھا وہ کر لیتا تھا لیکن اسلام کی وجہ سے آج وہ کئی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے۔

۲۔ اب چونکہ نماز مسلمان کے لیے ایک بوجھ بن گئی ہے اس لیے ہم صرف ایک رکعت کی نماز چاہتے ہیں اور وہ بھی سجدے کے بغیر ہو۔ دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کو مسلمانی کے فریب میں رکھا جائے۔

۳۔ انسانی جذبے نغمے/موسیقی سے بلند ہوتے ہیں، اس لیے ایسی نماز کا کیا لطف جس میں کوئی راگ/نغمہ نہ ہو۔ دیوتائی تصور کے مطابق عبادت میں راگ بھی شامل ہے۔

۴۔ اس خدا کی نسبت، غیب میں رہنا ہی جس کے شایان ہے، وہ دیوتا کہیں اچھا ہے جو ظاہر تو ہے۔

۵۔ (مصرع) اے پرانے خداؤ! یہ وقت ہے فائدہ اٹھانے کا وقت۔

فرورفتن بدریائے زہرہ ودیدن

ارواحِ فرعون وکشنر را

(دریائے/بحرِ زہرہ میں اترنا اور وہاں فرعون اور کچنر کی روحوں کو دکھنا)

۱۔ پیر رومؔ آں صاحبِ ذکر جمیل — ضربِ او را سطوتِ ضربِ خلیل

۲۔ ایں غزل در عالم مستی سرود ہر خدائے کہنہ آمد در سجود

۱-۲: پیرِ روم نے، جو صاحبِ ذکرِ جمیل ہیں (فرہنگ.....) اور ان کی ضرب میں حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی ضرب کا سا دبدبہ ہے (گویا جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کے بت توڑ پھوڑ ڈالے تھے، اسی طرح رومیؔ نے اپنے پیغام کی ضرب سے نفس کے بتوں اور کفار کے دیوتاؤں/ بتوں کو توڑ ڈالا ہے) یہ غزل مستی کی حالت میں یا عالم مستی میں گائی، جسے سن کر ہر پرانا خدا/ دیوتا سجدے میں گر گیا۔

غزل

۱۔ "باز بر رفتہ و آیندہ نظر باید کرد ہلہ بر خیز کہ اندیشہ دگر باید کرد
۲۔ عشق برناقۂ ایام کشد محملِ خویش عاشقی؟ راحلہ از شام و سحر باید کرد
۳۔ پیر ما گفت جہاں بر روشے محکم نیست از خوش و ناخوشِ او قطع نظر باید کرد
۴۔ تو اگر ترکِ جہاں کردہ سرِ او داری پس نخستیں ز سرِ خویش گذر باید کرد
۵۔ گفتمش در دلِ من لات و منات است بسے گفت ایں بت کدہ را زیر و زبر باید کرد"

۱۔ جو کچھ گذر چکا ہے اور جو کچھ مستقبل میں آنے یا ہونے والا ہے اس پر پھر سے نظر دوڑانی چاہیے۔ ہاں! اٹھ کہ ایسے سب امور کے بارے میں پھر سے سوچنا چاہیے۔

۲۔ عشق زمانے کی اونٹنی پر اپنا کجاوہ باندھتا ہے۔ کیا تو عاشق ہے؟ اگر تو واقعی عاشق ہے تو پھر تجھے چاہیے کہ تو صبح اور شام کو اپنی سواری بنائے۔ عاشقِ حقیقی اپنے جذبوں اور جہد و عمل سے زمانے کو مسخر کرتا اور اس سے حسب خواہش کام لیتا ہے۔ سو تجھے بھی یہی انداز اختیار کر کے وقت سے اپنے حسب منشا کام لینا چاہیے۔

۳۔ ہمارے پیر نے کہا کہ جہان ایک روش پر مستقل طور پر قائم نہیں ہے، اس کے اچھے اور برے سے چشم پوشی کرنی چاہیے۔ گویا غم اور خوشی کو ثبات نہیں، آج غم ہے تو کل خوشی، اس لیے اس سے بے نیاز رہنا ہی اچھا ہے۔ فانی بدایونیؔ نے یہ بات ذرا بدل کر کی ہے۔:

غم بھی گذشتنی ہے، خوشی بھی گذشتنی
کر غم کو اختیار کہ گذرے تو غم نہ ہو

۴۔ اگر تو ترکِ دنیا کر کے اس (خدا) کا خواہش مند ہے تو پھر (اس کے لیے) تجھے پہلے اپنے سر سے گذر جانا چاہیے۔ گویا دنیا سے بے تعلق ہونے کے لیے پہلے اپنے وجود

یعنی نفس امارہ کی خواہشات کو ترک کرنا چاہیے۔

۵- میں نے اپنے پیر سے کہا کہ میرے دل میں تو بہت سے لات و منات جیسے بت ہیں (مختلف مادی خواہشات وغیرہ) اس پر اس نے کہا کہ اس بت کدے کو تباہ کر دینا چاہیے۔ غالباً یہ مراد ہے کہ ایسے دل کو ان خواہشات سے پاک کر دینا چاہیے۔

(رومیؒ کی غزل ختم ہوئی، اب وہ زندہ رود سے مخاطب ہیں)

پہلا بند

۱- باز بامن گفت "برخیز اے پسر | جز بدامانم میاویز اے پسر

۲- آں کہستاں آں جبالِ بے کلیم | آں کہ از برف است چوں انبارِ سیم

۳- در پس او قلزم الماس گوں | آشکارا تر درونش از بروں

۴- نے بموج و نے بسیل او را خلل | در مزاجِ او سکونِ لم یزل

۵- ایں مقام سرکشانِ زور مست | منکرانِ غایب و حاضر پرست

۶- آں یکے از شرق و آں دیگر زغرب | ہر دو بامردانِ حق درحرب و ضرب

۷- آں یکے بر گردنش چوبِ کلیم | واں دگر از تیغ درویشے دونیم

۸- ہر دو فرعون ایں صغیر و آں کبیر | ہر دو در آغوشِ دریا تشنہ میر

۹- ہر کسے با تلخیِ مرگ آشناست | مرگِ جباراں ز آیاتِ خداست

۱۰- در پے من پابنہ از کس مترس | دست در دستم بدہ از کس مترس

۱۱- سینہ دریا چو موسیٰ بر درم | من ترا اندر ضمیر او برم

۱- پھر وہ مجھ سے کہنے لگے کہ اے برخوردار/ بیٹے اٹھ تاکہ ہم اپنا سفر جاری رکھیں، تو اے بیٹے میرے دامن کے سوا اور کسی شے کا دامن نہ تھام۔ میرا دامن مضبوطی سے تھام رکھ۔

۲- (جب ہم آگے بڑھے تو) ایک ایسا کوہستاں نظر آیا، ایسا کوہستان جو کلیم (حضرت موسیؑ) کے بغیر تھا، جس پر کوئی کلیم نہ تھا، اور جو برف کی وجہ سے یوں لگ رہا تھا جیسے چاندی کا ڈھیر لگا ہو۔ گویا اس پہاڑ پر محبوب حقیقی کی تجلی کا کوئی آرزومند نہ تھا۔

۳- اس کے پیچھے ہیرے کے سے رنگ کا ایک سمندر تھا جس کا اندر اس کے باہر سے زیادہ ظاہر/ نمایاں تھا۔

۴- نہ تو کسی موج کے باعث اور نہ سیلاب سے اس میں کوئی خلل واقع ہو رہا تھا۔ اس کے

مزاج میں لافانی سکون تھا یعنی اس میں نہ تو لہریں اٹھ رہی تھیں اور نہ کوئی طوفان ہی تھا، بس ٹھہراؤ ہی ٹھہراؤ تھا۔

۵- یہ اپنی طاقت کے نشے میں چور سرکشوں کا مقام ہے، ان منکرانِ خدا کا مقام ہے جو صرف سامنے موجود چیزوں کے پرستار رہے ہیں۔ خدا پر ان کا ایمان نہیں تھا بس مادی دنیا ہی میں کھوئے رہنا ان کا مسلک تھا۔

۶- ان سرکشوں میں ایک تو وہ ہے جس کا تعلق مشرق سے ہے، یعنی فرعون اور دوسرا وہ جس کا تعلق مغرب/ یورپ سے ہے، یعنی لارڈ کچنر، یہ دونوں اپنی زندگی میں مردانِ حق سے برسرِ پیکار رہے۔

۷- ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کی گردن پر حضرت موسیٰ کی لکڑی یعنی عصا ہے (مراد فرعون) اور دوسرا وہ جو ایک درویش کی تلوار سے دو ٹکڑے ہوا یعنی لارڈ کچنر۔ درویش سے مراد مہدی سوڈانی ہے۔

۸- یہ دونوں اپنی زندگی میں فرعون رہے یعنی ظالم و جابر، یہ (کچنر) تو چھوٹا فرعون تھا اور وہ بڑا فرعون تھا۔ یہ دونوں دریا کی آغوش میں پیاسے مرے، جہنم رسید ہوئے۔

۹- ہر انسان موت کی تلخی سے آشنا ہے، ہر کسی کو ایک روز مرنا ہے، بقول مرزا شوق لکھنوی:

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے
(مثنوی زہرِ عشق)

لیکن جابر و ظالم لوگوں کی موت خدا کی نشانیوں میں سے ہوتی ہے یعنی ان کی موت بڑی عبرت ناک ہوتی ہے۔

۱۰- رومؔی مجھ سے کہنے لگے کہ تو میرے پیچھے پیچھے قدم اٹھا یعنی چل اور کسی سے نہ ڈر، اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے اور کسی سے خوف نہ کھا۔

۱۱- میں موسیٰ کی طرح دریا کا سینہ چیر دوں گا اور تجھے دریا کی تہ تک لے جاؤں گا۔

دوسرا بند

۱- بحر بر ما سینہ خود را کشود   یا ہوا بود و چو آبے وانمود
۲- قعرِ او یک وادیِ بے رنگ و بو   وادیِ تاریکی او تو بتو

۳- پیر رومی سورۂ طٰہٰ سرود زیرِ دریا ماہتاب آمد فرود
۴- کوہ ہائے شستہ و عریان و سرد اندر آں سرگشتہ و حیراں دو مرد
۵- سوئے رومیؔ یک نظر نگریستند بازسوئے یک دگر نگریستند
۶- گفت فرعون ایں سحر! ایں جوئے نور ازکجا ایں صبح و ایں نور و ظہور؟

۱- سمندر نے ہم پر اپنا سینہ کھول دیا یا پھر وہ کوئی ہوا تھی جو پانی دکھائی دے رہی تھی۔ گویا ہمارا وہاں سے بہ آسانی گذر جانا ایسا ہی تھا جیسے ہم ہوا کے سمندر سے گذر رہے ہوں۔

۲- اس سمندر کی گہرائی میں رنگ و بو سے عاری ایک وادی تھی، ایسی وادی جس کی تاریکی تہ بہ تہ (بہت زیادہ) تھی۔

۳- پیر رومیؒ نے سورہ ُطٰہٰ کی تلاوت کی اور سمندر کی تہ سے چاند ابھر آیا، طلوع ہوا۔ مطلب یہ کہ اس قرآنی سورت کی تلاوت کی برکت سے سمندر کی تہ میں روشنی ہوگئی۔

۴- اس روشنی میں جو کچھ نظر آیا وہ دھلے ہوئے، سبزہ سے خالی اور ٹھنڈے پہاڑ تھے، ان کے اندر دو حیران اور پریشان آدمی پھر رہے تھے۔

۵- ان دونوں نے رومیؔ کی طرف ایک نظر دیکھا، پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کا یہ دیکھنا ان کی حیرانی کا غماز تھا۔

۶- فرعون بولا، ارے یہ صبح یعنی صبح کی روشنی اور یہ نور کی ندی؟ یہ صبح اور یہ نور وظہور کہاں سے ہے؟ ایسا رومیؔ کے حوالے سے کہا ہے۔

رومی

۱- ہرچہ پنہان است ازو پیداستے اصلِ ایں نور از یدِ بیضاستے

= جو کچھ بھی چھپا ہوا ہے، وہ اس نور سے ظاہر ہے۔ اس نور کی بنیاد/ اصل یدِ بیضا سے ہے۔ (فرعون کے جواب میں رومیؔ نے ایسا کہا) مطلب یہ کہ یہ نور سورہ ُطٰہٰ (فرہنگ..) کی تلاوت بابرکت کے طفیل ہے۔ ید بیضا: حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ (ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے)

فرعون

۱- آہ نقدِ عقل و دیں در باختم دیدم و ایں نور را نشناختم

۲- اے جہاں داراں سوئے من بنگرید — اے زیاں کاراں سوئے من بنگرید
۳- وائے قومے از ہوس گردیدہ کور — می برد لعل و گہر از خاکِ گور
۴- پیکرے کو در عجائب خانہ ایست — برلبِ خاموشِ او افسانہ ایست
۵- از ملوکیت خبر ہا می دہد — کور چشماں را نظر ہا می دہد
۶- چیست تقدیر ملوکیت؟ شقاق — محکمی جستن ز تدبیر نفاق
۷- از بد آموزی زبوں تقدیرِ ملک — باطل و آشفتہ تر تدبیر ملک
۸- باز اگر بینم کلیم اللہ را — خواہم از وے یک دلِ آگاہ را

۱- افسوس کہ میں نے عقل اور دین کی نقدی ہار دی۔ میں نے اس نور کو تو دیکھا لیکن میں پہچان نہ سکا۔ حضرت موسیٰ کے ید بیضا کے حوالے سے کہا ہے جسے دیکھتے ہوئے بھی وہ حضرت موسیٰ اور خدا پر ایمان نہ لایا، جس کے نتیجے میں وہ عبرتناک موت مرا اور دوزخ اس کا ٹھکانا ٹھہری۔

۲- اے دنیادارو (دنیا کے حکمرانو) میری طرف دیکھو اور اے نقصان اٹھانے والو میری طرف دیکھو، میرے اس عبرتناک انجام سے سبق حاصل کرو۔ میرا یہ انجام دنیا میں میرے ظلم وستم اور خدا اور موسیٰ پر ایمان نہ لانے کے باعث ہے۔ میں نے خود کو خدا بنائے رکھا اور کسی کی پروا نہ کی، تم ایسی خودفریبی سے بچو۔

۳- اس قوم کی حالت افسوسناک ہے جو حرص وہوس سے اندھی ہوگئی ہے۔ وہ قبر کی مٹی سے بھی لعل و گہر لے جاتی ہے۔ انگریزوں نے فرعون کا مقبرہ کھود کر اس سے زرو جواہر اور قیمتی اشیا اڑا لی تھیں۔ فرعون کی یہ بات ان لٹیروں کی اسی خباثت کے حوالے سے ہے۔

۴- وہ مجسمہ جوان کے عجائب خانہ میں ہے، اس کے خاموش ہونٹوں پر ایک داستان ہے۔ انگریز اہرام مصر سے حنوط شدہ لاشیں لے گئے تھے، ان میں ایک ایسی ہی لاش فرعون کی تھی جو انگلستان کے ایک عجائب گھر میں ہے۔ اس حوالے سے فرعون یہ کہنا چاہتا ہے کہ حاکم مطلق صرف خدا ہی ہے جسے فنا نہیں، دنیا کا اقتدار عارضی و فانی ہے۔ کہاں میں خدا بنا پھرتا تھا اور آج کس بری طرح بے بسی اور بُرے انجام کا شکار ہوں۔

۵- یہ مجسمہ ملوکیت کے بارے میں خبریں دے رہا یا آگاہ کر رہا ہے۔ اندھوں کو آنکھیں دے رہا ہے۔ گویا دیکھنے والوں کو جھوٹے اور فانی بادشاہوں کی عارضی اور جھوٹی

بادشاہت سے عبرت کا سبق دے رہا ہے۔

۶- شاہی نظام کی تقدیر یا غرض و غایت کیا ہے؟ وہ ہے رعایا کے طبقوں میں پھوٹ ڈالنا اور نفاق کی تدبیر سے اپنی حکومت کا استحکام تلاش کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ لوگوں میں نفاق پیدا کرو تا کہ وہ آپس ہی میں الجھتے رہیں اور ''بادشاہ سلامت'' کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ انگریز خبیث نے یہی ابلیسی پالیسی اپنائی ہے۔

۷- ایسا برا طرز عمل سکھانے کے باعث ملک کی تقدیر بری ہو جاتی ہے اور ملک کی تدبیر زیادہ باطل اور انتشار کا شکار ہو جاتی ہے یعنی ملک برباد ہو جاتا ہے اور رعایا پریشان حال ہو جاتی ہے۔

۸- اگر میں (فرعون) حضرت موسیٰ کو پھر دیکھ لوں تو میں ان سے ایک آگاہ دل کی خواہش کروں گا، ایسا دل جو خدا اور اس کے پیغمبروں کا نورِ ہدایت دیکھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

رومی

۱- حاکمی بے نورِ جاں خام است خام	بے یدِ بیضا ملوکیت حرام
۲- حاکمی از ضعفِ محکوماں قوی است	بیخش از حرمانِ محروماں قوی است
۳- تاج از باج است و از تسلیمِ باج	مرد اگر سنگ است می گردد زجاج
۴- فوج و زندان و سلاسل رہ زنی است	اوست حاکم کز چنیں ساماں غنی است

۱- نورِ جاں کے بغیر حکمرانی خام ہے، خام اور یدِ بیضا کے بغیر ملوکیت حرام ہے۔ گویا نبوت کی عطا کردہ روشنی کے بغیر حاکمیت و ملوکیت برکت کی بجائے زحمت و لعنت ہے۔

۲- حاکمیت محکوموں (رعایا) کی کمزوری کے باعث قوی ہوتی اور استحکام پکڑتی ہے۔ اس کی جڑ محروموں کی محرومی سے ہوتی ہے۔ گویا اس قسم کی ملوکیت کی عمارت رعایا کو محروم اور کمزور رکھنے کی خاطر تعمیر کی جاتی ہے۔

۳- تاج (بادشاہت کا وجود) خراج لینے اور رعایا کے خراج دینے پر مبنی ہے۔ اس عمل سے پتھر جیسا انسان بھی شیشے کی طرح نازک یا کمزور ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ خراج یا ٹیکس کے بہانے بادشاہ رعایا کا خون چوس کر اسے کمزور و ناتواں اور خود کو قوی بناتا چلا جاتا ہے۔

۴- فوج اور قید خانہ اور زنجیریں رہزنی ہیں۔ صحیح اور حقیقی حاکم وہی ہے جو ان اشیا سے

بے نیاز ہے۔ حاکم ان ذریعوں یا ہتھکنڈوں سے خدا کے آزاد بندوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرتا ہے۔

ذوالخرطوم

۱۔ مقصدِ قومِ فرنگ آمد بلند از پئے لعل و گہر گورے نکند

۲۔ سرگذشتِ مصر و فرعون و کلیم می تواں دیدن ز آثارِ قدیم

۳۔ علم و حکمت کشفِ اسرار است و بس حکمتِ بے جستجو خوار است و بس

۱۔ انگریزوں کا مقصد بلند/عظیم ہے۔ انہوں نے لعل و گہر کی خاطر کوئی قبر نہیں کھودی۔ (لارڈ کچنر نے چونکہ خرطوم فتح کیا تھا اس لیے حکومت انگلستان نے اسے لارڈ آف خرطوم کا خطاب دیا تھا جسے عربی میں ذوالخرطوم کہا گیا ہے) کچنر انگریز قوم کا دفاع کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اس کا مقصد دولت لوٹنا ہی نہ تھا بلکہ آثارِ قدیمہ کی دریافت سے وہ فرعونی تہذیب کے آثار دکھا کر مصر کے مسلمانوں کو اس پر فریفتہ کر کے اسلامی تہذیب سے دور کرنا تھا۔

۲۔ مصر اور فرعون اور (حضرت موسیٰ) کلیم کی سرگذشت آثارِ قدیمہ سے دیکھی جا سکتی ہے۔ گویا ہم انگریزوں نے تو مصر کی تاریخ، ان آثار قدیمہ کی دریافت سے، لوگوں کے سامنے رکھی ہے جس کا تعلق حضرت موسیٰ اور فرعون سے تھا۔ ہم پر لوٹ مار کا الزام غلط ہے۔

۳۔ علم و حکمت تو صرف رازوں کے ظاہر کرنے کا نام ہے۔ تحقیق و جستجو سے عاری جو حکمت ہے وہ تو بس خوار/ ذلیل و رسوا ہے۔ گویا کچنر کے مطابق انگریز تو آثار قدیمہ کی دریافت سے، جو تحقیق و جستجو سے ممکن ہے، حکمت کی سربلندی کا باعث بن رہے ہیں۔

فرعون

= قبرِما را علم و حکمت بر کشود لیکن اندر تربتِ مہدیؔ چہ بود؟

= ہماری قبر کو تو علم و حکمت نے کھودا تھا (یعنی آثار قدیمہ کی دریافت کے سلسلے میں ہماری قبریں کھودی گئیں) لیکن مہدیؔ سوڈانی کی قبر کے اندر کیا تھا؟ فرعون کی یہ

بات ایک طرح سے خبیث کچنر کے منہ پر تھپڑ ہے۔ مہدیؔ کے لیے فرہنگ دیکھیے۔

نمودار شدنِ درویشِ سودانی

(سوڈانی درویش کا نمودار ہونا)

۱- برق بے تابانہ رخشید اندر آب — موجہا بالید و غلتید اندر آب
۲- بوئے خوش از گلشنِ جنت رسید — روحِ آں درویشِ مصر آمد پدید
۳- در صدف از سوزِ او گوہر گداخت — سنگ اندر سینۂ کشنر گداخت
۴- گفت "اے کشنر اگر داری نظر — انتقامِ خاکِ درویشے نگر
۵- آسمان خاکِ ترا گورے نداد — مرقدے جز دریمِ شورے نداد"
۶- باز حرف اندر گلوئے او شکست — از لبش آہے جگر تابے گسست
۷- گفت "اے روحِ عرب بیدار شو — چوں نیاگاں خالقِ اعصار شو
۸- اے فوادؔ، اے فیصلؔ اے ابنِ سعودؔ — تاکجا برخویش پیچیدن چو دود
۹- زندہ کن در سینہ آں سوزے کہ رفت — در جہاں باز آور آں روزے کہ رفت
۱۰- خاکِ بطحا خالدےؔ دیگر بزاے — نغمۂ توحید را دیگر سراے
۱۱- اے نخیلِ دَشتِ تو بالندہ تر — بر نخیزد از تو فاروقےؔ دگر؟
۱۲- اے جہانِ مومنانِ مشک فام — از تومی آید مرا بوئے دوام
۱۳- زندگانی تا کجابے ذوقِ سیر — تاکجا تقدیرِ تو دردستِ غیر
۱۴- برمقامِ خود نیائی تا بکے — استخوانم دریمے نالد چونَے
۱۵- از بلاترسی؟ حدیثِ مصطفیٰؐ است — مرد را روزِ بلا روزِ صفاست

۱- پانی کے اندر بجلی بیقراری کی حالت میں چمکی، پانی کے اندر موجیں ابھریں اور باہم ٹکرا کر پانی میں مل گئیں۔ بجلی جس طرح ادھر چمکی ادھر غائب ہوتی ہے، اسے بیقراری کا نام دیا گیا ہے۔

۲- جنت کی جانب سے ایک خوشبو آئی اور اس مصری درویش کی روح ظاہر ہوئی۔

۳- اس کے سوز سے سیپی میں موتی پگھل کے رہ گیا۔ کچنر کے سینے میں پتھر پگھل گیا یعنی پتھر جیسا دل۔ وہ بہت بڑا سنگدل تھا۔

۴۔ (درویش مہدی سوڈانی نے کچنر خبیث سے مخاطب ہو کر کہا:) اے کچنر! اگر تو صاحبِ بصیرت ہے تو ایک درویش کی خاک کا انتقام دیکھ۔ تو نے میری قبر کھود کر میری لاش کو رسوا کیا لیکن تو عبرتناک موت مرا اور تجھے قبر بھی نصیب نہ ہوئی۔

۵۔ آسمان نے تیرے جسم کو قبر بھی نہ دی۔ تیری قبر شور سمندر ہی میں بنی۔ تو سمندر میں ڈوب کر مرا اور تیری لاش کو ذرا سی زمین بھی نصیب نہ ہوئی بلکہ جسے سمندر میں مگرمچھوں نے کھا لیا ہوگا۔

۶۔ مہدیؔ نے اتنا کہا تو اس کے بعد اس کی آواز گلے میں اٹک گئی اور اس کے ہونٹوں سے جگر کو پگھلا دینے والی ایک آہ نکلی۔

۷۔ وہ (مہدی) پھر بولا کہ اے روحِ عرب بیدار ہو جا اور اپنے اسلاف کی طرح نئے نئے زمانے تخلیق کرنے والی بن جا۔

۸۔ اے فوادؔ، اے فیصلؔ اور اے ابنِ سعودؔ تم کب تک دھوئیں کی طرح خود میں بل کھاتے رہو گے۔ مطلب یہ کہ تم حکمران کب تک اپنے ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دیتے رہو گے۔

۹۔ تم اپنے سینے میں وہ سوز پیدا کرو جو کبھی پہلے تھا لیکن تم میں نہیں رہا۔ دنیا میں پھر وہ دن لاؤ جو جا چکا ہے۔ خود کو پھر سے عشقِ رسولؐ اکرم سے سرشار کر کے وہ ماضی والا عظیم دور لاؤ جو ہمارے اسلاف نے قائم کیا تھا۔

۱۰۔ اے سرزمینِ مکہ تو پھر کوئی خالدؓ پیدا کر اور یوں توحید کا راگ پھر سے چھیڑ۔ (فرہنگ...) یعنی کفر اور باطل کو پھر سے مغلوب کر۔

۱۱۔ اے کہ تیرے صحرا کے کھجور کے درخت خاصے اونچے ہیں۔ کیا تجھ (سرزمینِ مکہ) سے کوئی اور یا دوسرا فاروقؓ پیدا نہیں ہو سکتا؟ یعنی حضرت عمر فاروقؓ (فرہنگ....)

۱۲۔ اے سیاہ فام مومنوں کی دنیا مجھے تجھ سے ہمیشہ قائم رہنے والی خوشبو آ رہی ہے۔ افریقی ملکوں کے حوالے سے کہا ہے۔ مہدی خاص طور پر سوڈان اور مصر کے حالات کے بارے میں گویا پریشانی کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہاں آزادی کا سورج کب طلوع ہوگا۔

۱۳۔ تم (اہل مصر و سوڈان) کب تک جہد و عمل کے ذوق کے بغیر زندگی اپنائے رکھو گے (بسر کرو گے) اور کب تک تمہاری تقدیر دوسروں کے ہاتھ میں رہے گی۔ تم کب تک غلامی کو برداشت کرتے رہو گے۔

۱۴۔ تم کب تک اپنے مقام پر نہیں آؤ گے؟ تمہارے ان حالات کے باعث میری ہڈیاں سمندر میں بانسری کی مانند نالہ کناں ہیں۔

۱۵۔ کیا تم مصیبتوں سے ڈرتے ہو؟ حضور اکرم محمد مصطفیٰؐ کی حدیث مبارکہ ہے کہ مرد/ دلیر کے لیے مصیبت کا دن روزِ صفا ہے۔ گویا مردِ مومن کے لیے جہاد کا دن پاکی نفس کا دن ہوتا ہے، وہ ہر گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ جہاد میں اگر زندہ رہتا ہے تو وہ غازی ہے، مر گیا تو شہید ہے۔

۱۶۔ ساربان یاران بہ یثرب ما بہ نجد　　آں حدی کُو ناقہ را آرد بوجد؟
۱۷۔ ابر بارید از زمین ہا سبزہ رُست　　می شود شاید کہ پائے ناقہ ست
۱۸۔ جانم از دردِ جدائی در نفیر　　آں رہے کُو سبزہ کم دارد بگیر
۱۹۔ ناقہ مستِ سبزہ و من مستِ دوست　　اُو بدستِ تست و من در دستِ دوست
۲۰۔ آب را کردند بر صحرا سبیل　　بر جبل ہا شستہ اوراقِ نخیل
۲۱۔ آں دو آہو در قفائے یک دگر　　از فرازِ تل فرود آید، نگر
۲۲۔ یک دم آب از چشمۂ صحرا خورد　　باز سوئے راہ پیما بنگرد
۲۳۔ ریگِ دشت از نم مثالِ پرنیاں　　جادہ بر اُشتر نمی آید گراں
۲۴۔ حلقہ حلقہ چوں پرِ تیہو غمام　　ترسم از باراں کہ دوریم از مقام
۲۵۔ ساربان یاران بہ یثرب ما بہ نجد　　آں حدی کو ناقہ را آرد بہ وجد

۱۶۔ اے ساربان! یار تو مدینہ منورہ میں ہیں جبکہ ہم نجد میں ہیں۔ وہ حدی کہاں ہے جو اونٹنی کو وجد میں لائے۔ نجد، مکہ اور مدینہ سے دور عرب علاقہ ہے۔ غالباً یہ مراد ہے کہ مہدیؔ کو حضور اکرمؐ کا عشق اور مدینہ کی یاد تڑپا رہی ہے جسے وہ اس انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ حدی کے لیے فرہنگ دیکھیے۔

۱۷۔ بادل برسا اور زمین سے سبزہ اُگ آیا ہے۔ ممکن ہے کہ اونٹنی کے پاؤں اس سفر کے لیے ست پڑ جائیں۔

۱۸۔ دردِ جدائی کے باعث میری جان فریاد کر رہی ہے۔ تو (ساربان) وہ راستہ اختیار کر۔ جس میں سبزہ نہ ہو یا کم ہو تا کہ اونٹنی مسلسل چلتی رہے اور ہم جلد منزل تک پہنچیں۔

۱۹۔ (بات یہ ہے کہ) اونٹنی تو سبزے میں مست ہے جبکہ میں اپنے دوست/ محبوب (حضور اکرمؐ) میں محو و مست ہوں۔ اونٹنی کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں اور میں اپنے

محبوب کے ہاتھ میں ہوں۔ میں محبوب کے عشق میں پوری طرح کھویا ہوا ہوں۔

۲۰- (بارش ہو چکی ہے جس سے قدرت نے) صحرا میں پانی سب کے لیے وقف کر دیا ہے اور پہاڑوں پر کھجور کے درختوں کے پتلے ڈھل گئے ہیں۔ گویا صحرا میں بارش کے باعث پانی چلنے لگا ہے۔

۲۱- وہ دیکھو سامنے ٹیلے کی چوٹی پر سے دو ہرن ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں۔ یہ سفر کے دوران کی محض منظر کشی ہے۔

۲۲- ان ہرنوں نے کچھ دیر صحرا کے چشمے سے پانی پیا پھر راستہ چلنے والے مسافر کی طرف دیکھا۔

۲۳- نمی کے باعث صحرا کی ریت ریشمی کپڑے کی طرح نرم ہوگئی ہے، اس بنا پر اونٹ کے لیے راستہ دشوار/کٹھن نہیں رہا۔

۲۴- آسمان پر بادل تیتر کے پروں کی طرح رنگ رنگ کے حلقے بنائے ہوئے ہیں۔ (یہ منظر بارش کی آمد کا پتا دے رہا ہے اور) میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ ہم ابھی منزل سے دور ہیں، بارش آ کر کہیں ہمارے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔

۲۵- اے ساربان یار تو مدینہ منورہ میں ہیں جبکہ ہم نجد میں ہیں۔ وہ حدی کہاں ہے جو اونٹنی کو وجد میں لے آئے تاکہ ہم جلد مدینہ پہنچیں اور محبوب کا دیدار کریں۔ اس کا یہ مفہوم بھی بن سکتا ہے کہ اہل نجد نے غیر اسلامی شعائر اپنا رکھے ہیں، ہمیں اسلامی شعائر اپنانے چاہئیں۔ خدا کرے کہ کوئی ایسا مرد مومن (ساربان، حدی خوان) مل جائے جو پیغام اسلام (حدی) سے اونٹنی یعنی ملت اسلامیہ میں اسلام سے متعلق جذبہ وولولہ پیدا کر دے۔

فلکِ مریخ

اہلِ مریخ (مریخ کے لوگ)

۱- چشم را یک لحظہ بستم اندر آب　　اندکے از خود گسستم اندر آب

۲- رخت بردم زی جہانے دیگرے　　بازمان و با مکانے دیگرے

۳- آفتابِ ما بہ آفاقش رسید　　روز و شب را نوعِ دیگر آفرید

۴- تن ز رسم و راہِ جاں بیگانہ ایست — در زمان و از زماں بیگانہ ایست

۵- جانِ ما سازد بہر سوزے کہ ہست — وقتِ او خرم بہر روزے کہ ہست

۶- می نگردد کہنہ از پروازِ روز — روزہا از نورِ او عالم فروز

۷- روز و شب را گردشِ پیہم ازوست — سیر او کن زاں کہ ہر عالم ازوست

۱- میں (زندہ رود) نے کچھ دیر پانی میں اپنی آنکھ بند کیے رکھی اور یوں کچھ دیر کے لیے اپنے آپ سے دور ہو گیا، فلک زہرہ میں فرعون اور کچنر وغیرہ کو رومیؔ اور زندہ رود نے دریائے زہرہ میں دیکھا تھا۔ وہاں چونکہ یہ بھی اس پانی میں انہیں دیکھنے گئے تھے، اسی لیے زندہ رود نے اس حوالے سے یہ کچھ کہا ہے۔

۲- پھر میں اس جہان (فلک زہرہ) سے دوسرے جہان کی طرف اپنا سامانِ سفر لے گیا۔ ایسا جہان جس کا زمان اور مکان کچھ اور ڈھنگ کا تھا۔

۳- ہمارا سورج اس (نئے جہان) کے آفاق تک پہنچا اور وہاں اس نے اُور ہی طرح کے روز و شب پیدا کیے۔ وہاں کے دن رات مختلف تھے۔

۴- یہاں (فلک مریخ میں) بدن، روح کے طور طریقوں سے بیگانہ ہے۔ وہ زمان میں رہتے ہوئے بھی زمان سے بیگانہ ہے یعنی یہاں بدن کچھ اور ڈھنگ کا ہے اور جان اُور ہے۔

۵- ہماری جان تو ہر طرح کے سوز سے موافقت کر لیتی ہے اور کوئی بھی دن ہو اس کا وقت خوشی میں گذرتا ہے۔

۶- وہ (ہماری جان) وقت گذرنے سے پرانی نہیں ہو جاتی، بلکہ دن اس کے نور سے دنیا کو روشن کر دینے والے بن جاتے ہیں۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ انسانی جسم تو دن بدن ضعیف ہوتا رہتا ہے لیکن اس کی روح جو عشق کے جذبوں سے سرشار ہو وہ نہ صرف زندہ رہتی ہے بلکہ جسم اور دنیا کو بھی منور کر دیتی ہے۔

۷- دن اور رات کی مسلسل گردش اسی طرح ہے۔ تو اس کی سیر کر کیونکہ ہر جہان اسی سے ہے۔ بدن گویا مادیات کی علامت ہے، اس سے زیادہ دل لگانا اچھی بات نہیں، اصل توجہ روح کی طرف ہونی چاہیے۔ اگر روح زندہ ہے، جذبہ عشق سے سرشار ہے، تو بدن بھی زندہ ہے، بصورتِ دیگر بدن محض ایک چلتی پھرتی لاش کی مانند ہوتا ہے۔ اس لیے روح کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔

۸- مرغزارے با رصدگاہِ بلند — دوربینِ او ثریا در کمند
۹- خلوت نہ گنبدِ خضراست ایں — یاسوادِ خاکدانِ ماست ایں
۱۰- گاہ جستم وسعتِ او را کراں — گاہ دیدم در فضائے آسماں
۱۱- پیرِ روم آں مرشدِ اہل نظر — گفت ''مریخ است ایں عالم نگر
۱۲- چون جہانِ ما طلسمِ رنگ و بوست — صاحبِ شہر و دیار و کاخ و کوست
۱۳- ساکنانش چوں فرنگاں ذوفنون — در علومِ جان و تن از ما فزوں
۱۴- بر زمان و برمکاں قاہرترند — زانکہ در علمِ فضا ماہرترند
۱۵- بَر وجودش آں چناں پیچیدہ اند — ہر خم و پیچِ فضا را دیدہ اند
۱۶- خاکیاں را دل بہ بندِ آب و گل — اندریں عالم بدن دربندِ دل
۱۷- چوں دلے در آب و گل منزل کند — ہرچہ می خواہد بہ آب و گل کند
۱۸- مستی و ذوق و سرور از حکمِ جاں — جسم راغیب و حضور از حکمِ جاں
۱۹- در جہانِ ما دو تا آمد وجود — جان و تن، آں بے نمود آں بانمود
۲۰- خاکیاں را جان و تن مرغ و قفس — فکر مریخی یک اندیش است و بس
۲۱- چوں کسے را می رسد روزِ فراق — چست ترمی گردد از سوزِ فراق
۲۲- یک دو روزے پیشتر از آنِ مرگ — می کند پیشِ کساں اعلانِ مرگ
۲۳- جانِ شاں پروردۂ اندام نیست — لاجرم خوکردۂ اندام نیست
۲۴- تن بخویش اندر کشیدن مُردن است — از جہاں درخود رمیدن مردن است
۲۵- برتر از فکرِ تو آمد ایں سخن — زاں کہ جانِ تست محکومِ بدن
۲۶- رخت ایں جا یک دو دم باید کشاد — ایں چنیں فرصت خدا کس را نداد''

۸- وہاں ایک سبزہ زار تھا جس میں اونچی رصدگاہ تھی، جس کی دوربین ثریا/ پروین کو کمند میں لانے والی تھی۔ اس سے ستارے بہ آسانی دیکھے جا سکتے تھے۔

۹- یہ جگہ (خدا جانے) نو سبز آسمانوں کی خلوت گاہ ہے یا پھر یہ ہماری ہی زمین کے نواح کی کوئی جگہ ہے۔ یہ جگہ دیکھ کر زندہ رود مذکورہ سوچ میں پڑ گیا۔

۱۰- کبھی تو میں نے اس کی وسعت کا کنارہ تلاش کیا اور کبھی میں نے اس کے آسمان کی فضا میں دیکھا۔

۱۱- پیرِ رومؒ جو اہلِ نظر کے مرشد ہیں، مجھ سے کہنے لگے کہ (حیران ہونے کی ضرورت

نہیں) دیکھ یہ عالم/ جہان مریخ ہے۔

۱۲- یہ ہماری دنیا ہی کی طرح رنگ و بو کا طلسم ہے اور اس میں بھی با قاعدہ شہر، آبادی اور گلی کوچے ہیں۔

۱۳- اس کے باشندے اہل یورپ کی طرح ذوفنون اور جسم و جان سے متعلق علوم میں ہم سے بڑھ کر ہیں۔

۱۴- یہ لوگ زمان پر اور مکان (زمان و مکاں) پر قوت و قدرت رکھنے والے ہیں، اس لیے کہ وہ فضا کے علم میں بہت ماہر ہیں یعنی ہم سے بڑھ کر ہیں۔

۱۵- یہ لوگ فضا کے وجود پر کچھ اس طرح لپٹے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اس کا ہر پیچ و خم دیکھا ہوا ہے۔ گویا انہیں فضا پر ایسی قدرت حاصل ہے کہ انہیں اس کے اسرار و رموز سے پوری آگاہی حاصل ہے۔

۱۶- اہل زمین کا دل تعبدن کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے لیکن اس جہان میں بدن دل کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے۔ یہاں کے باشندوں کے بدن دل کی قید میں ہیں۔

۱۷- جب کوئی دل بدن کو اپنی منزل بنا لیتا ہے تو وہ جو کچھ بھی چاہتا ہے بدن ہی کے لیے کرتا ہے۔ وہ روحانی جذبوں سے محروم رہتا ہے اور صرف اپنی دنیوی ضروریات پوری کرنے کے چکر میں رہتا ہے۔

۱۸- مستی اور ذوق و سرور جان کے حکم سے ہے، جسم کے لیے غیب اور حضور بھی جان ہی کے حکم سے ہے۔ گویا اصل چیز جان ہے جسم نہیں۔ اسی لیے مستی اور ذوق و سرور اور غیب و حضور کی کیفیات سبھی روح ہی کے باعث ہیں، بدن میں یہ کیفیات پیدا کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔

۱۹- ہمارے (اہل زمین کے) جہان میں وجود دہرا ہے۔ ہمارا وجود ان دو حصوں جان اور جسم میں تقسیم ہے۔ جہاں تک جان اور جسم کا تعلق ہے تو روح تو نظر نہیں آتی جسم نظر آتا ہے۔

۲۰- اہل زمین کے لیے جان اور جسم کا تعلق کچھ اس طرح ہے جیسے پرندہ اور پنجرہ ہو (پرندہ پنجرے میں قید ہو) روح جسم میں قید ہے جبکہ اہل مریخ کی فکر صرف ایک ہے اور بس۔ ان کے نزدیک وجود دوہرا نہیں ہے۔

جب کسی مریخی کے لیے فراق/ موت کا دن آ جاتا ہے تو وہ اس فراق کے باعث پہلے

سے بھی زیادہ چست ہو جاتا ہے۔

۲۲۔ موت سے دو ایک روز پہلے ہی وہ دوسروں / لوگوں کے سامنے موت کا اعلان کر دیتا ہے۔ غالباً یہ ستارہ شناسی کے حوالے سے کہا ہے، یعنی اپنا ستارہ دیکھ کر اسے اپنی موت کا علم ہو جاتا ہے۔

۲۳۔ اہل مریخ کی جان، جسم کی پروردہ (پالی ہوئی) نہیں ہے، اسی باعث ان کی جان، یقینی طور پر، جسم کی صحبت کی عادی نہیں ہے۔

۲۴۔ جسم کو اپنے اندر گھسیٹ لینا، اہل مریخ کے نزدیک موت ہے یا وہ اسے موت کا نام دیتے ہیں۔ جہان سے اپنی طرف جانا یعنی خود کو اپنے اندر ہی سمیٹ لینا ان کے نزدیک موت ہے۔

۲۵۔ یہ بات تیری (زندہ رود کی) فکر سے کہیں بلند ہے، تو اسے نہیں سمجھ سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تیری (اہل زمین کی) جان تو بدن کی محکوم ہے۔

۲۶۔ یہاں دو ایک لمحوں کے لیے ہمیں اپنا سامانِ سفر کھول لینا چاہیے، یعنی رک جانا چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے اس قسم کا موقع (شاندار موقع) کسی اور کو نہیں دیا۔ مطلب یہ کہ جب ہم، بفضلہٖ تعالیٰ، یہاں پہنچ ہی گئے ہیں تو پھر بہتر یہی ہے کہ ہم کچھ دیر رکیں اور اہل مریخ سے ملاقات کی کوشش کریں۔

بر آمدنِ انجم شناسِ مریخی از رصد گاہ

(مریخی ستارہ شناس کا رصد گاہ سے باہر آنا)

۱۔ پیر مردے ریشِ او مانند برف — سالہا در علم و حکمت کردہ صَرف
۲۔ تیز بیں مانندِ دانایانِ غرب — کسوتش چوں پیرِ ترسایانِ غرب
۳۔ دیر سال و قامتش بالا چو سرو — طلعتش تابندہ چوں ترکانِ مرو
۴۔ آشنائے رسم و راہِ ہر طریق — آشکار از چشمِ او فکرِ عمیق
۵۔ آدمی را دید و چوں گل بر شگفت — در زبانِ طوسیؔ و خیامؔ گفت
۶۔ "پیکرِ گل آں اسیرِ چند و چوں — از مقامِ تحت و فوق آمد بروں
۷۔ خاک را پرواز بے طیارہ داد — ثابتاں را جوہرِ سیارہ داد

۸- نطق و ادراکش رواں چوں آب جو | محوِ حیرت بودم از گفتارِ او
۹- ایں ہمہ خوابست یا افسوں گری | برلبِ مریخیاں حرفِ دری
۱۰- گفت "بود اندر زمانِ مصطفیؐ | مردے از مریخیانِ باصفا
۱۱- برجہاں چشم جہاں بین را کشاد | دل بہ سیرِ خطہ آدم نہاد
۱۲- پرکشود اندر فضا ہاے وجود | تابہ صحراے حجاز آمد فرود
۱۳- آں چہ دید از مشرق و مغرب، نوشت | نقشِ او رنگین تر از باغِ بہشت
۱۴- بودہ ام من ہم بہ ایران و فرنگ | گشتہ ام در مُلکِ نیل و رودِ گنگ
۱۵- دیدہ ام امریک و ہم ژاپون و چین | بہرِ تحقیقِ فلزاتِ زمیں
۱۶- از شب و روزِ زمیں دارم خبر | کردہ ام اندر بر و بحرش سفر
۱۷- پیشِ ما ہنگامہ ہائے آدم است | گرچہ او از کارِ ما نامحرم است

۱- ایک بوڑھا آدمی جس کی ڈاڑھی برف کی مانند سفید تھی اور جس نے برسوں حصولِ علم و حکمت میں گذارے تھے؛

۲- وہ مغرب/ یورپ کے داناؤں کی طرح تیز بیں تھا اور اس کا لباس یورپ کے گرجوں کے پادریوں کے لباس کا سا تھا؛

۳- وہ خاصی عمر کا تھا اور اس کا قد سروؔ کی مانند بلند تھا جبکہ اس کا چہرہ مرو شہر کے ترکوں کے چہروں کی طرح چمک رہا تھا۔

۴- وہ بوڑھا ہر طریقہ کی رسم وراہ سے آگاہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے اس کی گہری فکر کا پتا چل رہا تھا۔

۵- اس نے ہم اہل زمین (رومی و زندہ رود) کو دیکھا تو وہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ گویا بہت خوش ہوا۔ پھر اس نے نصیر الدین طوسیؒ اور عمر خیام کی زبان (فارسی) میں بات کی۔ وہ بولا:

۶- مٹی کا مجسمہ جو چون و چند کا اسیر ہے، نچلے اور اونچے مقام سے باہر آ گیا ہے۔ یہ گویا ان سے کہا ہے کہ تم مٹی سے تخلیق ہونے والے زمین سے، جو زمان و مکان کا مقام ہے، نکل آئے ہو اور ایسے جہان میں آ گئے ہو جہاں کے زمان و مکاں مختلف ہیں۔

۷- اس (آدمی) نے اپنی مٹی کے طیارے کے بغیر ہی پرواز دی ہے۔ زمینی آدم... ساکن کو حرکت کرنے والے کی خوبی عطا کی ہے۔ گویا تم زمین سے ہوائی جہا

یہاں پہنچ گئے ہو اور تم نے اپنے جسم کو پرواز عطا کی ہے۔

۸- اس مریخی کی زبان اور اس کی سوجھ بوجھ (فہم) ندی کے پانی کی طرح رواں تھی۔ میں (زندہ رود) تو اس کی گفتار سے حیرت میں ڈوب گیا۔

۹- (حیرت کے باعث میں سوچ میں پڑ گیا کہ) میں جو کچھ سن رہا ہوں یہ خواب ہے یا جادوگری کہ مریخیوں کے لبوں پر فارسی زبان ہے۔

۱۰- وہ مریخی بولا کہ (حضرت محمد) مصطفیؐ کے دَور میں باصفا اہل مریخ میں سے ایک مرد تھا۔

۱۱- اس مرد نے جہان پر اپنی جہاں بیں آنکھ کھولی اور خطہ آدم (زمین) کی سیر پر اپنے دل کو آمادہ کیا۔

۱۲- اس نے وجود (کائنات) کی فضاؤں میں پر کھولے، یہاں تک کہ وہ حجاز (مکہ و مدینہ کا علاقہ) کے صحرا میں نیچے اترا۔

۱۳- اس نے مشرق اور مغرب میں جو کچھ دیکھا اسے لکھ لیا۔ اس کا نقش (تحریر) باغ بہشت سے بھی زیادہ رنگین تھا۔

۱۴- میں (مریخی) بھی ایران اور یورپ میں رہا ہوں۔ میں ملکِ دریائے نیل یعنی مصر اور دریائے گنگا (ہندوستان) میں بھی گھوما پھرا ہوں۔

۱۵- میں نے امریکا بھی دیکھا ہے اور جاپان اور چین کے ملک بھی دیکھے ہیں اور میرا یہ سارا سفر زمین کی دھاتوں کے بارے میں تحقیق کے لیے تھا۔

۱۶- مجھے زمین کے شب و روز کی خبر ہے، میں ان سے آگاہ ہوں۔ میں نے اس (زمین) یعنی دنیا کے بحر و بر کا سفر کیا ہے۔

۱۷- ہمارے یا میرے سامنے آدم کے ہنگامے ہیں، وہ الگ بات کہ وہ یعنی زمینی آدمی میرے کام سے ناواقف ہیں۔

رومی

۱- من ز افلاکم رفیقِ من ز خاک — سرخوش و ناخوردہ از رگہائے تاک
۲- مردِ بے پروا و نامش زندہ رود — مستی او از تماشائے وجود
۳- ما کہ در شہرِ شما افتادہ ایم — درجہان و از جہاں آزادہ ایم

۴- در تلاشِ جلوہ ہائے نو بنو یک زماں مارا رفیق راہ شو

۱- میرا (رومی کا) تعلق تو آسمان سے ہے جبکہ میرا یہ ساتھی زمین کا رہنے والا ہے، اگرچہ وہ انگور کی شراب تو نہیں پیتا لیکن بہت خوش/ مست رہتا ہے۔ گویا جذبۂ عشق سے سرشار ہے۔

۲- وہ ایک بے پروایا بے نیاز انسان ہے۔ اس کا نام زندہ رود ہے، اس کی مستی کائنات کے نظارے کے باعث ہے۔ گویا کائنات کی ہر شے میں چونکہ محبوب حقیقی کا جلوہ کارفرما ہے اس لیے وہ اس جلوے میں مست رہتا ہے۔ بقولِ سعدیؔ:

برگِ درختانِ سبز پیشِ خداوندِ ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(سبز درختوں کا ہر ہر پتا ایک صاحب عقل و دانش کے لیے اس کردگار کی معرفت کی ایک ایک کتاب ہے۔)

۳- ہم کہ تمہارے شہر میں وارد ہوئے ہیں، اگرچہ جہان میں ہیں لیکن جہان سے آزاد ہیں (یعنی مادی جہان سے)

۴- ہم نئے نئے جلووں کی تلاش میں ہیں، تم تھوڑی دیر کے لیے ہمارے راستے کے ساتھی بن جاؤ۔ ہماری رہنمائی کرو۔

حکیمِ مریخی

۱- ایں نواحِ مرغدین برخیاست برخیؔا نامِ ابوالآبائے ماست
۲- فرز مرز، آں آمرِ کردارِ زشت رفت پیشِ برخیا اندر بہشت
۳- گفت ''تو ایں جاچساں آسودہ ئی؟ عمرہا محکومِ یزداں بودہ ئی
۴- از مقامِ تو نکوتر عالمے است پیشِ او جنت بہارِ یک دمے ست
۵- آں جہاں از ہر جہاں بالاتر است آں جہاں از لامکاں بالاتر است
۶- نیست یزداں را ازاں عالم خبر من ندیدم عالمے آزاد تر
۷- نے خداے در نظامِ او دخیل نے کتاب و نے رسول و جبرئیل
۸- نے طوافے نے سجودے اندرو نے دعاے نے درودے اندروؔ''

۹- برخیا گفت "اے فسوں پرداز خیز نقشِ خود را اندر آں عالمے بریز"
۱۰- تا ابوالآبا فریبِ او نخورد حق جہانے دیگرے با ما سپرد
۱۱- اندریں ملک خدا دادے گذر مرغدین و رسم و آئینش نگر

۱- یہ مرغدینِ برخیا کا علاقہ ہے۔ برخیا ہمارے مورثِ اعلیٰ کا نام ہے۔ (اس جگہ کا نام مرغدین ہے۔)

۲- فرزمرز، وہ جو برائی کے کاموں کا حکم دینے والا ہے، (ایک روز) برخیا کے پاس بہشت میں گیا (تا کہ شیطان کی طرح ہمارے برخیا کو بہکائے)

۳- فرزمرز ان سے کہنے لگا: تو یہاں کس لیے آرام کر رہا ہے؟ تو برسوں سے خدا کا محکوم رہا ہے۔ گویا تو خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہے، جو آزادی سے محروم اور مجبوری کی زندگی ہے۔

۴- تیرے اس مقام سے بڑھ کر ایک اور مقام ہے جس کے آگے یہ جنت (تیرا مقام) ایک پل کی بہار کی مانند ہے یعنی تیری جنت ایک بالکل معمولی سا مقام ہے۔

۵- وہ جہاں (جس کا میں ذکر کر رہا ہوں) ہر جہان سے کہیں اونچا اور بلند ہے۔ وہ جہاں تو لامکاں سے بھی بڑھ کر ہے، زیادہ بلند ہے۔

۶- اس جہان کی تو یزداں/ خدا کو بھی خبر نہیں ہے۔ میں نے تو اس سے زیادہ آزاد جہان کہیں نہیں دیکھا۔ آزاد اس لحاظ سے کہ جو جی میں آئے کرو، کوئی تمہیں نہیں پوچھے گا۔

۷- اس جہان کے نظام میں نہ تو کوئی خدا دخل اندازی کرنے والا ہے اور نہ وہاں کوئی (آسمانی) کتاب ہے اور نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی جبرئیل۔ گویا نہ وہاں خدا کا کوئی حکم چلتا ہے اور نہ کوئی رسول ہی عوام پر اپنا آئین مسلط کرنے کے لیے آتا ہے۔

۸- اس میں نہ تو کسی جگہ کا طواف ہے اور نہ کسی کو سجدہ کرنا ہے، اس میں نہ تو کوئی دعا ہے اور نہ کوئی درود ہی ہے۔

۹- اس کی (یہ بیہودہ بکواس سن کر) برخیا بولے: اے جادوگر! یہاں سے اٹھ جا۔ (دفان ہو جا) جا اپنا یہ نقش اپنے اس جہان میں جا کر جما۔

۱۰- چونکہ ہمارے ابوالآبا برخیا اس (شیطان صفت) فرزمرز کے دھوکے میں نہیں آئے اس لیے حق تعالیٰ نے ایک اور طرح کا جہاں ہمیں سونپ دیا۔

۱۱- اب تم خدا کے اس عطا کردہ ملک کی سیر کرو اور مرغدین اور اس کے رسم و آئین کا جائزہ لو۔

گردش در شہرِ مرغدین

(مرغدین شہر کی سیر)

۱- مرغدین و آں عماراتِ بلند	من چہ گویم زاں مقامِ ارجمند
۲- ساکنانش در سخن شیریں چو نوش	خوب روی و نرم خوی و سادہ پوش
۳- فکرِ شاں بے درد و سوزِ اکتساب	راز دانِ کیمیائے آفتاب
۴- ہر کہ خواہد سیم و زر گیرد ز نور	چوں نمک گیریم ما از آبِ شور
۵- خدمت آمد مقصدِ علم و ہنر	کارہا راکس نمی سنجد بزر
۶- کس ز دینار و درم آگاہ نیست	ایں بتاں را در حرمہا راہ نیست
۷- برطبیعت دیوِ ماشین چیرہ نیست	آسمانہا از دخانہا تیرہ نیست
۸- سخت کش دہقاں چراغش روشن است	از نہابِ دہ خدایاں ایمن است
۹- کِشت و کارش بے نزاعِ آبجوست	حاصلش بے شرکتِ غیرے ازوست
۱۰- اندر آں عالم نہ لشکر نے قشون	نے کسے روزی خورد از کشت و خون
۱۱- نے قلم در مرغدین گیرد فروغ	از فنِ تحریر و تشہیرِ دروغ
۱۲- نے بہ بازاراں زبیکاراں خروش	نے صداہاے گدایاں دردِ گوش

۱- مرغدین اور اس کی وہ اونچی اونچی عمارتیں (واہ وا) میں اس عظیم مقام کے بارے میں کیا کہوں یعنی اس کی عظمت وشان نا قابل بیان ہے۔

۲- اس کے باشندے شیریں گفتار ایسے جیسے ان کی باتیں شربت کی طرح میٹھی ہوں۔ وہ لوگ حسین وجمیل، نرم خصلت والے اور سادہ لباس پہننے والے تھے/ ہیں۔

۳- ان کی فکر حصولِ اشیا کے سلسلے میں کسی دکھ درد کی حامل نہیں۔ وہ سورج کے کیمیا کے رازوں سے آگاہ ہیں۔ گویا وہ محنت و مشقت سے مال و دولت کمانے کی بجائے سورج کی کرنوں سے سونا بنا لیتے ہیں۔

۴- جس کسی کو سونے چاندی کی خواہش ہے (یا ضرورت پڑتی ہے) وہ سورج کی روشنی سے حاصل کر لیتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ہم شور پانی سے حاصل کرتے ہیں۔

۵- یہاں علم و ہنر کا مقصد دوسروں کی خدمت کرنا ہے۔ کوئی بھی کاموں کو دولت کے حوالے سے نہیں جانتا۔

۶- یہاں کے کسی بھی باشندے کو دینار اور درہم (کرنسی کے نظام) کا کچھ علم نہیں ہے۔ یہاں ایسا نظام نہیں چلتا، ان بتوں (دینار و درہم) کا کعبوں میں (یعنی یہاں) کوئی گذر نہیں ہے۔

۷- ان لوگوں کی طبیعت پر مشینوں کا بھوت غالب نہیں ہے۔ (سوار نہیں ہے) یہاں کے آسمان ان مشینوں کے دھوؤں سے تاریک نہیں ہیں۔

۸- یہاں کا کسان جفاکش ہے اور اس کے گھر میں چراغ روشن ہے۔ وہ زمینداروں/وڈیروں کی لوٹ اور ان کے ظلم و جبر سے محفوظ ہے یعنی دنیا میں اس سلسلے میں جو صورتِ حال ہے یہاں اس کے بالکل برعکس ہے۔

۹- اس کسان کا کھیت اور اس پر کام ندی کے پانی کے جھگڑے سے آزاد ہے اور فصل کسی کی شرکت کے بغیر اس کی اپنی ہے۔ یہاں کے کسانوں کو زمینداروں سے سابقہ نہیں پڑتا، وہ اپنی محنت کا پھل خود ہی کھاتے ہیں۔

۱۰- اس جہان میں نہ تو کوئی لشکر ہے اور نہ کوئی ملکی فوج (پولیس) ہی ہے اور نہ یہاں کوئی دوسروں کا خون بہا کر (یا دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر) اپنی روزی حاصل کرتا ہے یا دولت کماتا ہے۔

۱۱- مرغدین میں فن تحریر اور جھوٹی شہرت کی خاطر قلم کو کوئی فروغ حاصل نہیں ہے۔ یہاں کے اہل قلم اپنی شہرت کی خاطر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں نہیں لگے رہتے اور نہ ان کی تحریریں بیہودگیاں پھیلانے کا باعث بنتی ہیں۔

۱۲- نہ تو یہاں کے بازاروں میں بیکاری کے ہاتھوں تنگ لوگوں کا کوئی شور ہے اور نہ بھکاریوں کی کانوں کو تکلیف پہنچانے والی آوازیں ہی ہیں۔ (دراصل اس قسم کی تمام غیر تعمیری یا تخریبی باتیں ہماری دنیا میں ہیں اور علامہ نے بالواسطہ ان کی تصویر کشی کی ہے۔)

حکیمِ مریخی

= کس دریں جا سائل و محروم نیست عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

= یہاں نہ تو کوئی سائل ہے اور نہ کوئی محروم ہی ہے۔ نیز یہاں نہ کوئی غلام ہے، نہ

کوئی آقا ہے، نہ کوئی حاکم ہے اور نہ کوئی محکوم ہی ہے۔ یہاں اس قسم کی کوئی درجہ بندی نہیں ہے۔

زندہ رود

۱- سائل و محروم تقدیر حق است   حاکم و محکوم تقدیرِ حق است
۲- جز خدا کس خالق تقدیر نیست   چارۂ تقدیر از تدبیر نیست

۱- سائل اور محروم ہونا تو حق کی تقدیر/ منشا ہے اور اسی طرح حاکم یا محکوم ہونا بھی منشائے ایزدی ہے یعنی وہ جسے چاہے سائل بنا دے، جسے چاہے محروم بنا دے....وغیرہ

۲- خدا کے سوا تقدیر کا کوئی اور خالق نہیں ہے، اور تقدیر کا علاج تدبیر سے ممکن نہیں ہے۔ گویا تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ کوئی جتنی تدبیریں اور کوششیں کر لے، تقدیر میں تبدیلی نہ ہوگی۔ (دراصل علامہ نے اپنے یہاں کے نام نہاد ملاؤں کا نظریہ پیش کیا ہے جو اسلام کے مطابق نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے کہ ''تم جتنا کچھ کرو گے، اسی قدر تمہیں ملے گا۔'' بقول ایک پنجابی صوفی کے:

مالی دا کم پانڑی پانا بھر بھر مشکاں پاوے
مولا دا کم پھل پھُل لانڑا، لاوے یا نہ لاوے

اور بقول علامہ:

عبث ہے شیوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

حکیم مریخی

۱- گر زیک تقدیر خوں گردد جگر   خواہ از حق حکمِ تقدیرِ دگر
۲- تو اگر تقدیرِ نو خواہی رواست   زاں کہ تقدیراتِ حق لا انتہاست
۳- ارضیاں نقدِ خودی درباختند   نکتۂ تقدیر رانشناختند
۴- رمز باریکش بحرفے مضمر است   تو اگر دیگر شوی او دیگر است

۵۔ خاک شو نذرِ ہوا سازد ترا　　سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا
۶۔ شبنمی؟ افتندگی تقدیرِ تست　　قلزمی؟ پایندگی تقدیری تست
۷۔ ہر زماں سازی ہماں لات و منات　　از بتاں جوئی ثبات اے بے ثبات
۸۔ تا بخود نا ساختن ایمانِ تست　　عالم افکارِ تو زندانِ تست
۹۔ رنج بے گنج است تقدیر ایں چنیں　　گنج بے رنج است تقدیر ایں چنیں
۱۰۔ اصلِ دین این است اگر اے بے خبر　　می شود محتاج ازو محتاج تر
۱۱۔ وائے آں دینے کہ خواب آرد ترا　　باز در خوابِ گراں دارد ترا
۱۲۔ سحر و افسون است یا دین است ایں؟　　حب افیون است یا دین است این؟

۱۔ اگر ایک تقدیر سے تیرا جگر خون ہو جاتا ہے تو تو حق تعالی سے ایک اور تقدیر کی خواہش کر۔ گویا تدبیر بھی ضروری ہے۔ اگر ایک تقدیر سے مصیبت پیش آتی ہے تو اسے تدبیر سے دور کر۔ قدرت نے جو تجھے عقل و شعور سے نوازا ہے تو یہ اسی لیے ہے کہ تو اس سے کام لے کر اپنی بہتری کا سامان کرے اور مصیبت سے بچ جائے۔ (زندہ رو کے دوسرے مندرجہ بالا شعر کی تشریح بھی ملاحظہ ہو)

۲۔ اگر تو ایک نئی تقدیر کا آرزومند ہے تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ حق تعالی کی تقدیروں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مطلب یہی کہ اگر تو اپنی تقدیر بدلنے کے لیے کوئی اور تقدیر یعنی تدبیر چاہتا ہے تو ضرور مانگ کیونکہ ہر تقدیر کے لیے تدبیر بھی ہے۔

۳۔ اہل زمین تو اپنی خودی کی نقدی ہی ہار بیٹھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تقدیر کے نکتہ کو نہ سمجھا۔ اگر وہ اپنی خودی سے آگاہ ہو جائیں تو وہ نہ صرف اپنی تقدیر سنوار سکتے ہیں بلکہ کائنات کو مسخر اور اپنی بقا کا سامان کر سکتے ہیں۔

۴۔ اس (تقدیر) کی گہری رمز ایک بات میں مخفی/ پوشیدہ ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر تو بدل جائے تو تقدیر بھی بدل جائے گی۔ گویا تو اگر جہد و عمل اور تدبیر سے کام لے گا تو اپنی تقدیر کو سنوار لے گا۔

۵۔ تو اگر خاک ہو جائے تو تجھے قدرت ہوا کی نذر کر دے گی، تو اڑ جائے گا اور اگر تو پتھر بن جائے گا تو تجھے وہ شیشے پر مارے گی۔ گویا اگر تو تقدر کے حوالے سے خود کو کمزور یا بیکار سمجھے گا تو تیری زندگی بیکار اور بے مقصد ہوگی اور تو دوسروں سے نقصان اٹھائے گا جبکہ پتھر سمجھنے کی صورت میں تو دوسروں پر حاوی ہوگا۔ یوں تیرے بدلنے سے تیری

تقدیر بدل جائے گی۔

۶- کیا تو شبنم ہے؟ اگر ایسا ہے تو اوپر سے نیچے گرنا تیرا مقدر ہے۔ کیا تو سمندر ہے؟ اگر ایسا ہے تو بقا تیری تقدیر ہے۔ (دوسرے استعارے میں وہی بات)

۷- تو تو ہر لحہ وہی لات ومنات (بت) بنا تا رہتا ہے۔ اے فانی انسان تو بتوں سے بقا کی خواہش رکھتا ہے۔ تو تقدیر اور تدبیر کے صحیح تصور سے ناآشنا ہونے کے باعث اپنی بقا کا سامان نہیں کر سکتا۔ تقدیر کے تیرے غلط تصورات ایسے ہی ہیں جیسے مکہ کے لات ومنات تھے۔ ان بتوں کے باعث حق کفار کی نظروں سے دور رہا۔ کچھ اسی طرح تیرے ان بتوں (خیالات) نے تجھے تقدیر حق سے دور کر رکھا ہے۔

۸- جب تک خود سے موافقت نہ کرنا (بنا کے نہ رکھنا) تیرا ایمان رہے گا، تیرے افکار کی دنیا تیرا قید خانہ بنی رہے گی۔ مطلب یہ کہ جب تک تو اپنی معرفت وخودی سے آگاہ ہو کر اس کی صلاحیتوں اور قوتوں سے کام نہیں لے گا، تو اس وقت تک الٹے سیدھے خیالات میں کھویا رہے گا اور یوں تقدیر وتدبیر کی حقیقت سے ناآشنارہ کر تو ایک بیکار اور بے مقصد زندگی بسر کرے گا۔

۹- تیرا یہ نظریہ کہ تقدیر کچھ ایسی ہے کہ محنت کرنے سے خزانہ ہاتھ نہیں آتا، یعنی محنت بے فائدہ ہے اور یہ کہ بغیر محنت کے خزانہ ہاتھ آجاتا ہے، یہ تقدیر ہے۔ تیرا یہ نظریہ سراسر غلط اور ایک کامیاب زندگی کے لیے نقصان دہ ہے۔

۱۰- اے بے خبر/ نادان انسان اگر دین کی اصل/ بنیاد یہی ہے تو اس سے ایک محتاج انسان اور بھی محتاج ہو جائے گا۔ تدبیر سے کام نہ لینے اور صرف تقدیر پر بھروسا کرنے سے کوئی غریب، امیر اور کوئی محتاج غنی نہیں بن سکتا۔ جہد وعمل کے بغیر غریب اور بھی غریب ہو جائے گا۔

۱۱- اس دین پر افسوس ہے جو تجھے سلائے رکھتا ہے، بیکار رکھتا ہے۔ تقدیر پر بھروسے کے باعث وہ نہ صرف تجھے سلاتا ہے بلکہ تجھے گہری نیند میں مسلسل رکھتا ہے۔ (حالانکہ اصل دین تو جہد وعمل اور بیداری کا درس دیتا ہے۔)

۱۲- (جس دین یعنی نظریہ تقدیر کے چکر میں تو پڑا ہوا ہے) کیا یہ سحر و جادو ہے یا یہ دین ہے؟ کیا یہ افیون کی گولی ہے یا دین ہے؟

۱۳- می شناسی طبع دراک از کجاست؟ حورے اندر بنگہ خاک از کجاست؟

۱۴- قوتِ فکر حکیماں از کجاست؟ طاقتِ ذکرِ کلیماں از کجاست؟
۱۵- ایں دل و ایں وارداتِ او زکیست؟ ایں فنون و معجزاتِ او زکیست؟
۱۶- گرمیِ گفتار داری از تو نیست شعلہ کردار داری از تو نیست
۱۷- ایں ہمہ فیض از بہارِ فطرت است فطرت از پروردگار فطرت است
۱۸- زندگانی چیست؟ کانِ گوہر است تو امینی صاحبِ او دیگر است
۱۹- طبع روشن مردِ حق را آبروست خدمتِ خلقِ خدا مقصودِ اوست
۲۰- خدمت از رسم و رہِ پیغمبری است مزدِ خدمت خواستن سوداگری است

۱۳- کیا تجھے کچھ علم ہے کہ (انسان کے اندر) طبع دراک کہاں سے ہے؟ مٹی کے حجرے یعنی انسانی بدن میں یہ حور کہاں سے آ گئی ہے۔ طبع دراک کو حور کہا ہے۔

۱۴- فلسفیوں کی فکر کا سرچشمہ کہاں ہے اور کلیموں کے ذکر کی طاقت کہاں سے ہے؟ مطلب یہ کہ انسان میں عقل و دانش اور جذبہ عشق کی قوت کہاں سے آئی ہے؟

۱۵- یہ دل اور اس کی واردات (اس پر گذرنے والی کیفیات) کس کی طرف سے ہیں؟ اس (دل) کے یہ فنون اور معجزے کس کی جانب سے ہیں؟

۱۶- کیا تجھ میں گرمی گفتار ہے؟ یہ تجھ سے نہیں ہے۔ یعنی اگر تجھ میں پرتاثیر بات کرنے کی اہلیت ہے تو یہ سب کسی اور ذات کا فیض ہے اور کیا تجھ میں کردار کا شعلہ ہے؟ تو یہ بھی تجھ سے نہیں۔ یعنی عظیم و روشن کردار بھی کسی اور کا فیضان ہے۔ (ان سب سوالوں کا جواب اگلے شعروں میں ہے)

۱۷- یہ سب فطرت کی بہار کا فیض ہے اور انسانی فطرت کی اصل پروردگار فطرت ہے۔ یعنی یہ فطرت (یہ سب کچھ) خالق فطرت اور صاحب قدرت خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے عطیہ ہے۔

۱۸- زندگانی کیا ہے؟ یہ موتیوں کی کان ہے۔ تو اس کا امانت دار ہے اور اس کا مالک کوئی اور ہے۔

۱۹- ایک مرد حق کے لیے طبع روشن اس کی آبرو کا باعث ہے اور خلق خدا کی خدمت اس کا (بنیادی) مقصد ہے۔ یہ اور مذکورہ بالا سب کیفیات خدا کی عطا کردہ ہیں، انسان کی اپنی نہیں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہ کیفیات یا نعمتیں اللہ کی مخلوق پر کسی معاوضہ اور صلے کے بغیر خرچ کرنی چاہئیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ نے عملاً اپنی اس سنت کا

مظاہرہ کیا ہے۔ ویسے بھی:

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

۲۰- خدمتِ خلق پیغمبری طور طریقہ اور سنت ہے۔ خدمت کی اجرت یا اس کا صلہ مانگنا سوداگری ہے۔ حقیقی خدمت خلق یہی ہے کہ انسان کسی توقع کے بغیر انجام دے، ورنہ وہ سچے جذبے سے خالی اور بیکار بات ہوگی۔

۲۱-	ہمچناں ایں بادو خاک و ابرو کشت	باغ و راغ و کاخ وکوی وسنگ وخشت
۲۲-	اے کہ می گوئی متاعِ ما زماست	مردِ نادان ایں ہمہ مِلکِ خداست
۲۳-	ارضِ حق را ارضِ خود دانی بگو	چیست شرحِ آیۂ لاتفسدوا؟
۲۴-	ابنِ آدم دل بہ ابلیسی نہاد	من ز ابلیسی ندیدم جز فساد
۲۵-	کس امانت را بکارِ خود نبرد	اے خوش آں کو ملکِ حق با حق سپرد
۲۶-	بردہ ای چیزے کہ از آنِ تو نیست	داغم از کارے کہ شایانِ تو نیست
۲۷-	گر تو باشی صاحب شے می سزد	ور نباشی خود بگو کے می سزد؟
۲۸-	مِلکِ یزداں را بہ یزداں باز دہ	تا زکارِ خویش بکشائی گرہ
۲۹-	زیرِ گردون فقر و مسکینی چراست	آں چہ از مولاست می گوئی زماست
۳۰-	بندہ ے کز آب وگل بیروں نجست	شیشۂ خود را بسنگِ خود شکست
۳۱-	اے کہ منزل را نمی دانی زِ رہ	قیمت ہر شے ز اندازِ نگہ
۳۲-	تا متاعِ تست گوہر، گوہر است	ورنہ سنگ است از پشیزی کمتر است
۳۳-	نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود	این زمین و آسماں دیگر شود

۲۱-۲۲: اسی طرح یہ ہوا اور مٹی اور بادل، یہ باغ اور سبزہ زار اور محل اور گلی کوچے اور سنگ وخشت، جن کے بارے میں تیرا یہ دعویٰ ہے کہ ''یہ سب کچھ ہماری متاع ہے۔'' تو اے نادان انسان تیرا کچھ بھی نہیں ہے، یہ سب خدا کی ملکیت ہے۔

۲۳- تو جو خدا کی زمین کو اپنی زمین سمجھتا ہے تو پھر ذرا یہ بتا کہ آیہ ''لاتفسدوا'' کی تفسیر کیا ہے۔ (فرہنگ) ''الارض للہ'' (زمین خدا کی ہے) اس ارشاد ربانی کے باوجود زمین کو اپنی ملکیت سمجھنا سراسر فساد اور بگاڑ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

۲۴- آدم کی اولاد (انسان) نے شیطنت سے دل لگا لیا (اور حق سے دور ہو گیا) میں نے تو شیطنت/ ابلیسی میں فساد اور بگاڑ کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ شیطان کا کام ہی

انسانوں کو مختلف طریقوں سے ورغلا کر فساد اور برائیوں کی طرف لے جانا ہے۔

۲۵- کسی نے بھی کسی دوسرے کی امانت کو اپنی ذات کے لیے استعمال نہیں کیا۔ وہ انسان بڑا ہی خوش بخت ہے جس نے خدا کی ملکیت خدا کے سپرد کر دی۔ گویا اس نے زمین سے اسی طرح کام لیا جیسی کہ اس کے مالک (خدا) کی منشا ہے اور یوں وہ شیطنت سے بچ گیا۔

۲۶- تو نے وہ چیز اڑا لی ہے جو تیری اپنی نہیں ہے۔ مجھے تیرے اس کام (تیری اس حرکت) کا دکھ ہے کہ بحیثیت انسان ہونے کے، یہ تیرے شایاں نہیں، تیرے لائق نہیں ہے۔

۲۷- اگر تو کسی چیز کا مالک ہے تو اس پر تیرا اپنا حق جتانا مناسب بھی ہے لیکن اگر تو نہیں ہے تو پھر تو خود ہی بتا کہ ایسی بات (حق جتانا) کیونکر مناسب ہے۔

۲۸- تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت اللہ تعالیٰ کو لوٹا دے، واپس کر دے تا کہ تو اپنے کام کی گرہ کھول لے۔ تیری مشکلیں اور الجھنیں دور ہو جائیں۔

۲۹- آسمان کے نیچے (زمین پر) یہ محتاجی اور مسکینی کیوں ہے؟ اس کا باعث یہی ہے کہ اس مولا کا جو کچھ ہے، اسے تو اپنی ملکیت قرار دیتا ہے۔

۳۰- وہ بندہ جو اپنے مادی اور جسمانی فائدوں سے باہر نہیں آیا (وہ انہی فائدوں کے چکر میں پڑا رہا) اس نے خود ہی اپنے شیشے کو اپنے پتھر سے توڑ ڈالا۔ یعنی اس نے اپنے اعمال اور اپنے الٹے سیدھے خیالات سے اپنی زندگی کو برباد کر ڈالا۔

۳۱- اے کہ تو منزل اور راستے میں فرق سے بے خبر ہے۔ (یاد رکھ کہ) ہر شے کی قیمت نگاہ یعنی خریدار سے ہوتی ہے۔ خریدار جو چیز چاہے گا اسے ہر قیمت پر خریدے گا، لیکن کسی دوسری چیز کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا، اسے کوئی اہمیت نہ دے گا۔

۳۲- گوہر جب تک تیری متاع ہے تو وہ گوہر ہے ورنہ وہ پتھر ہے اور اس کا مول ایک کوڑی بھی نہیں۔

۳۳- تو زمین اور اشیا کو اپنی متاع و ملکیت سمجھنے کی بجائے اصل مالک کے فرمان کے مطابق (جس طرح اس نے فرمایا ہے) ایک نئے انداز سے دیکھ۔ جب تو ایسا کرے گا تو یہ جہان ہی بدل جائے گا۔ یہ زمین اور آسمان بدل جائیں گے۔ یہ جو زمین و آسمان کا سارا فساد ہے۔ اس کی ساری اور بنیادی وجہ ہر شے کو خدا کی بجائے اپنی ملکیت سمجھنا ہے۔ یہ امر سراسر قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی کے خلاف ہے، لیکن آج کا مسلمان اس احساس سے محروم ہو چکا ہے۔

احوال دوشیزۂ مریخ کہ دعویٰ رسالت کردہ

(مریخ کی اس دوشیزہ کے حالات جس نے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہوا تھا)

۱- درگذشتم از ہزاراں کوے و کاخ　　برکنارِ شہر میدان فراخ
۲- اندر آں میداں ہجومِ مرد و زن　　درمیاں یک زن، قدش چوں نارون
۳- چہرہ اش روشن ولے بے نورِ جاں　　معنی او بربیانِ او گراں
۴- حرفِ او بے سوز و چشمش بے نمے　　از سرورِ آرزو نامحرمے
۵- فارغ از جوشِ جوانی سینہ اش　　کور و صورت ناپذیر آئینہ اش
۶- بے خبر از عشق و از آئین عشق　　صعوہ ے رد کردۂ شاہینِ عشق
۷- گفت با ما آں حکیم نکتہ داں　　"نیست ایں دوشیزہ از مریخیاں
۸- سادہ و آزادہ و بے ریو و رنگ　　فرز مرز او را بدزدید از فرنگ
۹- پختہ درکارِ نبوت ساختش　　اندریں عالم فرو انداختش
۱۰- گفت نازل گشتہ ام از آسماں　　دعوتِ من دعوتِ آخر زماں
۱۱- از مقامِ مرد و زن دارد سخن　　فاش ترمی گوید اسرارِ بدن
۱۲- نزدِ ایں آخر زماں تقدیرِ زیست　　در زبانِ ارضیاں گویم کہ چیست"

۱- ہم ہزاروں گلی کوچوں اور محلوں / عمارتوں سے گذر کر شہر کے کنارے کھلے / وسیع میدان میں پہنچے۔

۲- اس میدان میں مردوں اور عورتوں کا ایک ہجوم تھا۔ ان کے درمیان ایک عورت تھی جس کا قد نارون کی مانند تھا۔

۳- اس کا چہرہ تو روشن تھا لیکن روحانی نور سے خالی تھا۔ اس کے بیان پر اس کے معنی بوجھل تھے۔ گویا وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سب بے معنی سا معلوم ہو رہا تھا۔

۴- اس کے الفاظ سوز سے خالی تھے اور اس کی آنکھ میں نم نہ تھی۔ وہ آرزو کے سرور سے ناواقف تھی۔ اس میں کسی طور بھی جذبۂ عشق کے آثار نہیں تھے، اور نہ کوئی جہد و عمل والی بات تھی۔

۵- اس کا سینہ جوانی کے جوش سے فارغ / محروم تھا۔ اس کا آئینہ اندھا اور شکل کا عکس نہ دینے والا تھا۔ گویا اس کا دل نور سے خالی تھا اور اس کی باتیں جذبوں اور ذوق و

شوق سے عاری تھیں۔

۶۔ وہ دوشیزہ عشق اور آئین عشق سے بے خبر تھی۔ اس کی مثال اس مولے کی سی تھی جسے عشق کے شاہین نے رد کر دیا ہو۔ وہ سرتاپا حرص و ہوس کا نمونہ تھی۔

۷۔ اس نکتہ داں مریخی حکیم نے، جو ہمارا رہنما تھا، ہم سے کہا کہ یہ دوشیزہ اہلِ مریخ میں سے نہیں ہے۔

۸۔ یہ سادہ طبع، آزاد اور مکر و فریب سے دور تھی (اس میں مکر و فریب نہ تھا) (ظالم) شیطان نے اسے یورپ سے اغوا کیا تھا۔

۹۔ اس (خبیث شیطان) نے نبوت کے معاملے میں اسے پختہ کر دیا اور پھر اسے یہاں (مریخ میں) لا ڈالا، یہاں چھوڑ دیا۔

۱۰۔ وہ دوشیزہ کہنے لگی۔ ''میں آسمان سے نازل ہوئی ہوں اور میرا پیغامِ نبوت آخر زماں (فرہنگ) کا پیغام ہے۔''

۱۱۔ (میں نے دیکھا کہ) وہ مرد اور عورت کے مقام کے بارے میں بات کر رہی ہے، اور بدن کے راز خوب کھل کر بیان کر رہی ہے۔

۱۲۔ اس آخر زماں کے نزدیک زندگی کی تقدیر کیا ہے، وہ میں اہل زمین کی زبان میں بیان کرتا ہوں۔

تذکیرِ نبیہ مریخ

(مریخ کی نبیہ کا وعظ)

۱۔ اے زناں، اے مادراں، اے خواہراں — زیستن تا کے مثالِ دلبراں

۲۔ دلبری اندر جہاں مظلومی است — دلبری محکومی و محرومی است

۳۔ در دو گیسو شانہ گردانیم ما — مرد را نخچیر خود دانیم ما

۴۔ مرد صیادی بہ نخچیری کند — گرد تو گردد کہ زنجیری کند

۵۔ خود گدازی ہائے او مکر و فریب — درد و داغ و آرزو و مکر و فریب

۶۔ گرچہ آں کافر حرم سازد ترا — مبتلائے درد و غم سازد ترا

۷۔ ہمبرِ او بودن آزارِ حیات — وصلِ او زہر و فراقِ او نبات

۸- مارِ پیچاں از خم و پیچش گریز   زہرہایش را بخونِ خود مریز

۹- از اُمومت زرد روئے مادراں   اے خنک آزادیِ بے شوہراں

۱- اے عورتو! اے ماؤں اور اے بہنو! یہ دلبروں کی سی زندگی آخر کب تک گذارو گی۔ گویا معشوقوں کی طرح کب تک صنفِ نازک بنی رہو گی۔

۲- دلبری دنیا میں مظلومی ہے۔ دلبری محکومی اور محرومی کا نام ہے۔ مطلب یہ کہ مردوں کی بیوی یا محبوبہ بن کر سراسر مردوں کے ظلم برداشت کرنا اور اپنے حقوق سے محروم ہونا ہے۔

۳- ہم اپنی دو زلفوں میں کنگھی کرتی ہیں اور اس طرح مرد کو اپنا شکار سمجھتی ہیں، یعنی خود کو خوبصورت بنا کر اسے اپنا لٹو بناتی ہیں۔ بقولِ غالبؔ:

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

۴- مرد (ظالم) تو دراصل ہمارا شکار بن کر ہمیں اپنا شکار بناتا ہے۔ وہ تو تیرے (عورت کے) گرد اس لیے پھرتا ہے کہ تجھے وہ عشق کا فریب دے کر اپنا غلام یا قیدی بنا لے۔

۵- اس (مرد) کی خود گدازیاں مکر وفریب ہیں۔ اس کا درد و داغ اور آرزو سب مکر و فریب ہیں یعنی وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تیرے عشق میں وہ پگھل کے رہ گیا ہے اور غم والم کا شکار ہے، یہ محض تجھے فریب دینے کی خاطر ہے:

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

غالبؔ:

اسدؔ زندانیِ تاثیر الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں
میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں
سر پھوڑنا وہ غالبؔ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تیری دیوار دیکھ کر

۶- اگرچہ وہ کافر (مرد) تجھے اپنا حرم (یعنی بیوی) بناتا ہے لیکن درحقیقت وہ تجھے درد وغم میں مبتلا کرتا ہے۔ عورت کے حقوق کا منکر ہے۔ تجھے بیوی بنا کر وہ اپنے گھر لے آتا

ہے اور پھر تجھ پر مختلف انداز میں ستم ڈھاتا رہتا ہے۔

۷۔ اس کا ہم پہلو ہونا زندگی کا بڑا دکھ ہے۔اس کا وصل زہر اور اس کا فراق مصری کی ڈلی ہے یعنی اس سے دور رہنا ہی ہم عورتوں کے لیے مفید اور باعث مسرت ہے، لہٰذا اس سے بچو۔

۸۔ وہ (مرد) ایک بل کھاتا ہوا سانپ ہے۔اس کے پیچ وخم سے بچو۔اس کے زہروں کو اپنے خون میں نہ ڈالو۔یعنی آدمی کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات پیدا نہ کرو اور اس کے خون کو اپنے خون میں نہ ملاؤ۔

۹۔ ماں بننے سے ماؤں کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔شوہروں کے بغیر آزادی کتنی اچھی ہے۔گویا جب تو اس کی بیوی بنے گی تو تجھے بچہ جننا پڑے گا اور اس کی پرورش کرنے پڑے گی۔اس سے تو تیرا خون نچڑ جائے گا، لہٰذا اس شے بچ اور ایک آزاد اور پر مسرت زندگی گذار۔

۱۰۔ وحیِ یزداں پے بہ پے آید مرا — لذتِ ایماں بیفزاید مرا
۱۱۔ آمد آں وقتے کہ از اعجازِ فن — می تواں دیدن جنیں اندر بدن
۱۲۔ حاصلے برداری از کشتِ حیات — ہر چہ خواہی از بنین و از بنات
۱۳۔ گر نباشد بر مرادِ ما جنین — بے محابا کشتنِ او عینِ دیں
۱۴۔ در پسِ ایں عصر اعصارِ دگر — آشکارا گردد اسرارِ دگر
۱۵۔ پرورش گیرد جنیں نوعِ دگر — بے شبِ ارحام دریابد سحر
۱۶۔ تا بمیرد آں سراپا اہرمن — ہم چو حیواناتِ ایامِ کہن
۱۷۔ لالہ ہا بے داغ و با دامانِ پاک — بے نیاز از شبنمے خیزد زخاک
۱۸۔ خود بخود بیروں فتد اسرارِ زیست — نغمہ بے مضراب بخشد تارِ زیست
۱۹۔ آں چہ از نیساں فرو ریزد مگیر — اے صدف در زیرِ دریا تشنہ میر
۲۰۔ خیز و با فطرت بیا اندر ستیز — تا زِ پیکارِ تو حر گردد کنیز
۲۱۔ رَستن از ربطِ دو تن توحیدِ زن — حافظِ خود باش و بر مرداں متن

۱۰۔ مجھ پر خدا کی طرف سے مسلسل وحی نازل ہو رہی ہے اور یہ وحی مجھ میں ایمان کی لذت بڑھا رہی ہے۔یہ ایمان اس دوشیزہ کا خود ساختہ ایمان ہے اور وحی کے فریب سے وہاں موجود حاضرین کو مرعوب کر رہی ہے۔

۱۱۔ اب وہ وقت آ رہا ہے کہ سائنس کے معجزے سے عورت کے بدن کے اندر جنین کو دیکھا جا سکے گا یعنی یہ معلوم ہو جایا کرے گا کہ ماں کے پیٹ میں بچہ کتنے ماہ کا ہو چکا

ہے اور وہ بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔

۱۲- وہ وقت قریب ہے جب تم زندگی کی کھیتی سے اپنے حسب خواہش پیداوار حاصل کر سکو گی، یعنی بیٹے کی خواہش ہو گی تو بیٹا پیدا کرے گی اور بیٹی کی خواہش ہو گی تو تو بیٹی پیدا کرے گی بلکہ مرد کے نطفے کے بغیر بھی ایسا ہو سکے گا۔ یورپ نے علامہ کی ان باتوں کو سو فیصد درست ثابت کر دیا ہے۔

۱۳- اگر پیٹ میں بچہ ہماری مراد و خواہش کے مطابق نہ ہو گا تو بے خوف ہو کر اسے مار ڈالنا بھی ہمارا عین دین ہو گا۔ (اسقاطِ حمل کا یہ انداز چلنے لگا ہے، جو خلاف قانون نہیں سمجھا جاتا)

۱۴- اس زمانے کے بعد، جس میں مذکورہ باتیں ہوں گی اور بھی کئی زمانے آئیں گے جن میں اور نئے نئے راز بھید ظاہر ہوں گے۔

۱۵- ماں کے پیٹ میں بننے والا بچہ کچھ اور ہی ڈھب سے پرورش پائے گا، ماں کے پیٹ یعنی رحم میں رات بسر کیے بغیر اس کی صبح ہو جائے گی یعنی عورت کے بغیر بھی بچہ پیدا ہو سکے گا۔

۱۶- تاکہ وہ سراپا شیطان مر جائے (یعنی مرد) پرانے زمانے کے ان حیوانات کی طرح مر جائے جن کا دنیا میں اب کوئی وجود نہیں ہے۔

۱۷- لالہ کے پھول داغ کے بغیر اور پاک دامنی کے ساتھ شبنم کا احسان اٹھائے بغیر مٹی سے اگا کریں گے۔ وہی بات کہ مرد کے بغیر بھی تم بچے پیدا کر سکو گی، یا یہ کہ تم مرد کے بغیر بچے پیدا کرو اور اس سے آزاد ہو جاؤ۔

۱۸- زندگی کے راز خود بخود ظاہر ہو جائیں گے اور زندگی کا ساز مضراب کے بغیر ہی نغمہ پیدا کرے گا یعنی جنسی فعل کے بغیر ہی بچے پیدا ہو جایا کریں گے۔

۱۹- ابر نیساں سے جو کچھ نیچے گرتا ہے، اے عورت وہ مت لے، گویا مرد کا نطفہ لینے سے بچ، اے سیپی (عورت) تو سمندر کی تہ میں پیاسی مر جا۔

۲۰- اٹھ اور فطرت کے ساتھ برسرِ پیکار ہو جا تاکہ تیری جنگ سے عورت مرد کی گرفت سے آزاد ہو جائے۔ یعنی عورت مرد سے ہر قسم کے تعلقات سے آزاد ہو جائے اور قدرت نے مرد اور عورت کے جو باہمی رابطے قائم کر رکھے ہیں وہ ختم کر دیئے جائیں۔

۲۱- دو جسموں سے آزاد ہونا ہی عورت کی توحید ہے، تو اپنی خود محافظ بن جا اور مرد پر کسی قسم کا ناز نہ کرے۔

رومی

۱۔ مذہبِ عصرِ نو آئینے نگر حاصلِ تہذیبِ لا دینے نگر
۲۔ زندگی را شرع و آئین است عشق اصلِ تہذیب است دین و دین است عشق
۳۔ ظاہرِ او سوزناک و آتشیں باطنِ او نورِ رب العالمین
۴۔ از تب و تابِ درونش علم و فن از جنونِ ذوفنونش علم و فن
۵۔ دیں نگردد پختہ بے آدابِ عشق دیں بگیر از صحبت اربابِ عشق

۱۔ تو (زندہ رود) ذرا نئے آئین والے زمانے کے مذہب کو دیکھ، ملاحظہ کر اور ایک لادین تہذیب کے اثرات یا نتائج ملاحظہ کر (یہ بات اس نبیہ کے وعظ کے حوالے سے کہی ہے۔)

۲۔ (حقیقت یہ ہے کہ) زندگی کا آئین و شرع عشق ہے۔ تہذیب کی اصل دین ہے اور دین عشق ہے۔ گویا مریخ کی اس نبیہ نے جو کچھ کہا ہے وہ سراسر بے دین تہذیب اور بے عشق دین کی وجہ سے ہے اور یہ دنیا کے معاشروں میں برائیوں اور خرابیوں کا باعث ہے۔

۳۔ عشق کا ظاہر سوزناک اور آتشیں ہے اور اس کا باطن رب العالمین کا نور ہے۔ یعنی صاحب عشق کا دل خدائی جلووں اور تجلّیوں سے معمور رہتا ہے۔

۴۔ اس (عشق) کے اندرونی تب و تاب سے علم و فن وجود میں آتے ہیں، اس کے بیشمار ہنروں سے آگاہ جنوں سے علم و فن پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے علم و ہنر انسانی فلاح کا باعث بنتے ہیں اور وہ قدرت کے تقاضا کے مطابق ہیں۔ بصورت دیگر وہ غیر فطری بھی ہوں گے اور انسان کے لیے نقصان دہ بھی۔

۵۔ آدابِ عشق کے بغیر دین پختہ/ مضبوط نہیں ہوتا۔ تو (زندہ رود) اہل عشق کی صحبت و نگاہ سے دین حاصل کر۔ گویا پختہ دین ظاہری علم اور مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

فلکِ مشتری

ارواحِ جلیلۂ حلاج و غالبؔ و قرۃ العین طاہرہ کہ بہ نشیمن بہشتی نگرویدند و بگردش جاوداں گرائیدند

(حلاج اور غالب اور قرۃ العین طاہرہ کی عظیم روحیں جو بہشتی نشیمن/گھر کی طرف مائل نہ ہوئیں اور مسلسل و جاوداں گردش کی طرف راغب رہیں)

۱- من فدائے ایں دلِ دیوانہ ے — ہر زماں بخشد دگر ویرانہ ے
۲- چوں بگیرم منزلے گوید کہ خیز — مردِ خود رس بحر را داند قفیز
۳- زانکہ آیاتِ خدا لا انتہاست — اے مسافر جادہ را پایاں کجاست
۴- کارِ حکمت دیدن و فرسودن است — کارِ عرفاں دیدن و افزودن است
۵- آں بسنجد در ترازوے ہنر — ایں بسنجد در ترازوئے نظر
۶- آں بدست آورد آب و خاک را — ایں بدست آورد جانِ پاک را
۷- آں نگہ رابر تجلی می زند — ایں تجلی را بخود گم می کند

۱- میں اپنے اس دیوانے دل کے صدقے جاؤں جو ہر لمحہ مجھے ایک نیا ویرانہ عطا کرتا ہے یعنی مجھے نت نئی منزل کی تلاش پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔

۲- جب میں ایک منزل پر ٹھہرتا ہوں تو وہ (دل) مجھے کہتا ہے، اٹھ جا، اس لیے کہ ایک خودرس آدمی تو سمندر کو پیالہ سمجھتا ہے یعنی بڑی سے بڑی منزل پر بھی رکنا یا ٹھہرنا پسند نہیں کرتا۔

۳- چونکہ خدا کی نشانیوں کی کوئی حد نہیں ہے، اس لیے اے مسافر بھلا راستے کی انتہا کہاں ہے۔ گویا مرد خودرس کے لیے ہر منزل ایک نئی منزل کی طرف گامزن ہونے کا باعث بنتی ہے اور وہ مسلسل چلتا رہتا ہے۔

۴- حکمت و فلسفہ کا کام دیکھنا اور گھسنا (پیچھے ہٹنا) ہے جبکہ عرفان و معرفت کا کام دیکھنا اور بڑھنا یعنی آگے بڑھنا ہے۔ مطلب یہ کہ عقل پہلے کوئی نظریہ قائم کرتی ہے پھر خود ہی اسے غلط قرار دے دیتی ہے جبکہ معرفت و عرفاں کے مقرر کردہ نظریات یقینی ہوتے ہیں جن کی بنا پر ایک عارف رواں دواں رہتا ہے۔

۵- وہ (حکمت) ہر شے کو ہنر کے ترازو میں تولتی ہے جبکہ یہ (معرفت) ہر شے کو نظر کے ترازو میں تولتی ہے۔ گویا عقل دلیل سے کسی چیز کو جانچتی ہے لیکن معرفت عشق سے

جا پہنچتی ہے۔

۶۔ وہ (حکمت) آب و خاک کو اپنی گرفت میں لائی جبکہ یہ (معرفت) جانِ پاک کو گرفت میں لائی۔ حکمت و فلسفہ اور سائنسی علوم مادیت ہی میں الجھے رہتے ہیں جبکہ معرفت روحانی تجلیوں سے فیض پاتی ہے۔

۷۔ وہ (حکمت) نگاہ کو گویا تجلی کو سمجھنے میں صرف کرتی ہے جبکہ یہ (معرفت) تجلی کو خود میں گم کر لیتی ہے، جذب کر لیتی ہے۔

۸۔ در تلاشِ جلوہ ہائے پے بہ پے ۔۔۔ طے کنم افلاک و می نالم چونے

۹۔ ایں ہمہ از فیضِ مردے پاک زاد ۔۔۔ آں کہ سوزِ او بجانِ من فتاد

۱۰۔ کاروانِ ایں دو بینائے وجود ۔۔۔ برکنارِ مشتری آمد فرود

۱۱۔ آں جہاں آں خاکدانے ناتمام ۔۔۔ در طوافِ او قمر ہا تیز گام

۱۲۔ خالی از مے شیشۂ تاکش ہنوز ۔۔۔ آرزو نارستہ از خاکش ہنوز

۱۳۔ نیم شب از تابِ ماہاں نیم روز ۔۔۔ نے برودت در ہوائے او نہ سوز

۱۴۔ من چوسوے آسمان کردم نظر ۔۔۔ کوکبش دیدم بخود نزدیک تر

۱۵۔ ہیبتِ نظارہ از ہوشم ربود ۔۔۔ شد دگرگوں نزد و دور و دیر و زود

۱۶۔ پیشِ خود دیدم سہ روحِ پاکباز ۔۔۔ آتش اندر سینۂ شاں گیتی گداز

۱۷۔ در برِ شاں حلہ ہائے لالہ گوں ۔۔۔ چہرہ ہا رخشندہ از سوزِ دروں

۱۸۔ در تب و تابے زہنگامِ الست ۔۔۔ از شرابِ نغمہ ہائے خویش مست

۱۹۔ گفت رومی "ایں قدر از خود مرو ۔۔۔ از دمِ آتش نوایاں زندہ شو

۲۰۔ شوقِ بے پروا ندیدستی، نگر ۔۔۔ زورِ ایں صہبا ندیدستی، نگر

۲۱۔ غالب و حلاج و خاتونِ عجم ۔۔۔ شورہا افگندہ در جانِ حرم

۲۲۔ ایں نواہا روح را بخشد ثبات ۔۔۔ گرمیِ او از درونِ کائنات

۸۔ میں نت نئے جلوے کی تلاش میں میں افلاک کو طے کر رہا اور بانسری کی طرح نالہ و فریاد کرتا ہوا چلا جا رہا ہوں۔

۹۔ یہ سب اس پاک زاد مرد یعنی رومؔی کا فیض ہے، یہ وہ ہستی ہے جس کا سوزِ عشق میری جان میں آ گیا ہے۔

۱۰۔ کائنات کو دیکھنے والے ان دو مسافروں کا قافلہ اب مشتری کے کنارے پر آ اترا۔

۱۱- وہ جہاں (فلک مشتری) ایک ناقص سرزمین تھی جس کے طواف میں کئی چاند تیزی سے چکر لگا رہے تھے۔

۱۲- اس کی انگور کی بیل کا شیشہ ابھی تک خالی تھا اور آرزو ابھی تک اس کی خاک سے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ گویا اس کی زمین میں کچھ اگنے اگانے اور زندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔

۱۳- چاندوں کی روشنی کے باعث اس کی آدھی رات دوپہر کی مانند روشن تھی۔ اس کی ہوا/ فضا میں نہ تو ٹھنڈک تھی اور نہ کوئی گرمی ہی تھی۔

۱۴- جب میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو اس کے ایک ستارے کو اپنے بہت قریب پایا۔ ستارہ یعنی مشتری۔

۱۵- اس نظارے کی ہیبت نے تو میرے ہوش اڑا دیے، جس کے نتیجے میں سب نزدیک اور دور اور دیر اور جلدی بدل گئے یعنی یہاں کے زمان و مکاں ہمارے زمان و مکاں سے بالکل مختلف تھے۔

۱۶- وہاں میں نے اپنے سامنے تین پاکباز روحیں دیکھیں۔ ان کے سینوں میں جو آگ تھی (یعنی آتش عشق) وہ کائنات کو پگھلا دینے والی تھی۔ گویا وہ ہستیاں اپنی زندگی میں جذبۂ عشق سے بہت سرشار تھیں۔

۱۷- ان کے پہلوؤں میں لالہ کے سے رنگ کی سرخ چادریں تھیں اور ان کے چہرے ان کے سوز باطن کے باعث چمک رہے تھے، روشن تھے۔

۱۸- وہ ہنگام الست سے تب و تاب میں تھے (فرہنگ دیکھیے) وہ اپنے نغموں کی شراب سے مست تھے (یا وہ روحیں مست تھیں) گویا اہل عشق دنیا میں بھی آ کر اس سوز الست میں زندگی بسر کرتے اور اسی کے نغمے گا کر اپنی زندگی کو پر لطف بناتے ہیں۔ گویا ان کی روحوں نے جس سوز و جذبہ کے ساتھ روز الست وعدہ کیا تھا وہ دنیا میں آ کر بھی ان میں برقرار رہتا ہے۔

۱۹- رومیؔ مجھ سے کہنے لگے کہ تو اس قدر بے خود نہ ہو جا۔ ان آتش نواؤں کے دم سے زندہ ہو جا۔

۲۰- تو نے اب تک بے پروا عشق نہیں دیکھا، اب دیکھ لے۔ تو نے اس شراب کا زور نہیں دیکھا اب دیکھ لے۔

۲۱- غالبؔ اور حلاج اور ایرانی خاتون (قرۃ العین طاہرہ) جنھوں نے حرم (کعبہ) کی

جان میں شور برپا کر رکھا ہے، انہیں دیکھ کر ان کی نوائیں سن۔

۲۲۔ یہ نوائیں روح کو ثبات عطا کرتی ہیں، اس لیے کہ ان کی گرمی کائنات کے اندر سے ہے۔ گویا ان سے کائنات کے اسرار ورموز منکشف ہوتے ہیں۔

نوائے حلاج (حلاج کی باتیں)

۱۔ زخاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست — تجلی دگرے در خورِ تقاضا نیست

۲۔ نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست — جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست

۳۔ بہ ملکِ جم ندہم مصرعِ نظیریؔ را — ''کسے کہ کشتہ نشد از قبیلہ ما نیست''

۴۔ اگرچہ عقلِ فسوں پیشہ لشکرے انگیخت — تو دل گرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست

۵۔ تو رہ شناس نہ ای وزمقام بے خبری — چہ نغمہ ایست کہ در بربطِ سلیمیٰ نیست

۶۔ زقید و صید نہنگاں حکایتے آور — مگو کہ زورقِ ما روشناسِ دریا نیست

۷۔ مریدِ ہمتِ آں رہ رَوم کہ پانگذاشت — بہ جادہ ے کہ درو کوہ ودشت ودریا نیست

۸۔ شریکِ حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش — حذر زبیعتِ پیرے کہ مردِ غوغا نیست

۱۔ تو اپنی خاک سے وہ آگ طلب کر جو ظاہر نہیں ہے۔ کسی اور کی تجلی طلب اور خواہش کے لائق نہیں ہے۔ گویا تو صرف اپنا نظارہ کر اس لیے کہ تو خالق کا شاہکار ہے۔ تیری اپنی تجلی کسی سے کم نہیں ہے۔ جب تو یہ تجلی دیکھ لے گا۔ تو خود بخود تجھے اس خالق کائنات کی تجلی نظر آنے لگے گی۔

۲۔ میں نے اپنے آپ پر نظر کچھ اس طرح جما رکھی ہے کہ محبوبِ حقیقی کے جلوے نے تو کائنات کو احاطہ کر رکھا ہے جبکہ مجھے اسے دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ میں جو اپنی تجلی میں مست ہوں تو یہ درحقیقت اسی محبوب کی تو ہے پھر بھلا باہر کیا دیکھوں۔ ہاں اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنی معرفت سے آگاہ یا خود آشنا ہوا جائے، اسی صورت میں خدا آشنا ہوا جا سکتا ہے۔

۳۔ میں نظیریؔ کے اس مصرعے کو ملک جم کے عوض بھی دینے کو تیار نہیں ہوں، اس میں نظیری نے کہا ہے کہ جو کوئی مارا نہیں گیا وہ ہمارے قبیلے سے نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حقیقی عاشق وہی ہے جو محبوب پر جان نثار کر دے، بصورت دیگر وہ عاشق نہیں ہے۔

یہ نظیری کی غزل کے مطلع کا دوسرا مصرع ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

گریزد از صف ماہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلہ ما نیست

۴- اگر چہ جادوگر عقل نے ایک لشکر اکٹھا کر رکھا ہے، تاہم تو غمگین نہ ہو، اس لیے کہ عشق تنہا نہیں ہے یعنی اگر چہ عقل نے عشق کو شکست دینے یا نیچا دکھانے کے لیے طرح طرح کی دلیلیں گھڑ رکھی ہیں لیکن عشق بذات خود ایک لشکر ہے، اس لیے عاشق کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔

۵- تو راستے سے واقف نہیں ہے اور مقام/منزل سے بے خبر ہے، ورنہ کونسا نغمہ ہے جو سلیٰمی کے بربط میں نہیں ہے۔ گویا تو عشق کی راہ و رسم/طور طریقوں اور اس کی قوت اور رسائی سے آگاہ نہیں ہے، ورنہ دین و دنیا یا اسلامی زندگی کے حسن کی کونسی بات ہے جو عشق کی رسائی سے باہر ہے۔

۶- تو مگرمچھوں کو شکار اور ان کو قید کرنے کی بات کر، یہ مت کہہ کہ ہماری کشتی سمندر سے آشنا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ عاشق ساحل پر آرام یا سیر نہیں کرتا بلکہ سمندر کے مگرمچھوں یا طوفانوں سے ٹکراتا اور نبرد آزما رہتا ہے۔ وہ سکون یا راحت پسند نہیں ہے، مشکلات میں خوش رہتا ہے کہ ان سے اسے اپنی قوتیں اور اہلیتیں آزمانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ علامہ نے ایک جگہ یہ کہا ہے کہ ساحل پر بزم آراستہ نہ کر کہ وہاں نوائے زندگی بڑی ہلکی ہے۔ تو سمندر میں کود جا اور اس کی موجوں سے الجھ جا کہ حیات جاوداں اسی کشمکش میں ہے:

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلت و با موجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

۷- میں اس راہرو/مسافر کی ہمت کا مرید ہوں جس نے کسی ایسے راستے پر قدم نہ رکھا جس میں کوئی وادی اور پہاڑ اور دشت و دریا نہیں ہیں۔ گویا مشکلات سے ٹکرا جانے والا لائق احترام و عزت ہے۔ مشکل پسندی پر غالب کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں

جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

۸۔ تو شراب پینے والے رندوں کے حلقے میں شریک ہو جا۔ تو اس پیر کی بیعت سے بچ جو جوش و جذبہ اور جہد و عمل کی زندگی سے ناآشنا ہے۔ ایسا پیر رہبانیت کا قائل ہے جو ایک بیکار زندگی ہے۔ تو کسی ایسے پیر کا مرید بن جو ہنگاموں اور مشکلات سے ٹکرا جانے کا سبق دیتا ہو۔

نوائے غالب

(غالب کا کلام یا غالب کا نغمہ)

۱۔ "بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم — قضا بگردشِ رطل گراں بگردانیم
۲۔ اگر زشحنہ بود گیر و دار نندیشیم — وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم
۳۔ اگر کلیم شود ہم زباں سخن نکنیم — وگر خلیل شود میہماں بگردانیم
۴۔ بجنگ باج ستانانِ شاخساری را — تہی سبد ز در گلستاں بگردانیم
۵۔ بہ صلح بال فشانانِ صبح گاہی را — ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم
۶۔ زحیدریم من و توز ما عجب نبود — گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم"

۱۔ (یہ ساری غزل غالب کی اپنی اور موضوع کے لحاظ سے مسلسل اور خاصی مشہور غزل ہے) اے محبوب! تو آ کہ ہم آسمان کے دستور میں تبدیلی لائیں (بدل ڈالیں) اور قضا و قدر کے دستور کو رطل گراں کی گردش سے بدل ڈالیں یعنی آسمان کی گردش سے انسانوں کی تقدیر وابستہ ہے، ہم دونوں (عاشق و معشوق) ایک ایسی دنیا وجود میں لائیں جو ہمیں پسند ہو یا ہماری مرضی و خواہش کے مطابق ہو۔ جیسا کہ ملاحظہ ہوگا' اس غزل میں عام ڈگر سے ہٹ کر اظہارِ خیال ہے۔ تاہم راقم کا یہ خیال غلط نہ ہوگا کہ غالب نے اس ضمن میں حافظ شیرازی سے استفادہ کیا ہے۔ حافظ کی غزل کا مشہور مطلع ہے:

بیا تا گل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم

۲۔ اگر کوتوال کی طرف سے کوئی گرفت یا باز پرس/ پرسش ہو تو ہم کوئی پروا نہ کریں، بے خوف رہیں اور اگر بادشاہ کی طرف سے بھی ہمیں کوئی تحفہ آئے تو ہم واپس کر دیں۔ یعنی ہم اپنی خلوت میں مخل ہونے/ خلل انداز ہونے کی کوئی بھی صورت پیدا نہ ہونے دیں،

گویا ہم اربابِ اقتدار اور ان کی ہم سے مخالفت سے بے پروا اور بے خوف رہیں۔

۳۔ اگر حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ بھی ہم سے باتیں کرنا چاہیں تو ہم ان سے بات نہ کریں اور اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی ہمارے مہمان ہونا چاہیں تو انہیں ہم واپس بھیج دیں۔ مطلب یہ کہ ہم دونوں (عاشق و معشوق) اپنی خلوت میں کسی کو بھی مخل نہ ہونے دیں۔

۴۔ ہم صبح کے وقت پودوں کی ٹہنیوں سے پھول چننے والے باغبانوں کو سختی سے روک دیں اور یوں انہیں خالی ٹوکری کے ساتھ گلستان کے دروازے ہی سے واپس بھیج دیں۔ گویا رات کے تصور میں وہ لوٹ جائیں۔

۵۔ صبح سویرے جو پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل کر شاخوں پر آ بیٹھے ہوں انہیں پیار و محبت سے صلح و آشتی کے ساتھ واپس ان کے گھونسلوں کی طرف بھیج دیں۔ اس سے پہلے شعر میں باغبانوں کے لیے سخت برتاؤ کی بات کی ہے اور پرندوں کے معاملے میں صلح و آشتی سے کام لیا ہے تاکہ ان کا دل نہ دکھے۔ ان تمام اشعار میں، مختلف صورتوں میں، عاشق و معشوق کی خلوت میں مخل ہونے والوں کو اس کا موقع نہ دینے کی بات کی ہے۔

۶۔ ہم دونوں حیدرؓ سے وابستہ یا ان کے پیروکار ہیں، اس لیے اگر ہم سورج کو مشرق کی طرف لوٹا دیں تو یہ تعجب کی بات نہ ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک موقع پر حضور اکرمؐ حضرت علیؓ کی ران پر سر رکھے سو رہے تھے، سورج غروب ہونے والا تھا، حضورؐ نے ہاتھ کے اشارے سے سورج کو مغرب سے مشرق کی طرف لوٹا دیا تھا۔ بعض کے مطابق اس معجزے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ایک موقع پر حضرت علیؓ حضور اکرمؐ کی معیت میں تھے، سورج غروب ہونے والا تھا جس کے باعث حضرت علیؓ کی نمازِ عصر قضا ہو رہی تھی، حضورؐ نے اپنے معجزاتی ہاتھ سے سورج کو کچھ دیر کے لیے مشرق کی طرف لوٹا دیا اور یوں انہیں (حضرت علیؓ کو) نماز عصر پڑھنے کا موقع مل گیا۔

نوائے طاہرہ

(قرۃ العین طاہرہ کی نوا/کلام)

۱۔ گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ روبرو — شرح دہم غم ترا نکتہ بہ نکتہ مو بمو

۲۔ از پے دیدنِ رخت ہمچو صبا فتادہ ام — خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

۳۔ می رود از فراقِ تو خونِ دل از دو دیدہ ام ۔۔۔ دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بجو
۴۔ مہرِ ترا دلِ حزیں بافتہ بر قماشِ جان ۔۔۔ رشتہ بہ رشتہ نخ بہ نخ تار بہ تار پو بہ پو
۵۔ در دلِ خویش طاہرہ گشت و ندید جز ترا ۔۔۔ صفحہ بہ صفحہ لا بہ لا پردہ بہ پردہ تو بتو

۱۔ اگر تجھ پر میری نظر کچھ اس انداز سے پڑے کہ تو میرے بالکل سامنے ہو اور تیرہ چہرہ میرے چہرے کے سامنے ہو تو پھر میں تیرے غم عشق کی شرح ایک ایک گھری بات اور رمز کے ساتھ بیان کروں۔ گویا مذکورہ صورتِ حال میں میں اپنی حالت پوری طرح کھل کر بیان کر دوں۔

۲۔ تیرا چہرہ دیکھنے کی خاطر میں صبح کی نرم و لطیف ہوا کی مانند چلی پھری ہوں اور اس سلسلے میں گھر گھر، در در اور کوچہ کوچہ اور گلی گلی پھری ہوں۔ گویا تیری تلاش میں کوئی کونہ کھدرا نہیں چھوڑا۔

۳۔ تیرے فراق میں میرا خونِ دل میری دونوں آنکھوں سے رواں ہے/ بہہ رہا ہے، اور وہ دریا دریا، سمندر سمندر، چشمہ چشمہ اور ندی ندی بہہ رہا ہے، یعنی بہت زیادہ بہہ رہا ہے۔

۴۔ میرے غمزدہ دل نے تیری محبت کو جان کے قماش پر بن لیا ہے، دھاگا دھاگا، نخ نخ، تار تار اور تانا بانا خوب ملا کر بن لیا ہے۔ یعنی میرے دل میں تیری بے پناہ محبت ہے۔

۵۔ طاہرہ اپنے دل میں گھومی پھری اور اس میں اس نے تیرے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ صفحہ صفحہ، گوشہ گوشہ پردہ پردہ اور تہ بہ تہ۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ میرے دل کے ایک ایک گوشے میں تو خوب سمایا ہوا ہے۔

(ارواحِ جلیلہ کی باتیں ختم ہوئیں۔ اب اگلے شعر زندہ رود بیان کرنے لگا ہے)

۱۔ سوز و سازِ عاشقانِ دردمند ۔۔۔ شورہائے تازہ در جانم فگند
۲۔ مشکلاتِ کہنہ سر بیروں زدند ۔۔۔ باز بر اندیشہ ام شبخون زدند
۳۔ قلزمِ فکرم سراپا اضطراب ۔۔۔ ساحلش از زورِ طوفانی خراب
۴۔ گفت رومی "وقت را از کف مدہ ۔۔۔ اے کہ می خواہی کشودِ ہر گرہ
۵۔ چند در افکارِ خود باشی اسیر ۔۔۔ ایں قیامت را بروں ریز از ضمیر"

۱۔ مذکورہ اہل درد عاشقوں (حلاج وغیرہ) کے پرسوز جذبوں نے میری (زندہ رود کی) جان میں نئے ہنگامے برپا کر دیے۔ یعنی ان کے ایسے جذبوں سے مجھ میں بھی جوش و

ولولہ پیدا ہونے لگا۔

۲- پرانی مشکلات نے (پھر) سر اٹھایا اور ایک مرتبہ پھر میری فکر پر شب خون مارا۔ گویا پھر میری فکر کو عشق کے سوز و درد سے متعلق سوچنے پر ابھارا۔

۳- میری فکر کا سمندر پوری طرح طوفان خیز بن گیا اور طوفان کی شدت کے باعث اس کا ساحل خراب/ ویران ہو گیا۔ گویا میری فکر نے میرے اندر باہر بیقراری کی شدت پیدا کر دی جس کے نتیجے میں میں اپنی مشکلات کے حل کے لیے اضطراب کا شکار ہو رہا تھا۔

۴- میری یہ حالت دیکھ کر رومیؒ بولے تو جو اپنی ہر مشکل کے حل کا خواہاں ہے، تو وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دے (مت ضائع کر)

۵- تو (زندہ رود) کب تک اپنے افکار کا اسیر رہے گا یا ان میں کھویا رہے گا۔ تو اس قیامت کو اپنے ضمیر سے باہر نکال۔ مطلب یہ کہ تو کب تک اپنی مشکلات کسی کے آگے ظاہر نہیں کرے گا۔ اس وقت موقع ہے، تیرے سامنے ارواحِ جلیلہ موجود ہیں تو ان سے اپنا فکری اضطراب بیان کرتا کہ وہ تجھے اس کا حل بتائیں۔ (چنانچہ اب وہ اظہار اس کا حل شروع ہو رہا ہے۔)

زندہ رود مشکلاتِ خود را پیشِ ارواحِ بزرگ می گوید

(زندہ رود اپنی مشکلات ان ارواحِ جلیلہ کے سامنے بیان کرتا ہے)

= از مقامِ مومناں دوری چرا؟ یعنی از فردوس مہجوری چرا؟

= مومنوں کے مقام سے دور رہنا کیوں، کس لیے؟ یعنی فردوس سے باہر رہنا کس لیے؟ گویا یہ حلاج سے کہا جا رہا ہے کہ تم جیسی عظیم اور بزرگ ہستی کو تو جنت میں ہونا چاہیے جبکہ تم اس سے باہر گھوم پھر رہے ہو۔ حالانکہ لوگ تو جنت کے حصول کے لیے سراپا تمنا اور دعا بنے ہوتے ہیں۔ (اس پر حلاج کی روح جواب دیتی ہے۔)

حلاج

۱- مردِ آزادے کہ داند خوب و زشت می نگنجد روحِ او اندر بہشت

۲- جنتِ ملا مے و حور و غلام جنتِ آزادگاں سیرِ دوام

۳- جنت ملا خور و خواب و سرود	جنتِ عاشق تماشائے وجود
۴- حشر ملا شق قبر و بانگِ صور	عشقِ شور انگیز خود صبح نشور
۵- علم بربیم و رجا دارد اساس	عاشقاں را نے امید و نے ہراس
۶- علم ترساں از جلالِ کائنات	عشق غرق اندر جمالِ کائنات
۷- علم را بر رفتہ و حاضر نظر	عشق گوید آں چہ می آید نگر
۸- علم پیماں بستہ با آئینِ جبر	چارۂ او چیست غیر از جبر و صبر
۹- عشق آزاد و غیور و ناصبور	در تماشائے وجود آمد جسور
۱۰- عشقِ ما از شکوہ ہا بیگانہ ایست	گرچہ اورا گریۂ مستانہ ایست
۱۱- ایں دلِ مجبورِ ما مجبور نیست	ناوکِ ما از نگاہِ حور نیست
۱۲- آتشِ مارا بیفزاید فراق	جانِ مارا سازگار آید فراق
۱۳- بے خلشہا زیستن، نازیستن	باید آتش در تہِ پا زیستن
۱۴- زیستن ایں گونہ تقدیرِ خودی است	از ہمیں تقدیر تعمیرِ خودی است
۱۵- ذرہ ے از شوقِ بے حد رشکِ مہر	گنجد اندر سینۂ او نہ سپہر
۱۶- شوق چوں بر عالمے شب خون زند	آنیان را جاودانی می کند

۱- ایک آزاد مرد جو اچھے اور برے کی تمیز سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے، اس کی روح بہشت میں نہیں سما سکتی۔

۲- ملا کی جنت تو شراب (شرابِ طہور) حور اور غلماں والی جنت ہے جبکہ آزاد لوگوں کی جنت مسلسل سیر/گردش کرنا ہے یعنی وہ ملا کی طرح ان آسایشوں لذتوں میں نہیں کھو جاتے بلکہ انہیں اپنے آگے بڑھنے یعنی وہاں بھی روحانی مدارج طے کرنے میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد تو محبوب حقیقی کا دیدار ہوتا ہے۔

۳- ملا کی جنت کھانا پینا اور سونا اور موسیقی سننا ہے جو گویا جنت کا عیش ہے۔ (اس کے برعکس) ایک عاشق کی جنت وجود یعنی محبوب حقیقی کے دیدار کی خواہش ہے۔

۴- ملا کے مطابق حشر، قبر کے کھلنے اور بانگ صور پر مردوں کے اٹھنے کا نام ہے جبکہ ہنگامہ برپا کرنے والا عشق خود قیامت کی صبح ہے۔ گویا ایک عاشق اپنے جذبہ ہائے صادق کی بنا پر قیامت سے پہلے ہی اسے (قیامت کو) دیکھ لیتا ہے۔ وہ اپنی زندگی ہی میں حشر و نشر کی کیفیات سے گذر کر محبوب حقیقی کے دیدار سے مشرف ہو جاتا ہے۔

۵- علم و حکمت کی بنیاد خوف اور امید پر ہے جبکہ عاشق کے لیے نہ تو امید کی کوئی کیفیت ہوتی ہے اور نہ خوف و ہراس کی۔ گویا علم اس کے لیے امید و بیم کا شکار رہتا ہے کہ خدا جانے حشر میں کیا صورتِ حال ہوگی لیکن اس کے برعکس عاشق مشاہدہ حق کی طرف گامزن ہونے کے باعث امید و بیم سے بے نیاز رہتا ہے۔

۶- علم کائنات کے جلال سے خوفزدہ رہتا ہے جبکہ عاشق کائنات کے جمال میں غرق/محو ہوتا ہے۔ گویا اہل علم و زہد خدا کی ہیبت سے دبے رہتے ہیں۔ وہ احکام الٰہی سے تو باخبر ہوتے ہیں لیکن اس کی ذات و صفات سے بے خبر رہتے ہیں، جبکہ ایک عاشق حقیقی اس ذاتِ حق کے جمال میں محو ہونے کے باعث اس قسم کی باتیں سوچنے کی فرصت ہی نہیں پاتا۔

۷- علم کی نظر صرف ماضی اور حال پر ہوتی ہے جبکہ عشق کہتا ہے کہ دیکھ کیا آئے گا، آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے اس پر نظر ڈال۔ گویا صاحب علم دنیا میں اپنے اعمال کے حوالے سے سوچتا ہے کہ اسے ان کا آخرت میں کیا صلہ ملے گا جبکہ ایک عاشق اعمال کو دیکھنے جانچنے کی بجائے ان کے نتیجوں سے آگاہ ہو جاتا ہے جو حشر میں اس کے سامنے آئیں گے، چنانچہ اسی بنا پر وہ مطمئن رہتا ہے۔

۸- علم نے جبر کے آئین سے عہد و پیمان کر رکھا ہے، لہٰذا جبر اور صبر کے سوا اس کا اور چارہ کیا ہے۔ گویا وہ انسان کو مجبورِ محض سمجھتا ہے، اسی بنا پر جو کچھ اسے پیش آتا ہے اسے وہ قبول کر کے صبر اختیار کر لیتا ہے۔

۹- (علم کے برعکس) عشق آزاد اور غیرت مند اور بے صبر ہے۔ وہ وجود (محبوب حقیقی) کے دیدار کے معاملے میں بے باک اور دلیر ہے۔ بے صبری اس لحاظ سے کہ وہ جلد اس دیدار سے مشرف ہونا چاہتا ہے۔

۱۰- ہمارا عشق شکووں شکایتوں سے ناآشنا ہے، وہ الگ بات کہ اس کی گریہ وزاری مستی کی گریہ وزاری ہے۔ یعنی وہ محبوب حقیقی کی رضا کے آگے سر تسلیم خم رکھتا ہے (سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔) شکوہ و شکایت سے دور رہتا ہے۔ اس کا رونا جذبہ عشق کے باعث فراق و وصل کا رونا ہے۔

۱۱- ہمارا یہ مجبور دل مجبور نہیں ہے۔ ہم پر چلنے والا تیر حور کی نگاہ سے نکلا ہوا نہیں ہے۔ گویا عاشق حقیقی حور و غلماں کی خواہش و تمنا نہیں رکھتے بلکہ ان کی مجبوری جذبہ عشق کی مجبوری ہے، جو بقول غالبؔ:

عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

۱۲۔ ہجر و فراق ہم عاشقوں کی آگ کو تیز کرتا ہے اور فراق ہی ہماری جان کے موافق ہے۔ گویا فراق میں تو عاشق کے عشق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے جبکہ وصل میں وہ طلب و جذبہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ بقولِ مومن خاں مومنؔ:

مرگ ہے انتہائے شوق یاں رہی ابتدائے عشق
زندگی اپنی ہوگئی رنجشِ بار بار میں

۱۳۔ دل میں عشق کے کانٹوں کی چبھن کے بغیر جینا کوئی جینا نہیں۔ ضروری ہے کہ عاشق پاؤں کے نیچے آگ کے ساتھ جیے۔ یعنی عاشق کے لیے مسلسل بیقرار رہنا ہی اصل زندگی ہے اور ایسا فراق ہی میں ممکن ہے۔

۱۴۔ اس طور (بیقراری کی حالت میں) جینا خودی کی تقدیر ہے، اور اسی تقدیر سے خودی کی تعمیر ہوتی ہے۔ گویا اس ذاتِ حق نے خودی کی تخلیق کچھ اس انداز میں کی ہے کہ وہ ہجر سے دوچار رہے۔ اس لیے کہ اسی ہجر کی بنا پر دیدار ایزدی کی تڑپ پیدا ہوگی اور اسی وجہ سے اس ذات کی تلاش ہوگی۔

۱۵۔ ایک ذرہ اپنے اندر بے حد شوق کے باعث سورج کے لیے باعث رشک بن جاتا ہے اور یوں اس کے سینے میں نو آسمان سما جاتے ہیں۔ گویا ذرے میں بھی اگر جذبۂ عشق پیدا ہو جائے تو اس صفت کی بنا پر سورج کی بھی یہ خواہش ہو جاتی ہے کہ وہ بھی اس صفت یا ان صفات کا مالک بن جائے۔ گویا جب کوئی انسان عشق حقیقی سے سرشار ہو جاتا ہے تو تمام کائنات حتیٰ کہ عرش و کرسی بھی اس میں سما جاتی ہے۔

۱۶۔ جب شوق/عشق کسی جہان پر شب خون مارتا ہے تو فانی زندگی والوں کو جاودانی بنا دیتا ہے۔ عشقِ حقیقی کی بدولت عاشق میں خدائی صفات پیدا ہو جاتی ہیں جو اس کی بقا کا باعث بنتی ہیں۔

زندہ رود

۱۔ گردشِ تقدیر مرگ و زندگیست   کس نداند گردشِ تقدیر چیست

5907

۱- تقدیر کی گردش موت اور زندگی ہے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ تقدیر کی گردش کیا ہے؟ گویا زندگی اور موت اسی گردش کا نتیجہ ہے اور اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ ذرا تقدیر کی گردش کی وضاحت فرمائیے۔

حلاج

۱- ہر کہ از تقدیر دارد ساز و برگ لرزد از نیروئے او ابلیس و مرگ
۲- جبر دینِ مردِ صاحب ہمت است جبرِ مرداں از کمالِ قوت است
۳- پختہ مردے پختہ تر گردد ز جبر جبر مردِ خام را آغوشِ قبر
۴- جبر خالد عالمے برہم زند جبرِ ما بیخ و بن ما برکند
۵- کارِ مردان است تسلیم و رضا برضیعفان راست ناید ایں قبا
۶- تو کہ دانی از مقامِ پیرِ روم می ندانی از کلامِ پیرِ روم؟
۷- "بود گبرے در زمانِ بایزید گفت او را یک مسلمانِ سعید
۸- خوشتر آں باشد کہ ایماں آوری تابدست آید نجات و سروری
۹- گفت "ایں ایماں اگر ہست اے مرید آں کہ دارد شیخِ عالم بایزید
۱۰- من ندارم طاقتِ آں تابِ آں کاں فزوں آمد زکوششہائے جاں" (رومیؒ)
۱۱- کارِ ما غیر از امید و بیم نیست ہر کسے راہمتِ تسلیم نیست
۱۲- اے کہ گوئی بودنی ایں بودٔ شد کارہا پابندِ آئین بودٔ شد
۱۳- معنیِ تقدیر کم فہمیدہ ای نے خودی رانے خدا را دیدہ ای
۱۴- مردِ مومن با خدا دارد نیاز باتو ما سازیم تو با ما بساز
۱۵- عزمِ او خلاقِ تقدیر حق است روز ہیجا تیرِ او تیرِ حق است

۱- جو کوئی تقدیر کا ساز و سامان رکھتا ہے اس کی طاقت سے ابلیس اور موت دونوں پر کپکپی طاری رہتی ہے

۲- جبر، صاحبِ ہمت مرد کا دین ہے اور مردوں/ دلیروں کا جبر قوت کے کمال سے ہے۔ جبر سے مراد اس خالق کی تخلیق شدہ تقدیر کو تسلیم و قبول کرتے ہوئے ہر طرح کے خوف و ہراس یا مصیبت سے بے پروا رہنا ہے، اس لیے کہ یہ سب کچھ خالق کی

طرف سے ہے لہٰذا:

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

یہ اندازِ زندگی صرف مردان ہمت یا مردانِ مومن کا ہے۔

۳۔ ایک پختہ یعنی کامل مرد جبر سے اور بھی زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مردِ خام کے لیے جبر قبر کی آغوش (موت) بنتا ہے۔ تقدیر پر ایمان کامل رکھنے والا باہمت اور دلیر انسان ہے اور جب وہ عملی طور پر اس ایمان و یقین کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس میں اور کمال و پختگی آ جاتی ہے، اس کے برعکس تقدیرِ الٰہی پر ایمان نہ رکھنے والا کبھی حق کے لیے نبرد آزمانہ ہوگا اور یوں وہ موت سے بھی ڈرتا رہے گا اور شیطان کے فریب میں بھی پھنس کر اپنی زندگی بیکار کرلے گا۔

۴۔ (حضرت) خالدؓ کا جبر ایک دنیا کو تہ و بالا کر دیتا ہے جبکہ ہمارا جبر خود ہماری جڑ اور بنیاد اکھیڑ ڈالتا ہے۔ چونکہ حضرت خالد بن ولیدؓ کا تقدیر پر کامل ایمان تھا اس لیے انہوں نے موت سے بے خوف ہو کر اسلام کے لیے بڑے بڑے معرکے مارے اور دشمنوں کو زیر کیا۔ اس کے برعکس ایک عام آدمی موت سے ڈرتا ہے اور یوں وہ کوئی ایسا معرکہ نہیں مار سکتا۔ اس طرح اس کی زندگی ایک بیمار اور بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔

۵۔ تسلیم و رضا مردوں/ دلیروں کا کام ہے جبکہ ضعیفوں/ کمزوروں پر یہ قبا درست/ پوری نہیں آتی۔ صرف صاحبانِ ہمت ہی تسلیم و رضا کے عقیدے کو عملی طور پر اپناتے ہیں جبکہ کمزور لوگ اس عقیدے پر ایمان نہ رکھنے کے باعث خوف و ہراس ہی کا شکار رہتے ہیں۔

۶۔ (اے زندہ رود) تو جو پیرِ رومؒ (مولانا رومیؒ) کے مقام سے باخبر ہے، کیا تجھے پیر رومؒ کے اس کلام کا علم نہیں؟ (اگلے چار شعر رومی کے ہیں)

۷۔۸: حضرت بایزیدؒ کے زمانے میں ایک آتش پرست تھا۔ اس سے ایک نیک بخت مسلمان نے کہا کہ اچھی بات تو یہ ہے کہ تو ایمان لے آئے، اسلام قبول کرلے تاکہ آخرت میں تجھے نجات اور دنیا میں بلند مقام حاصل ہو۔

۹۔۱۰: اس پر وہ آتش پرست بولا کہ اے (بایزید کے) مرید اگر ایمان یہی ہے جو شیخِ عالم بایزیدؒ کا (ایمان) ہے تو مجھ میں اس کی طاقت نہیں ہے اور نہ اس کا حوصلہ ہی مجھ میں ہے، اس لیے کہ وہ (ایمانِ بایزیدؒ) تو جان کی کوششوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مطلب

یہ کہ صحیح ایمان تو بایزیدؒ ہی کا ہے، عام مسلمان اس سے عملاً دور ہیں۔ اس لیے ایسے مسلمانوں کے اسلام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میرا دل اس کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ یہ اشعار مولانا رومیؒ کی مثنوی معنی کے دفتر پنجم سے ہیں۔ عنوان ہے ''دعوت کردنِ مسلمانے گبرے را با سلام در عہدِ بایزیدؒ''

ایرانی نسخے کے مطابق دوسرا شعر یوں ہے:

که چه باشد گر تو اسلام آوری
تا بیابی صد نجات و سروری

اور تیسرے شعر میں ''ایمان'' کی بجائے ''اسلام'' ہے۔

۱۱- ہمارا معاملہ امید اور ڈر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہر کسی میں تسلیم و رضا پر یقین و ایمان رکھنے کی ہمت نہیں ہے۔ ہمارا سے مراد عام مسلمانوں کا۔ یہ یقین تو صرف اربابِ حوصلہ و ہمت کا ہے۔

۱۲- اے وہ انسان تو جو یہ کہہ رہا ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا وہ یہی تھا اور ہو گیا۔ کام/معاملے آئین کے پابند تھے، جیسے کہ ہونے تھے ہو گئے۔ مطلب یہ کہ تو نے تقدیر کا مطلب غلط سمجھا ہے اور اسی پر صابر و شاکر ہو کر جہد و عمل اور عزم و ہمت سے بیگانہ ہو گیا اور بیکار قسم کی زندگی بسر کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا ہو گیا، ہم تو بے بس ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں۔

۱۳- (تو جو مذکورہ بات کہہ رہا ہے) تو تو نے تقدیر کے معنی ہی نہیں سمجھے اور یوں تو نے نہ تو خودی کو دیکھا ہے اور نہ خدا ہی کو دیکھا ہے۔ اگر تو یہ صحیح سمجھ لیتا تو اپنی خودی سے بھی آگاہ ہو جاتا اور خدا کی صفات بھی تجھ میں پیدا ہو جاتیں اور یوں تجھے بلند مقام حاصل ہو جاتا۔

۱۴- مردِ مومن خدا کا نیاز مند ہے۔ اس کی یہ نیاز مندی اس طرح کی ہے کہ ہم تجھ (خدا) سے موافقت کرتے ہیں تو ہم سے موافقت کر یعنی ہم تیرے آگے سرِ تسلیم و رضا جھکاتے ہیں، تو ہمارے اس شیوہ کو قبول فرماتے ہوئے ہمیں سرخروئی و کامیابی سے نواز۔

۱۵- اس (مردِ مومن) کا ارادہ حق کی تقدیر کا خالق ہے۔ جنگ کے دن اس کا تیر حق کا تیر ہوتا ہے۔ گویا مذکورہ یقین و ایمان کی بدولت مومن کی مرضی خدا کی مرضی بن جاتی ہے۔ اگرچہ مذکورہ تیر مومن کی کمان سے چلتا ہے لیکن چلانے والی وہی ذاتِ حق ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں حضور اکرمؐ سے خطاب ہے۔ ارشادِ خداوندی

ہے کہ ''اے رسولؐ یہ کنکریاں تو نے نہیں ہم نے پھینکی تھیں۔'' علامہ نے یقیناً اسی آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا ہے۔

زندہ رود

۱- کم نگاہاں فتنہ ہا انگیختند — بندۂ حق را بدار آویختند
۲- آشکارا برتو پنہانِ وجود — بازگو آخر گناہِ توچہ بود

۱- بصیرت سے عاری لوگوں نے فتنے برپا کر دیے، انہوں نے ایک بندۂ حق کو پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا، سولی پر لٹکا دیا۔ بندۂ حق یعنی حلاج۔
۲- تجھ پر وجود کے بھید ظاہر ہیں، پھر ذرا یہ تو بتا کہ آخر تیرا گناہ کیا تھا (جو تجھے سولی پر لٹکا یا گیا)

حلاج

۱- بود اندر سینۂ من بانگِ صور — ملتے دیدم کہ دارد قصدِ گور
۲- مومناں باخوے و بوئے کافراں — ''لاالہٰ'' گویان و از خود منکراں
۳- ''امرِ حق''، گفتند نقشِ باطل است — زاں کہ او وابستۂ آب و گلِ است
۴- من بخود افروختم نارِ حیات — مردہ را گفتم ز اسرارِ حیات
۵- ازخودی طرحِ جہانے ریختند — دلبری باقاہری . آمیختند
۶- ہر کجا پیدا و ناپیدا خودی — برنمی تابد نگاہِ ما خودی
۷- نارہا پوشیدہ اندر نورِ اوست — جلوہ ہائے کائنات از طورِ اوست
۸- ہر زماں ہر دل دریں دیرِ کہن — ازخودی در پردہ می گوید سخن
۹- ہر کہ از نارش نصیبِ خود نبرد — درجہاں از خویشتن بیگانہ مرد
۱۰- ہند و ہم ایراں ز نورش محرم است — آنکہ نارش ہم شناسد آں کم است
۱۱- من زنور و نارِ اُو دادم خبر — بندۂ محرم! گناہِ من نگر
۱۲- آنچہ من کردم توہم کردی، بترس — محشرے بر مردہ آوردی بترس

۱- میرے سینے میں بانگِ صور تھی (جس سے مردے قیامت کے روز قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔) میں نے ایک ملت کو دیکھا کہ وہ قبر کا ارادہ کر رہی ہے۔ یعنی میرے دور کے مسلمان عملی اور ذہنی طور پر توحید سے بیگانہ ہو رہے تھے۔ ان کا یہ رویہ ان کی روحانی موت تھی۔ میں نے یہ صورتِ حال دیکھ کر توحید کا نعرہ لگایا تاکہ مسلمان ایسی موت کی طرف جانے سے رک جائیں۔

۲- (میرے دور کے) مومنوں کی خوبو کافروں کی سی تھی۔ زبان سے تو وہ ''لا الہٰ'' (توحید کا کلمہ) کہتے تھے لیکن اپنے آپ سے منکر تھے۔ وہ اپنی خودی اور اپنے خالق حقیقی سے ناآشنا تھے۔ وہ عملاً توحید کی طرف مائل نہ تھے۔

۳- ان مسلمانوں کا کہنا تھا کہ ''امرِ حق'' (فرہنگ.....) ایک باطل نقش ہے، اس لیے کہ اس کا تعلق بدن سے ہے۔ گویا وہ بدن کو روح پر فوقیت دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مادیت کی طرف زیادہ مائل تھے۔

۴- میں نے اپنے اندر زندگی کی آگ روشن کی اور اس طرح اسرارِ زندگی سے خود آگاہ ہو کر مردے یعنی مردوں کی سی زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کو زندگی کے راز بتائے۔

۵- میں (حلاج) نے ان سے کہا کہ قضا و قدر نے جہان کی بنیاد خودی پر رکھی ہے، اور اس نے یا کارکنانِ قضا و قدر نے دلبری (جمال) کو قاہری (جلال) سے ملا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ خودی میں یہ دونوں صفتیں موجود ہیں۔ اگر خودی میں صرف ایک صفت ہو تو وہ نامکمل ہوگی اور یوں وہ اچھے نتیجے پیدا نہ کر سکے گی۔

۶- خودی جہان میں ہر جگہ ہے۔ کہیں ظاہر ہے اور کہیں پوشیدہ۔ البتہ ہماری نگاہیں خودی کے جلوے کی تاب نہیں لاسکتیں۔ گویا ہم میں جہد و عمل کا جذبہ ہو تو ہم اس تجلی سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

۷- اس (خودی) کے نور کے اندر نار (آگ) چھپی ہوئی ہے۔ کائنات کے سارے جلوے اسی طور کی تجلیات کے ہیں۔ مطلب یہ کہ خودی کا تعلق صرف روح ہی سے نہیں بدن سے بھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں روحانیت اور مادیت دونوں سے ہے۔ اس سے دونوں کی آبیاری ہوتی ہے۔

۸- اس پرانی دنیا میں ہر دل ہر لحہ خودی سے پوشیدہ طور پر گفتگو کرتا ہے۔ گویا ہر انسان

اپنے قیل وقال اور حال سے خودی کے وجود پر شہادت دیتا رہتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خودی وجود کے لحاظ سے تو ظاہر نہیں ہے تاہم اپنے عمل کے لحاظ سے وہ نمایاں ہے۔

۹۔ جس کسی نے بھی اس (خودی) کی آگ سے اپنا حصہ نہ لیا یعنی استفادہ نہ کیا (ہر چند اس کے نور سے فائدہ اٹھایا ہو) وہ جہان میں خود سے بیگانہ ہو کر یا خودی سے محروم ہو کر مر گیا۔ گویا خودی کے نور اور نار دونوں سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

۱۰۔ ہندوستان اور ایران کے لوگ خودی کے نور سے تو واقف ہیں لیکن ان میں، جو کوئی اس کی نار کو بھی پہچانے، نہیں ہے۔ گویا انہوں نے صرف دین کو اپنا رکھا ہے اور دنیا کی طرف یا اپنی دنیا کو سنوارنے کی طرف ان کی توجہ نہیں ہے جبکہ توحید، دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنے کا کہتی ہے۔

۱۱۔ میں نے (اپنے دور کے لوگوں کو) خودی کے نور اور نار کی خبر دی۔ اے اسرار سے آگاہ بندے یعنی زندہ رود تو ہی بتا کہ اس میں میرا کیا گناہ تھا (یا تو میرا گناہ دیکھ) جو مجھے سولی پر لٹکایا گیا۔ بندۂ محرم اس لیے کہا ہے کہ علامہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ''انا الحق'' سے مراد یہ نہیں ہے کہ ''میں حق ہوں'' بلکہ اس سے مراد ہے ''انا، حق'' یعنی خودی برحق ہے یا خود کو پہچاننا برحق ہے، یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ حلاج نے تو قوم کو اپنی خودی پہچاننے کا کہا تا کہ وہ دنیا وآخرت میں سرخرو رہے۔

۱۲۔ (اے زندہ رود) جو کچھ میں نے کیا اب وہی کچھ تو کر رہا ہے (ملت اسلامیہ کو اپنی خودی پہچاننے کی تلقین کر رہا ہے) تو ڈر کے رہ، کہیں تجھ سے بھی میرے جیسا سلوک نہ ہو۔ تو نے بھی مردہ قوم کو جگانے کے لیے محشر برپا کیا ہے یعنی اپنی شاعری کے ذریعے گویا محشر برپا کیا ہے، اس لیے ڈر کر رہ۔ کہیں نامحرم لوگ تجھے بھی میرے والی سزا نہ دیں۔

طاہرہ

۱۔ ازگناہِ بندۂ صاحب جنوں ۔۔۔ کائناتِ تازہ ے آید بروں
۲۔ شوقِ بے حد پردہ ہا را بردرد ۔۔۔ کہنگی را از تماشامی برد
۳۔ آخر از دار و رسن گیرد نصیب ۔۔۔ بر نگردد زندہ از کوئے حبیب

۴- جلوۂ او بنگر اندر شہر و دشت　　تانہ پنداری کہ از عالم گذشت
۵- در ضمیرِ عصرِ خود پوشیدہ است　　اندریں خلوت چساں گنجیدہ است

۱- (طاہرہ پر نوٹ ملاحظہ ہو، اسے بھی حلاج کی طرح قتل کیا گیا تھا) عشق کے جذبوں سے سرشار ایک بندے کے گناہ سے ایک نئی کائنات وجود میں آتی ہے۔ یہاں گناہ سے مراد عام گناہ نہیں ہے یعنی منصور حلاج کا انا الحق کہنا اور طاہرہ کا ''باب اللہ'' کا مذہب اختیار کرنا ان کے نزدیک گناہ نہیں تھا، لوگ اسے گناہ سمجھتے تھے، جبکہ ایسے عاشق اپنے عشق کے جذبوں سے سرشار ہو کر دنیا میں انقلاب پیدا کر دیتے ہیں۔ طاہرہ نے حلاج کی حمایت میں بات کی ہے۔

۲- بے حد عشق (انسان اور دنیا کے یا باطل کے رازوں کے) پردے پھاڑ دیتا ہے اور اس کے تماشا سے قدامت پرستی کو دور کر دیتا ہے۔ گویا وہ ایک نیا جہان تخلیق کرتا ہے۔

۳- ایک عاشق کامل کے نصیب میں آخر کار دار و رسن ہوتی ہے (اس لیے کہ باطل پرست اس کے نظریات کو سمجھنے سے قاصر ہونے کے باعث انہیں پسند نہیں کرتے، یوں وہ اسے سولی پر لٹکا دیتے ہیں) ایسا عاشق محبوب حقیقی کے کوچے سے زندہ واپس نہیں آتا۔ اپنی جان کی قربانی دے دیتا ہے۔

۴- تو (زندہ رود) اس (حلاج جیسے سچے عاشق) کا جلوہ آج بھی شہر اور بیابان میں دیکھ تاکہ تو کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ وہ تو دنیا ہی سے گزر گیا ہے، یعنی اس کا نام و نشان تک نہیں رہا جبکہ آج بھی سچ بولنے کی سزا پھانسی ہے اور یہ منصور حلاج ہی کا تو جلوہ ہے۔

۵- وہ (منصور) اپنے زمانے کے ضمیر میں چھپا ہوا/مخفی ہے لیکن وہ اس ضمیر کی خلوت میں کیسے سمایا ہے؟ وہ تو کائنات میں بھی نہیں سما سکتا۔ اس سمانے سے مراد اس کے کارناموں کا برقرار رہنا اور لوگوں کا ان کی تقلید کرنا ہے۔

زندہ رود

(زندہ رود غالب کی روح سے مخاطب ہے)

۱- اے ترا دادند دردِ جستجوے　　معنیِ یک شعرِ خود با من بگوے
۲- قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ　　اے نالہ نشانِ جگر سوختہ ے چیست؟

۱۔ اے (غالب) کہ تجھے قدرت کی طرف سے تلاش و جستجو کا درد عطا ہوا ہے۔ اپنے (درج ذیل) شعر کے معنی مجھے بتا دے۔

۲۔ قمری تو کف خاکستر ہے، یعنی اس کا خاکی رنگ اس کے باطنی سوز کو ظاہر کر رہا ہے اور بلبل رنگ کا ایک پنجرہ ہے۔ بلبل کے سیاہ رنگ سے بھی اس کے باطن میں جلی ہوئی آگ ظاہر ہو رہی ہے۔ لیکن اے نالہ انسان جگر سوختہ کا نشان کیا ہے؟ دراصل غالب کا شعر اردو میں ہے اور صرف ''چیست'' کی بجائے ''کیا ہے'' ہے۔ اس کی اس غزل کا مطلع ہے:

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغِ دلِ بے درد نظرگاہِ حیا ہے

غالب

۱۔ نالہ ے کو خیزد از سوزِ جگر	ہر کجا تاثیرِ او دیدم دگر
۲۔ قمری از تاثیرِ او واسوختہ	بلبل ازوے رنگہا اندوختہ
۳۔ اندرو مرگے بہ آغوشِ حیات	یک نفس ایں جا حیات آنجا ممات
۴۔ آں چناں رنگے کہ ارژنگی ازوست	آں چناں رنگے کہ بے رنگی ازوست
۵۔ تو ندانی ایں مقامِ رنگ و بوست	قسمتِ ہر دل بقدرِ ہاے وہوست
۶۔ یا برنگ آ یا بہ بے رنگی گذر	تا نشانے گیری از سوزِ جگر

۱۔ وہ نالہ جو جگر کے سوز سے اٹھتا ہے، میں نے ہر جگہ اس کی تاثیر کچھ اور ہی ڈھب کی دیکھی ہے۔

۲۔ قمری اس کی تاثیر سے پورے طور پر جل جاتی ہے، جبکہ بلبل اس کی تاثیر سے کئی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ گویا وہ زندہ رہتے ہوئے پھولوں سے مختلف طریقوں سے عشق جتاتی رہتی ہے۔ قمری کا جلنا اس کے رنگ کے حوالے سے ہے۔

۳۔ اس (قمری) کے اندر موت، زندگی کی آغوش/گود میں ہے، گویا وہ مر جاتی ہے جبکہ اسی نالہ کی بدولت بلبل زندہ رہتی ہے۔ ایک ہی دم یہاں (بلبل کو) زندگی دیتا ہے اور وہاں (قمری کو) موت دیتا ہے۔ یہ بھی مطلب بنتا ہے کہ سانس کا لمحہ ایک ہی ہے

جو یہاں موت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہاں زندگی کی۔

۴۔ یہ ایک ایسا رنگ ہے کہ اس سے کئی رنگ پیدا ہوتے ہیں، یہ ایک ایسا رنگ ہے جس سے بے رنگی پیدا ہوتی ہے یعنی سوز جگر سے اٹھنے والے نالے کی تاثیر ہر جگہ مختلف ہے۔

۵۔ تجھے یہ علم نہیں ہے کہ یہ رنگ و بو کا مقام ہے۔ ہر دل کی قسمت اس کی ''ہائے و ہو'' کے مطابق ہے۔ گویا یہ دنیا ایک ایسا مقام ہے جہاں ہر کسی کو اس کے نالے کی شدت کے مطابق حصہ ملتا ہے۔

۶۔ تو یا تو رنگ میں آ جا یا پھر بے رنگی میں گذر جا یعنی بے رنگی اختیار کر لے تاکہ تجھے سوزِ جگر سے کوئی نشان حاصل ہو سکے۔ گویا قمری یا بلبل کی طرح نالہ کشی کی کوئی ایک صورت اختیار کرتا کہ تجھ پر یہ واضح ہو سکے کہ فریاد میں کتنا اثر ہوتا ہے۔

زندہ رود

۱۔ صد جہاں پیدا دریں نیلی فضاست   ہر جہاں را اولیا و انبیاست؟

۱۔ اس نیلی فضا میں سینکڑوں جہاں ظاہر ہیں۔ کیا ہر جہان میں اولیا اور انبیا ہوتے ہیں؟

غالب

۱۔ نیک بنگر اندریں بود و نبود   پے بہ پے آید جہانہا در وجود

۲۔ ''ہر کجا ہنگامۂ عالم بود   رحمتہ للعالمینے ہم بود''

۱۔ تو اس جہان میں غور سے دیکھ۔ یہاں مسلسل جہان وجود میں آ رہے ہیں۔ نت نیا جہان وجود میں آ رہا ہے۔

۲۔ جہاں کہیں بھی دنیا کا ہنگامہ ہے۔ وہاں ایک رحمت للعالمین بھی ہے۔ سب جہانوں کے لیے رحمت تو صرف حضور اکرمؐ ہی کی ذاتِ مبارک ہے۔ غالبؔ کی اس بات سے پیدا ہونے والا شک دور کرنے کی خاطر زندہ رود اب پھر سوال کرتا ہے۔

زندہ رود

فاش ترگو زانکہ فہم نارساست

= تو ذرا یہ بات واضح طور پر یا کھل کر بتا یا کیونکہ میرا فہم بات کو پانے/سمجھنے والا نہیں ہے۔ میں تیری بات نہیں سمجھا۔

غالب

این سخن را فاش ترگفتن خطاست

= ایسی بات کھل کر کرنا خطا ہے یعنی ایسی بات عام انسان کی عقل میں نہیں آ سکتی کہ ایک ہستی سب جہانوں میں موجود ہو، صرف ان جہانوں ہی میں نہیں جو حضور اکرمؐ کے دور میں موجود تھے بلکہ ان جہانوں میں بھی جو بعد میں قیامت تک وجود میں آتے رہیں گے۔

زندہ رود

گفتگوئے اہلِ دل بے حاصل است؟

= کیا اہلِ دل کی بات بے نتیجہ ہے؟

غالب

نکتہ را برلب رسیدن مشکل است

= جو گہری بات تو مجھ سے کہلوانا چاہتا ہے اس کا میرے لب پر آنا مشکل ہے۔ زندہ رود نے دراصل غالب کی ایک فارسی مثنوی کے حوالے سے بات کی ہے جس میں اس نے وہابی فرقے کے بانی کے عقیدے کا رد لکھا ہے۔ غالب کے مطابق اب جب فرقہ بندی بڑھ گئی ہے تو ایسی بات کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

زندہ رود

تو سراپا آتش از سوزِ طلب　　برسخن غالب نیائی اے عجب

= تو (غالب) تو سوزِ طلب کے باعث سراپا آگ ہے۔ پھر بھلا تو بات/سخن پر غالب نہیں آ رہا یہ تو عجیب بات ہے۔

غالب

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست　　رحمتہ للعالمینی انتہاست

= (خدا کے تکوینی نظام) کی ابتدا تخلیق اور تقدیر اور ہدایت سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا رحمتہ للعالمینی پر ہوتی ہے۔ قرآنی آیت کا حوالہ ہے جس کا ترجمہ ہے: ''اپنے

رب کے نام کی تسبیح پڑھ جس نے ہر شے کو پیدا کیا، پھر اسے ٹھیک بنایا اور جس نے ہر شے کی تقدیر مقرر/معین کی پھر اسے ترقی کا راستہ دکھایا۔ گویا خدا نے انسان کو چونکہ تخلیق فرمایا پھر اس کی زندگی کو با مقصد بنایا تو اس کے لیے ہدایت یعنی انبیا کی ضرورت ہوئی جس کی انتہا رحمتہ للعالمین پر ہوگئی۔

زندہ رود

من ندیدم چہرۂ معنی ہنوز　　آتشے داری اگر ما را بسوز

= میں نے ابھی تک معنی کا چہرہ نہیں دیکھا یعنی تیری بات/ رمز کو پا نہیں سکا۔ اگر تو کوئی آگ رکھتا ہے تو ہمیں/ مجھے جلا دے۔ مطلب یہ کہ مجھے اس راز کے بارے میں کھل کر بتا۔

غالب

۱- اے چو من بینندۂ اسرارِ شعر　　ایں سخن افزوں تراست از تارِ شعر

۲- شاعراں بزم سخن آراستند　　ایں کلیماں بے یدِ بیضاستند

۳- آں چہ تو از من بخواہی کافری است　　کافری کو ماورائے شاعری است

۱- اے (زندہ رود) کہ تو میری طرح شعر کے اسرار سے آگاہ ہے۔ یہ جان لے کہ یہاں بات شعر کے تار سے بڑھ کر ہے۔ گویا شعر میں نہیں سما سکتی۔

۲- شاعروں نے بزم سخن تو سجائی (شاعری کی محفلیں آراستہ کیں) لیکن یہ وہ کلیم ہیں جن کے پاس یدِ بیضا نہیں ہے (یدِ بیضا پر پہلے بھی نوٹ آچکا ہے) مطلب یہ کہ ''رحمت عالم) کے مسئلے میں جو نکتہ ہے، ایک شاعر کے لیے اس کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

۳- تو جو کچھ مجھ سے کہلوانا چاہتا ہے وہ تو کافری کی بات ہے اور یہ وہ کافری ہے جو شاعری سے ماورا ہے۔ مطلب یہ کہ حضور اکرمؐ کے مقام و ادب کی ایسی بات، جو ہے تو حقیقت لیکن علم و عقل کی رسائی سے دور ہے، میں اسے شعر میں بیان نہیں کر سکتا اس لیے اگر اس مقام کو کم ظاہر کروں تو یہ بے ادبی ہوگی اور حقیقت ظاہر کروں تو اہل علم کی گرفت میں آجاؤں گا اور یوں دونوں اعتبار سے بے ادبی کا مرتکب ٹھہروں گا۔

حلاج

۱۔ ہرکجا بینی جہانِ رنگ و بو　　آں کہ از خاکش بروید آرزو

۲۔ یا ز نورِ مصطفیؐ او را بہاست　　یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیؐ ست

۱-۲: (اے زندہ رود) تو جہاں کہیں بھی رنگ و بو کی دنیا دیکھتا ہے اور ہر وہ جہان جس کی خاک سے آرزو پیدا ہوتی ہے، مطلب یہ کہ جس کی اشیا میں کمال تک پہنچنے کی خواہش ہے یا تو اس کی قیمت حضور محمد مصطفیؐ کے نور کے باعث ہے یا پھر ابھی وہ مصطفیؐ کی تلاش میں ہے۔ گویا اس فضا میں جتنے بھی جہان ہیں وہ یا تو حضور اکرمؐ کے نور سے منور ہو چکے ہیں یا اگر ابھی تک کوئی جہان اس سے محروم ہے تو وہ اس نورِ مبارک کی تلاش میں ہے تا کہ وہ مکمل اور بامقصد ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں ایک ہی نبیؐ کا نور ہے جو سب جہانوں میں ہے، اور جو سب کے لیے رحمت ہے۔ (غالب نے زندہ رود کا واضح جواب نہیں دیا تھا جس پر حلاج نے یہ بات کی)

زندہ رود

۱۔ از تو پرسم گرچہ پرسیدن خطاست　　سرِ آں جوہر کہ نامش مصطفیؐ است

۲۔ آدمے یا جوہرے اندر وجود　　آں کہ آید گاہے گاہے در وجود؟

۱۔ اے حلاج! میں تجھ سے پوچھتا ہوں، اگرچہ ایسی بات پوچھنا خطا ہے، اس جوہر کا، جس کا نام مصطفیؐ ہے، بھید کیا ہے؟

۲۔ کیا وہ آدم ہے یا وجود کے اندر کوئی ایسا جوہر ہے جو کبھی کبھار وجود میں آتا ہے؟ مطلب یہ کہ کیا حضور اکرمؐ اپنی حقیقت کے اعتبار سے نسل انسانی میں سے ہیں یا وہ خدا کے ایسے جوہر ہیں جو کبھی کبھار وجود پذیر ہوتا ہے، اور حضورؐ کے سوا کسی اور انسان کے وجود میں وہ جوہر نہیں ہے؟ یہاں جوہر سے مراد وہ جوہر ہے جو جوہرِ خدا ہے جو حضورؐ کے ظاہری پیکر میں ہے۔

حلاج

۱۔ پیشِ او گیتی جبیں فرسودہ است　　خویش را خود ''عبدہٗ'' فرمودہ است

۲- عبدہٗ از فہمِ تو بالا تر است   زاں کہ اوہم آدم و ہم جوہر است

۳- جوہرِ اوؐ نے عرب نے اعجم است   آدم است و ہم ز آدم اقدم است

۴- عبدہٗ صورت گرِ تقدیرہا   اندرو ویرانہ ہا تعمیرہا

۵- عبدہٗ ہم جاں فزاہم جاں ستاں   عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگِ گراں

۶- عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دگر   ماسراپا انتظار او منتظر

۷- عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہ است   ماہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست

۸- عبدہٗ باابتدا بے انتہا است   عبدہٗ را صبح و شام ما کجاست

۹- کس زسرِ عبدہٗ آگاہ نیست   عبدہٗ جز سرِ اِلا اللہ نیست

۱۰- لا الٰہ تیغ و دمِ او عبدہٗ   فاش تر خواہی بگو ھو عبدہٗ

۱۱- عبدہٗ چند و چگونِ کائنات   عبدہٗ رازِ درون کائنات

۱۲- مدعا پیدا نگردد زیں دوبیت   تانہ بنی از مقام ''ما رمیت''

۱۳- بگذر از گفت وشنود اے زندہ رود   غرق شو اندر وجود اے زندہ رود

۱- (حلاج کا جواب) حضور اکرمؐ کے سامنے زمانہ/ کائنات پیشانی / ماتھا جھکائے ہوئے ہے۔ حضورؐ نے خود اپنے آپ کو عبدہٗ کہا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدیؐ پیدا کیا، کیونکہ ارشادِ ایزدی ہے کہ ''لولاک لما خلقت الافلاک'' (اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو یہ افلاک بھی پیدا نہ کرتا) اس لحاظ سے یہی وہ جوہر نور مصطفیٰؐ ہے جو کائنات اور اس کی ہر شے کی تخلیق کا باعث بنا ہے۔

۲- ''عبدہ'' تیرے فہم سے بالاتر ہے (تو اس لفظ کی حقیقت کو نہیں پا سکتا) اس لیے کہ وہ (حضورؐ) آدم یعنی انسان بھی ہیں اور جوہر بھی ہیں۔ یہاں ''عبدہ'' میں قرب کے جس مقام کا بیان ہے وہ اور کسی عبد (بندہ) کو نصیب نہیں ہوا ہے۔ اس لحاظ سے حضور اکرمؐ جوہر بھی ہیں اور نور بھی اور یہ وہ مقام ہے جسے عام فہم انسان سمجھنے سے قاصر ہے۔

۳- حضورؐ کا جوہر نہ تو عرب سے تعلق رکھتا ہے (عربی نہیں ہے) اور نہ عجم ہی سے۔ حضورؐ ہیں تو آدم/ انسان لیکن آدم سے بہت پہلے کے ہیں۔ گویا حضور اکرمؐ کا جوہر ہر طرح کی جغرافیائی حدود سے آزاد اور زمان و مکاں اور رنگ و بو سے مبرا ہے۔ مرزا بیدلؔ کے بقول حضورؐ ''جوہرِ ایجادِ صفات'' ہیں۔

۴۔ عبدہ تقدیریں بنانے والا ہے۔ اس کے اندر ویرانے ہیں اور عمارتیں ہیں۔ چونکہ حضورؐ اس کائنات کی تخلیق کا باعث ہیں، جس میں ویرانے بھی ہیں اور بستیاں آباد بھی ہیں اور اسی تخلیق کائنات کے باعث ہونے کی وجہ سے حضورؐ اس کی تقدیر کے بھی صورت گر ہیں۔

۵۔ عبدہ جان میں بالیدگی پیدا کرنے والا یعنی بشیر (خوشخبری دینے والا) بھی ہے (خوشخبری مومنوں کے لیے ہے) اور جان لینے والا یعنی نذیر (کافروں کو عذاب سے ڈرانے والا) بھی ہے۔ قرآن کریم میں حضورؐ کو بشیر و نذیر کہا گیا ہے یعنی حضورؐ مومنوں کے لیے تو رحمت ہیں کہ ان کو نجات، جنت اور خدا سے ملاقات کی خوشخبری دیتے ہیں جبکہ کافروں کو عذاب سے ڈرا کر کفر سے اسلام کی طرف لاتے ہیں، گمراہی سے ہدایت کی طرف لاتے ہیں۔ گویا عبدہ شیشہ بھی ہے اور بھاری پتھر بھی ہے۔

۶۔ عبد (بندہ، عام بندہ) کچھ اور ہے اور عبدہ کچھ اور شے ہے۔ ہم سراپا انتظار ہیں اور وہ منتظر۔ گویا ہم تو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کسی صورت خدا کے جلوے سے فیضاب ہوں جبکہ خدا اپنے اس عبد (حضور اکرمؐ) کا جلوہ دیکھنے کی تمنا رکھتا ہے۔ واقعۂ معراج سے یہ بات واضح ہے۔

۷۔ عبدہ زمانہ ہے اور زمانہ عبدہ کے طفیل ہے۔ ہم سب رنگ ہیں اور وہ رنگ و بو کے بغیر ہے۔ گویا حضورؐ ہی کے طفیل اس کائنات کی تخلیق ہوئی۔ حضور بشر ہونے کے ناطے بنی آدم میں سے ہیں اور بطور جوہر کچھ اور ہی شے ہیں۔ بشر ہونے کی حیثیت سے وہ رنگ و بو والے ہیں یعنی بشری ضروریات سے آپ کو بھی تعلق رہتا ہے جبکہ جوہر کے لحاظ سے آپؐ بے رنگ و بو یعنی ہر شے سے بے نیاز ہیں۔

۸۔ عبدہ (جوہر، نور) کی ابتدا تو ہے لیکن اس کی انتہا نہیں ہے۔ عبدہ کے لیے ہماری طرح کی صبحیں اور شامیں کہاں ہیں، نہیں ہیں۔ گویا اس جوہر کی ابتدا (تخلیق) تو ہے۔ اس لیے کہ وہ خدا کی طرح قدیم نہیں بلکہ سب سے پہلی تخلیق (تعینِ اول) ہونے کے باعث خدا کے نور سے پیدا ہوا ہے۔ اس لیے وہ نورِ حق کی طرح لاانتہا ہے اور اس کے زمان و مکاں اور ہیں۔

۹۔ کوئی بھی انسان عبدہ کے راز سے آگاہ نہیں ہے۔ عبدہ اِلا اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ گویا عبدہ کلمۂ توحید (لا الٰہ اِلا اللہ) کی عملی تصویر یا حقیقت ہے۔ گویا وہ ذاتِ

حق سے الگ اور کوئی شے نہیں ہے، چنانچہ جو ذاتِ حق کی حقیقت ہے وہی اس کی حقیقت ہے' اس لیے کہ ذاتِ حق کا نور اور حضور اکرمؐ کا نور ایک ہی شے ہے۔

۱۰۔ لا الٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) تلوار ہے تو اس کی دھار عبدہ ہے۔ اگر تو (زندہ رود) واضح طور پر سننا چاہتا ہے تو کہہ دے کہ ھو (ذاتِ حق) عبدہ ہے۔ گویا حلاج یہ کہنا چاہتا ہے کہ ذاتِ حق اور عبدہ یا نورِ محمدیؐ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ چونکہ خدا کا نور یعنی جو ہر بشریتِ محمدیؐ میں موجود ہے اسی لیے ذاتِ حق اور ذاتِ محمدؐ کو ایک کہنے میں کوئی حرج نہیں، جس طرح دھار تلوار سے الگ نہیں ہے اسی طرح ذاتِ حق اور ذاتِ محمدؐ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔

۱۱۔ عبدہ کائنات کی حقیقت ہے۔ عبدہ' کائنات کے اندر کا راز ہے۔ گویا عبدہ' نہ ہوتا تو اس کائنات کا بھی وجود نہ ہوتا۔

۱۲۔ ان دو شعروں میں جو کچھ میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ تجھ پر واضح نہ ہوگا، جب تک کہ تو ''مارمیت'' کے مقام کو نہیں دیکھے/ سمجھے گا۔ (فرہنگ دیکھیے)

۱۳۔ اے زندہ رود تو گفت وشنود ختم کر اور اے زندہ رود! تو وجود کے اندر غرق ہو جا یعنی جذبۂ عشق سے سرشار ہو کر اپنی معرفت حاصل کر پھر تجھ پر عبدہ' سے متعلق میری بات واضح ہو سکے گی۔

زندہ رود

۱۔ کم شناسم عشق را ایں کار چیست؟ ذوقِ دیدار است؟ پس دیدار چیست؟

۱۔ میں عشق کو نہیں پہچانتا (عشق سے بے خبر ہوں) آخر یہ کیا مشغلہ ہے؟ کیا یہ کسی کے دیدار کا ذوق ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر دیدار کیا شے ہے؟

حلاج

۱۔ معنیِ دیدارِ آں آخر زماںؐ حکمِ اوؐ بر خویشتن کردن رواں
۲۔ درجہاں زی چوں رسولِ انس و جاں تا چو اوؐ باشی قبولِ انس و جاں
۳۔ باز خود رابیں ہمیں دیدارِ اوستؐ سنتِ اوؐ سرے از اسرارِ اوستؐ

۱۔ اس آخر زماںؐ (حضور اکرمؐ) کے دیدار کے معنی آپ (حضورؐ) کے حکم کو خود پر جاری

کرنا ہے۔ یعنی حضورؐ کی شریعت وسنت اور زندگی کے طور طریقوں کو اپنانا اور حضورؐ کی پیروی میں زندگی بسر کرنا ہے۔

۲۔ (اے زندہ رود) تو انس وجاں کے رسول (حضورؐ) کی مانند دنیا میں زندگی بسر کرتا کہ تو بھی حضورؐ کی طرح انس وجاں میں مقبولیت حاصل کر سکے، جن وانس تجھ سے محبت کریں۔

۳۔ پھر تو خود کو دیکھ یہی حضورؐ کا دیدار ہے۔ حضورؐ کی سنت حضورؐ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ حضورؐ کی سنت کو عملی طور پر اپنانے سے تجھ میں ان صفات کا عکس پیدا ہو جائے گا اور اس طرح جب تو خود پر نظر ڈالے گا تو تو گویا حضورؐ ہی کا دیدار کر لے گا۔

زندہ رود

چیست دیدارِ خدائے نہ سپہر — آں کہ بے حکمش نہ گردد ماہ و مہر؟

= نہ آسمانوں (تمام کائنات) کے خدا کا دیدار کیا ہے؟ وہ ذات کہ جس کے حکم کے بغیر چاند اور سورج گردش نہیں کرتے۔

حلاج

۱۔ نقشِ حق اول بجاں انداختن — باز او را درجہاں انداختن
۲۔ نقشِ جاں تا در جہاں گردد تمام — می شود دیدارِ حق دیدارِ عام
۳۔ اے خنک مردے کہ از یک ہوئے او — نہ فلک دارد طوافِ کوئے او
۴۔ وائے درویشے کہ ہوئے آفرید — باز لب بربست و دم درخود کشید
۵۔ حکم حق را درجہاں جاری نکرد — نانے از جو خورد و کراری نکرد
۶۔ خانقاہے جست و از خیبر رمید — راہبی ورزید و سلطانی ندید
۷۔ نقشِ حق داری؟ جہاں نخچیرِ تست — ہم عناں تقدیر باتدبیرِ تست
۸۔ عصرِ حاضر با تو می جوید ستیز — نقشِ حق برلوحِ ایں کافر بریز

۱۔ سب سے پہلے تو حق کا نقش اپنی جان میں ڈالنا ہے، پھر اسے ساری دنیا میں ڈالنا ہے۔ گویا جسے دیدار حق کی آرزو ہے وہ پہلے خود میں خدائی صفات پیدا کرے، پھر اپنے عمل سے ان صفات کا مظاہرہ اہل دنیا کے سامنے کرے، یعنی ان کے ساتھ وہی روش اختیار کرے جو خدا اپنے بندوں کے ساتھ کرتا ہے۔

۲۔ جب یہ نقشِ جاں جہان میں مکمل ہو جاتا ہے تو پھر حق کا دیدار عام دیدار بن جاتا ہے۔ گویا دیدارِ حق کے آرزومند میں جب یہ نقش خوب قائم ہو جاتا ہے اور وہ اسے دنیا والوں پر بھی ثبت کر دیتا ہے تو یوں دنیا والے بھی گویا دیدارِ حق سے فیضیاب ہو جاتے ہیں۔

۳۔ مبارک ہے وہ شخص جس کے ایک نعرۂ ''اللہ ھو'' سے نو آسمان اس کے کوچے کا طواف کرنے لگتے ہیں۔ گویا اللہ کی صفات سے متصف انسان (سچا عاشق) ایک ایسا انسان ہے کہ کائنات اس کا حکم ماننے لگتی ہے، اس کی مسخر ہو جاتی ہے، اس لیے کہ وہ خود احکام ایزدی پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

۴۔ اس درویش کی حالت قابل افسوس ہے جس نے ''اللہ ھو'' کا نعرہ تو لگایا لیکن پھر ہونٹ بند کر لیے اور اپنا سانس روک لیا۔ گویا ایسے درویش خود میں تو گم ہو جاتے ہیں یعنی اپنی ریاضت و مجاہدہ سے فنا فی اللہ کا مقام تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن اللہ کی مخلوق سے دور رہتے اور فیض سے محروم رکھتے ہیں۔

۵۔ ایسے درویش نے خدا کا حکم جہان میں جاری نہ کیا۔ اس نے جو کی روٹی تو کھالی (سادہ زندگی بسر کی) لیکن حضرت علیؓ کی سی دلیری اور بلند ہمتی کا مظاہرہ نہ کیا۔ وہ خدا رسیدہ تو ہو گیا لیکن شیطانی / باطل قوتوں سے ٹکر نہ لی اور نہ مخلوق خدا کو رشد و ہدایت کی طرف لایا۔

۶۔ اس درویش نے خانقاہ تلاش کر لی اور خیبر سے دور بھاگ گیا۔ اس نے رہبانیت اختیار کر لی اور سلطانی نہ دیکھی۔ وہ خانقاہ میں بیٹھ گیا، مجاہدانہ زندگی سے اس نے اجتناب برتا اور ترکِ دنیا کر کے تسخیر کائنات کی طرف توجہ نہ کی۔

۷۔ کیا تجھ (زندہ رود) میں نقش حق ہے؟ اگر ہے تو پھر یہ کائنات تیری شکار ہے اور تقدیر تیری تدبیر کے ساتھ چلے گی یعنی تیری تدبیر کے مطابق ہوگی۔

۸۔ آج کا دور تجھ سے برسرِ پیکار ہونا چاہتا ہے تو اس کافر کی تختی پر نقشِ حق ڈال۔ گویا موجودہ دور سراسر مادیات میں کھویا ہوا ہے تو اسے اس محویت سے نکال اور اس کی رہنمائی کر کے باطل قوت یا شیطان کے پنجے سے آزاد کرا۔

زندہ رود

نقش حق را در جہاں انداختند　　من نمی دانم چساں انداختند؟

= اہل حق نے جہان پر حق کا نقش ڈالا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ نقش کس

طرح ڈالا؟ یعنی مجھے بتا کہ یہ نقش کس طرح ڈالا جائے۔

حلاج

۱- یابزورِ دلبری انداختند یا بزورِ قاہری انداختند

۲- زاں کہ حق در دلبری پیدا تر است دلبری از قاہری اولیٰ تر است

۱- ان اہل حق نے یا تو دلبری (جمال) کے زور سے یہ نقش ڈالا یا پھر قاہری (جلال و دبدبہ) کے زور سے ڈالا یعنی یا تو اللہ کی مخلوق سے انس ومحبت کے ذریعے (جو بقولِ رومی حجِ اکبر ہے:)

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اور ایک پنجابی صوفی کے بقول:

ع یار دی گلی دے کُتے سینے نال لاندا جائیں

یا پھر باطل قوتوں سے مجاہدانہ دبدبے کے ساتھ ٹکرا کر۔

۲- اس لیے کہ حق دلبری میں زیادہ نمایاں/ واضح ہوتا ہے، چنانچہ دلبری، قاہری سے بہتر ہے۔ اہل حق نے اسی انس ومحبت سے لوگوں کے دل جیتے ہیں جس کے نتیجے میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ بقول ایک پنجابی صوفی کے:

ڈھا دے مندر ڈھا دے مسجد ڈھا دے جو کُجھ ڈھیندا
اک بندے دا دل نہ ڈھائیں رب دلاں وِچ رہندا

زندہ رود

باز گو اے صاحبِ اسرارِ شرق درمیانِ زاہد و عاشق چہ فرق؟

= اے مشرق اور اہل مشرق کے رازوں سے باخبر ایک بار پھر ذرا بیان کر کہ زاہد اور عاشق میں کیا فرق ہے؟

حلاج

۱- زاہد اندر عالم دنیا غریب • عاشق اندر عالمِ عقبیٰ غریب

۱۔ زاہد تو اس دنیا میں اجنبی ہے جبکہ عاشق عالم عقبیٰ میں اجنبی ہے۔ گویا زاہد وہ ہے جو اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کے علائق اور آلائشوں سے بچتا ہے جبکہ عاشق وہ ہے جسے جنت و حور اور غلمان وغیرہ سے کوئی دلچسپی یا اس کی خواہش نہیں ہوتی، اس کا مطمح نظر صرف محبوب کی ذات ہوتی ہے جبکہ زاہد کی عبادت جنت وغیرہ کے صلے کی خاطر ہوتی ہے۔

زندہ رود

معرفت را انتہا نابودن است زندگی اندر فنا آسودن است؟

= معرفت کی انتہا اپنی فنا ہے۔ کیا زندگی نام ہے فنا میں آرام وسکون سے رہنے کا؟

حلاج

۱۔ سُکرِ یاراں از تہی پیمانگی است نیستی از معرفت بیگانگی است

۲۔ اے کہ جوئی در فنا مقصود را درنمی یابد عدم موجود را

۱۔ دوستوں کی مستی ان کے خالی پیالے کے باعث ہے۔ نیستی/فنا معرفت سے بیگانگی کا نام ہے۔ گویا جن لوگوں کے نزدیک معرفت کا انجام فنا ہے وہ معرفت کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ وہ ترکِ دنیا ہی کو معرفت کا نام دیتے ہیں جبکہ ایک حقیقی درویش/مردحق ترکِ دنیا (رہبانیت) کا قائل نہیں ہے۔ اس کے مطابق یہ تخلیقِ انسان کے مقصد سے دوری ہے۔

۲۔ تو جو فنا میں اپنے مقصود کو تلاش کر رہا ہے (تو یہ جان لے کہ) عدم موجود کو نہیں پا سکتا۔ ظاہر ہے جو فنا ہو جائے گا وہ موجود یعنی خدا کو کیسے پا سکے گا۔ معرفت تو درحقیقت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو صاحبِ بقا ہوگا۔ ایک مردِ حق دین اور دنیا دونوں کے حسنات سے استفادہ کرتا ہے۔

زندہ رود

۱۔ آں کہ خود را بہتر از آدم شمرد درخم و جامش نہ مے باقی نہ دُرد

۲۔ مشتِ خاکِ ما بگردوں آشناست آتشِ آں بے سروساماں کجاست؟

۱۔ وہ جس نے کہ خود کو آدم سے بہتر جانا اس کے مٹکے اور پیالے میں نہ تو شراب بچی ہے اور نہ تلچھٹ ہی۔ ابلیس کی طرف اشارہ ہے۔ اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے متعلق حکم خداوندی کی نافرمانی کی جس پر وہ راندۂ درگاہِ ایزدی ٹھہرا جس کے نتیجے میں اس

کے پاس خدائی تعلقات کے اعتبار سے کچھ بھی باقی نہ رہا۔

۲۔ ہم انسانوں کی مٹی کی مٹھی تو آسمان سے آشنا ہے۔ اس بے سروسامان (ابلیس) کی آگ (جس پر اسے ناز تھا) کہاں ہے (حضور اکرمؐ کا واقعہ معراج پیش نظر ہے)۔ ابلیس راندۂ درگاہ ہوکر زمین پر آ گیا اور پھر اسے جرأت نہ ہوئی کہ دوبارہ آسمان کا رخ کرے۔ اس کے برعکس جس آدم/ انسان کو وہ مٹی کا طعنہ دیتا تھا وہ افلاک سے اس پار عرش تک پہنچ گیا (واقعۂ معراج کے حوالے سے کہا ہے)

حلاج

۱۔ کم بگو زاں خواجۂ اہلِ فراق ... تشنہ کام و از ازل خونیں ایاق
۲۔ ما جہول او عارفِ بود و نبود ... کفرِ او ایں راز را برما کشود
۳۔ از فتادن لذتِ برخاستن ... عیشِ افزودن ز دردِ کاستن
۴۔ عاشقی در نارِ او واسوختن ... سوختن بے نارِ او ناسوختن
۵۔ زاں کہ اودر عشق و خدمت اقدم است ... آدم از اسرارِ او نامحرم است
۶۔ چاک کن پیراہنِ تقلید را ... تا بیاموزی ازو توحید را

۱۔ تو اس خواجۂ اہل فراق کی بات نہ کر، وہ جو پیاسا ہے اور ازل سے جس کا پیالہ خون سے بھرا ہوا ہے۔ وہ اہل فراق کا سردار اس لحاظ سے ہے کہ وہ درگاہِ ایزدی سے راندہ ہوا ہے، لہٰذا جو کوئی بھی اس کی پیروی کرے گا، خدا سے دور ہو جائے گا۔ ابلیس کا راندۂ درگاہ ہونا اس کی آرزوؤں کا خون تھا جس پر اس نے خدا سے کہا تھا کہ میں دنیا میں تیرے بندوں کو گمراہ کرنے میں لگ جاؤں گا۔

۲۔ ہم تو جہول ہیں جبکہ ابلیس ہستی اور نیستی کا عارف ہے۔ اس کے اس کفر یعنی آدم کو سجدہ کرنے سے انکار نے ہم پر یہ راز کھولا ہے۔ اللہ کے نزدیک رہنے کے باعث ابلیس کو ہست و بود کے رازوں سے آگاہی ہے۔ گویا اس کے اس انکار سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسے آدم کی فطرت میں خیر اور شر دونوں مادوں کی خبر تھی، اسی بنا پر اس نے کہا تھا کہ میں اسے گمراہ کروں گا۔

۳۔ اٹھنے میں جو لذت ہے وہ گرنے ہی کے باعث ہے اور درد سے گھٹ جانے میں عیش کا اضافہ ہے۔ مطلب یہ کہ بیماری کو صحت کی قدر ہے اور زندگی میں تلخیاں اور دکھ

برداشت کرنے والا ہی فراخی وراحت کی قدر جانتا ہے یا بقول غالبؔ:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

۴- عاشقی اس (ابلیس) کی آگ میں پورے طور پر جل جانے کا نام ہے۔ اس کی آگ کے بغیر جلنا گویا جلنا نہیں ہے۔ اس سے یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ ابلیس نے اپنے خالق کے سوا اور کسی کو سجدہ نہ کیا اور یہ گویا پختہ عشق کی علامت ہے۔ حلاج نے اس کے اسی پہلو کو سامنے رکھ کر یہ کچھ کہا ہے یعنی محبوب سے ہٹ کر اور کسی کی طرف توجہ کرنا عشق کی خامی ہوگی۔ اگلے شعر میں کسی قدر اس بات کی وضاحت ہے۔

۵- چوں کہ وہ (ابلیس) عشق اور خدمت میں سب سے پہلے ہے، یعنی آدم سے پہلے کا ہے، اس لیے آدم اس کے رازوں سے بے خبر ہے۔

۶- (اے زندہ رود!) تو کسی کی بے جا پیروی کے لباس کو پھاڑ ڈال (مت پیروی کر) تاکہ تو اس (ابلیس) سے توحید کی صحیح رمز سیکھ سکے یعنی اگرچہ اس نے آدم کو سجدے سے انکار کیا تھا لیکن یہ دراصل اس کے توحید پر کامل ایمان کی علامت ہے۔ دوسرے لفظوں میں تجھے یا انسانوں کو بھی کسی غیر اللہ کے آگے نہیں جھکنا چاہیے۔

زندہ رود

اے ترا اقلیم جاں زیرِ نگیں　　یک نفس با ما دگر صحبت گزیں

= اے (حلاج) کہ روح کی سلطنت تیرے قبضے میں ہے (تو روح کے رموز واسرار سے آگاہ ہے) کچھ دیر کے لیے ہمیں اپنی صحبت سے مزید نواز۔

حلاج

۱- بامقامے درنمی سازیم و بس　　ماسراپا ذوقِ پروازیم و بس

۲- ہر زماں دیدن تپیدن کارِ ماست　　بے پرو بالے پریدن کارِ ماست

۱- ہم ایک منزل سے موافقت نہیں کرتے یعنی نہیں رکتے اور بس، اس لیے کہ ہم سراسر ذوقِ پرواز ہیں اور بس۔ یعنی ہم ہر لحہ نت نئی منزل کی تلاش میں رواں دواں رہتے ہیں یا اوپر سے اوپر اڑتے چلے جاتے ہیں۔

۲- ہر لمحہ دیکھنا اور تڑپنا ہمارا کام ہے۔ بال و پر کے بغیر اڑنا ہمارا کام ہے۔ گویا ہر لمحہ اس محبوب حقیقی کی تجلی دیکھنا اور پھر اس کے بعد دوسری تجلی کی تڑپ میں مصروف رہنا ہمارا شوق ہے، اسی میں ہمیں لطف آتا ہے جس کے باعث ہم پرواز میں محو رہتے ہیں۔

نمودار شدنِ خواجۂ اہلِ فراق ابلیس

(اہلِ فراق کے سردار ابلیس کا ظاہر ہونا)

۱- صحبتِ روشن دلاں یک دم دو دم　　آں دو دم سرمایۂ بود و عدم
۲- عشق را شوریدہ تر کرد و گذشت　　عقل را صاحب نظر کرد و گذشت
۳- چشم بربستم کہ باخود دارمش　　از مقام دیدہ در دل آرمش
۴- ناگہاں دیدم جہاں تاریک شد　　از مکاں تا لا مکاں تاریک شد
۵- اندر آں شب شعلہ ے آمد پدید　　از درونش پیر مردے برجہید
۶- یک قبائے سرمئی اندر برش　　غرق اندر دودِ پیچاں پیکرش
۷- گفت رومی خواجۂ اہلِ فراق　　آں سراپا سوز و آں خونیں ایاق

۱- (اب زندہ رود اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگا ہے) مجھے ان روشن دل حضرات کی صحبت بس دو ایک پل ہی کے لیے میسر آئی، اور یہ دو ایک پل میرے لیے میری ساری زندگی کا سرمایہ بنے۔

۲- اس صحبت نے میرے عشق کو کچھ اور شوریدہ کر دیا اور ختم ہوگئی۔ اس نے میری عقل کو صاحب نظر بنا دیا اور ختم ہوگئی۔ میں نے اس صحبت سے عشق و عقل کے معاملے میں بہت استفادہ کیا۔

۳- میں نے آنکھیں بند کرلیں تاکہ میں (اس عظیم و باوقار صحبت کی یاد کو) اپنے ساتھ رکھوں، کبھی نہ بھولوں اور آنکھوں کی راہ سے اسے دل میں لے آؤ، دل میں بسا لوں۔

۴- (میں اسی خیال میں محو تھا کہ) اچانک میں نے دیکھا کہ جہان (فضا) تاریک ہوگیا ہے۔ مکاں سے لامکاں تک تاریکی/ سیاہی چھا گئی ہے۔

۵- اس رات (تاریکی) میں ایک شعلہ نمودار ہوا، جس کے اندر سے ایک بوڑھا آدمی باہر نکلا۔ ابلیس کی تخلیق آگ سے ہوئی، اسی لیے شعلے کی بات کی ہے۔

۶- اس نے سرمئی رنگ کی (کالی) قبا پہن رکھی تھی اور اس کا جسم یا پیکر بل کھاتے ہوئے دھوئیں میں ڈوبا ہوا تھا۔

۷- (اسے دیکھ کر) رومیؒ کہنے لگے کہ یہ اہل فراق کا سردار (ابلیس) ہے، جو سرتاپا سوز ہے اور جس کے پیالے (دل) میں خون بھرا ہوا ہے۔ سراپا سوز اس بنا پر کہ وہ آگ سے بنایا گیا ہے۔ خونیں ایاق اس حوالے سے کہ اس نے آدم کو سجدہ نہ کیا اور یوں راندۂ درگاہ ٹھہرا، یہ امر اس کی آرزوؤں کا خون تھا۔

۸- کہنہ ے، کم خندہ ے، اندک سخن　　چشم او بینندۂ جاں در بدن

۹- رند و ملا و حکیم و خرقہ پوش　　در عمل چوں زاہدانِ سخت کوش

۱۰- فطرتش بیگانہ ذوقِ وصال　　زہدِ او ترکِ جمالِ لایزال

۱۱- تاگستن از جمالِ آساں نبود　　کارپیش افگند از ترکِ سجود

۱۲- اندکے در وارداتِ او نگر　　مشکلاتِ او ثباتِ او نگر

۱۳- غرق اندر رزمِ خیر و شر ہنوز　　صد پیمبر دیدہ و کافر ہنوز

۸- یہ ایک ایسا بوڑھا ہے جو نہ ہنسنے والا ہے (سنجیدہ ہے) اور کم باتیں کرنے والا یعنی کم گو ہے۔ اس کی آنکھیں آدمی کے جسم میں جان کو دیکھنے والی ہیں۔

۹- وہ رند بھی ہے، ملا بھی ہے اور فلسفی وخرقہ پوش بھی۔ عمل میں وہ سخت ریاضت کرنے والے زاہدوں کی مانند ہے یعنی وہ ان سب کی سرشتوں سے آگاہ ہے اور انہیں بہکانے میں ماہر ہے، چنانچہ اپنے اس فن سے وہ ان سب کو اپنا پیروکار بنا سکتا ہے۔

۱۰- اس کی فطرت ذوق وصال سے بیگانہ ہے۔ اس کا زہد اس حسنِ ابدی کو ترک کرنا ہے۔ اسے خدا سے دوری پسند ہے اور وہ انسانوں کو بھی اسی ڈگر پر لانے کی کوشش کرتا ہے اور محبوبِ حقیقی کے حسن سے دور رہنے کو وہ اپنی زاہدانہ زندگی سمجھتا ہے۔

۱۱- چونکہ اس محبوبِ حقیقی کے جمال سے خود کو الگ یا دور رکھنا آسان بات نہ تھی، اس لیے اس نے یہ کام آدم کو سجدہ نہ کرنے سے انجام دیا۔ گویا وہ اس سے پہلے خدا کے قریب اور اس کے جمال کا تماشائی تھا لیکن فطرتاً اس کا نااہل ہونے کے باعث اس نے یہ انکار کیا جس کے نتیجے میں وہ اس جمال سے کٹ گیا، دور ہو گیا۔

۱۲- وہ (ابلیس) ابھی تک خیر وشر کی جنگ میں مصروف ہے۔ اس نے سینکڑوں پیغمبر دیکھے لیکن ابھی تک وہ کافر کا کافر ہی ہے یعنی پیغمبروں کی صورت میں انسانی عظمت و بلند

مرتبگی سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی وہ انسانوں کو بدی کی طرف لے جانے اور نیکی سے روکنے میں لگا ہوا ہے۔ گویا وہ خدا کے حکم سے سرتابی کی رو میں بہا چلا جا رہا ہے اور اس پر اسے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔

۱۴-	جانم اندر تن زسوزِ اوتپید	برلبش آہے غم آلودے رسید
۱۵-	گفت و چشم نیم وا برمن کشود	"در عمل جزما کہ برخوردار بود؟
۱۶-	آں چناں برکارہا پیچیدہ ام	فرصتِ آدینہ را کم دیدہ ام
۱۷-	نے مرا افرشتہ ے نے چاکرے	وحیِ من بے منتِ پیغمبرے
۱۸-	نے حدیث ونے کتاب آوردہ ام	جانِ شیریں از فقیہاں بردہ ام
۱۹-	رشتۂ دیں چوں فقیہاں کس نرشت	کعبہ را کردند آخر خشت خشت
۲۰-	کیش مارا ایں چنیں تاسیس نیست	فرقہ اندر مذہب ابلیس نیست
۲۱-	در گذشتم از سجود اے بے خبر	ساز کردم ارغنونِ خیر و شر
۲۲-	از وجودِ حق مرا منکر مگیر	دیدہ برباطن کشا ظاہر مگیر
۲۳-	گر بگویم نیست، ایں از ابلہی است	زاں کہ بعد از دیدنتواں گفت نیست
۲۴-	من بلے، در پردۂ لا، گفتہ ام	گفتۂ من خوشتر از ناگفتہ ام
۲۵-	تانصیب از دردِ آدم داشتم	قہریار از بہرِ او نگذاشتم
۲۶-	شعلہ ہا از کشتزارِ من دمید	او ز مجبوری بہ مختاری رسید
۲۷-	زشتیِ خود را نمودم آشکار	باتو دادم ذوقِ ترک و اختیار
۲۸-	تو نجاتے دہ مرا از نارِ من	واکن اے آدم گرہ ازکارِ من
۲۹-	اے کہ اندر بندِ من افتادہ ای	رخصتِ عصیاں بشیطاں دادہ ای
۳۰-	درجہاں با ہمتِ مردانہ زی	غم گسارِ من! زمن بیگانہ زی
۳۱-	بے نیاز ازنیش و نوش من گذر	تانہ گردد نامہ ام تاریک تر
۳۲-	درجہاں صیاد بانخچیر ہاست	تاتو نخچیری بکیشم تیرہاست
۳۳-	صاحب پرواز را افتاد نیست	صید اگر زیرک شود صیاد نیست

۱۴- (رومی کی باتیں سُن کر اب زندہ رود کہتا ہے) اس (ابلیس) کی آگ سے میرے جسم میں میری جان تڑپنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک غم آلود آہ آ گئی۔ اس نے غم بھری آہ کھینچی۔

۱۵- اس نے اپنی ادھ کھلی آنکھیں مجھ پر کھولیں اور بولا: عمل میں ہمارے سوا اور کون فائدہ اٹھانے والا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ میں عمل میں ثابت قدم ہوں۔ آدم کو سجدہ کرنے سے انکار پر مجھے دھتکار دیا گیا لیکن میں نے خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کا جو اظہار خدا کے حضور کیا تھا اس پر پوری طرح ڈٹا ہوا ہوں۔

۱۶- میں اپنے کام میں اس حد تک الجھا ہوا ہوں کہ مجھے جمعہ کے روز بھی فرصت میسر نہیں آرہی۔ جمعہ مبارک اور چھٹی کا دن ہے یعنی میں اس روز بھی مذکورہ کام جاری رکھتا ہوں۔

۱۷- نہ تو میرا کوئی فرشتہ ہی ہے اور نہ کوئی نوکر چاکر ہی، اور میری وحی کسی پیغام بر (وحی لانے والا فرشتہ) کے بغیر ہے۔ گویا اگرچہ مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی لیکن لوگ میرے پیغام کو اہمیت دیتے اور اس پر خوشی سے عمل کرتے ہیں۔ (دراصل علامہ نے انسانوں کے شیطانی عملوں کی براہِ راست تصویر کشی کرنے کی بجائے خود ابلیس کی زبان سے یہ سب کچھ کہلوایا ہے)

۱۸- میں نہ تو کوئی کتابِ حدیث لایا ہوں اور نہ کوئی آسمانی کتاب ہی۔ تاہم میں نے فقیہوں کی میٹھی جان نکال لی ہے۔ میں نے انہیں پیٹ کا غلام بنا کر ان کے روحانی جذبے ختم کر دیے ہیں۔ میں نے ان عالمانِ اسلام کو فکر و عمل اور جوش جذبہ سے دور کر دیا ہے۔

۱۹- دین کا دھاگا فقیہوں کی طرح کسی نے تانے بانے میں استعمال نہیں کیا (یا نہیں پرویا) انہوں نے آخر کعبہ کو اکھاڑ کر اینٹ اینٹ کر دیا۔ گویا ہر کسی نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی اور یوں ملت کو فرقہ بندی کی طرف لا کر اس کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

۲۰- ہمارے مذہب کی بنیاد اس ڈھب کی نہیں ہے۔ ابلیس کے مذہب میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ گویا اس کے پیروکار شیطانی امور میں ایک جیسے ہی یا متفق و متحد ہیں۔ اس لحاظ سے ابلیسی مذہب فرقہ بندی سے دور ہے جبکہ اہل اسلام نے خود کو کئی فرقوں میں بانٹ لیا ہے۔

۲۱- اے بے خبر میں نے (آدم کو) سجدے سے انکار کیا اور یوں میں نے خیر و شر کے ساز کو نغمہ نکالنے کے لائق بنا دیا۔ تو (انسان) مجھ پر اس انکار کا الزام لگا رہا ہے۔ حالانکہ تو اس کی حقیقت سے بے خبر ہے۔ اگر میں آدم کو گمراہ نہ کرتا تو وہ بھی فرشتوں کی طرح خیر ہی خیر ہوتا جس کے باعث دنیا اس رونق سے محروم رہتی جو آج اس خیر و شر کی باہمی تکرار کے نتیجے میں پیدا ہو رہی ہے۔

۲۲- تو مجھے خدا کے وجود سے انکار کرنے والا نہ سمجھ تو میرے باطن پر نظر ڈال، میرا ظاہر نہ

دیکھ۔ ابلیس اس انکار سے پہلے ایک فرشتہ اور خدا کے حضور رہتا اور اس سے باتیں بھی کرتا تھا، وہ بھلا کیونکر اس کے وجود کا منکر ہوسکتا ہے۔

۲۳- اگر میں یہ کہتا ہوں کہ خدا نہیں ہے تو یہ میری حماقت ہوگی، اس لیے کہ اس ذات کو دیکھنے کے بعد یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نہیں ہے۔

۲۴- میں نے ''نہیں'' کے پردے میں ''ہاں'' کہا ہے۔ میرا یہ کہنا میرے نہ کہنے سے کہیں اچھا ہے۔ گویا اگر میں آدم کو نہ بہکاتا تو وہ خدا کی ناراضی اور غصے کا شکار ہو جاتا جبکہ یہ غصہ میں نے خود پر لے کر اسے بچا لیا۔

۲۵- چونکہ میں آدم کے درد کا حصہ دار ہوں یعنی درد سے آگاہ ہوں، اس لیے میں نے یار (خدا) کا غضب آدم کے لیے نہ چھوڑا، خود پر لے لیا۔

۲۶- میری کھیتی سے انکار اور شر کے شعلے پیدا ہوئے جس کے باعث آدم مجبوری سے مختاری تک پہنچا۔ اگر میں انکار نہ کرتا تو آدم خیر ہی خیر ہونے کے باعث خدا سے سرکشی کا سوچ بھی نہ سکتا۔ یوں وہ نیکی کرنے پر مجبور رہتا۔ میں نے اسے بدی اپنانے کا اختیار دے دیا۔

۲۷- میں نے اپنی بدی کو واضح طور پر ظاہر کر دیا۔ اس طرح میں نے انسانوں کو اختیار اور ترک کا ذوق دے دیا۔ میری اس سرکشی نے تجھے (انسانوں کو) کسی چیز کے ترک کرنے یا اختیار کرنے کا شعور دیا۔

۲۸- تو مجھے میری آگ سے رہائی دلا۔ اے آدم تو میری گتھی سلجھا دے، میری مشکل حل کر دے۔ مطلب یہ کہ جب تو میری پیروی نہیں کرے گا تو یہ جو میں تجھے ہر وقت بہکانے کی آگ میں جلتا رہتا ہوں، اس سے مجھے سکون مل جائے گا۔

۲۹-۳۰: اے وہ انسان تو جو میرے پھندے میں پھنسا ہوا ہے اور گناہ کی اجازت تو نے مجھ شیطان کو دے رکھی ہے، تو دنیا میں دلیرانہ ہمت کے ساتھ زندگی بسر کر، اے میرے غمگسار! تو مجھ سے بیگانہ ہو کر زندگی گذار یعنی خود میں ایسی ہمت و دلیری پیدا کر کہ میرے بہکانے پر بھی تو میرا مقابلہ کر اور بدی سے بچ۔

۳۱- تو میرے نیش (تلخی) اور شیرینی سے بے نیاز ہو کر گذر جا تاکہ میرا نامۂ اعمال اور زیادہ سیاہ نہ ہو۔

۳۲- دنیا میں شکاری اس لیے ہے (یا ہیں) کہ شکار موجود ہیں۔ جب تک تو میرا شکار بنا

رہے گا میرے ترکش میں تیر رہیں گے۔ جب تک تو کم ہمتی کے باعث میری پیروی کرتا رہے گا تجھے میں گمراہ کرتا رہوں گا، لہٰذا تو بلند ہمت بن جا اور مجھ سے بچ کر رہ۔

۳۳- پرواز جاننے والا کبھی نہیں گرتا۔ اگر شکار زیرک ہو جائے تو شکاری کا وجود بھی نہیں رہے گا۔ جب شکاری یہ جان لے گا کہ یہ شکار میرے قابو میں نہیں آ سکتا وہ شکار کرنا چھوڑ دے گا۔ اس استعارے میں یہی کہنا چاہا ہے کہ جب تو باہمت ہو جائے گا تو میں بھی تجھے گمراہ کرنے کی جرأت نہ کر سکوں گا۔

۳۴- گفتمش ''بگذر ز آئینِ فراق ابغض الاشیاءِ عندی الطلاق''

۳۵- گفت ''سازِ زندگی سوزِ فراق اے خوشا سرمستی روزِ فراق

۳۶- برلبم از وصل می ناید سخن وصل اگر خواہم نہ او ماند نہ من''

۳۷- حرفِ وصل او را ز خود بیگانہ کرد تازہ شد اندر دلِ او سوز و درد

۳۸- اندکے غلتید اندر دودِ خویش بازگم گردید اندر دودِ خویش

۳۹- نالہ ے زاں دودِ پیچاں شد بلند اے خنک جانے کہ گردد دردمند

۳۴- میں (زندہ رود) نے اس سے کہا کہ تو (ابلیس) فراق کا دستور چھوڑ دے، یعنی خدا سے معافی مانگ لے تاکہ تو پھر اس کے حضور موجود رہے اور بھکانے کی آگ سے محفوظ ہو جا۔ اس سلسلے میں تو اس حدیث کو پیش نظر رکھ (فرہنگ دیکھیے)

۳۵- میری بات سن کر ابلیس بولا کہ ہجر و فراق کے سوز ہی میں زندگی کا لطف ہے۔ واہ روزِ فراق کی سرمستی کے کیا کہنے ہیں۔ روز فراق یعنی سجدہ سے انکار کا دن۔ گویا ابلیس کو اس فراق ہی سے اپنی انفرادیت قائم کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس لیے وہ وصال کا نہیں سوچ سکتا۔

۳۶- میرے (ابلیس کے) ہونٹوں پر وصل کا لفظ ہی نہیں آتا۔ اگر میں وصل کی خواہش کرتا ہوں تو نہ تو وہ رہے گا اور نہ میں رہوں گا۔ گویا خدا کی اور میری شناخت خیر اور شر کے حوالے سے ہے۔ وہ سراپا خیر اور میں سراپا شر ہوں۔ اگر خیر و شر کا امتیاز ختم ہو گیا تو خدا کو کوئی نہیں جانے گا۔

۳۷- وصل کے لفظ نے اسے (ابلیس کو) خود سے بیگانہ کر دیا اور اس کے دل میں سوز و درد پھر سے ابھر آیا۔ وہ بے خود ہو گیا اور اسے پرانی یادوں نے گویا بیقرار کر دیا۔

۳۸- وہ کچھ دیر تک اپنے دھوئیں میں تڑپا اور پھر اپنے اس دھوئیں میں غائب ہو گیا۔

۳۹- اس بل کھاتے ہوئے دھوئیں سے ایک فریاد بلند ہوئی۔ اس جان کے کیا ہی کہنے ہیں یا مبارک ہے وہ جان جس میں درد ہے۔ درد سے خالی جان والا تو گویا چلتی پھرتی لاش یا مٹی کا مادھو ہوتا ہے۔

نالۂ ابلیس

۱- اے خداوندِ صواب و ناصواب   من شدم از صحبتِ آدم خراب
۲- ہیچ گہ از حکم من سر بر نتافت   چشم از خود بست و خود را در نیافت
۳- خاکش از ذوق "ابا" بیگانہ ے   از شرارِ کبریا بیگانہ ے
۴- صید خود صیاد را گوید بگیر   الاماں از بندۂ فرماں پذیر
۵- از چنیں صیدے مرا آزاد کن   طاعت دیروزۂ من یاد کن
۶- پست ازو آں ہمت والائے من   وائے من اے وائے من اے وائے من
۷- فطرتِ او خام و عزم او ضعیف   تابِ یک ضربم نیارد ایں حریف
۸- بندۂ صاحبنظر باید مرا   یک حریفِ پختہ تر باید مرا
۹- لعبتِ آب و گل از من بازگیر   می نیاید کودکی از مردِ پیر
۱۰- ابنِ آدم چیست؟ یک مشت خس است   مشت خس را یک شرار از من بس است
۱۱- اندریں عالم اگر جز خس نبود   ایں قدر آتش مرا دادن چہ سود؟
۱۲- شیشہ را بگداختن عارے بود   سنگ را بگداختن کارے بود
۱۳- آں چناں تنگ از فتوحات آمدم   پیشِ تو بہرِ مکافات آمدم
۱۴- منکرِ خود از تو می خواہم بدہ   سوئے آں مردِ خدا راہم بدہ
۱۵- بندہ ے باید کہ پیچد گردنم   لرزہ اندازد نگاہش در تنم
۱۶- آں کہ گوید "از حضورِ من برو"   آں کہ پیشِ او نیرزم با دو جو
۱۷- اے خدا یک زندہ مردِ حق پرست   لذتے شاید کہ یابم در شکست

۱- اے نیکی اور بدی کے خدا، آدم کی صحبت نے مجھے بگاڑ دیا ہے۔ (بگاڑ کا سبب اگلے شعر میں)

۲- اس نے کبھی میرے حکم سے سر نہیں موڑا (میرا حکم فوراً مان لیا) اس نے اپنے آپ سے

آنکھیں بند کرلیں اور خود کو نہ پایا یعنی وہ اشرف مخلوقات ہے، خدا کا نائب ہے لیکن اس نے اپنے اس مقام کو، مرے حکم کے آگے، کوئی اہمیت نہیں دی یا نہیں دیتا ہے۔

۳- اس کی خاک انکار کے ذوق سے بیگانہ ہے، اور عظمت کی چنگاری سے ناآشنا ہے۔ گویا وہ مرے کسی بھی حکم کو ماننے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا اور اپنے ''احسن تقویم'' اور اشرف مخلوقات ہونے کے باوجود اس عظمت کو بھلائے ہوئے ہے۔

۴- شکار خود شکاری سے کہتا ہے کہ مجھے پکڑ لے۔ ایسے فرمان و حکم ماننے والے بندے سے اللہ کی پناہ ہے، شیطان کا حکم بلاچون و چرا ماننے والے سے۔

۵- (اے خدا) مجھے تو اس قسم کے شکار یعنی انسان سے نجات دلا تو میری گذشتہ یا سابقہ اطاعت یاد کر۔ گویا یہ تو بڑا گھٹیا شکار ہے تو میری، راندۂ درگاہ ہونے سے پہلے کی اطاعت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا آدم یا انسان پیدا کر جو میرا حکم ماننے کی بجائے مجھ سے ٹکرا جائے، الجھ جائے۔

۶- اس کے اس رویّے نے میری بلند ہمت کو پست کر دیا ہے۔ میری اس حالت پر افسوس ہے، مجھ پر افسوس ہے، مجھ پر افسوس ہے۔ بلند ہمتی اس لحاظ سے کہ اس نے خدا کے حکم سے سرتابی کی تھی جبکہ یہ انسان اس سے آگے سرِ تسلیم خم ہی رکھتا ہے۔ اس کا یہ بزدلانہ انداز گویا شیطان کی پست ہمتی کا باعث بنتا ہے۔

۷- اس انسان کی سرشت خام ہے اور اس کا عزم و ارادہ کمزور ہے۔ میرا یہ مدمقابل میری ایک چوٹ کی بھی برداشت نہیں رکھتا۔

۸- مجھے تو کسی ایسے بندے کی ضرورت ہے جو صاحب نظر ہو، جو برے اور بھلے کی پہچان رکھتا ہو۔ مجھے ایک ایسا مدِ مقابل چاہیے جو بڑا قوی و مضبوط ہو یعنی جو میرا حکم ماننے کی بجائے میرا زبردست مقابلہ کرے، لہٰذا اے خالقِ کائنات! تو کوئی اس قوت و ارادہ کا مالک آدم تخلیق کر۔

۹- تو پانی اور مٹی کی یہ گڑیا (کمزور انسان) مجھ سے واپس لے لے۔ ایک بوڑھے آدمی (شیطان) سے بچوں کی سی بات نہیں ہو سکتی۔ ایسے انسان کو گڑیا اور خود کو مردِ پیر کہا ہے۔

۱۰- ابنِ آدم (انسان) کیا ہے؟ وہ محض تنکوں کی ایک مٹھی ہے۔ ایسی تنکوں کی مٹھی کے لیے میری ایک چنگاری ہی کافی ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح ہوا چلنے سے تنکا اڑ جاتا ہے۔ اسی طرح ابھی میں بدی کے ارادے کی ہوا چلاتا ہی ہوں کہ یہ اڑ جاتا ہے، یعنی

میرا حکم فوراً مانتا ہے۔ اسے جلانے کے لیے تو میری ایک چنگاری ہی بہت ہے۔

۱۱۔ (اے خالق) اگر اس جہان میں تنکوں کے سوا اور کچھ نہ تھا تو پھر مجھے اس قدر آگ سے نوازنے کا کیا فائدہ تھا۔ تنکے یعنی کمزور انسان۔ ان کے لیے تو میری ایک چنگاری ہی کافی تھی۔

۱۲۔ شیشے کو پگھلانا آگ کے لیے شرمندگی کا باعث ہے۔ (ہاں البتہ) پتھر کو پگھلانا تو کوئی کام ہے۔ شیشہ مذکورہ انسانوں کے لیے استعارہ اور کوئی کام سے مراد دلیری اور فخر والی بات ہے۔

۱۳۔ میں تو انسان پر اپنی فتوحات سے اتنا تنگ آ چکا ہوں کہ اب میں تیرے حضور انصاف کی خاطر آیا ہوں یعنی مجھے اس کمزور حریف کی بجائے ایسے حریف چاہئیں تھے جو قوی ارادے اور ہمت والے ہوتے۔ ایسے کمزور حریف نہیں جو شیشے کی طرح نازک ہیں۔

۱۴۔ میری تو خواہش ہے کہ تو مجھے ایسا انسان دے جو میرا منکر ہو۔ تو مجھے ایسے مردِ خدا کی طرف رہنمائی کر یعنی ایسا مردِ خدا جو نہ صرف میرا منکر ہی ہو بلکہ مجھے لتاڑ پچھاڑ بھی دے۔

۱۵۔ مجھے ایسے بندے کی خواہش ہے جو میری گردن مروڑ دے اور اس کی نگاہ میرے جسم پر کپکپی طاری کر دے۔

۱۶۔ ایسا بندہ جو مجھ سے کہے کہ ''تو میرے سامنے سے دور ہو جا'' ایسا بندہ جس کے نزدیک میری قدر و قیمت دو جو کے بھی برابر نہ ہو یعنی وہ مجھے معمولی سی توجہ کے بھی لائق نہ سمجھے۔

۱۷۔ اے خدا! میرا مد مقابل ایک زندہ حق پرست ہو یعنی مرد مومن جو جذبہ عشق حق سے سرشار ہو، شاید اس کے مقابلے میں شکست کھا کر مجھے لذت محسوس ہو۔

فلکِ زحل

ارواحِ رذیلہ کہ با ملک و ملت غداری کردہ و دوزخ ایشاں را قبول نکردہ

(رذیل روحیں جنہوں نے ملک و ملت سے غداری کی اور جنہیں دوزخ نے بھی قبول نہیں کیا)

۱۔ پیرِ رومی آں امام راستاں　　آشنائے ہر مقامِ راستاں

۲۔ گفت ''اے گردوں نوردِ سخت کوش　　دیدہ ای آں عالم زنار پوش؟

۳- آنچہ بر گردِ کمر پیچیدہ است | از دم استارہ ے دُزدیدہ است
۴- از گراں سیری خرام او سکوں | ہر نکو از حکم او زشت و زبوں
۵- پیکر او گرچہ از آب و گل است | بر زمینش پانہادن مشکل است
۶- صد ہزار افرشتۂ تندر بدست | قہرِ حق را قاسم از روزِ الست
۷- ذرّہ پیہم می زند سیارہ را | از مدارش بر کند سیارہ را
۸- عالمے مطرود و مردودِ سپہر | صبح او مانندِ شام از بخل مہر
۹- منزلِ ارواحِ بے یوم النشور | دوزخ از احراقشاں آمد نفور
۱۰- اندرونِ او دو طاغوتِ کہن | روحِ قومے کشتہ از بہرِ دوتن
۱۱- جعفر از بنگال و صادق از دکن | ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن
۱۲- ناقبول و ناامید و نامراد | ملتے از کارِ شاں اندر فساد
۱۳- ملتے کو بندِ ہر ملت کشاد | ملک و دینش از مقام خود فتاد
۱۴- می ندانی خطۂ ہندوستاں | آں عزیزِ خاطرِ صاحب دلاں
۱۵- خطہ ے ہر جلوہ اش گیتی فروز | درمیانِ خاک و خوں غلتد ہنوز
۱۶- درگلش تخم غلامی را کہ کشت؟ | ایں ہمہ کردارِ آں ارواحِ زشت
۱۷- در فضائے نیلگوں یک دم بایست | تا مکافاتِ عمل بینی کہ چیست

۱-۲: پیرِ رومیؒ جو راہِ راست پر چلنے والوں کے پیشوا اور جو ان (راستاں) کے ہر مقام سے آگاہ ہیں، مجھ (زندہ رود) سے کہنے لگے کہ ''اے آسمانوں کی سیر کرنے والے سخت کوش، کیا تو نے وہ زنار پوش جہان (جو سامنے ہے) دیکھا ہے؟ (چونکہ یہ غداروں کی روح) کا ٹھکانا ہے اس لیے زنار پوش کہا، زنار ہندوؤں کا مقدس دھاگا۔ یعنی ان غداروں نے برصغیر پر کفر کے تسلط کا سامان کیا۔

۳- اس (جہان) نے اپنی کمر کے گرد جو جنیو (زنار) لپیٹ رکھا ہے وہ اس نے ایک (دُم دار) ستارے کی دُم سے چرایا ہے۔ گویا وہ ایک دم دار ستارہ ہے جو زنار کی طرح اس کے گرد لپٹا ہوا ہے۔

۴- وہ سیارہ کچھ اس حد تک سست رفتار ہے کہ اس کا چلنا اس کے ٹھہراؤ ہی کی صورت نظر آتا ہے۔ اس کے حکم سے ہر نیکی، برائی اور رذلت بن جاتی ہے، اس ستارے سے نسبت کی بنا پر ایسا ہوتا ہے۔

۵- اگر چہ اس کا ڈھانچا پانی اور مٹی ہی سے ہے لیکن اس کی زمین پر پاؤں رکھنا مشکل ہے۔ گویا وہاں تک پہنچنا اور ٹھہرنا دشوار کام ہے۔

۶- ہزاروں فرشتے روزِ آفرینش ہی سے، ہاتھوں میں رعد کے کوڑے اٹھائے، خدا کا قہر تقسیم کر رہے ہیں۔ گویا اس ستارے سے جس کو بھی نسبت ہوگی وہ دوسروں پر قہر و غضب ڈھاتا رہے گا۔

۷- (یہ فرشتے) سیارے پر مسلسل دُرے مارتے رہتے ہیں، اور سیارہ کو اس کے مدار سے اکھاڑ ڈالتے ہیں۔ گویا فرشتے یہاں ہر جگہ دُرے مار رہے ہیں۔

۸- وہ (فلک زحل) آسمان کا ایک دھتکارا ہوا اور رد کیا ہوا جہان تھا۔ اس کے سورج کی کنجوسی (یعنی روشنی نہ دینے) کے باعث وہاں کی صبح بھی شام کی مانند تھی۔ گویا آسمانی فضا کا وہ ایک ایسا جہان تھا جسے اس کی برائیوں خرابیوں کے باعث آسمان نے اسے اپنے حلقے سے نکال رکھا تھا۔

۹- یہ جہان ایسی روحوں کا ٹھکانا تھا جن کے مقدر میں روزِ قیامت بھی نہیں ہے۔ گویا قیامت ان کا فیصلہ پہلے ہی دے چکی ہے اور ان کی اسی غداری کے باعث دوزخ بھی انہیں جلانے کے لیے قبول نہیں کر رہی۔ یہ روحیں انتہائی قابل نفرت تھیں۔

۱۰- ان روحوں میں دو پرانے شیطان (غدار) تھے جنہوں نے اپنے دو جسموں کی خاطر ایک قوم کی روح مار ڈالی تھی یعنی انہوں نے اپنے ذاتی اور مادی فائدوں کی خاطر اپنی قوم کو غیر قوم کا سیاسی غلام بنا دیا۔

۱۱- (یہ دو پرانے شیطان/ غدار تھے) بنگال کا میر جعفر اور دکن کا صادق، یہ دونوں انسانیت، دین اور وطن کے لیے باعث شرم تھے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۱۲- یہ دونوں نا قبول اور نا امید اور نامراد رہے۔ ان کی غداری کے نتیجے میں ملت بگاڑ کا شکار ہوگئی۔ گویا غداری کے باوجود انگریز لٹیروں خبیثوں سے ان کی مرادیں پوری نہ ہو سکیں۔

۱۳- وہ ملت اسلامیہ جس نے ہر محکوم قوم کی غلامی کی زنجیر کھولی تھی، اس کا اپنا ملک اور دین اپنے بلند مقام و مرتبہ سے گر گیا۔ ان غداروں کی وجہ سے انگریز تمام مسلمان علاقوں (برصغیر کے ارد گرد مسلمان علاقوں سمیت) کو سیاسی طور پر بھی اور پھر اپنی خبیثانہ تہذیب و ثقافت وغیرہ سے بھی اپنے زیر اثر لے آئے۔

۱۴-۱۵: کیا تجھے علم نہیں کہ ہندوستان کا خطہ ایک ایسا خطہ ہے جو اہل دل حضرات کو دلی

طور پر عزیز اور پیارا ہے۔ یہ ایک ایسا خطہ ہے جس کا ہر جلوہ دنیا کو روشن کرنے والا ہے۔ اب یہ خاک و خون میں تڑپ رہا ہے۔ یہاں کبھی اولیا اور صالح حضرات نے اسلام کی اشاعت کرنا پسند کیا تھا۔ انگریزوں نے اب اسے لوٹ لیا ہے۔

۱۶- اس خطے کی زمین میں غلامی کا بیج کس نے بویا، یہ سب انہی دو خبیث روحوں کا کیا دھرا ہے۔

۱۷- (اے زندہ رود) تو اس سیارے کی نیلی فضا میں (جہاں یہ دو جہنمی روحیں ہیں) کچھ دیر کے لیے رک جاتا کہ تجھ پر واضح ہو جائے یا تو دیکھ لے کہ مکافاتِ عمل کیا ہوتا ہے۔

قلزمِ خونیں

۱- آں چہ دیدم می نگنجد در بیاں	تن ز بیمش بے خبر گردد ز جاں
۲- مَن چہ دیدم؟ قلزمے دیدم زخوں	قلزمے طوفاں بروں طوفاں دروں
۳- در ہوا ماراں چو در قلزم نہنگ	کفچہ شب گوں بال و پر سیماب رنگ
۴- موجہا درندہ مانند پلنگ	از نہیبش مردہ بر ساحل نہنگ
۵- بحر ساحل را اماں یک دم نداد	ہر زماں کہ پارہ ے درخوں فتاد
۶- موجِ خوں باموجِ خوں اندر ستیز	درمیانش زورقے در اُفت و خیز
۷- اندر آں زورق دو مردِ زرد روے	زرد رُو، عریاں بدن، آشفتہ موے

۱- جو کچھ میں نے وہاں دیکھا وہ بیان میں نہیں سما سکتا۔ جسم اس کے ڈر خوف سے جان ہی سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والے پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔

۲- میں نے وہاں کیا دیکھا؟ ایک سمندر دیکھا جو خون سے بھرا ہوا تھا اور وہ ایک ایسا سمندر تھا جس کے باہر اور اندر طوفان ہی طوفان تھے۔

۳- اس کی فضا میں سانپ اس طرح تھے جس طرح سمندر میں مگرمچھ ہوتے ہیں۔ ان کے پھن سیاہ اور بال و پر پارے کی طرح سفید تھے۔

۴- اس سمندر کی موجیں چیتوں کی طرح پھاڑ کھانے والی تھیں۔ اس کے خوف و دبدبہ سے مگرمچھ ساحل پر مردہ پڑے تھے۔

۵- یہ سمندر، ساحل کو ایک پل کے لیے بھی آرام نہیں لینے دیتا تھا، کیونکہ ہر لمحے اس (سمندر) کے اندر پہاڑ کی چٹانیں خون میں گر رہی تھیں۔ وہاں ایک پل بھی سکون نہ تھا۔

۶- اس سمندر میں خون کی ایک لہر خون کی دوسری لہر سے برسرِ پیکار تھی (ان میں بڑا تلاطم تھا) اس کے اندر ایک کشتی تھی جو کبھی ڈوبتی اور کبھی تیرتی تھی۔

۷- اس کشتی میں زرد چہروں والے دو آدمی (خبیث غدار) تھے، جن کے چہرے تو پیلے پڑے ہی ہوئے تھے، ان کے بدن بھی ننگے تھے اور ان کے بال بھی بکھرے ہوئے تھے۔

آشکارا می شود روحِ ہندوستان

(ہندوستان کی روح نمودار ہوتی ہے)

۱- آسماں شق گشت و حورے پاک زاد   پردہ را از چہرۂ خود برکشاد
۲- در جبینش نار و نورِ لایزال   در دو چشم او سرورِ لایزال
۳- حلہ ے دربر، سبک تراز سحاب   تار و پودش از رگِ برگِ گلاب
۴- باچنیں خوبی نصیبش طوق و بند   برلبِ او نالہ ہائے دردمند
۵- گفت رومی "روح ہنداست ایں نگر   از فغانش سوزہا اندر جگر"

۱- آسمان پھٹ گیا اور ایک پاک فطرت حور نے اپنے چہرے سے پردہ اٹھایا (ظاہر ہوئی)

۲- اس کی پیشانی میں لافانی نور اور روشنی تھی، جبکہ اس کی دونوں آنکھوں میں ہمیشہ قائم رہنے والا سرور تھا۔

۳- اس نے بادل سے بھی زیادہ ہلکا لباس پہن رکھا تھا جس (لباس) کا تانا بانا گلاب کی پتیوں کے ریشے سے بنا ہوا تھا۔

۴- اس حسن و خوبی کے باوجود اس کے مقدر میں قید و بند تھی، اس کے ہونٹوں پر درد بھرے نالے تھے۔

۵- (اسے دیکھ کر) رومی نے زندہ رود سے کہا کہ دیکھ یہ ہندوستان کی روح ہے۔ اس کی آہ و فغاں سن کر جگر میں کئی سوز پیدا ہو رہے ہیں۔

روحِ ہندوستان نالہ و فریاد می کند

۱- "شمعِ جاں افسرد در فانوسِ ہند   ہندیاں بیگانہ از ناموسِ ہند

۲- مردکِ نامحرم از اسرارِ خویش زخمۂ خود کم زند بر تارِ خویش
۳- بر زمانِ رفتہ می بندد نظر از تشِ افسردہ می سوزد جگر
۴- بندہا بر دست و پائے من ازوست نالہ ہائے نارسائے من ازوست
۵- خویشتن را از خودی پرداختہ از رسومِ کہنہ زنداں ساختہ
۶- آدمیت از وجودش دردمند عصرِ نو از پاک و ناپاکش نژند

۱- ہندوستان کے فانوس میں روح کی شمع بجھ گئی ہے۔ اہلِ ہند ہندوستان کے عزت و ناموس سے بیگانہ ہوگئے ہیں۔

۲- ایک چھوٹا یا حقیر آدمی جو اپنے اسرار سے آگاہ نہیں ہے وہ اپنے ساز کے تاروں پر مضراب نہیں لگاتا۔ مطلب یہ کہ جو انسان اپنی خودی اور معرفت سے ناواقف ہے، وہ اپنی اور دوسروں کی عزت و ناموس کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ گویا اہل ہند اپنی غلامی کے باعث بلکہ اس کے عادی ہونے کی وجہ سے اپنی آزادی کا سوچ ہی نہیں رہے۔

۳- یہاں کا آدمی، بالخصوص مسلم، ماضی پر نظر رکھے ہوئے ہے، یعنی گذشتہ ادوار میں مسلمان ہندوستان پر حکمران تھے، یوں وہ گویا بجھی ہوئی آگ سے اپنا جگر جلا رہا ہے۔ ہندو کو اپنی پرانی تہذیب پر ناز ہے۔ یوں دونوں قومیں اپنے موجودہ ذلت آمیز حالات پر نظر نہیں ڈال رہیں اور نہ اپنے مستقبل کو سنوارنے ہی کا سوچ رہی ہیں۔ ان کی یہ باتیں جگر جلا رہی ہیں۔ بجھی ہوئی آگ یعنی آرزو اور مقصد سے بے نیازی۔

۴- میرے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں اہل ہند کی اسی روش کے باعث ہیں، اور میرے بے اثر نالے بھی اسی کی وجہ سے ہیں۔ میری (ہند کی) غلامی ان کے جہد و عمل سے بیگانہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

۵- وہ اپنی معرفت و خودی سے بے خبر ہوگیا ہے۔ اس نے پرانی رسموں کا قید خانہ بنا رکھا ہے۔ گویا دوسری قومیں تو ترقی کر کے آگے بڑھ رہی ہیں اور یہاں کے لوگ اپنے پرانے طریقوں اور رسموں ہی پر اترا رہے ہیں اور اپنا مستقبل سنوارنے سے بیگانہ ہوگئے ہیں۔

۶- اس کے وجود سے آدمیت دکھ درد کا شکار ہے۔ آج کا یا جدید دور اس کے پاک اور ناپاک عقیدوں کے باعث ذلیل و خوار ہے یعنی یہاں کے لوگوں، مراد ہندوؤں میں ذات پات کا چکر اس ترقی یافتہ دور میں بھی چل رہا ہے۔ برہمن اپنی تمام تر خباثتوں کے باوجود پاک اور شودر اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود ناپاک ہے۔ ان کا یہ عمل

انسانیت کی بہت بڑی تذلیل ہے۔

۷۔ بگذر از فقرے کہ عریانی دہد — اے خنک فقرے کہ سلطانی دہد
۸۔ الحذر از جبر وہم از خوئے صبر — جابر و مجبور را زہر است جبر
۹۔ ایں بہ صبرِ پیہمے خوگر شود — آں بہ جبر پیہمے خوگر شود
۱۰۔ ہر دو را ذوقِ ستم گردد فزوں — وردِ من "یالیت قومی یعلمون"

۷۔ تو ایسے فقر سے دور رہ جو عریانی دیتا ہے۔ وہ فقر مبارک ہے جو سلطانی دیتا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی پیشوا یا سائیں جو سادھو اور رشی منی کہلاتے ہیں، ترکِ دنیا بھی کیے ہوئے ہیں اور پورا لباس بھی نہیں پہنتے۔ بعض تو بالکل ننگے بھی ہوتے ہیں۔ روحِ ہند ایسے فقر کے خلاف فریاد کرتی اور وہ فقر اختیار کرنے کو کہتی ہے جو باعث عظمت ہو۔ ایسا فقر ایک مسلمانی فقر ہے۔ مسلمان صاحب فقر تسلیم و رضا اختیار کرتا اور انسان دوستی کا عملی مظاہرہ کرتا ہے، کسی سے نفرت نہیں کرتا۔ اس کا طرز عمل اس طرح کا ہے:

یار دی گلی دے کُتّے سینے نال لاندا جائیں

یا رومی

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

۸-۹: تو جبر سے بھی بچ اور صبر کی عادت سے بھی بچ۔ جابر اور مجبور کے لیے جبر زہر ہے، اس لیے کہ یہ (صابر) مسلسل صبر کا عادی بن جاتا ہے اور وہ یعنی جابر مسلسل جبر کرنے کا عادی بن جاتا ہے۔ یہاں صبر سے مراد اپنی غلامی و مظلومی کو مجبوری سمجھ کر اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھانا ہے، جس سے جابر کو مزید جبر کرنے کے موقعے فراہم ہوتے ہیں۔ یہ کیفیت دونوں کے لیے زہر ہے۔ مجبور اور صابر اپنی مذکورہ عادت کی بنا پر جو زندگی گذارتا ہے اسے وہ برا ہی نہیں سمجھتا اور یہ بات قابل افسوس ہے۔ ان کی اسی عادت کے باعث جابر لگاتار ظلم و ستم کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ دونوں کے اندر (جابر اور مجبور میں) ظلم کا ذوق بڑھ جاتا ہے (جابر میں ظلم کرنے کا اور مجبور میں ظلم سہنے کا ذوق بڑھ جاتا ہے)۔ میری زبان پر "یالیت قومی یعلمون" کا ورد رہتا ہے۔ (فرہنگ دیکھیے) گویا حقیقت حال کو سمجھ کر میری قوم صبر اور مجبوری کے غلط تصور سے دور رہتی ہے اور یوں خود کو جابر کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے کوئی جہد و عمل نہیں کرتی۔

۱۱- کے شبِ ہندوستان آید بروز | مرد جعفر، زندہ روحِ اوہنوز
۱۲- تا ز قیدِ یک بدن دامی رہد | آشیاں اندر تنِ دیگر نہد
۱۳- گاہ او را با کلیسا سازباز | گاہ پیشِ دیریاں اندر نیاز
۱۴- دینِ او آئینِ او سوداگری است | عنتری اندر لباسِ حیدری است
۱۵- تاجہانِ رنگ و بو گردد دگر | رسمِ او آئینِ او گردد دگر
۱۶- پیش ازیں چیزے دگر مسجودِ او | در زمانِ ما وطن معبودِ او
۱۷- جعفر اندر ہر بدن ملت کش است | ایں مسلمانے کہن ملت کش است
۱۹- خند خندان است و باکس یار نیست | مار اگر خنداں شود جز مار نیست
۲۰- از نفاقش وحدتِ قومے دونیم | ملت او از وجودِ او لئیم
۲۱- ملتے را ہر کجا غارت گرے است | اصلِ اوازصادقے یاجعفرے است
۲۲- الاماں از روحِ جعفر الاماں | الاماں از جعفرانِ ایں زماں

۱۱- ہندوستان کی رات بھلا کیونکر دن میں بدل سکتی ہے۔ جب میر جعفر تو مر گیا (جہنم رسید ہو گیا) لیکن اس کی روح ابھی تک زندہ ہے۔ گویا آج بھی غدار موجود ہیں جو اپنے ذاتی مفادات کی خاطر خبیث انگریزوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔

۱۲- جب یہ غدار روح ایک جسم کی قید سے نکلتی ہے تو کسی دوسرے بدن میں اپنا ٹھکانا بنا لیتی ہے۔ گویا یہاں نت نیا غدار پیدا ہو رہا ہے۔

۱۳- جعفر غدار کی روح کبھی تو عیسائی یا انگریز حکمرانوں سے ساز باز کرتی ہے اور کبھی بت پرستوں (ہندوؤں) کے آگے سرِ تسلیم خم کرتی ہے یا نیاز مندی کا مظاہرہ کرتی ہے یعنی ان سے بھی ساز باز میں لگی رہتی ہے۔

۱۴- اس غدار روح کا دین اور آئین سوداگری ہے۔ یہ گویا حیدری لباس میں عنتری ہے (فرہنگ.....) میر جعفر جیسے غدار صرف اپنے نفع نقصان کا سوچتے ہیں۔ بظاہر مسلمان ہیں لیکن اپنی خباثتوں کی بنا پر وہ گویا کافر ہیں۔

۱۵- جب رنگ و بو کی دنیا بدل جاتی ہے تو اس غدار کے رسم و آئین بھی بدل جاتے ہیں۔ غدار ابن الوقت ہوتا ہے۔ وہ اپنے مادی فائدوں کی خاطر خود میں تبدیلیاں لاتا رہتا ہے اور یوں قوم و ملک کو نقصان پہنچانے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاتا۔

۱۶- اس (جدید دور) سے پہلے اس (غدار) کا مسجود کوئی اور شے تھی جبکہ ہمارے زمانے

میں وطن اس کا معبود ہے۔ گویا وہ انگریزوں کا پٹھو بنا ہوا تھا اور اب جب آزادی ہند کی تحریک شروع ہوئی ہے وہ وطن کو اپنا معبود بنا رہا ہے۔ گویا اہل ہند بالخصوص مسلمانوں کو اس غلط رجحان کی طرف لا رہا ہے۔ اس میں دیو بندی فرقہ کے علما کے نظریے، خاص طور مولانا حسین احمد مدنی کے بیان کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ نے اس پر ایک نظم بھی لکھی ہے، جو ہے تو فارسی میں لیکن ارمغان حجاز کے اردو حصہ میں بعنوان ''حسین احمد'' ہے۔ تین شعر ہیں:

۱- عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ ز دیو بند حسین احمد! ایں چہ بوالعجبی است

۲- سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است

۳- بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

۱- (عجم ابھی تک دین کی رمزوں سے آگاہ نہیں ہے ورنہ دیوبند کے حسین نے کس بوالعجبی کا مظاہرہ کیا ہے۔

۲- اس نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ وعظ کیا کہ ملت وطن سے ہے۔ وہ حضور محمدؐ عربی کے مقام سے کس قدر بے خبر ہے۔

۳- تو حضور مصطفیٰؐ تک خود کو پہنچا کہ حضورؐ ہی مکمل دین ہیں۔ اگر تو حضورؐ تک نہیں پہنچتا یعنی حضورؐ کی پیروی نہیں کرتا تو تیرا سارا دین بولہب کا دین ہے)

۱۷- ایسے غدار کا ظاہر دین کے غم سے دردمند ہے جبکہ اس کا باطن بت پرستوں کی طرح زنار پہنے ہوئے ہے یعنی یہ لوگ خود کو بڑا دیندار ظاہر کرتے ہیں لیکن ویسے ہندو کی سیاسی جماعت ''نیشنل کانگریس'' میں شامل ہو کر اس کے نظریہ وطن پرستی کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ جو پہلے کبھی کانگریس میں شامل تھے، اس نظریے کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے الگ ہو گئے تھے اور انہوں نے ''مسلم لیگ'' کی بنیاد رکھی تھی۔ انہوں نے کھل کر یہ اعلان کیا تھا کہ ہم دو الگ الگ قومیں ہیں، اس لیے ہمارا ملک الگ ہونا چاہیے۔ ان نام نہاد علما نے مسلم لیگ کی تحریک آزادی کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی لیکن آخر کار بفضلہ تعالیٰ ہمارا پیارا وطن پاکستان وجود میں آ گیا اور یہ سب قائداعظمؒ کی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔

۱۸- جعفر (یعنی غدار) کی روح کسی بھی بدن میں آ جائے وہ شخص ملت کش (ملت کو مارنے والا) ہی ہوتا ہے۔ یہ یا ایسا (نام نہاد) مسلمان پرانا ملت کش ہے یعنی غدار

مسلمان ایک عرصے سے چلے آ رہے ہیں۔ بعض دوسری مسلمان سیاسی پارٹیوں، مثلاً مجلس احرار نے بھی ہماری تحریک پاکستان کی شدید مخالفت کی تھی۔

۱۹۔ وہ غدار بڑا ہنس مکھ ہے لیکن وہ کسی کا دوست نہیں ہے، اس لیے کہ سانپ اگر ہنستا مسکراتا ہے تو وہ سانپ ہی رہے گا اور ڈنک مارنے میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ وہی بات کہ غدار بظاہر ملت سے وابستگی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن درحقیقت ملت کو سب سے زیادہ نقصان وہی پہنچاتا ہے۔ (جس طرح آج ہمارے بعض حکمران امریکا کے حرامزادے اور خبیث صدر بُش کے پٹھو بن کر ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں)

۲۰۔ اس کے نفاق سے ملت کی وحدت دو ٹکڑوں میں بٹ جاتی ہے اور اس کے وجود سے ملت گھٹیا اور سفلی بن کے رہ جاتی ہے۔ غدار ملک و قوم کے لیے ذلت و حقارت کا باعث بنتا ہے۔

۲۱۔ جہاں کہیں بھی کسی ملت کا کوئی غارت گر ہے، اس کی اصل کسی صادق یا کسی جعفر سے ہے یعنی غدار ہی ملت کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

۲۲۔ جعفر کی روح سے خدا کی پناہ ہے، خدا کی پناہ ہے۔ آج کے دور کے جعفروں (غداروں) سے خدا کی پناہ ہے۔ مولا کریم انہیں تباہ کر کے ملت کو بچا لے۔ (روح ہند کی فریاد ختم ہوئی)

فریادِ یکے از زورق نشینانِ قلزمِ خونیں

(خون کے سمندر کے کشتی نشینوں میں سے ایک کی فریاد)

۱۔ وائے از بے مہریِ بود و نبود — نے عدم ما را پذیرد نے وجود

۲۔ بر درِ دوزخ شدیم از درد و کرب — تا گذشتیم از جہانِ شرق و غرب

۳۔ برسرِ ما مشتِ خاکستر نزد — یک شرر بر صادقؔ و جعفرؔ نزد

۴۔ شعلہ من زیں دو کافر پاک بہ — گفت دوزخ را خس و خاشاک بہ

۱۔ ہم (غداروں) کو نہ تو عدم قبول کرتا ہے اور نہ وجود ہی، وجود اور عدم کی بے مہری پر افسوس ہے۔ گویا دنیا میں ویسے ہمیں غدار و مردود کہا گیا اور عاقبت میں بھی ہم نفرت کا شکار ہیں حتیٰ کہ دوزخ بھی قبول کرنے کو تیار نہیں اور یہ امر ہمارے لیے افسوس کا باعث ہے۔

۲-۳: جب ہم مشرق و مغرب کی دنیا سے گذر گئے (ہم مر گئے) اور بڑے دکھ درد کے ساتھ دوزخ کے دروازے پر پہنچے تو اس (دوزخ) نے بھی جعفر اور صادق (غداروں) پر ایک چنگاری تک نہ پھینکی اور ہمارے سر پر خاک کی مٹھی ڈالنا بھی پسند نہ کیا۔ دوزخ تک کو ہم سے نفرت رہی۔

۴: (ہمارے دوزخ کے دروازے تک پہنچنے پر) دوزخ نے کہا کہ دوزخ کے لیے خس و خاشاک مناسب یا بہتر ہے۔ ان دو کافروں یعنی غداروں سے میری چنگاری کا بھی دور رہنا بہتر ہے یعنی انہیں جلانا میری توہین ہوگی۔

۵- آں سوئے نہ آسماں رفتیم ما — پیشِ مرگِ ناگہاں رفتیم ما

۶- گفت جاں سرے زاسرارِ من است — حفظِ جان و ہدمِ تن کارِ من است

۷- جانِ زشتے گرچہ نرزد با دو جو — اے کہ ازمن ہدمِ جاں خواہی برو

۸- ایں چنیں کارے نمی آید زمرگ — جانِ غدارے نیاساید ز مرگ

۵- ہم نو آسمانوں کے اس پار گئے اور وہاں اچانک آنے والی موت کے پاس پہنچے۔ آسمانوں کے اس پار اس لیے کہا کہ موت اور زندگی خدا کی طرف سے ہے، اس لحاظ سے گویا عالم لاہوت سے اس کا تعلق ہے۔

۶- ہمیں دیکھ کر (مرگ ناگہاں) بولی کہ جان میرے رازوں میں سے ایک راز ہے، جان کی حفاظت کرنا اور جسم کو مٹانا میرا کام ہے۔ گویا جان نکالتی تو ہوں لیکن اسے نہیں مٹاتی جسم کو ختم کر دیتی ہوں۔

۷- اگرچہ ایک بری جان کی قدر و قیمت دو جو کے بھی برابر نہیں ہے، تاہم تو جو (تم غدار جو) مجھ سے جان ختم کرنے کی خواہش کرتا ہے (کرتے ہو) تو یہاں سے دور ہو جا (ہو جاؤ) میرے نزدیک مت آؤ۔ گویا موت نے بھی ان کی جان نکالنا اپنے لیے توہین کا باعث سمجھا۔

۸- موت ایسا کام نہیں کرتی، غدار کی جان موت سے سکون و آرام نہیں پاتی۔ گویا غدار جسمانی طور پر تو مر جاتا ہے لیکن روحانی طور پر وہ عذاب کا مسلسل شکار رہتا ہے۔

۹- اے ہوائے تند! اے دریائے خوں! — اے زمیں! اے آسمانِ نیلگوں

۱۰- اے نجوم! اے ماہتاب! اے آفتاب! — اے قلم! اے لوحِ محفوظ! اے کتاب!

۱۱- اے بتانِ ابیض! اے لُردانِ غرب! — اے جہانے در بغل بے حرب وضرب!

۱۲- ایں جہاں بے ابتدا بے انتہاست بندۂ غدار را مولا کجاست؟

۹- (اب وہ کشتی نشین غدار کائنات کی مختلف اشیا سے مخاطب ہے) اے تیز ہوا، اے خون کے دریا! اے زمین اور اے آسمان!

۱۰- اے ستارو! اے چاند اور اے سورج! اے قلم، اے لوح محفوظ اور اے کتاب!

۱۱- اے سفید بتو یعنی مغرب کے امرا اور رؤسا! اے وہ کہ تم نے ایک دنیا کو کسی جنگ و جدل کے بغیر، اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے یعنی اپنی عیاریوں اور مکاریوں سے تم نے ایسا کیا ہے، میری کچھ مدد کرو۔

۱۲- یہ جہان بے ابتدا بھی ہے اور بے انتہا بھی (بے حد وسیع ہے) اس میں ایک غدار بندے کا آقا و مولا یا سرپرست کہاں ہے؟ پہلے آٹھ شعروں کے حوالے سے یہ کہا جائے گا کہ کوئی بھی ہم غداروں کو، قریب آنا تو ایک طرف، دیکھنا تک بھی گوارا کرنے کو تیار نہیں۔

۱۳- ناگہاں آمد صدائے ہولناک سینۂ صحرا و دریا چاک چاک
۱۴- ربطِ اقلیم بدن از ہم گسیخت دم بدم کُہ پارہ بر کُہ پارہ ریخت
۱۵- کوہ ہامثلِ سحاب اندر مرور انہدام عالمے بے بانگِ صور
۱۶- برق و تندر از تب و تابِ دروں آشیاں جستند اندر بحرِ خوں
۱۷- موجہا پرشور و از خود رفتہ تر غرقِ خوں گردید آں کوہ و کمر
۱۸- آں چہ برپیدا و ناپیدا گذشت خیلِ انجم دید و بے پروا گذشت

۱۳- (اسی دوران میں) اچانک ایک بھیانک آواز سنائی دی جس سے صحرا اور سمندر کا سینہ پھٹ کے رہ گیا۔

۱۴- اس آواز سے جسم کی سلطنت کے باہمی ربط ٹوٹ کے رہ گئے (بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ گئے) اور مسلسل چٹان پر چٹان گرنے لگی۔

۱۵- پہاڑ بادلوں کی طرح اڑنے لگے اور صور (وہ صور جو قیامت کے روز اسرافیل پھونکے گا) کی آواز کے بغیر ہی جہان تہ و بالا ہونے لگا۔

۱۶- آسمانی بجلی اور کڑک (بادل کی گرج، رعد) اپنی اندرونی چمک دمک کی بنا پر خون کے سمندر میں اپنا آشیانہ (ٹھکانا) تلاش کرنے لگی۔

۱۷- سمندر کی موجیں پرشور اور بے قابو ہو رہی تھیں، وہاں کے پہاڑ اور گھاٹیاں خون

میں ڈوب گئیں۔

۱۸۔ وہاں جو کچھ ظاہر اور باطن پر گذرا اسے ستاروں کے لشکر نے دیکھا اور بے پرواہو کر وہاں سے گذر گیا۔ وہی بات کہ جو کچھ ان غداروں پر گذر رہا تھا، کوئی بھی اس پر توجہ دینے کو تیار نہ ہوا اور یہ کیفیت ان غداروں کی انتہائی ذلت وخواری اور عدمِ افسوس کا باعث تھی۔

آں سوئے افلاک

(آسمانوں کے اس طرف یا آسمانوں کے پار)

مقام حکیم المانوی نطشہ

(جرمن فلسفی نیٹشے کا مقام)

۱۔ ہر کجا استیزۂ بود و نبود — کس نداند سر ایں چرخ کبود
۲۔ ہر کجا مرگ آورد پیغامِ زیست — اے خوش آں مردے کہ داند مرگ چیست
۳۔ ہر کجا مانندِ باد ارزاں حیات — بے ثبات و باتمنائے ثبات
۴۔ چشمِ من صد عالم شش روزہ دید — تاحدِ ایں کائنات آمد پدید
۵۔ ہر جہاں را ماہ و پروینے دگر — زندگی کا را رسم و آئینے دگر
۶۔ وقتِ ہر عالم رواں مانند زو — دیر یاز ایں جا و آں جا تند رو
۷۔ سالِ ما ایں جا مہے آنجا دمے — بیشِ ایں عالم بہ آں عالم کمے
۸۔ عقلِ ما اندر جہانے ذوفنون — درجہانے دیگرے خوار و زبوں

۱۔ ہر جگہ وجود اور نیستی میں جنگ ہے یا جنگ جاری ہے۔ کوئی بھی اس نیلے آسمان کے راز سے باخبر نہیں ہے، یعنی زندگی اور موت کیوں باہم برسرپیکار رہتی ہے۔

۲۔ ہر جگہ موت زندگی کا پیغام لاتی ہے۔ وہ شخص ایک مبارک انسان ہے جسے یہ علم ہے کہ موت کیا ہے؟ یعنی اسے خبر ہے کہ موت آخرت کی زندگی کا وقفہ ہے۔

۳۔ زندگی ہر جگہ ہوا کی طرح ارزاں ہے، یہ بے ثبات بھی ہے اور اسے ثبات کی تمنا بھی رہتی ہے۔ اگرچہ زندگی فانی ہے لیکن اسے بقا کی خواہش رہتی ہے اور یہ بقا جہد وعمل

ہی سے ممکن ہے۔

۴۔ میری آنکھوں نے سینکڑوں چھ روزہ جہان دیکھے، تب کہیں جا کر اس کائنات کی حد نمودار ہوئی۔ اپنی روحانی سیر کے حوالے سے کہا ہے کہ اوپر کئی جہان دیکھے تب آسمانوں کے اس پار کی کائنات سامنے آئی۔

۵۔ ہر جہان کے اپنے چاند اور پروین ستارے ہیں اور ہر کسی میں زندگی کے طور طریقے الگ الگ ہیں۔

۶۔ ہر جہاں کا وقت دریا کی مانند رواں ہے جو یہاں اس جہان میں تو سست رفتار ہے اور اس جہان میں وہ تیزی سے چل رہا ہے۔

۷۔ ہماری دنیا کے سال مہینے ہیں جبکہ وہاں ایک پل ہیں۔ یہاں کے سال میں تو بارہ ماہ ہیں لیکن وہاں کا سال محض ایک پل ہے (وقت کی تیز رفتاری کے باعث) ہماری دنیا کا زیادہ اس جہان کا کم ہے۔ گویا ہر جہان کے اپنے زمانے، اپنا وقت وغیرہ ہے۔

۸۔ اس دنیا میں تو ہماری عقل ذوفنون ہے لیکن دوسری دنیا میں وہ ذلیل وخوار ہے۔ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور وہ کسی شے تک رسائی کے معاملے میں بے بس و عاجز ہے۔

۹۔ برثغورِ ایں جہانِ چون و چند　　بود مردے باصدائے دردمند

۱۰۔ دیدۂ او از عقاباں تیز تر　　طلعتِ او شاہدِ سوزِ جگر

۱۱۔ دمبدم سوزِ درونِ او فزود　　برلبش بیتے کہ صد بارش سرود

۱۲۔ "نہ جبریلے نہ فردوسے نہ حورے نہ خداوندے　　کفِ خاکے کہ می سوزد ز جانِ آرزومندے"

۹۔ اسباب اور مقدار کے اس جہان (ہماری دنیا) کی سرحد پر ایک مرد تھا جو درد بھری صدائیں بلند کر رہا تھا۔

۱۰۔ اس کی نگاہیں عقابوں سے بھی زیادہ تیز تھیں۔ اس کا چہرہ اس کے سوزِ جگر کا گواہ تھا۔ وہ بڑی دور تک دیکھنے والا تھا اور اس کا چہرہ اس کے باطنی سوز کا پتا دے رہا تھا یعنی وہ صاحب سوز ہے۔

۱۱۔ ہر لمحہ اس کے باطنی سوز میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شعر تھا جو اس نے سو مرتبہ پڑھا یعنی مسلسل پڑھے جا رہا تھا (وہ اگلا شعر تھا)

۱۲۔ نہ تو جبرئیل، نہ فردوس، نہ کوئی حور اور نہ خداوند، یہ مٹی کا پتلا انسان ہی ہے جو ایک آرزومند جان کے باعث سلگ رہا ہے۔ گویا آرزومندی یا صاحبِ آرزو ہونا

صرف انسان ہی کی فطرت ہے اور اس کی آرزو کے باعث دردمندی میں اس کا کوئی شریک یا اس جیسا نہیں ہے۔

۱۳۔ من بہ رومیؒ گفتم "ایں دیوانہ کیست؟" گفت "ایں فرزانۂ المانوی است
۱۴۔ درمیانِ ایں دو عالم جائے اوست نغمہ دیرینہ اندر نائے اوست
۱۵۔ باز ایں حلاج بے دار و رسن نوعِ دیگر گفتہ آں حرفِ کہن
۱۶۔ حرفِ او بے باک و افکارش عظیم غربیاں از تیغ گفتارش دونیم
۱۷۔ ہم نشیں بر جذبہ او پے نبرد بندۂ مجذوب را مجنوں شمرد
۱۸۔ عاقلاں از عشق و مستی بے نصیب نبض او دادند در دستِ طبیب
۱۹۔ باپزشکاں چیست غیر از ریو و رنگ وائے مجذوبے کہ زاد اندر فرنگ
۲۰۔ ابن سینا بر بیاضے دل نہد رنگ زند یا حب خواب آور دہد
۲۱۔ بود حلاجِ بشہر خود غریب جاں ز ملا برد و کشت او را طبیب

۱۳۔ میں نے رومیؒ سے پوچھا کہ یہ دیوانہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک جرمن دانشمند (نیٹشے) ہے۔ اہل یورپ اسے دیوانہ سمجھتے ہیں۔ (بقول علامہ وہ صاحب جذب یعنی مجذوب ہے۔)

۱۴۔ اس کا مقام ان دو جہانوں کے مابین ہے۔ اس کی بانسری میں وہی پرانا نغمہ ہے۔ نیٹشے ایک فلسفی تھا لیکن اس پر مجذوبی کی حالت طاری ہوگئی تھی، چنانچہ وہ ان دو حالتوں کے درمیان زندگی بسر کر رہا تھا۔

۱۵۔ اس حلاج (یعنی نیٹشے) نے جسے سولی پر نہیں لٹکایا گیا ایک مرتبہ پھر وہی پرانی بات نئے انداز میں کہی یعنی "انا الحق" کی بات۔ گویا وہ بھی منصور حلاج کی طرح انا کی بات کرتا ہے لیکن اس کے مطابق وہ انا قلب و روح سے بیگانہ ہے۔

۱۶۔ اس کی باتیں بے باک اور اس کے افکار عظیم ہیں۔ اہل مغرب اس کی گفتگو کی تلوار سے دو ٹکڑے ہیں۔ (اس کے نظریات کے بارے میں فرہنگ دیکھیے) گویا اس نے اپنی باتوں یعنی افکار و نظریات سے عیسائی تہذیب و ثقافت کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔

۱۷۔ اس کے ساتھی اس کے جذبے کو نہ پا سکے، نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے اس مجذوب انسان کو دیوانہ سمجھ لیا یا دیوانہ کہا۔

۱۸۔ عقلمندوں نے جو عشق و مستی کے جذبوں سے محروم و بے بہرہ ہیں، اس کی نبض طبیب

کے ہاتھ میں دے دی یعنی اسے پاگل سمجھ کر اس کے علاج معالجہ میں لگ گئے۔

۱۹- معالجوں کے پاس نمایش اور فریب کے سوا اور ہے ہی کیا۔ اس مجذوب کی حالت قابل افسوس ہے جو افرنگ یا یورپ/ جرمنی میں پیدا ہوا۔ چونکہ یورپ کے عقلمند سوز و جذبہ کی کیفیت سے محروم تھے، انہوں نے اسے پاگل قرار دے کر اس کا علاج شروع کر دیا۔ گویا اس لحاظ سے نیٹشے بد قسمت ٹھہرا۔

۲۰- ابن سینا (مراد بہت بڑا طبیب) نسخہ جات کی بیاض پر دل لگاتا ہے یعنی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے اس کے مطابق علاج کرتا ہے یا پھر اس کی فصد کھولتا یا نیند لانے والی گولی دیتا ہے۔ (نیٹشے کے علاج کے حوالے سے ایسا کہا ہے)

۲۱- وہ (نیٹشے) ایک ایسا حلاج تھا جو اپنے شہر میں بھی اجنبی تھا۔ ملا یعنی عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں سے تو اس کی جان بچ گئی لیکن طبیبوں نے اسے مار ڈالا۔

۲۲- مردِ رہ دانے نبود اندر فرنگ | پس فزوں شد نغمہ اش از تارِ چنگ
۲۳- راہ رو را کس نشاں از رہ نداد | صد خلل در وارداتِ او فتاد
۲۴- نقد بود و کس عیار او را نکرد | کار دانے مردِ کار او را نکرد
۲۵- عاشقے در آہِ خود گم گشتہ ے | سالکے در راہِ خود گم گشتہ ے
۲۶- مستی او ہر زجاجے را شکست | از خدا ببرید و ہم از خود گسست
۲۷- خواست تا بیند بچشم ظاہری | اختلاطِ قاہری با دل بری
۲۸- خواست تا از آب و گل آید بروں | خوشہ ے کز کشت دل آید بروں
۲۹- آں چہ او جوید مقامِ کبریاست | ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست
۳۰- زندگی شرحِ اشاراتِ خودی است | لا و الا از مقاماتِ خودی است
۳۱- او بہ لا در ماندو تا الا نرفت | از مقام عبدہ، بیگانہ رفت
۳۲- با تجلی ہمکنار و بے خبر | دور تر چوں میوہ از بیخ شجر
۳۳- چشم او جز رویت آدم نخواست | نعرہ بے باکانہ زد آدم کجاست
۳۴- ورنہ او از خاکیاں بیزار بود | مثل موسیٰ طالب دیدار بود
۳۵- کاش بودے در زمانِ احمدے | تا رسیدے بر سرورِ سرمدے
۳۶- عقل او باخویشتن در گفتگوست | تو رہِ خود رو کہ راہِ خود نکوست
۳۷- پیش نہ گامے کہ آمد آں مقام | کاندرو بے حرف می روید کلام

۲۲- چونکہ یورپ میں کوئی راہ داں آدمی نہ تھا اس لیے اس (نیٹشے) کا نغمہ ساز کے تاروں سے بڑھ گیا۔ گویا اگر یورپ میں کوئی ایسا مرشد یا رہنما ہوتا جو اس کے نظریات کو حدود میں رکھتا تو وہ پاگل پن کے الزام سے بچ جاتا۔

۲۳- راہ رو (مراد نیٹشے) کو کسی نے صحیح راستے کا پتا نہ بتایا جس کے نتیجے میں اس کی واردات (وارداتِ قلبی) میں سینکڑوں خلل پڑ گئے۔ وہی بات کہ صحیح رہنما نہ ملا جس کا یہ نتیجہ سامنے آیا۔

۲۴- وہ نقدی (سونا) تھا، کسی نے اسے کسوٹی پر نہیں لگایا (نہیں پرکھا) کسی مردِ کار (مردِ کامل) اسے کارداں (باتیں سمجھنے والا) نہ بنایا۔ مطلب یہ کہ اس میں خدا رسیدہ ہونے کی صلاحیت تو تھی لیکن کامل رہنما نہ ملنے کی وجہ سے وہ ایسے فوق البشر کا قائل ہو گیا جو علامہ کے مردِ مومن سے بالکل مختلف یا اس کے برعکس تھا۔

۲۵- وہ ایک ایسا عاشق تھا جو اپنی آہوں میں کھو چکا تھا اور ایک سالک تھا جو اپنے رستے ہی میں گم ہو گیا تھا یعنی منزل تک نہ پہنچ سکا۔

۲۶- اس کی مستی نے ہر شیشے کو توڑ ڈالا۔ وہ خدا سے تو بے تعلق ہوا ہی تھا اپنے آپ سے بھی بے تعلق ہو گیا، خود سے بیگانہ ہو گیا۔ اگر اس کے جذبوں کو کوئی سنبھالا دینے والا ہوتا تو اس کی یہ بے تعلقی کی حالت نہ ہوتی۔

۲۷- اس نے دلبری اور قاہری کے اختلاط کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنا چاہا۔ گویا اس کی یہ آرزو تھی کہ وہ خالق کائنات کی جمال وجلال کی صفات کو اپنے سامنے بھی دیکھ لے جبکہ یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ کوئی مردِ کامل تلاش کر لیتا جو ان خدائی صفات کا مظہر ہوتا۔

۲۸- اس نے چاہا کہ مذکورہ صفات کا حامل فوق البشر جسم آدم سے باہر آئے۔ مطلب یہ کہ وہ روحانی طور پر نہیں بلکہ عقل و ذہن کے لحاظ سے ایسا ہو، گویا اس نے یہ چاہا کہ وہ خوشہ جو دل سے باہر آنا چاہیے وہ جسم کی کھیتی سے پیدا ہو۔

۲۹- وہ (نیٹشے) جس چیز کی تلاش میں ہے وہ تو کبریا کا مقام ہے۔ جو (مقام) عقل و حکمت سے ماورا ہے۔ پھر وہ اسے کیونکر پا سکتا ہے۔

۳۰- زندگی خودی کے اشاروں یا رمزوں کی شرح ہے۔ لا اور الا خودی کے مقامات میں سے ہیں۔ لا یعنی ہر شے کی نفی کرنا اور الا یعنی خدائے واحد اور معبود حقیقی کے وجود کا اقرار کرنا ہے۔ گویا نیٹشے لا ہی کے چکر میں رہا اور الا کی طرف نہیں آیا۔ روحانی

جذبوں سے بھی وہ دور ہی رہا۔

۳۱- وہ لا ہی میں الجھا/ پھنسا رہا اور الا تک نہ پہنچا اور ''عبدہ'' کے مقام سے بیگانہ ہی گیا۔ (عبدہ کی وضاحت اس سے پہلے فلک مشتری میں غالب اور حلاج کے حوالے سے آ چکی ہے) مطلب یہ کہ فوق البشر کا مقام روزِ ازل سے آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ اس مقام سے اگر نیٹشے آگاہ ہوتا تو یوں نہ بھٹکتا۔

۳۲- تجلی اس (نیٹشے) کے پہلو میں ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہے۔ اس کی یہ کیفیت اس پھل کی سی ہے جو درخت کی جڑ سے دور ہوتا ہے۔ اگر وہ اس تجلی سے آگاہ ہو جائے، اسے پہچان لے تو وہ خود کو پہچان لے جبکہ وہ عقل و فکر کے حوالے سے آدمی کو فوق البشر بنانے کی خواہش رکھتا ہے۔

۳۳-۳۴: اس کی آنکھوں نے آدم کی رویت کے سوا اور کچھ نہ چاہا۔ اس نے بے باکانہ نعرہ لگایا کہ آدم (فوق البشر) کہاں ہے ورنہ وہ تو خود بھی آدمیوں سے بیزار تھا اور حضرت موسیٰ کی طرح خدا کے دیدار کا خواہشمند تھا۔ گویا اس نے آدمی کو ہر شے سے بلند دیکھنا چاہا۔ دوسرے لفظوں میں حضرت موسیٰ تو خدا کے دیدار کے آرزومند تھے جبکہ وہ عام آدمی سے تو بیزار تھا لیکن وہ فوق البشر کی تجلی کا خواہاں تھا اور وہ بھی صرف جسمانی اور فکری و عقلی لحاظ سے، روحانی طور پر نہیں۔

۳۵- کاش وہ کسی احمد یعنی شیخ احمد سرہندیؒ کے زمانے میں ہوتا تاکہ وہ سرورِ دائم (ہمیشہ رہنے والے سرور) حاصل کر لیتا۔ وہ اسے حقیقی فوق البشر کی منزل دکھا دیتے اور اسے اس تک پہنچا دیتے۔

۳۶- نیٹشے کی عقل اپنے آپ سے گفتگو میں لگی ہوئی ہے۔ (اے زندہ رود تو) اسے چھوڑ اور اپنے راستے پر چل کہ تیرا اپنا راستہ ہی اچھا ہے، آگے بڑھ۔

۳۷- تو قدم آگے بڑھا کہ اب وہ مقام آ گیا ہے جہاں الفاظ کے بغیر ہی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ مقام لاہوت (لامکاں) ہے جس کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں اور نہ اس کا ادراک عقل و خرد ہی کے بس کی بات ہے۔ دوسرا مصرع رومیؒ کی مثنوی کا ہے۔ اپنے شعر میں رومیؒ نے یہی کہا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں الفاظ کے بغیر کلام کرنا ممکن ہے جبکہ عقل اس کا ادراک نہیں رکھتی۔

حرکت بجنّت الفردوس

۱- درگذشتم از حدِ ایں کائنات — پانہادم در جہانِ بے جہات
۲- بے یمین و بے یسار است ایں جہاں — فارغ از لیل و نہار است ایں جہاں
۳- پیش او قندیل ادراکم فسرد — حرفِ من از ہیبتِ معنی بمرد
۴- بازبانِ آب و گل گفتارِ جاں! — درقفس پرواز می آید گراں

۱- میں اس کائنات کی حد سے گذر گیا اور میں نے ایسے جہان میں قدم رکھا جو طرفوں سے بے نیاز تھا، اس میں مشرق و مغرب وغیرہ نہیں تھیں۔

۲- یہ جہان دائیں اور بائیں کے بغیر ہے، گویا طرفوں یا سمتوں کے بغیر ہے، یہ جہان رات اور دن سے بھی فارغ ہے۔ یہاں نہ کوئی رات ہوتی ہے اور نہ کوئی دن ہوتا ہے۔

۳- اس جہان کو دیکھ کر میرے تو عقل و شعور کا چراغ ہی بجھ گیا، مجھے کچھ سمجھ نہ آ سکا۔ معنی یا بیان کے دبدبے سے میرے الفاظ ہی مر گئے۔ گویا وہ ایسا عجیب و غریب جہان تھا جس کی صورت بیان کرنا میری زبان کے بس کی بات نہ تھی۔

۴- جان کی بات جسم کی زبان سے ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پرندے کے لیے پنجرے میں اڑنا اس کے لیے بھاری یا ناممکن ہوتا ہے۔

۵- اندکے اندر جہانِ دل نگر — تا ز نورِ خود شوی روشن بصر
۶- چیست دل؟ یک عالمِ بے رنگ و بوست — عالمِ بے رنگ و بو بے چار سوست
۷- ساکن و ہر لحظہ سیار است دل — عالمِ احوال و افکار است دل
۸- از حقائق تا حقائق رفتہ عقل — سیر او بے جادہ و رفتار و نقل
۹- صد خیال و ہر یک از دیگر جداست — ایں بگردوں آشنا آں نارساست
۱۰- کس نگوید ایں کہ گردوں آشناست — بریمینِ آں خیال نارساست
۱۱- یا سرورے کاید از دیدار دوست — نیم گامے از ہوائے کوئے اوست
۱۲- چشم تو بیدار باشد یا بخواب — دل بہ بیند بے شعاعِ آفتاب
۱۳- آں جہاں رابر جہانِ دل شناس — من چہ گویم زاں چہ ناید درقیاس

۵- تو ذرا دل کی دنیا پر نظر ڈال تا کہ تو اپنے نور سے روشن بصر ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں جو دل کی کیفیت ہے وہی اس جہان کی ہے۔ جب تو روشن بصر ہو جائے گا تو تو

اس جہان کو صحیح معنوں میں دیکھ اور سمجھ سکے گا۔

۶- دل کیا ہے؟ دل رنگ و بو سے خالی ایک جہان ہے۔ یہ جہان (دل) بھی بے رنگ و بو ہے اور اس میں بھی سمتیں/اطراف نہیں ہیں۔ گویا جہانِ لامکاں کی کیفیت وصورت سمجھنے کے لیے دل پر غور کیا جائے تو وہ واضح ہو جائے گی۔

۷- یہ دل ساکن بھی ہے اور ہر لحظہ حرکت میں بھی رہتا ہے (متضاد کیفیات کا حامل ہے) دل احوال اور افکار کا جہان ہے۔ اس کی ان کیفیات پر عقل و منطق حیران ہے۔ گویا دل سے یہاں مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے بلکہ اس کے لطائف کا نام ہے جسے علامہ احوال و افکار کا جہان کہتے ہیں۔

۸- عقل حقیقتوں سے حقیقتوں کی طرف گئی ہے جبکہ دل کی سیر/گردش کسی رفتار اور راستہ اور نقل مکانی کے بغیر ہے۔ عقل ایک حقیقت کو پا کر اس کی بنیاد پر دوسری حقیقت کو پانے کی طرف بڑھتی ہے لیکن دل اس کیفیت سے بے نیاز ہے یعنی وہ رفتار و راستہ وغیرہ کے بغیر ہی سفر جاری رکھتا ہے، اس کی ضرورت تو عقل کو رہتی ہے۔

۹- دل کے اندر سینکڑوں قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں لیکن ہر خیال ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے۔ کوئی خیال تو آسمان تک پہنچتا ہے اور کوئی نہیں پہنچتا۔

۱۰- کوئی یہ نہیں کہتا کہ وہ خیال جو آسمان تک پہنچتا ہے۔ اس کے دائیں طرف آسمان تک نہ پہنچنے والا خیال ہے۔ گویا دل کے خیالات کی رنگا رنگی حیران کن ہے۔

۱۱- یا وہ سرور کہ جو دوست/محبوب کے دیدار سے آتا ہے، وہ محبوب کے کوچے کی آرزو کے نصف قدم پر ہے۔ گویا محبوب کے کوچے میں ہونا چاہیے اس لیے کہ کسی وقت تو اس کا دیدار ہو جائے گا۔ بقول مصحفیؔ:

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

نیز مصحفیؔ:

تو ملے یا نہ ملے اس سے تو کچھ کام نہیں
ہم کو کوچے سے ترے روز میاں ہو جانا

۱۲- تیری آنکھیں جاگتی ہوں یا سوئی ہوئی ہوں، دل سورج کی روشنی کے بغیر سب کچھ دیکھتا ہے۔

۱۳- (لہٰذا) تو اس مذکورہ جہان کو دل کے جہان کے حوالے سے پہچان یا جان۔ میں بھلا اس کے بارے میں کیا بیان کروں جو قیاس میں بھی آنا ممکن نہیں۔

۱۴- اندر آں عالم جہانے دیگرے ... اصلِ او از کن فکانے دیگرے
۱۵- لازوال و ہر زماں نوعِ دگر ... ناید اندر وہم و آید در نظر
۱۶- ہر زماں او را کمالے دیگرے ... ہر زماں او را جمالے دیگرے
۱۷- روزگارش بے نیاز از ماہ و مہر ... گنجد اندر ساحتِ او نہ سپہر
۱۸- ہرچہ در غیب است آید روبرو ... پیش از آں کز دل بروید آرزو
۱۹- در زبانِ خود چساں گویم کہ چیست ... ایں جہاں نور و حضور و زندگی ست
۲۰- لالہ ہا آسودہ در کہسارہا ... نہرہا گردندہ در گلزار ہا
۲۱- غنچہ ہائے سرخ و اسپید و کبود ... از دمِ قدوسیاں او راکشود
۲۲- آب ہا سیمیں، ہوا ہا عنبریں ... قصر ہا با قبہ ہائے زمردیں
۲۳- خیمہ ہا یاقوت گوں زریں طناب ... شاہداں با طلعتِ آئینہ تاب
۲۴- گفت رومی اے گرفتارِ قیاس ... در گذر از اعتباراتِ حواس
۲۵- از تجلی کارہائے خوب و زشت ... می شود آں دوزخ ایں گردد بہشت
۲۶- ایں کہ بینی قصرہائے رنگ رنگ ... اصلش از اعمال و نے از خشت و سنگ
۲۷- آں چہ خوانی کوثر و غلمان و حور ... جلوۂ ایں عالم جذب و سرور
۲۸- زندگی ایں جا ز دیدار است و بس ... ذوقِ دیدار است و گفتار است و بس

۱۴- اس جہان کا ایک اور ہی عالم ہے۔ اس کی اصل ایک اور "کن فکاں" سے ہے۔ (فرہنگ.....) گویا اس دنیا کی تخلیق کسی اور انداز سے ہوئی ہے۔

۱۵- وہ لازوال ہے (اسے فنا نہیں ہے) اور ہر لحہ نئے انداز میں ہوتا ہے۔ وہ وہم میں نہیں آتا اور نظر میں آتا ہے۔ گویا احساسات ہی کی نظر سے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۶- ہر لحہ اس کا ایک اور ہی یا نیا کمال ہوتا ہے اور ہر لحظہ اس کا جمال نیا ہوتا ہے۔

۱۷- اس کے دن رات، سورج اور چاند سے بے نیاز ہیں۔ اس کی وسعت یا اس کے ایک گوشے میں نو آسمان سما جاتے ہیں۔ انتہائی وسعت کا حامل ہے۔

۱۸- اس سے پہلے کہ دل میں کوئی آرزو پیدا ہو، یہاں جو کچھ بھی غیب میں ہے، وہ سامنے آ جاتا ہے (دوسرا مصرع پہلے)

۱۹- میں اپنی زبان سے کیسے بیان کروں کہ یہ جہان کیا ہے۔ (بس یہ سمجھو کہ) یہ جہان نور و حضور اور زندگی ہے۔ یہ مادیت سے خالی جہان ہے جسے عقل و شعور سمجھنے سے قاصر ہیں۔

۲۰- اس کے پہاڑوں میں لالہ کے پھول آرام کر رہے ہیں (موجود ہیں) اس کے گلزاروں/ باغوں میں نہریں جاری ہیں، رواں ہیں۔

۲۱- یہاں سرخ و سفید اور نیلے غنچے ہیں جو فرشتوں کے دم سے کھلتے ہیں۔

۲۲- اس کے پانی چاندی کی طرح سفید ہیں اور اس کی ہواؤں میں عنبر کی خوشبو ہے۔ اس کے گنبد اور محل زمرد کے بنے ہوئے ہیں۔

۲۳- یہاں کے خیمے یاقوت کے رنگ کے ہیں اور ان خیموں کی طنابیں/ رسیاں سونے کی ہیں۔ ان خیموں میں ایسے حسین ہیں جن کے چہرے آئینے کی سی چمک رکھتے ہیں۔

۲۴- رومی نے (مجھ زندہ رود سے) کہا کہ تو جو قیاس میں گرفتار ہے، حواس کے اعتبارات سے گذر جا۔ مطلب یہ کہ جن چیزوں کا ذکر اوپر ہوا ہے، وہ مادی اشیا نہیں ہیں کہ انہیں قیاس میں لایا جا سکے، وہ تو قیاس و احساس سے ماورا ہیں۔

۲۵- اچھے اور برے کام/ اعمال خالق کائنات کی تجلی سے متعلق ہیں، جس (تجلی) کی بنا پر وہ (برے اعمال) دوزخ اور یہ (اچھے اعمال) بہشت بن جاتے ہیں۔

۲۶- یہ جو تو (زندہ رود) رنگ رنگ کے محل دیکھ رہا ہے تو اس کی اصل/ بنیاد اعمال سے ہے، اینٹ اور پتھر سے نہیں۔ نیک اعمال یہاں گویا محل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

۲۷- جن کو تو کوثر اور غلمان اور حور کہتا ہے، وہ تو اس جذب و سرور کے عالم کے جلوے ہیں۔

۲۸- یہاں زندگی دیدار سے ہے اور بس۔ یہاں دیدار کا ذوق ہے اور اس کے بارے میں باتیں ہیں۔ گویا عالم بالا کی چیزوں کو دنیاوی مادی اشیا کی طرح مت سمجھ۔ یہاں کی زندگی سانسوں کی زندگی نہیں بلکہ سراسر دیدارِ محبوبِ حقیقی اور اس سے متعلق گفتار کا نام ہے۔

قصرِ شرف النسا

۱- گفتم "ایں کاشانۂ از لعلِ ناب — آں کہ می گیرد خراج از آفتاب

۲- ایں مقام ایں منزل ایں کاخ بلند — حوریاں بر درگہش احرام بند

۳- اے تو دادی سالکاں را جستجوے | صاحبِ او کیست؟ بامن باز گوے"

۴- گفت "ایں کاشانۂ شرف النساست | مرغِ بامش با ملائک ہم نواست

۵- قلزمِ ما ایں چنیں گوہر نزاد | ہیچ مادر ایں چنیں دختر نزاد

۶- خاکِ لاہور از مزارش آسماں | کس نداند رازِ او را درجہاں

۷- آں سراپا ذوق و شوق و درد و داغ | حاکم پنجاب را چشم و چراغ

۸- آں فروغِ دودۂ عبدالصمد | فقر او نقشے کہ ماند تا ابد

۹- تا ز قرآں پاک می سوزد وجود | از تلاوت یک نفس فارغ نبود

۱۰- در کمر تیغ دو رو قرآں بدست | تن بدن ہوش و حواس اللہ مست

۱۱- خلوت و شمشیر و قرآن و نماز | اے خوش آں عمرے کہ رفت اندر نیاز

۱۲- برلبِ او، چوں دمِ آخر رسید | سوئے مادر دید و مشتاقانہ دید

۱۳- گفت اگر از رازِ من داری خبر | سوئے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر

۱۴- ایں دو قوت حافظ یک دیگراند | کائناتِ زندگی را محور اند

۱۵- اندریں عالم کہ میرد ہر نفس | دخترت را ایں دو محرم بود و بس

۱۶- وقتِ رخصت باتو دارم ایں سخن | تیغ و قرآں را جدا از من مکن

۱۷- دل بہ آں حرفے کہ می گویم بنہ | قبر من بے گنبد و قندیل بہ

۱۸- مومناں را تیغ با قرآں بس است | تربتِ ما را ہمیں ساماں بس است

۱- میں (زندہ رود) نے (رومی سے) پوچھا کہ خالص لعل سے بنا ہوا یہ کاشانہ کس کا ہے؟ جو سورج سے بھی خراج لے رہا ہے۔ یعنی اس کی چمک دمک کے سامنے سورج کی روشنی بھی کچھ نہیں ہے۔

۲- یہ مقام، یہ منزل اور یہ بلند محل جس کے دروازے پر حوریں بھی ادب و احترام سے کھڑی ہیں (کس کا ہے؟)

۳- اے کہ آپ (رومیؒ) نے راہِ حق پر چلنے والوں میں جستجو کا جذبہ پیدا کیا ہے، ذرا مجھے یہ تو بتا دیں کہ اس کا مالک کون ہے؟

۴- رومیؔ جواب میں بولے کہ یہ شرف النساء کا کاشانہ ہے (فرہنگ....) جس کی چھت کا پرندہ فرشتوں سے ہم کلام ہے۔ گویا یہ بہت بلند و پاک محل ہے۔

۵- ہمارے سمندر نے اس قسم کا موتی پیدا نہیں کیا۔ کسی ماں نے ایسی بیٹی کو جنم نہیں دیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں ایسی پاک فطرت اور اللہ مست لڑکی پیدا نہیں ہوئی۔

۶- سرزمینِ لاہور اس کے مزار کے باعث آسمان یعنی بلند مرتبہ ہے۔ دنیا میں کوئی بھی اس کے راز سے آگاہ نہیں ہے۔ گویا اس نیک لڑکی کا جو بلند مقام و مرتبہ ہے اسے کوئی نہیں جانتا۔

۷- وہ (شرف النسا) سراپا ذوق و شوق اور درد و داغ تھی۔ عشق حقیقی کے جذبوں سے سرشار تھی۔ وہ پنجاب کے حاکم/صوبے دار کی چشم و چراغ (بیٹی) تھی۔

۸- وہ عبدالصمد (حاکم پنجاب) کے خاندان کا فروغ تھی۔ اس کا فقر ایک ایسا نقش تھا جو ابد تک قائم رہے گا۔

۹- وہ اس خاطر کہ قرآن کریم کے فیضان سے اس کا وجود پورے طور پر سوز حاصل کر لے، قرآن کی تلاوت سے ایک پل بھی فارغ نہ بیٹھتی تھی۔

۱۰- اس کی کمر پر دو دھاری تلوار بندھی ہوتی تھی اور ہاتھ میں قرآن ہوتا تھا۔ اس کا تن بدن اور اس کے ہوش و حواس اللہ کی یاد میں مست رہتے تھے۔

۱۱- خلوت اور تلوار اور قرآن و نماز سب گویا اس کی ہر وقت کی ساتھی تھیں۔ وہ زندگی کیسی اچھی/مبارک ہے جو خدا کے حضور اس نیاز و عاجزی میں بسر ہو۔

۱۲- جب اس کے ہونٹوں پر آخری دم پہنچا تو اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور مشتاقانہ انداز میں دیکھا۔

۱۳- پھر اس سے کہنے لگی کہ (امی) اگر آپ کو میرے راز سے آگاہی ہے تو اس تلوار اور قرآن کو دیکھیں۔ گویا یہ دونوں چیزیں اس کی زندگی کا سرمایہ تھیں۔

۱۴- یہ دو قوتیں (تلوار اور قرآن) ایک دوسرے کی محافظ ہیں اور زندگی کی کائنات کا محور ہیں۔ زندگی انہی دو کے گرد گردش کرتی ہے۔ قرآن کے نفوذ کے لیے طاقت کی ضرورت ہے جبکہ طاقت کے صحیح استعمال کے لیے قرآن کی ضرورت ہے۔

۱۵- اس دنیا میں، جو لحہ فنا کی طرف جا رہی ہے، یہی دو چیزیں آپ کی بیٹی کی محرم تھیں (اس نے تمام عمر کسی نامحرم کو نہیں دیکھا تھا)

۱۶- اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تلوار اور قرآن کو مجھ سے الگ نہ کرنا۔

۱۷- میں جو کچھ عرض کر رہی ہوں آپ اس پر دلی توجہ دیں۔ میری قبر گنبد اور قندیل کے

بغیر ہی اچھی ہے یا اچھی رہے گی۔

۱۸- مومنوں کے لیے دنیا و آخرت میں قرآن کے ساتھ تلوار ہی کافی ہے، لہٰذا میری قبر کے لیے یہ سامان کافی ہے۔ دونوں چیزیں میری قبر کے سرہانے رکھ دینا۔

۱۹- عمرہا در زیرِ ایں زریں قباب | برمزارش بود شمشیر و کتاب

۲۰- مرقدش اندر جہانِ بے ثبات | اہل حق را داد پیغام حیات

۲۱- تا مسلماں کرد باخود آنچہ کرد | گردشِ دوراں بساطش در نورد

۲۲- مردِ حق از غیر حق اندیشہ کرد | شیر مولا روبہی را پیشہ کرد

۲۳- از دلش تاب و تب سیماب رفت | خود بدانی آنچہ بر پنجاب رفت

۲۴- خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد | اندر آں کشور مسلمانی بمرد

۱۹- اس سنہری گنبد کے نیچے مدتوں اس (شرف النسا) کے مزار پر تلوار اور قرآن پڑے رہے۔

۲۰- اس کے مرقد نے اس فانی دنیا میں اہل حق کو زندگی کا پیغام دیا یعنی اس نے مسلمانوں کے لیے اپنی مثال چھوڑی کہ زندگی گذارنے کا صحیح انداز یہ ہے۔

۲۱- یہاں تک کہ مسلمانوں نے اپنے آپ سے کیا جو کچھ کیا جس کے نتیجے میں زمانے کی گردش نے ان کی بساط ہی لپیٹ دی۔ مسلمان برصغیر پر کبھی حکمران تھے لیکن انہوں نے شمشیر و قرآن سے دوری اختیار کر لی اور یوں غلامی کی ذلیل زندگی گذارنے لگے۔

۲۲- مردِ حق جو صرف خدا سے ڈرتا تھا اب وہ ماسوا اللہ یا باطل قوتوں سے ڈرنے لگا۔ مولا کے اس شیر (مسلمان) نے لومڑی کی سی بزدلی اختیار کر لی۔ کبھی بہادر تھا لیکن مذکورہ دوری کے باعث بزدل بن گیا۔

۲۳- اس کے دل میں عشق کی پارے کی طرح کی تڑپ ہی ختم ہو گئی۔ تو (زندہ رود) تو خود جانتا ہے کہ پنجاب پر کیا کچھ گذری۔ سکھوں نے ۱۸۰۱ء تا ۱۸۴۶ء پنجاب پر حکومت کی اور اس دوران میں مسلمانوں کا جو حشر کیا، تاریخ اس کی گواہ ہے۔

۲۴- سکھ شرف النسا کی قبر سے شمشیر اور قرآن اٹھا لے گئے اور اس صوبہ پنجاب میں مسلمانی مرگئی یعنی چونکہ مسلمان قرآن و شمشیر سے بیگانہ ہو گئے تھے، اس لیے ذلت و خواری ان کا مقدر بن گئی اور حکمرانی سے وہ محروم ہو گئے۔

زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی و ملا طاہر غنی کشمیری

(امیر کبیر حضرت سید علیؒ ہمدانی اور ملا طاہر غنی کشمیریؒ کی زیارت)

۱۔ حرفِ رومی در دلم سوزے فگند — آہ پنجاب! آں زمینِ ارجمند
۲۔ از تپِ یاراں تپیدم در بہشت — کہنہ غمہارا خریدم در بہشت
۳۔ تا در آں گلشن صدائے دردمند — از کنارِ حوضِ کوثر شد بلند
۴۔ ''جمع کردم مشت خاشاکے کہ سوزم خویش را — گل گماں دارد کہ بندم آشیاں در گلستاں''
(غنی)

۱۔ رومیؒ کی باتوں نے میرے دل میں سوز پیدا کر دیا۔ آہ پنجاب کی وہ قدر و منزلت والی سرزمین۔
۲۔ میں بہشت میں دوستوں کی یاد کی گرمی میں بہت تڑپا اور اس طرح میں نے بہشت میں پرانے غم خرید لیے یعنی وہاں پنجاب پر سکھوں کے قبضے اور مسلمانوں کی حالت زار کے غم تازہ ہو گئے۔
۳۔ تا آنکہ اس گلشن (بہشت) میں ایک دردمند صدا، حوضِ کوثر کے کنارے سے بلند ہوئی۔ (چوتھا شعر آواز والا ہے)
۴۔ میں نے تنکوں کی ایک مٹھی اکٹھی کی تا کہ اپنے آپ کو جلا لوں لیکن پھول یہ گمان کر رہا ہے کہ میں گلستان میں آشیانہ بنا رہا ہوں۔ یہ شعر غنی کشمیریؒ کا ہے جو وہاں خود ہی اونچی آواز میں الاپ رہے تھے۔

۵۔ گفت رومی ''آنچہ می آید نگر — دل مدہ با آں چہ بگذشت اے پسر!
۶۔ شاعرِ رنگیں نوا طاہر غنی — فقر او باطن غنی، ظاہر غنی
۷۔ نغمہ ے می خواند آں مست مدام — درحضورِ سیدِ والا مقام
۸۔ سید السادات، سالارِ عجم — دستِ او معمارِ تقدیرِ امم
۹۔ تا غزالی درسِ اللہ ھو گرفت — ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت
۱۰۔ مرشدِ آں کشورِ مینو نظیر — میر و درویش و سلاطیں رامشیر
۱۱۔ خطہ را آں شاہِ دریا آستیں — داد علم و صنعت و تہذیب و دیں
۱۲۔ آفرید آں مرد ایرانِ صغیر — باہنر ہائے غریب و دل پذیر
۱۳۔ یک نگاہِ او کشاید صدگرہ — خیز و تیرش را بدل راہے بدہ

۵- رومیؒ (زندہ رود سے) کہنے لگے ''جو کچھ نظر آ رہا ہے اس سے دل لگا، اے بیٹے/ برخوردار جو کچھ گذر چکا ہے اس سے دل نہ لگا۔ جواب سامنے ہے اس پر توجہ کر۔

۶- یہ رنگیں نوا شاعر طاہر غنیؔ ہے جس کا فقر باطن میں بھی بے نیاز اور ظاہر میں بھی بے نیاز ہے۔ ظاہر اور باطن دونوں کے لحاظ سے اسم با مسمیٰ ہے۔

۷- وہ ہمیشہ مست رہنے والا (غنی) سیدؒ والا مقام کے حضور نغمہ الاپ رہا تھا۔ گویا غنیؔ کی مستی ''الست'' کی شراب سے تھی۔ زندگی میں اس کی ساری توجہ اس خالق کی طرف رہی۔

۸- (سید والا مقام کی وضاحت) وہ یعنی علیؒ ہمدانی سادات کے سردار اور عجم یا اہل عجم کے سالار ہیں۔ ان کے ہاتھ امتوں کی تقدیر کا معمار (تقدیر بنانے سنوارنے والے) ہیں۔ ان کی تبلیغ سے اہل کشمیر کفر سے اسلام کی طرف آئے جس سے ان کی تقدیر سنور گئی۔

۹- جب امام غزالیؒ نے ''اللہ ھوٗ'' کا درس لیا (وہ ظاہری اور باطنی علم میں اللہ والے ہو گئے) تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان (ہمدانی) کے خاندان کے بزرگوں سے ذکر وفکر کی تعلیم لی تھی۔ ان بزرگوں سے فیض حاصل کرتے رہے۔

۱۰- اس جنت نظیر کشور (کشمیر) کے وہ مرشد تھے اور امیروں/ سرداروں اور درویشوں کے وہ مشیر تھے۔ گویا ان طبقوں کے لوگ ان کے مرید اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا کرتے تھے۔ کشمیر کے متعلق جہانگیر یا نور جہاں کا یہ شعر مشہور ہے:

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

(اگر روئے زمین پر کوئی فردوس ہے تو وہ یعنی کشمیر یہی ہے اور یہی ہے اور یہی ہے)

۱۱- اس خطۂ کشمیر کو اس دریا آستین شاہ (ہمدانیؒ) نے، علم اور صنعت اور تہذیب و دین عطا کیا۔ ان کے ساتھ ایران سے آئے ہوئے صنعت کاروں نے کشمیریوں کو قالین سازی، خطاطی، پارچہ بافی اور نقاشی وغیرہ کے ہنر سکھائے تھے۔ انہیں اسلامی تہذیب وثقافت سے آشنا کیا اور کئی اسلامی درسگاہیں قائم کیں۔

۱۲- اس مردِ حق (ہمدانیؒ) نے کشمیریوں کو نادر اور دل پذیر ہنر سکھا کر کشمیر کو برصغیر میں چھوٹا ایران بنا دیا۔

۱۳- ان (ہمدانیؒ) کی ایک نگاہ سو گرہیں کھولتی ہے یعنی مشکلیں حل کرتی ہے۔ تو (زندہ

رود) اٹھ اور ان کے تیر کو دل میں راہ دے یعنی ان کے پاس جا کر ان کی صحبت سے فیض حاصل کر۔ (چنانچہ زندہ رود اب ان کی طرف بڑھا ہے)

در حضورِ شاہِ ہمدان

(شاہِ ہمدان کے حضور میں)

۱- از تو خواہم سرِ یزداں را کلید — طاعت از ما جست و شیطاں آفرید
۲- زشت و ناخوش را چناں آراستن — در عمل از ما نکوئی خواستن
۳- از تو پرسم ایں فسوں سازی کہ چہ! — با قمارِ بدنشیں بازی کہ چہ!
۴- مشت خاک و ایں سپہر گرد گرد — خود بگو می زیبدش کارے کہ کرد؟
۵- کارِ ما افکارِ ما آزارِ ما — دست با دندان گزیدن کارِ ما

۱- (اے شاہِ ہمدان) میں آپ سے خدا کے ایک بھید کا حل جاننا چاہتا ہوں۔ خدا نے شیطان کو پیدا کیا اور ہم سے اطاعت چاہی۔ گویا اس انسان مخالف شیطان کو ہمیں بہکانے کی کھلی چھٹی ہے جبکہ ہمیں اس کا حکم نہ ماننے اور اپنی (خدا کی) اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ معمامیری سمجھ سے باہر ہے۔ آپ کچھ فرمائیے۔

۲- برائی اور گناہ کو اس طرح آراستہ کرنا (دلکش بنانا) اور عمل کے معاملے میں ہم انسانوں سے نیکی چاہنا، کچھ عجیب سی بات ہے۔

۳- میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ جادوگری کس لیے ہے۔ ایک برے ساتھی کے ساتھ جوا کھیلنے کا کیا مطلب ہے؟ شیطان برا ساتھی ہے۔ اس کے ساتھ زندگی کا جوا کھیلنا تو سراسر ہماری ہی ہار ہوگی۔

۴- ایک طرف یہ خاک کی مٹھی یعنی انسان اور دوسری طرف یہ گردش کرنے والا آسمان، آپ خود ہی فرمائیے کہ کیا اسے (خدا کو) یہ کام زیب دیتا ہے؟ گویا خدا نے انسانوں کو حالات کا پابند بھی کر دیا اور ساتھ ہی جزا اور سزا کا قاعدہ بھی مقرر کر دیا۔ کیا یہ عمل درست ہے؟

۵- ہمارے (انسانوں کے) اعمال اور ہمارے افکار ہمارے لیے اذیت کا باعث ہیں۔ چنانچہ دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹنا ہمارا کام ہے۔ گویا ہم پہلے کوئی کام کر بیٹھتے ہیں۔

پھر اس پر خود ہی حیرت وافسوس اور ملامت بھی کرتے ہیں۔ (دراصل علامہ یہ سوال کر کے، جو بعض لوگوں کے دل میں پیدا ہوتا ہے، غلط فہمیوں کو دور کرنا اور اس سلسلے میں صحیح عقیدہ وعمل کی تلقین کرنا چاہتے ہیں ورنہ ان کے اپنے ذہن میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔)

شاہِ ہمدان

۱- بندۂ کز خویشتن دارد خبر　　آفریند منفعت را از ضرر

۲- بزم با دیو است آدم را وبال　　رزم با دیو است آدم را جمال

۳- خویش را بر اہرمن باید زدن　　تو ہمہ تیغ آں ہمہ سنگ فسن

۴- تیز ترشو تافتد ضرب تو سخت　　ورنہ باشی در دو گیتی تیرہ بخت

۱- وہ انسان جو اپنے آپ سے باخبر ہے، اپنی خودی یعنی اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے پوری طرح آگاہ ہے، وہ نقصان سے بھی نفع پیدا کر لیتا ہے۔ گویا اس پر جب اپنی تخلیق کا مقصد واضح ہو جاتا ہے تو وہ ایک برائی کو دیکھ کر اس سے بچتا اور اپنی توجہ نیکی کی طرف کر لیتا ہے۔ یوں وہ صحیح معنوں میں افضل مخلوقات بن جاتا ہے۔

۲- شیطان کے ساتھ بزم آرائی آدمی کے لیے جان کا عذاب ہے جبکہ شیطان کے ساتھ جنگ آدمی کے لیے جمال ہے۔ جب آدمی مذکورہ مقصد سے ناآشنا رہتا ہے تو وہ شیطان کی گرفت میں رہتا ہے۔ اگر وہ آشنا ہو جائے تو وہ شیطان سے برسر پیکار رہ کر برائیوں سے بچتا اور اپنی زندگی کو وبال کی بجائے جمال یعنی حسین واعلیٰ بنا لیتا ہے۔ بالواسطہ یہی درس ہے کہ شیطان سے دور رہو تا کہ تم عظیم انسان بن سکو۔

۳- اپنے آپ کو شیطان کے مقابلے میں لانا چاہیے۔ تو (اے انسان) تو سراپا تلوار ہے جبکہ شیطان سان ہے۔ گویا شیطان سے برسر پیکار رہنے ہی سے زندگی کی تلوار تیز رہ سکتی ہے، یعنی انسان صحیح معنوں میں عظیم زندگی والا بن جاتا ہے۔

۴- تو زیادہ تیز ہو، یعنی زندگی کی تلوار زیادہ تیز کر تا کہ دشمن (شیطان) پر تیرا وار بڑا کاری ہو۔ (اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو) دونوں جہانوں (یہ جہان اور آخرت) میں تیرہ بخت رہے گا۔ گویا شیطان کی تخلیق اس لیے ہوئی ہے کہ انسان کو نیکی بدی کی تمیز

ہو سکے اور وہ اس (شیطان) سے برسرپیکار رہ کر اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو نمایاں اور یوں اپنی خودی کو مستحکم کر لے۔

زندہ رود

۱- زیرِ گردوں آدم، آدم را خورد ملتے بر ملتے دیگر چرد
۲- جاں ز اہلِ خطہ سوزد چوں سپند خیزد از دل نالہ ہائے دردمند
۳- زیرک و دراک وخوش گل ملتے است درجہاں تردستی او آیتے است
۴- ساغرش غلتندہ اندر خونِ اوست درنے من نالہ از مضمونِ اوست
۵- از خودی تابے نصیب افتادہ است در دیارِ خود غریب افتادہ است
۶- دست مزدِ او بدستِ دیگراں ماہیِ رودش بہ شستِ دیگراں
۷- کاروانہا سوئے منزل گام گام کارِ او نا خوب و بے اندام و خام
۸- از غلامی جذبہ ہائے او بمرد آتشے اندر رگِ تاکش فسرد
۹- تانہ پنداری کہ بود است ایں چنیں جبہہ راہموارہ سود است ایں چنیں
۱۰- در زمانے صف شکن ہم بودہ است چیرہ و جانباز و پردم بودہ است

۱- آسمان کے نیچے (اس دنیا میں) آدمی، آدمی کو کھا رہا ہے اور ایک قوم دوسری قوم کو کھا رہی ہے۔ آدمی، آدمی کا دشمن بنا ہوا ہے اور طاقت ور قوم ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' پر عمل کرتے ہوئے کمزور قوم یا قوموں کو لوٹتی کھسوٹتی ہے اور یوں اپنی برتری اور خوشحالی کا سامان کرتی ہے۔ کچھ یہی حال افراد کا ہے۔

۲- میری جان خطۂ کشمیر کے لوگوں کی زندگی کے حالات دیکھ کر سپند کے دانے کی طرح چیخ رہی ہے (جل رہی ہے اور فریاد کر رہی ہے) اور میرے دل سے درد بھرے نالے بلند ہو رہے ہیں۔

۳- کشمیری قوم ایک باریک بیں بہت سوجھ بوجھ والی دانشمند اور خوش شکل افراد کی قوم ہے۔ دنیا میں اس کی ہنرمندی ایک دلیل ہے۔ کشمیریوں نے مختلف قسم کے ہنروں اور صنعتوں وغیرہ میں نہایت مہارت اور کاریگری کا مظاہرہ کیا ہے جو دنیا کے لیے ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔

۴- اس کا پیالہ اس کے اپنے ہی خون میں لت پت ہے۔ میری بانسری سے اسی کے حالات کی فریاد نکل رہی ہے۔ گویا ایسی عظیم قوم جو اپنے ہنر وفن کے باعث ایک مثالی قوم ہے، غلامی کی انتہائی اذیت ناک زندگی بسر کر رہی ہے۔ کافر ڈوگر حکمران اس کی عزت و آبرو اور تہذیب و ثقافت وغیرہ کا بری طرح خون کر رہے ہیں۔ (پاکستان بننے کے بعد کشمیریوں پر ہندوستان کے فوجیوں نے جو ظلم ڈھائے ہیں اور پچھلے چون پچپن برس سے مسلسل ڈھا رہے ہیں وہ ہم پاکستانیوں کو خون کے آنسو رلاتے ہیں۔ غدار شیخ عبداللہ جہنمی بھی اس کا باعث بنا ہے۔ مولا کریم اس قوم پر کرم فرمائے اور اسے ان ظالموں سے نجات دلا کر آزادی سے ہمکنار کرے۔ آمین)

۵- جب سے یہ قوم خودی سے بے نصیب ہوگئی ہے وہ اپنے ہی وطن میں اجنبی بن کے رہ گئی ہے۔ اپنی اندرونی صلاحیتوں اور قوتوں سے بے خبر ہونے کے باعث یہی قوم جو کبھی صاحب عظمت تھی، غلام و محکوم ہوگئی ہے۔

۶- اس کے ہاتھوں کی مزدوری/کمائی دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے دریا کی مچھلی دوسروں کے کانٹے میں پھنسی ہوئی ہے۔ دوسرا مصرع پہلے کی تمثیل ہے۔ مطلب یہ کہ محنت مزدوری کشمیری کر رہے ہیں جبکہ اس کی کمائی کافر حکمران، مختلف ٹیکسوں وغیرہ کی صورت میں لے جاتے ہیں۔

۷- آج دوسری قوموں کے قافلے (ترقی کی) منزل کی طرف قدم بقدم چلے جا رہے ہیں لیکن اس (بدقسمت قوم) کا کام ناخوب بھی ہے اور ان گھڑت اور ناقص بھی۔ گویا یہ قوم ہر لحاظ سے پیچھے رہ گئی ہے۔

۸- غلامی کے باعث اس کے جذبے مر گئے/ختم ہو گئے ہیں اور اس کی تاک کے اندر آگ (یعنی شراب) بجھ گئی ہے (شراب خشک ہوگئی ہے)۔ جب سے خبیث انگریزوں نے کشمیر کتے ڈوگر حکمرانوں کے پاس بیچا ہے (اس کی تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "کشمیر کی فروخت، مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ملاحظہ ہو) کشمیری جیسی صلاحیتوں اور نعمتوں کی حامل قوم کو گویا بے دست و پا کر کے ہر طرح سے محروم و مجبور کر دیا گیا ہے۔

۹-۱۰: تو کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ قوم ہمیشہ ایسی ہی رہی ہے اور اسی طرح اس نے ہمیشہ دوسروں کے آگے اپنی پیشانی رگڑی ہے، بلکہ وہ تو کبھی صف شکن بھی رہی ہے اور

زبردست (غالب) جانباز اور حوصلہ مند رہی ہے۔ گویا کشمیری ہمیشہ محکوم و مجبور اور محتاج نہیں رہے، وہ جنگ جو اور دوسروں پر غالب بھی رہے ہیں اور ان میں حوصلے بھی بڑے تھے۔

۱۱- کوہ ہائے خنگ سارِ او نگر   آتشیں دستِ چنارِ او نگر!
۱۲- در بہاراں لعل می ریزد زسنگ   خیزد از خاکش یکے طوفانِ رنگ
۱۳- لکہ ہائے ابر در کوہ و دمن   پنبہ پراں از کمانِ پنبہ زن
۱۴- کوہ و دریا و غروبِ آفتاب   من خدا را دیدم آنجا بے حجاب
۱۵- بانسیم آوارہ بودم در نشاط   ''بشنواز نے'' می سرودم در نشاط
۱۶- مرغکے می گفت اندر شاخسار   باپشیزے می نیرزد ایں بہار
۱۷- لالہ رُست و نرگسِ شہلا دمید   بادِ نوروزی گریبانش درید
۱۸- عمر ہا بالید ازیں کوہ و کمر   نستر از نورِ قمر پاکیزہ تر
۱۹- عمرہا گل رخت بربست و کشاد   خاکِ ما دیگر شہاب الدین نزاد'

۱۱- اس (کشمیر) کے برف پوش پہاڑ دیکھ اور یہاں کے درختِ چنار کے آتشیں ہاتھ یعنی پتے دیکھ۔ چنار کے پتے سرخ ہوتے ہیں جنہیں آگ کی طرح کا کہا گیا ہے۔

۱۲- موسم بہار میں یہاں کے پتھروں سے لعل اگتے ہیں (یعنی لالہ کے سرخ رنگ کے پھول) جبکہ یہاں کی مٹی سے رنگ کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے یعنی جگہ جگہ رنگ برنگے پھول کثرت سے کھلنے لگتے ہیں۔

۱۳- پہاڑ اور وادی میں بادلوں کے ٹکڑے کچھ اس طرح اڑتے ہیں جیسے روئی دھننے والے کی کمان سے روئی اڑتی ہے۔ بادلوں کا یہ منظر بھی بڑا دلکش ہوتا ہے۔

۱۴- اس کے پہاڑ اور دریا اور سورج کا وقت غروب (یہ سب کچھ ایسا منظر پیش کرتے ہیں کہ) میں نے وہاں خدا کو بے حجاب دیکھا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے شاندار اور دلکش منظر دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آ جاتی ہے، چنانچہ میں نے وہاں یہ منظر دیکھ کر اس خالق کے وجود کا اعتراف کیا ہے۔

۱۵- میں وہاں کے نشاط باغ میں بادِ نسیم کے ساتھ ادھر ادھر گھومتا رہا اور خوشی کے عالم میں مولانا رومی کی مثنوی کا پہلا شعر ''بشنواز نے'' گاتا رہا۔ مثنوی کا پورا شعر یوں ہے:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

(بانسری سے سنو کہ وہ کیا حکایت بیان کر رہی ہے اور جدائیوں کے بارے میں شکایت کر رہی ہے)

۱۶- وہاں شاخوں پر بیٹھا ایک پرندہ کہہ رہا تھا کہ اس بہار کی قیمت تو ایک کوڑی کے برابر نہیں ہے۔ گویا باغ سے باہر جا کر دیکھو کشمیر کی اور ہی بہار نظر آئے گی۔ وہ الگ بات کہ اہل کشمیر کی حالت اذیت ناک ہے۔

۱۷- لالہ کے پھول اُگے اور نرگسِ شہلا (اعلیٰ قسم کا نرگس کا پھول) پھوٹی۔ موسم بہار نے اس کا گریبان پھاڑ ڈالا۔ مطلب یہ کہ موسم بہار کی ہوا سے لالہ و نرگسِ شہلا اور کئی پھول کھل اٹھے (اگر گریبان سے مراد زمین ہو تو مطلب ہوگا کہ کشمیر کی زمین پھاڑ ڈالی یعنی اس میں سے طرح طرح کے خوشبودار پھول اور سبزہ اور پودے نکل آئے)

۱۸- اس کے پہاڑوں اور ان کے درمیانی راستوں میں مدتوں چنبیلی کے ایسے پھول کھلے یا کھلتے رہے جو چاند کی روشنی سے بھی زیادہ پاکیزہ یعنی چمکدار اور سفید تھے۔

۱۹- اس (وادی کشمیر) میں مدتوں گلاب کے پھول کھلتے اور مرجھا جاتے رہے لیکن ہماری سرزمین (کشمیر) نے کوئی اور شہاب الدین نہ جنا۔ (فرہنگ دیکھیے)

۲۰- نالۂ پرسوزِ آں مرغِ سحر — داد جانم راتب و تابِ دگر
۲۱- تا یکے دیوانہ دیدم در خروش — آں کہ برد از من متاع صبر و ہوش
۲۲- "بگذر ز ما و نالۂ مستانہ ے مجوے — بگذر ز شاخِ گل کہ طلسمے است رنگ و بوے
۲۳- گفتی کہ شبنم از ورقِ لالہ می چکد — غافل دلے است ایں کہ بگرید کنارِ جوے
۲۴- ایں مشت پر کجا و سرود ایں چنیں کجا — روحِ غنی است ماتمیِ مرگِ آرزوے
۲۵- بادِ صبا اگر بہ جنیوا گذر کنی — حرفے ز ما بہ مجلسِ اقوام باز گوے
۲۶- دہقان و کشت و جوے و خیاباں فروختند — قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

۲۰- صبح کے اس پرندے کے پرسوز نالہ نے میری جان میں ایک نیا جوش و جذبہ اور تڑپ پیدا کر دی۔

۲۱- تا آں کہ میں نے ایک دیوانے کو خروش یا فریاد کرتے دیکھا اور اس کیفیت نے میرے صبر و ہوش کی متاع ہی اڑا لی، میں بیقرار ہو گیا۔

۲۲۔ (وہ خروش یا فریاد ان شعروں میں ہے) تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم سے نالۂ مستانہ کی توقع نہ رکھ۔ تو پھول کی شاخ سے گذر جا کیونکہ یہ محض رنگ و بو کا جادو ہے، گویا اس میں کچھ نہیں ہے۔ اس دنیا سے دل نہ لگا جو فانی و مکار ہے۔ اپنے مقصدِ زندگی کو پیش نظر رکھ۔

۲۳۔ تو نے کہا ہے کہ شبنم لالہ کی پتیوں سے ٹپکتی یا ٹپک رہی ہے، ارے غافل! یہ لالہ نہیں یہ تو ایک دل ہے جو ندی کے کنارے بیٹھا رو رہا ہے۔ لالہ کا پھول عموماً ندی کے کنارے ہوتا ہے اس لیے اسے دل سے تشبیہ دے کر یہ بات کہی ہے۔

۲۴۔ یہ پروں کی مٹھی (پرندہ) کہاں اور اس قسم کا نغمہ کہاں؟ یہ تو غنی کی روح ہے جو آرزو کی موت (ختم ہونے) پر ماتم کر رہی ہے یعنی یہاں کے مسلمانوں میں اپنی عظمت و سربلندی کی آرزو ختم ہونے پر نالہ کناں ہے۔ غنی یعنی ملا طاہر غنی کشمیر کے فارسی گو شاعر (نوٹ شروع میں دے دیا ہے)

۲۵۔ اے بادِ صبا! اگر جنیوا کی طرف تیرا گذر ہو تو وہاں ہماری طرف سے مجلس اقوام سے ہماری یہ بات کہنا۔ (فرہنگ دیکھیے) علامہ نے اس لیگ آف نیشنز کو پیام مشرق میں جو ''چند کفن چوروں کی مجلس'' کہا ہے تو وہ اس لیے کہ یہ بظاہر تو قوموں کو انصاف دینے کے لیے قائم ہوئی تھی لیکن عملاً اس کے ذریعے کمزور قوموں کو مزید کمزور کرنے اور طاقتور قوموں کو مزید طاقتور بنانے کا یہ ایک سلسلہ تھا۔ (اگلے شعر میں وہ بات ہے)

۲۶۔ کسان اور کھیت اور ندیاں اور کیاریاں انہوں نے بیچ دیں۔ انہوں نے ایک قوم کو بیچ دیا اور کس قدر سستا بیچ دیا۔ خبیث انگریز حکمرانوں نے اپنے لالچ اور مسلمانوں کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے کشمیر ایک ہندو ڈوگر کے ہاتھ معمولی قیمت پر بیچ دیا تھا۔ اکثریت مسلمانوں کی تھی لیکن اس جہنمی ہندو نے وہاں کا راجہ بن کر مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ (اس سے پہلے بھی زندہ رود کے ایک شعر میں کچھ وضاحت کی گئی ہے۔ کشمیر کی فروخت سے متعلق راقم یزدانی کی کتاب ''کشمیر کی فروخت'' ملاحظہ ہو۔)

شاہِ ہمدان

۱۔ باتو گویم رمزِ باریک اے پسر! تن ہمہ خاک است و جاں والا گہر

۲- جسم را از بہرِ جاں باید گداخت ۔ پاک را از خاک می باید شناخت
۳- گر ببری پارۂ تن را زتن ۔ رفت از دستِ تو آں لختِ بدن
۴- لیکن آں جانے کہ گردد جلوہ مست ۔ گر ز دست او را دہی، آید بدست
۵- جوہرش با ہیچ شے مانند نیست ۔ ہست اندر بند و اندر بند نیست
۶- گرنگہداری بمیرد دربدن ۔ وربیفشانی، فروغِ انجمن
۷- چیست جانِ جلوہ مست اے مردِ راد؟ ۔ چیست جاں دادن زدست اے مردِ راد؟
۸- چیست جاں دادن؟ بحق پرداختن ۔ کوہ را باسوزِ جاں بگداختن
۹- جلوہ مستی؟ خویش را دریافتن ۔ درشباں چو کوکبے برتافتن
۱۰- خویش را نایافتن نابودن است ۔ یافتن، خود رابخود بخشودن است
۱۱- ہر کہ خود را دید و غیر از خود ندید ۔ رخت از زندانِ خود بیروں کشید
۱۲- جلوہ بدمستے کہ بیند خویش را ۔ خوشتر از نوشینہ داند نیش را
۱۳- درنگاہش جاں چوباد ارزاں شود ۔ پیشِ او زندانِ او لرزاں شود
۱۴- تیشۂ او خارہ را بر می درد ۔ تانصیب خود زگیتی می برد
۱۵- تازِ جاں بگذشت، جانش جانِ اوست ۔ ورنہ جانش یک دو دم مہمانِ اوست

۱- اے بیٹے/ برخوردار (زندہ رود) میں تجھے ایک رمز کی بات بتا تا ہوں اور وہ یہ کہ جسم سراسر مٹی ہے جبکہ جان ایک قیمتی موتی ہے۔ روح ہی سے بدن کی قدر و قیمت ہے۔

۲- روح کی خاطر بدن کو پگھلا دینا چاہیے۔ پاک اور خاک میں تمیز کرنی چاہیے۔ دونوں میں جو بہت بڑا فرق ہے اس سے آگاہی ضروری ہے۔ پاک یعنی روح اور خاک یعنی جسم کا استعارہ ہے۔

۳- اگر تو جسم سے اس کا کوئی ٹکڑا کاٹ لے تو بدن کا وہ ٹکڑا تیرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ وہ ٹکڑا بیکار ہو گیا۔

۴- لیکن (اس کے برعکس) وہ روح جو محبوب حقیقی کے جلوے میں محو و مست ہو جائے اگر تو اسے ہاتھ سے دے دے تو وہ پھر تیرے ہاتھ آجائے گی۔ گویا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کی روح جسم سے نکل کر بھی، ارشادِ خداوندی کے مطابق زندہ رہتی ہے۔

۵- اس (روح) کا جوہر کسی بھی شے کی مانند نہیں ہے (منفرد ہے) وہ اگرچہ (جسم کی) قید میں ہے لیکن قید میں نہیں ہے۔ جسم سے آزاد ہے۔

۶- اگر تو جان کی حفاظت کرے گا (بچا بچا کے رکھے گا) تو وہ بدن ہی میں مرجائے گی اور اگر اسے تو خدا کی راہ میں قربان کر دے تو وہ انجمن کی رونق بنے گی۔ تمہارے جان کو بچانے کے عمل سے تم خود تو مر ہی جاؤ گے لیکن قوم کو بھی گویا مار دو گے جبکہ خدا کی راہ میں قربان کرنے سے خود بھی زندہ رہو گے یعنی حیاتِ جاوداں پالو گے اور قوم کو بھی زندہ کر دو گے، اس میں بھی ایسا جذبہ پیدا کر دو گے۔

۷- اے جواں مرد یا سخی! جلوہ مست جان کیا ہے؟ اور اے جوانمرد! جان کو ہاتھ سے دینے (قربان کرنے) سے کیا مراد ہے (وضاحت اگلے شعر میں)

۸- جان قربان کرنا کیا ہے؟ یہ اسے حق کے حوالے کرنا ہے اور پہاڑ کو سوزِ جاں سے پگھلا دینا ہے۔ گویا بڑی بڑی باطل قوتوں سے ٹکرا کر ان کی تباہی کا سامان کرنا اور اپنی جان سپردِ حق کر دینا ہی جان دینے کا نام ہے۔ جو مردانگی کی بھی علامت ہے، اس کے بغیر جان دینا تو گویا کیڑے مکوڑوں کی طرح مرنا ہے۔

۹- جلوہ مستی کیا ہے؟ یہ خود کو پالینا ہے، اپنی معرفت و خودی سے آگاہ ہونا ہے۔ راتوں میں ستاروں کی طرح چمکنا ہے۔ گویا اس معرفت سے خود کو روشن کر کے زندگی کی تاریکیوں میں بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھلانا ہے۔

۱۰- اپنے آپ کو نہ پانا گویا نابود ہو جانا ہے، جبکہ اپنے آپ کو پالینا خود کو اپنے سپرد کر دینا ہے۔ گویا جس نے اپنی معرفت حاصل کر لی اور اپنی خودی کی شناخت سے خود کو مضبوط و مستحکم کر لیا اس نے حیات جاوید پالی۔ جو اس سے محروم رہا یا اس نے خودی کو نہ پہچانا وہ زندگی میں بھی چلتی پھرتی لاش ہی رہے گا۔

۱۱- جس کسی نے خود کو دیکھ لیا اور اپنے سوا اور کسی کو نہ دیکھا، اس نے اپنے قید خانے سے سامان باہر نکال لیا یعنی وہ زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہو گیا۔ حیاتِ جاوید اس کا مقدر بن گئی۔

۱۲- وہ جلوہ بدمست جو خود کو دیکھتا ہے، وہ ڈنگ یا زہر کو شہد سے بہتر جانتا ہے یعنی اپنی معرفت کی بنا پر وہ سکون و آسائش کی بجائے مشکلات و مصائب کو بہتر جانتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ راہِ خدا میں چلتے ہوئے بڑی بڑی باطل قوتوں اور خوف و خطر سے ٹکراتا ہوا منزلِ دوست (خدا) کی طرف گامزن رہتا ہے۔

۱۳- (اپنی معرفت سے آگاہ) انسان کی نگاہوں میں جان ہوا کی طرح سستی ہوتی ہے۔ اس کے سامنے اس کا قید خانہ (جسم) کانپتا ہے۔ گویا وہ محبوب کی رضا کے حصول کے

لیے اپنی جان کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور وہ جان کو اس قید سے آزاد کرانے میں محو ہو جاتا ہے۔ محبوب کی راہ میں جان قربان کر دیتا ہے۔

۱۴۔ اس کا تیشہ سخت پتھر کو بھی چیر دیتا یا توڑ ڈالتا ہے، یہاں تک کہ وہ زمانے سے اپنا حصہ چھین لیتا ہے۔ جان کی قربانی دے کر اپنا عظیم مقصدِ حیات پا لیتا ہے۔

۱۵۔ جب وہ جان کو (اللہ کی راہ میں) قربان کر دیتا ہے تو اس کی جان اس کی جان بن جاتی ہے، ورنہ اس کی جان اس کی دو ایک پل کی مہمان یعنی عارضی و فانی ہے۔ وہ شہید ہو کر زندۂ جاوید بن جاتا ہے۔

زندہ رود

۱۔ گفتہ ای از حکمتِ زشت و نکوے　　پیرِ دانا نکتۂ دیگر بگوے

۲۔ مرشدِ معنی نگاہاں بودہ ای　　محرمِ اسرارِ شاہاں بودہ ای

۳۔ ما فقیر و حکمراں خواہد خراج　　چیست اصلِ اعتبارِ تخت و تاج؟

۱۔ آپ نے برائی اور اچھائی (بدی اور نیکی) کی حکمت کے بارے میں فرمایا ہے۔ اے پیر دانا! ایک اور گہری بات بھی بیان فرمائیں (واضح فرمائیں)

۲۔ آپ صاحبانِ معرفت و عرفان کے مرشد رہے ہیں اور بادشاہوں کے اسرار سے بھی آگاہ رہے ہیں۔

۳۔ ہم غریب ہیں اور حکمران ہم سے خراج مانگتا ہے۔ تخت اور تاج کے اعتبار کی اصل کیا ہے؟ شاہِ ہمدان نے بادشاہوں/ حکمرانوں کی رہنمائی کے سلسلے میں ایک کتاب لکھی ہے ''ذخیرۃ الملوک'' علامہ نے اسی حوالے سے یہ پوچھنا چاہا ہے کہ یہ جو ہم سے خراج لیا جاتا ہے اور عوام پر ظلم بھی کیے جاتے ہیں تو کیا بادشاہت اسی قسم کی باتوں سے معتبر بنتی ہے؟ آگے جواب ہے۔

شاہِ ہمدان

۱۔ اصلِ شاہی چیست اندر شرق و غرب؟　　یا رضائے امتاں یا حرب و ضرب

۲- فاش گویم با تو اے والا مقام . باج را جز با دو کس دادن حرام
۳- یا اولی الامرے کہ "منکم" شانِ اوست آیۂ حق حجت و برہانِ اوست
۴- یا جواں مردے چو صرصر تند خیز شہر گیر و خویش باز اندر ستیز
۵- روزِ کیں کشور کشا از قاہری روزِ صلح از شیوہ ہائے دلبری
۶- می تواں ایران و ہندوستاں خرید بادشاہی را زکس نتواں خرید
۷- جامِ جم را اے جوانِ با ہنر کس نگیرد از دکانِ شیشہ گر
۸- ورنگیرد مال او جز شیشہ نیست شیشہ را غیر از شکستن پیشہ نیست

۱- مشرق اور مغرب میں بادشاہت کی اصل کیا ہے؟ یہ قوموں کی مرضی سے یا پھر جنگ وجدل سے وجود پاتی ہے یعنی کوئی قوم اپنی رضا سے کسی کو اپنا بادشاہ بنالیتی ہے یا پھر کوئی بادشاہ اپنی قوت سے کسی قوم کو اپنا محکوم بنالیتا ہے۔

۲- اے بلند مرتبہ شخص (زندہ رود) میں تجھے واضح طور پر بتاتا ہوں کہ سرکاری محصولات (مختلف ٹیکس) کو دو آدمیوں کے علاوہ کسی اور کو دینا جائز نہیں ہے، حرام ہے۔

۳- یا تو وہ "اولی الامر منکم"، جس کی شان ہے اور خدا کی یعنی قرآن کریم کی آیت اس سلسلے میں دلیل و برہان ہے۔ (فرہنگ دیکھیے) گویا صاحبِ اقتدار اہل ایمان ہو، حضور اکرمؐ کا اطاعت گزار اور حضورؐ کے فرمودہ اصولوں کے مطابق حکمرانی کرتا ہو۔ اس سے ہٹ کر جو بھی حکمران اسلامی نظریات سے بیگانہ ہے، اسے حاکم بھی نہیں ماننا چاہیے اور نہ باج دینا چاہیے۔

۴- یا باج کا حق داروہ جواں مرد ہے جو باطل قوتوں کے خلاف طوفانی ہوا کی طرح اٹھے، جو شہر (اہل کفر کا ملک) فتح کرنے والا ہو اور جو اپنے نفس امارہ کے خلاف جہاد کرنے والا ہو۔

۵- دشمنی کے دن یعنی باطل قوتوں کے خلاف جنگ کے موقع پر وہ اپنی قاہری (زبردست قوت، جلال) سے ملک فتح کرنے والا ہو اور صلح کے دن یعنی امن کے موقع پر وہ اپنے دلبرانہ طور طریقوں سے لوگوں کے دل جیتنے والا ہو یعنی وہ جلال اور جمال دونوں صفات کا حامل ہو۔ علامہ نے ایک قرآنی آیت (سورۂ المائدہ آیت ۵۴) کے ایک اقتباس کا یوں ترجمہ کیا ہے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

۶- ایران اور ہندوستان کو تو خریدا جا سکتا ہے لیکن بادشاہت کسی سے نہیں خریدی جا سکتی یعنی کوئی بھی ملک دولت سے خریدا جا سکتا ہے، جس طرح جہنمی گلاب سنگھ ڈوگر نے خبیث انگریزوں سے کشمیر پچھتر لاکھ نانک شاہی روپیہ میں خریدا (معاہدہ کے مطابق ۵۰ لاکھ روپیہ پہلے ادا کیا گیا اور پچیس لاکھ یکم اکتوبر ۱۸۴۶ء یا اس سے پہلے ادا کیا گیا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم یزدانی کی کتاب ''کشمیر کی فروخت'' ص ۴۶) بادشاہت تو قوت کے بل پر حاصل کی جا سکتی ہے یا پھر رعایا کے دل جیتنے سے۔

۷- اے باہنر نوجوان (زندہ رود) جام جمشید کسی شیشہ گر کی دکان سے کوئی نہیں خریدتا (فرہنگ دیکھیے) گویا اسے طاقت کے بل پر چھیننا پڑتا ہے۔

۸- اور اگر کوئی شیشہ گر کی دکان سے خرید بھی لیتا ہے تو وہ مال شیشے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ظاہر ہے شیشے کا کام تو صرف ٹوٹنا ہی ہے۔ اس میں جام جم کی صفت (جام میں دنیا کے حالات نظر آنا) کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔

غنی

۱- ہند را ایں ذوقِ آزادی کہ داد؟ صید را سودائے صیادی کہ داد؟
۲- آں برہمن زادگانِ زندہ دل لالۂ احمر ز روئے شاں خجل
۳- تیز بین و پختہ کار و سخت کوش از نگاہِ شاں فرنگ اندر خروش
۴- اصلِ شاں از خاکِ دامن گیرِ ماست مطلع ایں اختراں کشمیرِ ماست
۵- خاکِ ما را بے شرر دانی اگر بر درونِ خود یکے بکشا نظر
۶- ایں ہمہ سوزے کہ داری از کجاست؟ ایں دمِ بادِ بہاری از کجاست؟
۷- ایں ہماں باد است کز تاثیرِ او کوہسارِ ما بگیرد رنگ و بو

۱- اہل ہندوستان کو آزادی کا یہ ذوق وجذبہ کس نے دیا؟ شکار کو صیادی کا جنون (پہلے مصرع کی بات اب استعارے میں ہے) جذبہ کس نے دیا؟

۲-۳: (جواب) یہ ذوق وجذبہ ان برہمن زادوں (فرہنگ دیکھیے) نے دیا جو زندہ دل ہیں، جن کے حسین چہروں کے سامنے لالہ کا سرخ پھول بھی شرمندہ ہے جو تیز نگاہ اور تجربہ کار اور جفاکش ہیں، محنتی ہیں اور ان کی نگاہ یا نگاہوں سے انگریز لٹیرے شور کر

رہے ہیں اور واویلا مچا رہے ہیں (اس بات پر کہ یہ لوگوں میں آزادی کا جذبہ کیوں پیدا کر رہے ہیں)

۴۔ ان برہمن زادوں کی اصل ہماری دامن گیر مٹی (کشمیر) سے ہے۔ ان ستاروں کا مطلع ہمارا کشمیر ہے یعنی دونوں باپ بیٹے پنڈت موتی لال نہرو اور پنڈت جواہر لال نہرو کا تعلق خطہ کشمیر سے ہے۔

۵۔ اگر تو (زندہ رود) ہماری/ اہل کشمیر کی خاک کو شعلے سے خالی سمجھتا ہے تو پھر تو ذرا اپنے اندر ہی نظر ڈال۔ مطلب یہ کہ تو بھی تو کشمیری ہے۔ کیا تیری خواہش نہیں ہے کہ کشمیری بھی آزادی سے ہمکنار ہوں۔ یقیناً تیری ایسی خواہش ہے۔

۶۔ یہ جو تجھ میں سارا سوز و جذبہ ہے تو یہ کہاں سے ہے، یہ موسم بہار کی ہوا کے جھونکے کہاں سے ہیں؟ مطلب یہ کہ تجھے علم ہے کہ آزادی کے یہ جذبے پیدا کرنے والوں کا تعلق کشمیر سے ہے۔

۷۔ یہ وہی ہوا ہے جس کی تاثیر سے ہمارے پہاڑ بڑے رنگ و بو کے حامل ہیں۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم اہل کشمیر میں بھی ڈوگرہ راج سے آزادی حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔

۸۔ ہیچ می دانی کہ روزے در وُلَر | موجہ ے می گفت باموجِ دگر
۹۔ چند در قلزم بیک دیگر زنیم | خیز تا یک دم بساحل سر زنیم
۱۰۔ زادۂ ما یعنی آں جوئے کہن | شورِ او در وادی و کوہ و دمن
۱۱۔ ہر زماں برسنگِ رہ خود را زند | تابنائے کوہ را برمی کند
۱۲۔ آں جواں کو شہر و دشت و در گرفت | پرورش از شیر صد مادر گرفت
۱۳۔ سطوتِ او خاکیاں را محشرے است | ایں ہمہ از ماست نے از دیگرے است
۱۴۔ زیستن اندر حدِ ساحل خطاست | ساحلِ ماسنگے اندر راہِ ماست
۱۵۔ با کراں در ساختن مرگِ دوام | گرچہ اندر بحر غلتی صبح و شام
۱۶۔ زندگی جولاں میانِ کوہ و دشت | اے خنک موجے کہ از ساحل گذشت

۸۔ کیا تجھے کچھ علم ہے کہ ایک روز وُلَر جھیل میں ایک موج نے دوسری موج سے (کیا) کہا؟

۹۔ (اس نے کہا کہ) ہم کب تک سمندر میں ایک دوسری سے ٹکراتی رہیں گی، تو اٹھ تا کہ ہم کچھ دیر ساحل سے سر ٹکرائیں۔

۱۰-۱۱: ہماری پیدا کی ہوئی وہ پرانی ندی (جو جھیل کی لہروں سے نکلی ہوئی ہے) جس کا شور اب وادی اور پہاڑ اور دمن میں ہے، وہ ہر لحہ خود کو راستے کے پتھروں سے ٹکراتی ہے، یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی بنیاد تک کو کھود دیتی ہے۔

۱۲- وہ جوان جس نے شہر و بیابان اور وادی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اس کی پرورش سو ماؤں کے دودھ سے ہوئی ہے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۱۳- اس کا دبدبہ انسانوں کے لیے ایک قیامت کی حیثیت رکھتا ہے، گویا جب اس میں سیلاب آتا ہے تو وہ بڑی تباہی مچاتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔ تو یہ سب کچھ کشمیر ہی کی بدولت ہے۔ گویا کشمیر نہ ہوتا تو جہلم بھی نہ ہوتا اور میدانی علاقوں کی سیرابی کا بھی بندوبست نہ ہو پاتا۔

۱۴- ساحل کی حدود میں زندگی بسر کرنا خطا ہے۔ ہمارا ساحل ہمارے راستے کا پتھر ہے۔ ہمیں ان پتھروں سے باہر نکل کر اپنا وجود برقرار رکھنا ہے۔ علامہ نے اپنی ایک رباعی میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا ہے کہ تو ساحل پر بزم آراستہ نہ کر کہ وہاں زندگی کا نغمہ ہلکا ہے۔ سمندر میں لڑھک جا اور موجوں سے برسرِ پیکار ہو جا کہ حیاتِ جاوداں کشمکش میں ہے:

میارا بزم برساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلت و با موجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

۱۵- ساحل سے موافقت کر لینا ہمیشہ کی موت ہے، اگرچہ اے موج تو سمندر میں صبح و شام کیوں نہ لڑھکتی رہے، طوفان ہی کیوں نہ برپا کرتی رہے۔ ساحل سے موافقت کر لینے سے مراد ہے ساحل کے اندر ہی یعنی سمندر ہی میں رہنا۔

۱۶- (موج کی) حقیقی زندگی تو کوہ و دشت میں اپنی جولانیاں دکھانا ہے۔ وہ موج بڑی ہی مبارک ہے جو ساحل سے باہر نکل گئی۔ علامہ نے موج و ساحل کے استعارے میں غنی کی زبان سے یہ سمجھانا چاہا ہے کہ انسان یا کسی قوم کی حقیقی زندگی جمود میں نہیں مسلسل جدوجہد اور مشکلات و مصائب نیز ہر طرح کی رکاوٹوں سے ٹکراتے ہوئے ہر لحہ آگے بڑھتے رہنے میں ہے کہ اسی سے دوام حاصل ہوتا ہے۔ (نیز شعر ۱۴ اوالی علامہ کی

رباعی ملاحظہ ہو)

۱۷۔ اے کہ خواندی خطِ سیمائے حیات — اے بہ خاور دادہ غوغائے حیات
۱۸۔ اے ترا آہے کہ می سوزد جگر — تو ازو بے تاب و ما بے تاب تر
۱۹۔ اے ز تو مرغِ چمن را ہائے وہو — سبزہ از اشکِ تو می گیرد وضو
۲۰۔ اے کہ از طبعِ تو کشتِ گل دمید — اے ز امیدِ تو جانہا پر امید
۲۱۔ کاروان ہا را صدائے تو درا — تو ز اہلِ خطہ نو امیدی چرا؟
۲۲۔ دل میانِ سینۂ شاں مردہ نیست — اخگر شاں زیرِ یخ افسردہ نیست
۲۳۔ باش تا بینی کہ بے آواز صور — ملتے برخیزد از خاکِ قبور
۲۴۔ غم مخور اے بندۂ صاحب نظر — برکش آں آہے کہ سوزد خشک و تر
۲۵۔ شہرہا زیرِ سپہر لاجورد — سوخت از سوزِ دلِ درویش مرد
۲۶۔ سلطنت نازک تر آمد از حباب — از دمے او را تواں کردن خراب
۲۷۔ از نوا تشکیلِ تقدیرِ اُمم — از نوا تخریب و تعمیرِ امم
۲۸۔ نشترِ تو گرچہ در دلہا خلید — مر ترا چوناں کہ ہستی کس ندید
۲۹۔ پردۂ تو از نوائے شاعری است — آنچہ گوئی ماورائے شاعری است
۳۰۔ تازہ آشوبے فگن اندر بہشت — یک نوا مستانہ زن اندر بہشت

۱۷۔ اے (زندہ رود شاعر) تونے تو زندگی کی پیشانی کی لکیریں پڑھی ہیں اور اہل مشرق کو اپنی شاعری سے صحیح زندگی کا ولولہ دیا ہے۔ (تجھے قوموں کی زندگی اور موت نیز ان کی اچھی بری تقدیر کی پوری خبر ہے)

۱۸۔ اے کہ تو ایسی آہ رکھتا ہے جو جگر کو جلاتی ہے تو اس سے بیقرار ہے تو ہم زیادہ بیقرار ہیں۔

۱۹۔ اے کہ تجھ سے مرغ چمن میں ہائے وہو کا شور ہے، اور سبزہ تیرے اشکوں سے وضو کرتا ہے۔ تیری شاعری نے اہل وطن یا ملت اسلامیہ میں جوش و جذبہ پیدا کیا ہے۔

۲۰۔ اے کہ تیری طبع سے پھولوں کی کیاری کھل اٹھی، اے کہ تیری امید سے جانیں پر امید ہو گئی ہیں۔ یہ سب تیری شاعری کا نتیجہ ہے کہ افراد ملت مایوسی کی بجائے پر امید بن رہے ہیں۔

۲۱۔ قافلوں کے لیے تیری صدا (شاعری) بیداری اور کوچ کی گھنٹی ہے۔ پھر تو خطہ کشمیر کے لوگوں سے ناامید/ مایوس کیوں ہے؟

۲۲۔ ان (اہل کشمیر) کے سینوں میں مردہ دل نہیں ہیں۔ ان کا شعلہ برف کے نیچے دب کر

نہیں بجھا۔ گویا ان میں آزادی کا پورا پورا جذبہ ہے یا وہ آزادی کے جذبے سے پوری طرح سرشار ہیں۔

۲۳۔ تو ذرا ٹھہر تا کہ تو دیکھے کہ ایک ملت (اہل کشمیر) صور کی آواز کے بغیر ہی قبروں کی مٹی سے اٹھنے والی ہے۔ گویا وہ وقت قریب ہے جب اہل کشمیر غلامی سے نجات پا جائیں گے۔

۲۴۔ اے صاحب نظر بندے (زندہ رود) تو غم مت کر، تو ایسی آہ کھینچ جو خشک و تر کو جلا دے۔ اہل کشمیر میں ایسے جذبے اور ولولے پیدا کر دے جن سے وہ غلامی کی زنجیروں کو ہر طرف سے بے نیاز ہو کر توڑ ڈالیں۔

۲۵۔ اس نیلے آسمان کے نیچے بہت سے شہر ایک مرد درویش کے سوز دل سے جل اٹھے ہیں۔ گویا درویشوں نے قوموں کی تقدیر بدلی ہے۔ تو (زندہ رود) بھی ایک درویش ہی ہے تو بھی اپنی آہ (شاعری) سے باطل قوتوں سے ٹکرانے اور اپنی آزادی کا سامان کرنے کا ولولہ و جذبہ کشمیریوں میں پیدا کر دے۔

۲۶۔ سلطنت پانی کے بلبلے سے بھی زیادہ نازک واقع ہوئی ہے، چنانچہ ایک ہی پھونک سے اسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ بلبلے کو ایک پھونک مارو تو وہ پھٹ جاتا ہے۔ اسی طرح سلطنت یا حکومت کو بھی قوت کے بل پر جلد ختم کیا جا سکتا ہے۔

۲۷۔ نوا (شاعری) ہی سے امتوں کی تقدیر بنائی یا بگاڑی جا سکتی ہے اور شاعری ہی سے قوموں کو تباہ کیا جا سکتا ہے یا ان کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ تفریحی شاعری کسی قوم کو جذبوں اور جہد و عمل سے بیگانہ کر دیتی ہے جو اس کے بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ اس کے برعکس عظیم مقصد کی حامل شاعری (جیسے کہ علامہ کی شاعری ہے۔) بگڑی قوم کو سنوار دیتی ہے۔

۲۸۔ اگرچہ تیرا نشتر (زندہ رود کی شاعری) دلوں میں چبھ چکا ہے لیکن جو کچھ تو ہے ویسا تجھے کسی نے نہیں دیکھا / جانا۔ مسلمانوں نے تجھے بھی ایک عام شاعر سمجھ کر تیرے با مقصد کلام پر توجہ نہیں کی۔

۲۹۔ تیرا راگ اگرچہ شاعری کے نغمے سے ہے لیکن جو کچھ تو کہتا ہے وہ شاعری سے ماورا ہے یعنی تو نے جو بھی بیداری اور حصولِ عظمت کا پیغام دیا ہے وہ شعر کی صورت میں ہے لیکن یہ عام شاعری نہیں ہے۔

۳۰۔ تو بہشت میں (جہاں اس وقت زندہ رود، رومیؒ کے ہمراہ ہے) ایک نیا ہنگامہ برپا کر، یعنی ایک مستانہ نغمہ بہشت میں الاپ۔

زندہ رود

۱- بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن ‍ چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن
۲- گفتند جہانِ ما آیا بتومی سازد؟ ‍ گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن
۳- در میکدہ ہا دیدم شایستہ حریفے نیست ‍ با رستمِ دستاں زن با مغبچہ ہا کم زن
۴- اے لالۂ صحرائی تنہا نتوانی سوخت ‍ ایں داغِ جگر تابے بر سینۂ آدم زن
۵- تو سوزِ درونِ او، تو گرمیِ خونِ او ‍ باور نکنی؟ چاکے در پیکرِ عالم زن
۶- عقل است چراغِ تو؟ در راہ گذارے نہ ‍ عشق است ایاغِ تو با بندۂ محرم زن
۷- لختے دلِ پرخونے از دیدہ فرو ریزم ‍ لعلے ز بدخشانم بردار و بخاتم زن

۱- تو نشۂ درویشی کے ساتھ موافقت کر اور مسلسل پی یعنی مست رہ۔ جب تو اس نشہ میں پختہ ہو جائے تو خود جمشید کی سلطنت کے مقابل آ جا، اس سے ٹکرا جا۔ فقر و درویشی میں کامل ہو کر عام سلطنت/ بادشاہت کی بجائے رضائے الٰہی کے مطابق سلطنت وجود میں لا۔

۲- قضا و قدر کے کارکنوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ہمارا جہان تجھ سے موافقت کر رہا ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو اس پر انہوں نے کہا کہ اس جہان کو درہم برہم کر دے۔ بقول علامہ ''اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے'' یعنی دنیاوی ملوکیت سے ٹکرا کر اسے مٹا دے اور خدائی حکومت قائم کر۔

۳- میں نے شراب خانوں میں دیکھا ہے کہ وہاں کوئی بھی شایستہ مدِ مقابل (میخوار) نہیں ہے۔ تو رستم دستاں کے ساتھ بیٹھ کر پی۔ مغبچوں کے ساتھ بیٹھ کر نہ پی۔ مطلب یہ کہ یہاں کوئی بھی میرا ہم خیال نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ باہمت اور راہ خدا میں بیباک چلنے والوں کا ساتھی بن اور کمزور اور مصلحت اندیش لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھ۔

۴- اے لالۂ صحرائی تو اکیلا نہیں جل سکتا تو جگر میں حرارت پیدا کرنے والا اپنا یہ داغ آدمی کے سینے میں لگا/ پیدا کر۔ گویا تنہائی چھوڑ کر ملت کے سینے/ دل میں عشق الٰہی کی گرمی پیدا کر، جوش و جذبہ پیدا کر۔

۵- تو اس (کائنات) کا سوزِ دروں ہے اور تو ہی اس کے خون کی حرارت ہے۔ اگر تجھے اس بات پر یقین نہیں ہے تو پھر جہان کے بدن میں چاک/ پھاڑ ڈال کر دیکھ لے۔ گویا اس کائنات کی دنیا کی اصل تو ہے لیکن تو اسے اپنی گرفت میں لینے کی بجائے خود اس کی گرفت میں آیا ہوا ہے، دنیا کو تو نے اپنے سر پر سوار کر رکھا ہے۔

٦- کیا عقل تیری چراغ ہے؟ (اگر ایسا ہے تو) اسے کسی راہ گذار/رستے میں رکھ دے۔ عشق تیرا پیالہ ہے تو اسے کسی محرمِ راز کے ساتھ مل کر پی۔ مطلب یہ کہ عقل سے بھی کام لے تاکہ تیری دنیا بھی سنور سکے اور تو اسے (دنیا کو) تسخیر بھی کر سکے اور عشق سے اپنی تسخیر کر، اپنی معرفت سے آگاہ ہو جا، اس کے لیے کسی مردِ کامل/مردِ درویش کی رہنمائی حاصل کر۔

٧- میں اپنے پُرخون دل کا ایک ٹکڑا آنکھوں سے گرا رہا ہوں۔ تو میرے بدخشاں کا ایک لعل اٹھا لے اور اسے اپنی انگوٹھی میں جڑ لے۔ میں بڑے ہی گہرے اور حقیقی جذبوں کے ساتھ اے مخاطب! تجھے معارف وحقائق سے آگاہ کر رہا ہوں، اس سے استفادہ کرتا کہ تیری دنیا و دین دونوں سنور جائیں۔

صحبت باشاعرِ ہندی برتری ہری

(ہندی شاعر بھرتری ہری کے ساتھ ملاقات وصحبت)

١- حوریاں را در قصور و در خیام | نالۂ من دعوتِ سوزِ تمام
٢- آں یکے از خیمہ سر بیروں کشید | واں دگر از غرفہ رخ بنمود و دید
٣- ہر دلے را در بہشتِ جاوداں | دادم از درد و غم آں خاکدان
٤- زیرِ لب خندید پیرِ پاک زاد | گفت "اے جادو گر ہندی نژاد
٥- آں نوا پردازِ ہندی را نگر | شبنم از فیضِ نگاہِ او گہر
٦- نکتہ آرائے کہ نامش برتری است | فطرتِ او چوں سحابِ آذری است
٧- از چمن جز غنچۂ نورس نہ چید | نغمۂ تو سوئے ما او را کشید
٨- پادشاہے با نوائے ارجمند | ہم بہ فقر اندر مقامِ او بلند
٩- نقشِ خوبے بندد از فکرِ شگرف | یک جہاں معنیٰ نہاں اندر دو حرف
١٠- کارگاہِ زندگی را محرم است | او جم است و شعرِ او جامِ جم است
١١- ما بہ تعظیمِ ہنر برخاستیم | باز با وے صحبتے آراستیم

١- وہاں (بہشت میں) محلوں اور خیموں میں مقیم حوروں کے لیے میری یہ غزل (جو میں نے وہاں گائی) مکمل سوز کی دعوت بن گئی۔ میرے اس نغمے یا غزل نے ان میں بھی

پورطرح سوز پیدا کر دیا۔

۲- ان حوروں میں سے ایک نے خیمے سے سر باہر نکالا اور ایک دوسری نے محل کی اوپر کی کھڑکی سے چہرہ نکال کر مجھے دیکھا یعنی یہ پر سوز غزل کون گا رہا ہے۔ اسے دیکھنے کا شوق وجذبہ ان میں پیدا ہوا۔

۳- میں نے اس بہشتِ جاوداں میں ہر دل کو اس خاکدان یعنی ہندوستان کا درد وغم دیا۔ میری غزل سن کر سب کو ہندوستان کی غلامی کی زندگی پر دکھ ہوا۔

۴-۵: پاک فطرت پیر (مولانا رومیؒ) زیرلب مسکرائے اور بولے: اے ہند میں پیدا ہونے والے جادوگر (زندہ رود) تو ذرا اس ہندی نواپرداز/ شاعر کو دیکھ جس کے فیضِ نگاہ سے شبنم کا قطرہ موتی بن جاتا ہے۔

۶- وہ ایک نکتہ سنج ہے جس کا نام برتری ہے۔ اس کی فطرت بہار کے بادل کی سی ہے۔

۷- اس (برتری/ بھرتری) نے چمن سے نئے نئے کھلے غنچے کے سوا اور کچھ نہیں چنا۔ تیرے (زندہ رود کے) نغمے نے اسے ہماری طرف کھینچا ہے۔ گویا تیرا نغمہ (غزل) اس کے لیے ایک نئی بات تھی جس کی وجہ سے وہ ہماری طرف کھنچا چلا آیا ہے۔

۸- وہ ایک بادشاہ ہے جو شاعر بھی ہے اور اس کی شاعری قدر ومنزل کی حامل ہے۔ پھر فقر میں بھی اس کا مقام ومرتبہ بلند ہے۔

۹- وہ اپنے انوکھے اور نادر فکر سے خوبصورت نقش بناتا ہے۔ اس کے دو یعنی چند لفظوں میں جہانِ معنی پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کی شاعری بڑے دلکش مضامین کی حامل ہونے کے علاوہ بڑی فصیح وبلیغ ہے۔

۱۰- وہ زندگی کے کارخانے سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ خود جمشید ہے اور اس کی شاعری جامِ جم (جمشید کا پیالہ جس میں سے دنیا نظر آتی تھی) ہے۔ گویا وہ زندگی کے حقائق سے کماحقہ آگاہ ہے اور اسے یہ معلوم ہے کہ زندگی صحیح معنوں میں کس طور گذارنی چاہیے۔ وہ بادشاہ بھی ہے اور شاعر بھی اور اس کی شاعری جامِ جم کی طرح منفرد ونادر ہے۔

۱۱- (جب بھرتری ہری ہماری طرف آیا تو) ہم اس کے مذکورہ ہنر (خوبیوں) کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ پھر اس کے ساتھ صحبت آراستہ کی۔

زندہ رود

۱- اے کہ گفتی نکتہ ہائے دلنواز مشرق از گفتارِ تو دانائے راز!
۲- شعر را سوز از کجا آید بگوے از خودی یا از خدا آید بگوے

۱- اے (برتری ہری) کہ تو نے بڑی دل نواز گہری باتیں کی ہیں اور اہل مشرق تیری گفتار سے دانائے راز ہو گئے ہیں۔

۲- ذرا یہ تو بتا کہ شعر میں سوز کہاں سے یا کیونکر پیدا ہوتا ہے، یہ بتا کہ آیا وہ خودی سے پیدا ہوتا ہے یا خدا کی طرف سے آتا ہے؟

برتری ہری

۱- کس نداند درجہاں شاعر کجاست پردۂ او از بم و زیر نواست
۲- آں دل گرمے کہ دارد درکنار پیش یزداں ہم نمی گیرد قرار
۳- جانِ مارا لذت اندر جستجوست شعر را سوز از مقامِ آرزوست
۴- اے تو از تاکِ سخن مستِ مدام گر ترا آید میسر ایں مقام
۵- بادو بیتے درجہانِ سنگ و خشت می تواں بردن دل از حورِ بہشت

۱- کسی کو یہ معلوم نہیں کہ دنیا میں شاعر کہاں ہے۔ اس کا راگ نغمہ کے اونچے نچلے سروں سے ہے۔ جیسے اچھے یہ سر ہوں گے ویسے ہی نغمہ کی اہمیت ہوگی۔ گویا حقیقی شاعر وہی ہے جو صحیح جذبوں سے سرشار اور با مقصد شاعری کرتا ہو، ایسے شاعر کا ملنا ایک دشوار امر ہے۔

۲- ایسا شاعر جس کے پہلو/ سینے میں بیقرار دل ہوتا ہے، وہ خدا کے حضور بھی بیقرار ہی رہتا ہے۔ سچا عاشق نہ تو فراق میں قرار پاتا ہے اور نہ وصل ہی میں، سچے عاشق کی یہ بنیادی علامت ہے۔ مومن خان مومنؔ نے عام عشق کے حوالے سے کچھ ایسی ہی بات کہی ہے:

مرگ ہے انتہائے شوق یاں رہی ابتدائے عشق
زندگی اپنی ہوگئی رنجشِ بار بار میں

۳- ہماری جان میں لذت جستجو سے پیدا ہوتی ہے اور شعر میں سوز آرزو ہی کے مقام سے پیدا ہوتا ہے۔ زندگی مسلسل رواں دواں رہنے کا نام ہے۔ حقیقی عاشق کو فراق میں تڑپنے سے

لذت ملتی ہے۔ اگر شاعر کے دل میں کوئی آرزو ہے تو اس کے حصول کے لیے اس میں لذت پیدا ہوگی اور یوں اس کی شاعری صحیح معنوں میں اور پر سوز شاعری ہوگی۔

۴-۵: اے (زندہ رود) تو جو شاعری کی انگور کی شراب سے ہمیشہ مست رہتا ہے، اگر تجھے آرزو کا یہ مقام حاصل ہو جائے تو اس مادی دنیا میں دو ایک شعروں سے بہشت کی حوروں کے دل چھینے یا جیتے جا سکتے ہیں۔

زندہ رود

ہندیاں را دیدہ ام در پیچ و تاب — سر حق، وقت است، گوئی بے حجاب

= میں نے اہل ہند کو بیقرار دیکھا ہے، اب وقت ہے کہ تو حق کا راز کھل کر یا واضح طور پر بیان کر دے۔

برتری ہری

۱- ایں خدایانِ تنک مایہ ز سنگ اند و ز خشت — برترے ہست کہ دور است ز دیر و ز کنشت

۲- سجدہ بے ذوقِ عمل خشک و بجائے نرسد — زندگانی ہمہ کردار چہ زیبا و چہ زشت

۳- فاش گویم بتو حرفے کہ نداند ہمہ کس — اے خوش آں بندہ کہ بر لوحِ دل او را بنوشت

۴- ایں جہانے کہ تو بینی اثر یزداں نیست — چرخہ از تست و ہم آں رشتہ کہ بر دوکِ تو رشت

۵- پیشِ آئینِ مکافاتِ عمل سجدہ گزار — زانکہ خیزد ز عمل دوزخ و اعراف و بہشت

(ترجمہ از برتری ہری)

۱- (اے اہل ہند) تمہارے یہ تنک مایہ خدا (مادی اشیا) پتھر اور اینٹوں سے بنے ہوئے ہیں، ان سے بڑھ کر اور ایک بلند ہستی (خدا) ہے جو دیر و کنشت سے دور ہے۔ خدا کی ذات مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں سے مخصوص نہیں ہے، وہ تو ان سے الگ اور سب کی ہے اور وہی صحیح معنوں میں لائق عبادت ہے۔

۲- جو سجدہ ذوق عمل کے بغیر ہوگا وہ خشک بھی ہے اور کہیں نہیں پہنچاتا۔ مطلب یہ کہ زندگی کردار و عمل ہی سے ایک حقیقی اور با مقصد زندگی بنتی ہے، اگر یہ نہیں ہے تو بیکار ہے۔ کردار و عمل سے بیگانہ کرنے والی عبادت کو عبادت نہیں کہا جا سکتا۔

۳- میں تجھ سے ایک ایسی بات کھل کر کہتا ہوں جسے ہر کوئی نہیں جانتا، وہ بندہ بہت اچھا

ہے جس نے یہ بات دل کی تختی پر لکھ لی (بات اگلے شعر میں)

۴۔ یہ جہان/ کائنات جو تو دیکھ رہا ہے، خدا کے اثر سے نہیں ہے، مطلب یہ کہ یہ کائنات خدا ہی کی تخلیق ہے لیکن ہم انسانوں نے اسے جو رنگ دے رکھا ہے اور جس صورت میں اسے ڈھال رکھا ہے وہ قطعاً خدا کی تخلیق نہیں ہے۔ چرخہ تو تیرا ہے اور وہ دھاگا بھی تیرا ہے جو تو نے چرخے کے تکلے پر کاتا ہے۔ گویا اس دنیا میں جو بھی اچھائی برائی پیدا ہو رہی ہے وہ خود انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

۵۔ تو مکافاتِ عمل کے آئین کے آگے سجدہ کر، اس لیے کہ یہ دوزخ اور برزخ اور بہشت سب عمل ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے تمہارے عمل ہوں گے ویسے ہی تم بہشت یا دوزخ کے لائق ٹھہرو گے۔ کوئی بھی پیدائشی طور پر بہشتی یا دوزخی نہیں ہوتا، اس کے عمل یہ کچھ بناتے ہیں (علامہ نے آخری شعر برتری ہری کے شعر کا ترجمہ کیا ہے) بقول علامہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

حرکت بہ کاخِ سلاطینِ مشرق

نادؔر، ابدؔالی، سلطاؔن شہید

(مشرق کے بادشاہوں کے محل کی طرف روانگی)

۱۔ رفت در جانم صدائے برتری مست بودم از نوائے برتری
۲۔ گفت رومی "چشم دل بیدار بہ پا بروں از حلقہ افکار نہ
۳۔ کردہ ای بر بزم درویشاں گذر یک نظر کاخِ سلاطین ہم نگر
۴۔ خسروانِ مشرق اندر انجمن سطوتِ ایران و افغان و دکن
۵۔ نادر آں دانائے رمزِ اتحاد با مسلماں داد پیغام وداد
۶۔ مردِ ابدالی وجودش آیتے داد افغاں را اساسِ ملتے
۷۔ آں شہیدانِ محبت را امام آبروئے ہند و چین و روم و شام

۸- نامش از خورشید و مہ تابندہ تر　　خاکِ قبرش از من و تو زندہ تر
۹- عشق رازے بود بر صحرا نہاد　　تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد
۱۰- ازنگاہِ خواجۂ بدر و حُنین　　فقر سلطاں وارثِ جذب حسینؓ
۱۱- رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز　　نوبت او در دکن باقی ہنوز

۱- بھرتری ہری کی آواز (بات) میری جان میں اتر گئی (میں بے حد متاثر ہوا) میں اس کی نوا سے مست ہو گیا تھا۔

۲- رومی بولے "دل کی آنکھ بیدار ہی اچھی ہے۔ تو (زندہ رود) اپنے افکار سے باہر نکل۔ تجھ پر جو یہ کیفیت طاری ہوئی ہے، اس سے باہر آ تا کہ ہم آگے بڑھیں۔

۳- تو درویشوں کی محفل سے گذر آیا ہے (تو نے یہ محفل دیکھ لی ہے) اب ذرا سلاطین کا محل بھی دیکھ لے۔

۴- اس انجمن (محل) میں مشرق کے جو بادشاہ ہیں، وہ کبھی ایران، افغان (افغانستان) اور دکن کا دبدبہ وشان تھے۔

۵- (ان میں ایک تو) نادر ہے جو اتحاد کی رمز سے آگاہ ہے۔ اس نے مسلمانوں کو محبت و دوستی کا پیغام دیا۔ گویا مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور طبقوں کے اتحاد کے لیے وہ کوشش کرتا رہا۔

۶- دوسرا بادشاہ احمد شاہ ابدالی ہے، جس کا وجود ایک مثالی وجود ہے، اس نے افغانیوں کو ایک ملت کی بنیاد سے آگاہ کیا۔ سب مسلمان متحد ہو کر رہیں۔

۷- تیسرا بادشاہ محبت کے شہیدوں کا امام ہے، ہند اور چین اور روم و شام کی آبرو تھا (مراد ٹیپو سلطان، ان تینوں کے لیے فرہنگ دیکھیے)

۸- اس (ٹیپو) کا نام سورج اور چاند سے بھی زیادہ روشن ہے۔ اس کی قبر کی مٹی مجھ سے اور تجھ سے بھی زیادہ زندہ ہے۔ اس کی شہادت کے حوالے سے کہا ہے۔

۹- عشق ایک راز تھا جو اس نے صحرا پر رکھ دیا، یعنی وہ راز عام کر دیا، تجھے علم نہیں ہے کہ اس (ٹیپو) نے اپنی جان کس قدر شوق و جذبہ سے قربان کی۔ خبیث انگریزوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا۔

۱۰- بدر و حنین کے خواجہ یعنی حضور اکرمؐ کی نگاہ میں کسی سلطان/ بادشاہ کا فقر جذبِ حسینؓ کا وارث ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے باطل قوت سے ٹکرا کر جام شہادت نوش کیا تھا۔

ٹیپو مکار انگریزوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ گویا وہ سلطان ہوتے ہوئے صاحب فقر بھی تھا اور یہ دنیا و آخرت کے لحاظ سے بڑی عظمت و بلند مرتبگی کی علامت ہے۔

۱۱۔ سلطان (ٹیپو) اگرچہ اس مادی و فانی دنیا سے چلا گیا ہے لیکن اس کا ڈنکا ابھی تک دکن میں بج رہا ہے اور یہ اس کی بقا و حیاتِ جاوید کی علامت ہے۔

۱۲۔ حرف و صوتم خام و فکرم ناتمام ‏ ‏ کے تواں گفتن حدیثِ آں مقام
۱۳۔ نوریاں از جلوہ ہائے او بصیر ‏ ‏ زندہ و دانا و گویا و خبیر
۱۴۔ قصرے از فیروزہ دیوار و درش ‏ ‏ آسمانِ نیلگوں اندر برش
۱۵۔ رفعت او برتر از چند و چگوں ‏ ‏ می کند اندیشہ را خوار و زبوں
۱۶۔ آں گل و سرو و سمن آں شاخسار ‏ ‏ از لطافت مثل تصویرِ بہار
۱۷۔ ہر زماں برگِ گل و برگِ شجر ‏ ‏ دارد از ذوقِ نمو رنگِ دگر
۱۸۔ ایں قدر بادصبا افسوں گر است ‏ ‏ تامژہ برہم زنی زرد احمراست
۱۹۔ ہر طرف فوارہ ہا گوہر فروش ‏ ‏ مرغکِ فردوس زاد اندر خروش
۲۰۔ بارگاہے اندر آں کاخِ بلند ‏ ‏ ذرہ او آفتاب اندر کمند
۲۱۔ سقف و دیوار و اساطیں از عقیق ‏ ‏ فرشِ او از یشم و پرچین از عقیق
۲۲۔ بریمین و بر یسار آں وثاق ‏ ‏ حوریاں صف بستہ با زریں نطاق
۲۳۔ درمیاں بنشستہ بر اورنگِ زر ‏ ‏ خسروانِ جم حشم، بہرام فر
۲۴۔ رومی آں آینہ حسنِ ادب ‏ ‏ باکمالِ دلبری بکشاد لب
۲۵۔ گفت مردے شاعرے از خاور است ‏ ‏ شاعرے یا ساحرے از خاور است
۲۶۔ فکر او باریک و جانش دردمند ‏ ‏ شعر او در خاوراں سوزے فگند

۱۲۔ میرے الفاظ اور میرا بیان خام اور میری فکر نامکمل ہے، اس صورتِ حال میں اس مقام (محل سلاطین) کی بات میں کیونکر بیان کرسکتا ہوں۔ اس مقام کی عظمت کا بیان بے حد دشوار ہے۔

۱۳۔ اس (انجمن سلاطین) کے جلووں سے فرشتے بھی صاحب بصارت ہیں، اس سے آنکھوں کی روشنی حاصل کرتے ہیں۔ وہ (فرشتے) اس سے زندہ و دانا اور بولنے والے اور باخبر ہیں۔

۱۴۔ یہ ایک ایسا محل ہے جس کے در و دیوار فیروزہ سے بنے ہوئے ہیں۔ نیلا آسمان اس

کے پہلو میں ہے، آسمان سے بھی زیادہ بلند ہے۔

۱۵- اس کی رفعت دنیاوی پیمانوں اور اندازوں سے بڑھ کر ہے (وہ پیمانے وغیرہ اس کی رفعت کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں)۔ اس کی رفعت فکر کو خوار و زبوں کر دیتی ہے۔ انسانی فکر اس کا قطعاً اندازہ نہیں کر سکتی۔ انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔

۱۶- اس محل کے وہ پھول وہ سرو و سمن اور وہ شاخسار، یہ سب اپنی لطافت کے لحاظ سے بہار کی تصویر کی مانند ہیں۔

۱۷- ہر لمحہ پھولوں کی پتیاں اور درختوں کے پتے ذوقِ نمود (ظاہر ہونے کے ذوق) کے باعث ایک نئے رنگ کے حامل ہوتے رہتے ہیں۔

۱۸- یہاں کی بادِ صبا کچھ اس قدر جادوگر ہے کہ ادھر تو نے پلک جھپکی اور ادھر زرد رنگ سرخ رنگ بن گیا۔

۱۹- یہاں ہر طرف چشمے موتی بکھیر رہے ہیں اور بہشت میں پیدا شدہ پرندے خوب چہچہا رہے ہیں۔

۲۰- اس بلند محل کے اندر ایک ایسی بارگاہ ہے جس کے ذرے کی کمند میں آفتاب آیا ہوا ہے۔ یہاں کے ذرے بھی بے حد روشن ہیں۔

۲۱- اس محل کی چھتیں اور دیواریں اور کھمبے سب عقیق سے بنے ہوئے ہیں۔ اس کے فرش ریشم کے اور ان (فرشوں) کے حاشیے بھی عقیق کے ہیں۔

۲۲- اس گھر (محل) کے دائیں بائیں حوریں زریں کمر بندوں کے ساتھ (یعنی پہنے ہوئے) قطار در قطار کھڑی ہیں۔

۲۳- انؔ کے درمیان سونے کے تخت پر جم حشم اور بہرام فر بادشاہ/ سلاطین بیٹھے ہیں۔

۲۴- رومیؔ نے جو حسنِ ادب کا آئینہ ہے، بڑی ہی دلبری کے انداز میں ہونٹ کھولے، یعنی بولے۔ (زندہ رودؔ کا ان سلاطین سے تعارف کروانے لگے)

۲۵- وہ (رومیؔ) بولے کہ یہ (زندہ رود) سرزمینِ مشرق کا ایک مرد شاعر ہے۔ وہ کوئی شاعر ہے یا مشرق کا ساحر (جادوگر) ہے۔ علامہ کی باعظمت شاعری کی طرف اشارہ ہے۔

۲۶- اس کی فکر باریک اور اس کی جان دردمند ہے۔ اس کی شاعری نے مشرق کے لوگوں کے دلوں میں سوز پیدا کر دیا ہے۔

نادر

۱- خوش بیا اے نکتہ سنجِ خاوری اے کہ می زیبد ترا حرفِ دری
۲- محرمِ رازیم! با ما راز گوے آنچہ می دانی ز ایراں بازگوے

۱- (نادر زندہ رود سے مخاطب ہے) اے مشرق کے نکتہ دان خوش آمدید، اے کہ تجھے فارسی زبان زیب دیتی ہے یعنی فارسی زبان میں شاعری کرنا تجھے زیب دیتا ہے۔

۲- ہم دونوں راز سے آگاہ ہیں، تو جو کچھ ایران کے بارے میں جانتا ہے، وہ ذرا بیان کر۔

زندہ رود

۱- بعدِ مدت چشمِ خود برخود کشاد لیکن اندر حلقہ دامے فتاد
۲- کشتہ نازِ بتانِ شوخ و شنگ خالقِ تہذیب و تقلیدِ فرنگ
۳- کارِ آں وارفتہ ملک و نسب ذکر شاپور است و تحقیرِ عرب
۴- روزگارِ او تہی از واردات از قبورِ کہنہ می جوید حیات
۵- باوطن پیوست و از خود در گذشت دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت
۶- نقش باطل می پذیرد از فرنگ سرگذشتِ خود بگیرد از فرنگ

۱- (جواب میں زندہ رود اپنے دور کے ایران کے حالات بیان کرتا ہے) ایران نے ایک مدت کے بعد اپنی آنکھیں خود پر کھولیں لیکن پھر وہ ایک جال کے پھندے میں پھنس گیا یعنی اگرچہ ایرانیوں نے اپنی اہمیت وقدر جان لی لیکن وہ وطنیت کے نظریے کا شکار ہو گئے۔ پرانے کافر اور مجوسی بادشاہوں کو اپنا ہیرو قرار دے لیا۔

۲- ایران آج کے یورپی شوخ وسنگ حسینوں کے ناز وادا کا مارا ہوا ہے۔ (ان پر بہت ہی فریفتہ ہے) وہ خود ایک تہذیب کا خالق ہے لیکن اس کے باوصف انگریزوں کی پیروی میں لگا ہوا ہے۔ راقم (یزدانی) نے ۵-۱۹۷۴ء میں اپنے قیام تہران کے دوران اس پیروی کا بھرپور مظاہرہ دیکھا تھا۔ عورتوں کا بے حجابانہ لباس اور ان کے ناچ وغیرہ سب اسی پیروی کے عکاس تھے۔

۳- اس ملک ونسب کے شیفتہ وفریفتہ ایران کا اب یہی کام ہے کہ وہ ایران کے قدیم کافر بادشاہ شاپور کا ذکر تو فخر وناز سے کرتا ہے لیکن اہل عرب کی تحقیر کرتا ہے۔ گویا ایرانی

اپنے اسلامی عہد پر ناز کرنے کی بجائے اسے حقارت سے یاد کرتے ہیں جبکہ قدیم اور اسلامی عہد سے بہت پہلے کے کافر اور آتش پرست (مجوسی) بادشاہوں کو فخر و ناز سے یاد کرتے ہیں۔

۴- اس کی زندگی واردات سے خالی ہے اور وہ پرانی قبروں سے زندگی تلاش کرتا ہے۔ ''پرانی قبروں'' سے مراد ایران کی قدیم کافرانہ تہذیب و ثقافت ہے۔

۵- وہ وطنیت کے نظریئے کا شکار ہو گیا اور خود سے گذر گیا ہے۔ اس نے رستم کو تو دل دے دیا ہے لیکن حضرت علیؓ حیدر کرار کو چھوڑ چکا ہے۔ وہی پہلے والی بات نئے استعارے میں۔ حضرت علیؓ جیسی عظیم، دلیر اور فاتح ہستی کا تعلق چونکہ عرب سے تھا، اس لیے ایرانی انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے جبکہ ایران کا پہلوان اور دلیر آتش پرست رستم ان کے نزدیک بہت بڑا قومی ہیرو ہے۔

۶- وہ فرنگ (یورپ) سے باطل نقش لے رہا ہے اور اپنی داستان بھی اسی سے لے رہا ہے۔ گویا ایرانیوں نے وطن پرستی کا تصور بھی انگریزوں ہی سے لیا ہے اور خود کو ہر لحاظ سے ان کی پیروی کرتے ہوئے وہ انہی جیسا طرزِ زندگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

۷- پیریِ ایراں زمانِ یزد جرد — چہرۂ او بے فروغ از خونِ سرد
۸- دین و آئین و نظامِ او کہن — شید و تارِ صبح و شامِ او کہن
۹- موجِ مے در شیشہ تاکش نبود — یک شرر در تودۂ خاکش نبود
۱۰- تا ز صحرائے رسیدش محشرے — آنکہ داد او را حیاتِ دیگرے
۱۱- ایں چنیں حشر از عنایاتِ خداست — پارسؔ باقی، رومتہ الکبریٰ کجاست
۱۲- آنکہ رفت از پیکر او جانِ پاک — بے قیامت برنمی آید زخاک
۱۳- مردِ صحرائی بایراں جاں دمید — باز سوئے ریگ زارِ خود رمید
۱۴- کہنہ را از لوحِ ما بسترد و رفت — برگ و سازِ عصرِ نو آورد و رفت
۱۵- آہ احسانِ عرب نشناختند — از تشِ افرنگیاں بگداختند

۷- یزدجرد (اسلامی دور سے پہلے کے آخری بادشاہ) کے زمانے میں ایران پر بڑھاپا چھایا ہوا تھا اور اس کا چہرہ خون سرد کی بنا پر بے رونق ہو چکا تھا یعنی اسلام سے پہلے ایران میں آتش پرستی کے عقیدے اور نظریئے رائج تھے جن میں حقیقی زندگی کی کوئی دل کشی نہ تھی۔

۸- اس کا دین و آئین اور نظام سب پرانے ہیں یعنی اسلام سے بہت پہلے کے ہیں۔ اس

کی صبح کی روشنی اور رات کی تاریکی بھی پرانی ہے۔ قدیم دور کے یہ سب دین و آئین وغیرہ بے طاقتی کا شکار تھے۔

۹- اس کی تاک کی صراحی میں شراب کی لہریں نہ تھیں (شراب نہ تھی) اور اس کے خاک کے ڈھیر میں ایک چنگاری بھی نہ تھی۔ گویا اسلام سے پہلے ایران کی حالت ہر لحاظ سے گمراہی اور پسماندگی میں تھی۔

۱۰- تا آنکہ صحرائے عرب سے وہاں (ایران) ایک ہنگامہ برپا ہوا جس نے اسے ایک نئی زندگی عطا کی۔ گویا اسلام جب ایران میں پہنچا اور پھیلا تو اس کے آئین و نظام سے روشناس ہونے کے باعث ایرانیوں کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا اور وہ صحیح معنوں میں ایک زندہ قوم بن گئی۔

۱۱- اس قسم کا حشر خدا کی عنایات میں سے ہے۔ فارس تو اب تک باقی ہے لیکن رومتہ الکبریٰ اب کہاں ہے (نہیں ہے) گویا اسلام قبول کرنے کے باعث ایران اب تک زندہ ہے لیکن رومن سلطنت، جسے عربوں نے فتح کیا تھا، اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے فنا کا شکار ہو گئی۔ افسوس کہ آج ایرانیوں نے اسلام کی قدر نہیں کی اور وطنیت کے چکر میں پڑ کر عربوں کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔

۱۲- وہ کہ جس کے جسم سے پاک جان نکل گئی یا نکل جاتی ہے، وہ پھر قیامت برپا ہونے سے پہلے نہیں اٹھتا۔ اس استعارہ سے مراد یہ ہے کہ اب اللہ ہی ایران کو فنا ہونے سے بچائے ورنہ ایرانیوں نے اپنی تباہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

۱۳- عرب کے صحرانشین مردوں/ دلیروں نے ایران میں ایک نئی روح پھونکی، اس کے بعد وہ پھر اپنے صحرا کو لوٹ گئے۔ مطلب یہ کہ عربوں نے ایران پر کسی ذاتی مفاد کی خاطر قبضہ نہیں کیا بلکہ ایرانیوں کو اسلام سے روشناس کر کے واپس چلے گئے اور یہ امر ان کی عظمت کا عکاس ہے۔

۱۴- عربوں نے ہماری زندگی کی تختی سے پرانی تحریر مٹا دی اور لوٹ گئے۔ وہ ایران کے لیے نئے دور کا ساز و سامان لائے اور چلے گئے۔ ایران کی پرانی اور کمزور و بے جان قسم کی تہذیب و ثقافت وغیرہ کی جگہ ایرانیوں کو ایک عظیم مذہب اور تہذیب و ثقافت وغیرہ دے کر لوٹ گئے۔

۱۵- افسوس کہ ایرانیوں نے عرب کے اس (عظیم) احسان کو نہ پہچانا (نہ جانا، بھلا دیا)

اور (خبیث و مکار) انگریزوں کی آگ میں پگھل کے رہ گئے۔ گویا یورپی تہذیب و ثقافت اور افکار اپنا کر انہوں نے اسلام کی عطا کردہ عظمت و حقیقی زندگی سے خود کو دور کرلیا۔ وہ کہیں کے نہیں رہے۔

نمودار می شود روحِ ناصر خسرو علوی و غزلے مستانہ سرائیدہ غایب می شود

(ناصر خسرو علوی کی روح نمودار ہوتی ہے اور ایک مستانہ غزل گا کر غائب ہو جاتی ہے)

۱۔ دست را چوں مرکب تیغ و قلم کردی مدار — ہیچ غم گر مرکب تن لنگ باشد یا عرن

۲۔ از سرِ شمشیر و از نوکِ قلم زاید ہنر — اے برادر ہمچو نور از نار و نار از نارون

۳۔ بے ہنر داں نزدِ بے دیں ہم قلم ہم تیغ را — چوں نباشد دیں نباشد کلک و آہن را ثمن

۴۔ دیں گرامی شد بدانا و بناداں خوار گشت — پیشِ ناداں دیں چو پیش گاو باشد یاسمن

۵۔ ہمچو کرپاسے کہ از یک نیمہ زو الیاس را — کرتہ آید و زدگر نیمہ یہودی را کفن"

(یہ غزل نہیں ہے، بلکہ ناصر خسرو کے ایک قصیدے کے چند شعر ہیں۔ قصیدے کا مطلع ہے:)

اے دنندہ ہمچو دَن کردہ رخاں از خون دَن
خونِ دَن ُخونت بخواہد ریخت گردِ دَن ہدن

۱۔ جب تو نے اپنے ہاتھ کو تلوار اور قلم کے گھوڑوں کا سوار بنالیا ہے تو پھر اگر تیرے جسم کا گھوڑا لنگڑا ہے یا عرن کا شکار ہے تو تو کوئی غم نہ کرے یعنی جب تو صاحب علم بھی ہے اور صاحب قوت بھی تو جسم کی کمزوری وغیرہ کا سوچے بغیر آگے بڑھتا چلا جا۔

۲۔ شمشیر کی نوک اور قلم کی نوک ہی سے ہنر پیدا ہوتا ہے اور اے بھائی! (ہنر اسی طرح پیدا ہوتا ہے) جس طرح آگ سے روشنی اور نارون کی لکڑی سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ گویا ان دونوں قوتوں (علم و شمشیر) ہی کے طفیل انسان باہنر یا صاحب عظمت و بلند مرتبگی بنتا ہے ورنہ کسی ایک قوت سے یہ بات نہیں بن سکتی۔

۳۔ اگر کسی بے دین کے ہاتھ میں قلم بھی ہو اور تلوار بھی ہو تو اسے بے ہنر ہی سمجھ، اس لیے کہ جب دین ہی نہیں ہے (جو بنیادی شرط ہے) تو پھر نہ تو قلم ہی کی کوئی قیمت/ قدر و قیمت ہے اور نہ لوہے (تلوار) ہی کی کوئی قیمت ہے۔

۴۔ دین کو عظمت و عزت دانا آدمی سے ملی جبکہ نادان انسان اس کی ذلت و خواری کا

باعث بنا۔ نادان کے سامنے دین کی کچھ ایسی ہی صورت ہے جیسے گائے کے آگے چنبیلی۔ گویا گھاس پھوس کھانے والی گائے کو چنبیلی کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔

۵۔ اس کھدر کے کپڑے کی طرح جس کے نصف سے حضرت الیاسؑ کا کرتہ بنتا ہے اور دوسرے نصف سے یہودی کا کفن بنتا ہے۔ مطلب یہ کہ دین کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جسے حضرت الیاسؑ جیسے پیغمبر سے نسبت کی بنا پر سرفرازی حاصل ہے اور جب یہی کپڑا کسی یہودی کا کفن بنتا ہے یعنی اس سے تعلق ہوتا ہے تو وہ کپڑا سربزیری کا شکار ہو جاتا ہے۔

ابدالی

۱۔ آں جواں کو سلطنت ہا آفرید — باز در کوہ و قفارِ خود رمید

۲۔ آتشے در کوہسارش برفروخت — خوش عیار آمد بروں یا پاک سوخت؟

۱۔ (ابدالی زندہ رود سے مخاطب ہے) وہ افغانی جوان جس نے کئی سلطنتیں پیدا کیں (وجود میں لایا) پھر وہ پہاڑوں اور بے آب و گیاہ بیابانوں کی طرف چلا گیا (وہیں تک محدود ہو کر رہ گیا)

۲۔ (ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے جب اس نے وہاں کے پہاڑوں میں آگ بھڑکا رکھی تھی، گویا امان اللہ یا افغان جوان ہر وقت طلب و جستجو میں رہتا تھا/ رہتے تھے۔ تو (زندہ رود) مجھے یہ بتا کہ جو آگ افغانی جوان نے بھڑکائی تھی، اس میں سے وہ زمانے کے معیار/ پرکھ پر پورا اترا اور باہر آیا ہے یا بالکل جل کے رہ گیا ہے یعنی آیا آج بھی وہ صاحب عظمت ہے یا ذلت و خواری کا شکار ہے۔

زندہ رود

۱۔ اُمتاں اندر اخوت گرم خیز — او برادر با برادر در ستیز

۲۔ از حیاتِ او حیاتِ خاور است — طفلک دہ سالہ اش لشکر گر است

۳۔ بے خبر خود را ز خود پرداختہ — ممکناتِ خویش را نشناختہ

۴۔ ہست دارائے دل و غافل ز دل — تن زتن اندر فراق و دل زدل

۵- مردِ رَہ رو را بمنزل راہ نیست — از مقاصد جانِ او آگاہ نیست
۶- خوش سرود آں شاعرِ افغاں شناس — آنکہ بیند، باز گوید بے ہراس
۷- آں حکیم ملت افغانیاں — آں طبیبِ علتِ افغانیاں
۸- رازِ قومے دید و بیباکانہ گفت — حرف حق با شوخیِ رندانہ گفت
۹- "اشترے یابد اگر افغانِ حر — با یراق و ساز و با انبارِ دُر
۱۰- ہمتِ دونش ازاں انبارِ دُر — می شود خوشنود با زنگ شتر

۱- دنیا کی دوسری قومیں بھائی چارے یعنی اتفاق و اتحاد میں سرگرم ہیں جبکہ افغانی بھائی، بھائی سے برسرپیکار ہیں۔ گویا نااتفاقی بڑھ گئی ہے اور وہ اخوت کا درس بھول چکے ہیں۔

۲- ان کی زندگی ہی سے مشرق کی زندگی ہے، اس لیے کہ وہاں کا تو دس سالہ بچہ بھی جنگجو ہے۔

۳- خود سے بے خبر اس افغانی (افغانیوں) نے خود کو کھو دیا ہے اور اس نے اپنی اندرونی قوتوں اور صلاحیتوں کو پہچانا ہی نہیں (نہیں جانا) حالانکہ افغانی قوم ایک دلیر اور کئی اوصاف کی حامل قوم ہے۔

۴- وہ صاحب دل تو ہے لیکن دل سے غافل ہو چکا ہے۔ گویا افغانی افراد کے جسم، جسم سے اور دل، دل سے جدا ہیں۔ افغانی بے حد افتراق و نفاق کے شکار ہیں۔

۵- اس مسافر کو منزل تک کا راستہ نہیں ملتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جان حقیقی زندگی کے مقاصد سے آگاہ نہیں ہے۔ یہ لوگ بے مقصد زندگی گذار رہے ہیں اور اس لحاظ سے وہ محض چلتی پھرتی لاشیں رہ گئے ہیں۔

۶- اس افغان شناس یعنی افغانیوں کی ذہنیت سے آگاہ شاعر نے جو جو کچھ بھی دیکھا ہے وہ بے خوف وخطر کہہ ڈالتا ہے، بڑی اچھی بات کی ہے۔ شاعر سے مراد خوشحال خاں خٹک ہے۔

۷- وہ (خٹک) افغانی قوم کا دانشمند/حکیم بھی ہے اور اس کی بیماری کا معالج بھی ہے۔ چونکہ وہ اس قوم کی ذہنیت سے پوری طرح آگاہ ہے اس لیے وہ جانتا ہے کہ اسے کس طرح صحیح ڈگر پر لایا جا سکتا ہے۔

۸- اس (خٹک) نے قوم کا راز دیکھا اور اسے بے خوفی / بیباکی کے ساتھ بیان کر دیا۔ اس نے سچی بات رندانہ شوخی سے کہہ ڈالی (اور وہ بات یہ ہے کہ)

۹- اگر ایک آزاد افغان کو کوئی اونٹ مل جاتا ہے جس پر قیمتی سامان، ساز اور موتیوں کا ڈھیر ہوتا ہے؛

۱۰۔ تو اس کی پست ہمتی کچھ ایسی ہے کہ وہ موتیوں کے اس ڈھیر میں سے اونٹ کی گھنٹی ہی سے خوش ہو جاتا ہے۔

ابدالی

۱۔	درنہادِ ماتب و تاب از دل است	خاک رابیداری وخواب از دل است
۲۔	تن زمرگِ دل دگرگوں می شود	در مساماتش عرق خوں می شود
۳۔	از فسادِ دل بدن ہیچ است ہیچ	دیدہ بر دل بند و جز بر دل مپیچ
۴۔	آسیا یک پیکر آب و گل است	ملتِ افغاں در آں پیکر دل است
۵۔	از فسادِ او فسادِ آسیا	در کشادِ او کشادِ آسیا
۶۔	تا دل آزاد است آزاد است تن	ورنہ کاہے در رہِ باد است تن
۷۔	ہمچوتن پابند آئین است دل	مردہ ازکیں، زندہ از دین است دل
۸۔	قوتِ دیں از مقامِ وحدت است	وحدت ار مشہود گردد ملت است

۱۔ ہماری فطرت میں جوتب وتاب ہے وہ دل ہی کی بدولت ہے۔ انسان کے جسم کی بیداری بھی' نیند بھی دل کے بیدار ہونے یا نیند میں ہونے ہی کی بنا پر ہے۔ اگر دل زندہ ہے تو انسان کی عظمت کا باعث بن جاتا ہے۔ بصورتِ دیگر انسانی زندگی بیکار ہو کے رہ جاتی ہے۔

۲۔ جسم، دل کی موت سے بدل جاتا ہے (اس کی حالت بدل جاتی ہے) اس کے مسامات میں پسینہ خون بن جاتا ہے۔

۳۔ دل کے بگاڑ کے باعث جسم بیکار ہے، بیکار ہے، لہٰذا تو آنکھیں دل پر جما اور دل کے سوا اور کسی چیز پر نہ لپٹ۔ تمام تر توجہ دل کی طرف کر۔ علامہ ہی کے بقول:

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارا

۴۔ ایشیا مٹی اور پانی کا ایک جسم ہے جبکہ ملت افغان اس جسم میں ایک دل ہے۔ گویا اگر دل یعنی افغان قوم اپنے آپ کو درست کر لے، سنوار لے تو ایشیائی ملکوں کی بھی حالت سنور جائے گی۔

۵۔ اس قوم کے بگاڑ/فساد سے ایشیا کا بگاڑ ہے جبکہ اس کی خوشحالی ایشیا کی خوشحالی کا

باعث بنے گی۔

۶۔ جب تک دل آزاد ہے جسم بھی آزاد رہے گا ورنہ جسم کی حیثیت اس تنکے کی سی ہے جو ہوا کے راستے میں پڑا ہو (ہوا اسے اڑا کر لے جاتی ہے) گویا اس (جسم) کی کوئی قدر و اہمیت نہیں رہتی۔

۷۔ جسم کی طرح دل بھی آئین کا پابند ہے، بغض و کینہ سے دل مر جاتا ہے جبکہ دین سے وابستگی کی بنا پر دل زندہ ہوتا ہے۔

۸۔ دین کی قوت مقامِ وحدت سے ہے۔ اگر وحدت عمل میں آ جائے تو وہ ملت کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ توحید ایزدی پر ایمان مسلمان ہونے کی بنیادی شرط ہے۔ اس پر عمل سے قوم پورے طور پر ایک چٹان بن جاتی ہے لیکن افسوس کہ آج ملت اسلامیہ اس ایمان سے دوری کے باعث افتراق و انتشار اور فرقہ پرستی اور طبقہ بندی وغیرہ میں بٹ چکی ہے۔

۹۔ شرق را از خود برد تقلید غرب   باید ایں اقوام را تنقید غرب

۱۰۔ قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب   نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب

۱۱۔ نے زسحرِ ساحرانِ لالہ روست   نے زعریاں ساق و نے از قطعِ موست

۱۲۔ محکمی او را نہ از لا دینی است   نے فروغش از خطِ لاطینی است

۱۳۔ قوتِ افرنگ از علم و فن است   از ہمیں آتش چراغش روشن است

۱۴۔ حکمت از قطع و برید جامہ نیست   مانعِ علم و ہنر عمامہ نیست

۱۵۔ علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ   مغز می باید نہ ملبوسِ فرنگ

۱۶۔ اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست   ایں کلہ یا آں کُلہ مطلوب نیست

۱۷۔ فکر چالاکے اگر داری بس است   طبع درا کے اگر داری بس است

۹۔ مشرق نے سوچے سمجھے بنا مغرب کی پیروی کر کے خود کو بھلا دیا ہے، حالانکہ مشرقی قوموں کو مغرب پر تنقید کرنی چاہیے تھی یعنی یورپی تہذیب و ثقافت اور علوم وغیرہ کی خامیاں اور خرابیاں بیان کر کے یہ قومیں ان سے بچتیں لیکن وہ الٹا اس کی تقلید میں کھوئی ہوئی ہیں۔

۱۰۔ یورپ والوں کی قوت بینڈ باجے اور گانے بجانے سے نہیں ہے اور نہ اس قوت کا باعث وہاں کی بے پردہ یا نیم عریاں لڑکیوں کا رقص ہے۔

۱۱- نہ اس قوت کا باعث وہاں کے لالہ رو جادوگروں (بے حد حسین دوشیزاؤں) کا جادو (حسن کی دل کشی) ہے اور نہ ان حسینوں کی ننگی پنڈلیاں اور کٹی ہوئی زلفیں ہیں۔ انگریز عورتیں لمبے بالوں کی بجائے آدمیوں کی طرح بال رکھتی ہیں۔

۱۲- یورپ کا استحکام (قوت) اس کے لادین ہونے کے باعث نہیں ہے اور نہ اس کی ترقی لاطینی رسم الخط کی بنا پر ہے۔

۱۳- یورپ والوں کی ترقی کا باعث ان کا علم وفن ہے اور یہی وہ آگ ہے جس سے اس کا چراغ روشن ہے۔ یہی علم و ہنر ان کی ترقی اور خوشحالی کا باعث بنا ہے۔

۱۴- حکمت، لباس کی شکل وصورت اور انداز (ڈیزائن) کا نام نہیں ہے، یورپ والوں کی حکمت کا لباس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور پگڑی علم و ہنر کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ گویا مسلمان اپنے لباس میں رہتا ہوا بھی علم و ہنر حاصل کرسکتا ہے۔ اصل بات تو اس کے حصول کا جذبہ ہے۔

۱۵- اے ناز و ادا والے جوان! علم و ہنر کے لیے مغز/ ذہن کی ضرورت ہے نہ کہ انگریزوں کے لباس کی۔ ''ناز واداوالے'' یا شوخ وشنگ اس لیے کہا ہے کہ ہمارے نوجوان انگریزی لباس پہن کر اکڑفوں کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں۔

۱۶- اس راہ (حصولِ علم و ہنر) میں صرف نگاہ کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے اس ٹوپی یا اس ٹوپی کی ضرورت نہیں ہے۔ حصولِ علم و ہنر کا تعلق کسی خاص لباس سے نہیں ہے، وہ کسی بھی لباس میں ہوسکتا ہے، شرط یہی ہے کہ ذہن اور جذبہ اور توجہ اس کی طرف ہو۔

۱۷- اگر تیری فکر با سلیقہ و باہنر ہے تو کافی ہے اور اگر تیری طبیعت تیز عقل والی ہے تو (حصولِ علم و ہنر کے لیے) کافی ہے۔

۱۸- گر کسے شبہا خورد دودِ چراغ	گیرد از علم و فن و حکمت سراغ
۱۹- ملک معنی کس حدِ او را نہ بست	بے جہاد پیہمے ناید بدست
۲۰- ترک از خود رفتہ و مست فرنگ	زہر نوشیں خوردہ از دست فرنگ
۲۱- زاں کہ تریاق عراق از دست داد	من چہ گویم جز خدایش یار باد
۲۲- بندۂ افرنگ از ذوقِ نمود	می برد از غربیاں رقص و سرود
۲۳- نقدِ جانِ خویش درباز د بہ لہو	علم دشوار است می سازد بہ لہو
۲۴- از تن آسانی بگیرد سہل را	فطرتِ او در پذیرد سہل را

۲۵- سہل را جستن دریں دیر کہن ایں دلیل آنکہ جان رفت از بدن

۱۸- جب کوئی کئی راتیں چراغ کا دھواں کھاتا ہے تو اس کو علم و ہنر اور حکمت سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ راتیں جاگ جاگ کر غور و فکر کرنے والا آخر علم و ہنر حاصل کر لیتا ہے۔

۱۹- علم و حکمت کی سلطنت کی کوئی بھی حد بندی نہیں کر سکا یا نہیں کر سکتا۔ یہ (سلطنت) مسلسل جہاد (تگ و دو اور جہد و عمل) کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔

۲۰- ترک لوگ خود کو بھول چکے اور اہل یورپ کی شراب میں مست ہو گئے ہیں۔ انہوں نے فرنگیوں کے ہاتھ سے زہرِ نوشیں پی لیا ہے۔ گویا ترکوں نے زندگی کے ہر شعبے میں، سوائے علم و حکمت کے، یورپ کی تقلید کرتے ہوئے اپنی شناخت وانفرادیت کھو دی ہے۔ علم و حکمت کی طرف انہوں نے توجہ ہی نہیں کی۔

۲۱- چونکہ ترکوں نے عراق کا تریاق ہاتھ سے دے دیا ہے، اس لیے اب ان کے بارے میں میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ خدا ہی ان کا دوست یعنی محافظ ہو۔ ''گلستان'' میں سعدیؔ نے ایک جگہ لکھا ہے ''تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود'' (جب تک عراق سے تریاق لایا جائے گا سانپ کا ڈسا مر جائے گا) اسی حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ ترکوں نے جس طرح اپنا تشخص کھویا ہے اس کا دوبارہ حصول ممکن نظر نہیں آ رہا، بس خدا ہی ان پر توجہ فرمائے اور ان کے حالات سنوار دے۔

۲۲- فرنگ/ یورپ کا غلام اپنی بے جا نمود کی خاطر اہل مغرب سے رقص و سرود لے لیتا ہے یعنی ان کے علوم و ہنر اور حکمت کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ ان کے حصول کی کوشش کرتا ہے، بس ان کے ظاہری نازنخروں کو اپنا لیتا ہے۔

۲۳- وہ (غلام) اپنی جان کی نقدی کھیل میں ہار دیتا ہے، چونکہ اس کے لیے حصول علم دشوار ہے یا اسے دشوار نظر آتا ہے، اس لیے وہ لہو و لعب ہی سے موافقت کر لیتا ہے۔

۲۴- وہ اپنی تن آسانی کی بنا پر سہل/ آسان چیز کو اپنا لیتا ہے۔ اس کی فطرت آسان ہی کو قبول کر لیتی ہے۔ وہ علم و حکمت کی طرف مائل ہونے کی بجائے خود کو کھیل تماشے میں مست رکھتا ہے۔

۲۵- اس پرانی دنیا میں آسان/ آسانی تلاش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جان بدن سے نکل چکی ہے۔ ایسا انسان بظاہر یا جسمانی طور پر تو زندہ ہے لیکن مشکلوں اور مصیبتوں سے ٹکراتے ہوئے اپنی بقا کا سامان کرنے کے سلسلے میں وہ مردہ ہے۔ گویا محض ایک

چلتی پھرتی لاش ہے۔

زندہ رود

۱- می شناسی چیست تہذیبِ فرنگ | درجہان او دو صد فردوسِ رنگ
۲- جلوہ ہایش خانمانہا سوختہ | شاخ و برگ و آشیانہا سوختہ
۳- ظاہرش تابندہ و گیرندہ ایست | دل ضعیف است ونگہ را بندہ ایست
۴- چشم بیند دل بلغزد اندروں | پیشِ ایں بتخانہ افتد سرنگوں
۵- کس نداند شرق را تقدیر چیست | دل بظاہر بستہ را تدبیر چیست؟

۱- کیا تجھے علم ہے کہ فرنگی تہذیب کیا ہے؟ اس فرنگی / انگریز کی تہذیب کی دنیا میں رنگوں کی دو سو جنتیں ہیں۔ یورپی تہذیب اپنی ظاہری چمک دمک وغیرہ سے ایک طرح سے سو رنگی فردوس کا منظر پیش کرتی ہے۔

۲- اس تہذیب کے جلووں نے کئی خاندان جلا ڈالے ہیں۔ (اس فردوس کے جلووں نے) انسانیت کے باغ کی کئی شاخیں اور پتے اور آشیانے جلا ڈالے ہیں یعنی اپنی اس تہذیب کی تجلی سے اپنا فریفتہ وشیدا بنایا ہے۔ گویا پوری دنیا اس فردوس کی طلبگار نظر آتی ہے۔

۳- اس تہذیب فرنگ کا ظاہر تو چمکدار اور پرکشش ہے۔ اس (تہذیب) سے یعنی اس کی چمک دمک اور دلکشی کے باعث دیکھنے والے کا دل کمزور ہو جاتا اور وہ نگاہ کا غلام بن جاتا ہے۔ گویا انسان اس سے بے حد متاثر ہو کر اس کی طرف بڑھتا ہے۔ ہر چند اس سے اس کا اندر کا انسان ہی کیوں نہ مر جائے، اس کی روح زندہ نہ رہے۔

۴- انسان کی آنکھ اسے دیکھتی ہے (اس تہذیب کے جلووں پر اس کی نگاہ پڑتی ہے) تو اس کا دل سینے میں پھسل جاتا ہے، چنانچہ وہ اس بت خانے کے آگے سرنگوں ہو جاتا ہے۔ ان جلووں میں مست ومحو ہو جاتا ہے۔

۵- کسی کو یہ علم نہیں کہ مشرق کی تقدیر کیا ہے۔ اس ظاہر پر دل لگانے والے کی تدبیر کیا ہے، کسی کو معلوم نہیں۔ اہل مشرق فرنگیوں کی تہذیب وثقافت وغیرہ ہی کی ظاہری چمک دمک پر چندھیا کے رہ گئے ہیں جبکہ انہوں نے اہل یورپ کے علوم وفنون اور تحقیق تجربات و مشاہدات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ یوں انہوں نے اپنا بھی بہت کچھ کھو دیا ہے اور تقدیر بگاڑ لی ہے۔ اب دیکھیں وہ اپنی تقدیر سنوارنے کے لیے کیا تدبیر کرتے ہیں۔

ابدالی

۱- آنچہ بر تقدیر مشرق قادر است — عزم و حزم پہلوی و نادر است
۲- پہلوی آں وارثِ تختِ قباد — ناخنِ او عقدۂ ایراں کشاد
۳- نادر آں سرمایہ دُرانیاں — آں نظام ملت افغانیاں
۴- از غم دین و وطن زار و زبوں — لشکرش از کوہسار آمد بروں
۵- ہم سپاہی ہم سپہ گرہم امیر — باعدو فولاد و بایاراں حریر
۶- من فدائے آنکہ خود را دیدہ است — عصرِ حاضر را نکو سنجیدہ است
۷- غربیاں را شیوہ ہاے ساحری است — تکیہ جُز بر خویش کردن کافری است

۱- مشرق کی تقدیر بدلنے پر جس امر کو قدرت حاصل ہے وہ ایران کے بادشاہ رضا شاہ پہلوی اور افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ کا (قوی) ارادہ اور تدبر ہے۔ یہ اس طرف توجہ دیں گے تو تقدیر سنور سکے گی۔

۲- پہلوی ایران کے قدیم بادشاہ قبادؔ کے تخت کا وارث ہے۔ (ایران کے پرانے بادشاہوں کے تخت کا وارث ہے) جس کے ناخنوں نے ایران کی گرہ کو کھولا یعنی اہل ایران کو مشکلات سے نکال کر ترقی کی طرف گامزن کیا۔

۳- نادر شاہ وہ ہے جو درانیوں کا سرمایہ ہے۔ اس نے افغانی ملت کو ایک (اچھا) نظام دیا۔ تعلق اس کا درانی قبیلے سے تھا لیکن اس نے افغانیوں کو ایک ملت کی حیثیت دی جو بلاشبہ اس کا عظیم کارنامہ ہے۔

۴- وہ (نادر شاہ) دین اور وطن کے غم میں نڈھال ہے۔ (بے حد مبتلا ہے) اس کا لشکر اس کے پہاڑوں سے باہر آیا۔ اس وقت بچہ سقہ نے وہاں حکومت قائم کر لی تھی، نادر شاہ نے اس کی برائے نام حکومت ختم کر دی اور ایسی مستحکم حکومت قائم کی جو افغانی ملت کی شناخت کی حامل تھی۔

۵- وہ (نادر شاہ) سپاہی بھی تھا، سپاہ گر بھی اور سالارِ سپاہ بھی تھا۔ وہ دشمنوں کے ساتھ تو فولاد کی صورت تھا جبکہ دوستوں اپنوں کے ساتھ ریشم کی صورت تھا۔ دشمنوں کی تباہی کا باعث اور اپنوں سے پیار محبت کرنے والا تھا۔ دوسرے مصرعے کی بات علامہ نے اردو میں یوں کی ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

(یہ دراصل ایک قرآنی آیت کے اقتباس کا آزاد ترجمہ ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ: المائدہ، آیت ۵۴)

۶۔ میں اس پر قربان جاؤں جس نے خود کو دیکھ/ پالیا ہے اور عصر حاضر کو پور طرح جانچا پرکھا ہے۔ جس نے اپنی معرفت سے اپنی مخفی صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہی حاصل کرلی اور عصر حاضر کی روح کو پہچان لیا ہے۔

۷۔ اہل مغرب کے طور طریقے جادوگروں کے سے ہیں۔ اپنے سوا کسی اور پر تکیہ/ بھروسا کرنا ایک کافرانہ عمل ہے۔ اہل مغرب پر بھروسا کرنا خود کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس لیے اس سے بچنا اور اپنی قوتوں پر بھروسا کرنا ضروری ہے۔

سلطانِ شہید

۱۔ بازگو از ہند و از ہندوستاں ۔۔۔ آں کہ با کاہش نیرزد بوستاں
۲۔ آں کہ اندر مسجدش ہنگامہ مرد ۔۔۔ آں کہ اندر دیر او آتش فسرد
۳۔ آں کہ دل از بہر او خوں کردہ ایم ۔۔۔ آں کہ یادش را بجاں پروردہ ایم
۴۔ از غمِ ماکن غمِ او را قیاس ۔۔۔ آہ ازاں مشعوقِ عاشق ناشناس

۱۔ (اب سلطان شہید، زندہ رود سے مخاطب ہے۔ اے زندہ رود) تو ذرا ہند اور ہندوستان کے بارے میں ہمیں بتا۔ وہ ہندوستان جس کے ایک تنکے کے برابر بھی بوستان کی قدر و قیمت نہیں ہے۔ دنیا کا بہت عظیم ملک ہے۔

۲۔ وہ ہندوستان آج جس کی مسجدوں میں مومنانہ ہنگامے مٹ/ مر چکے ہیں۔ وہ ہندوستان جس کے مندروں میں آگ بجھ گئی ہے یعنی نہ تو آج کے مسلمان مومنانہ جذبوں سے سرشار ہیں اور نہ ہندو اپنی طرف متوجہ ہیں بلکہ دونوں انگریز حکمرانوں کے پٹھو اور گرویدہ بن چکے ہیں۔

۳۔ وہ ہندوستان جس کے لیے ہم نے اپنا دل خون کرلیا ہے، وہ (ہندوستان) جس کی یاد کو ہم نے اپنے دل میں پالا پوسا ہے، ہر وقت اس کی یاد میں کھوئے رہتے ہیں۔

۴۔ تو (زندہ رود) ہمارے غم ہی سے اس (ہندوستان) کے غم کا اندازہ کرلے۔ اس

عاشق کو نہ پہچاننے والے معشوق پر افسوس ہے۔ مطلب یہ کہ ہندوستان کے اصل خیر خواہ تو ہم ہیں کہ ہم نے اس کی آزادی بچانے کی خاطر مکار و خبیث انگریزوں سے جام شہادت نوش کیا (جان کی قربانی دی) اور اپنی حکومت و سلطنت بھی کھو دی لیکن افسوس کہ اہل ہند نے ہمیں تو بھلا دیا اور انگریز خبیث کی زلفوں کے اسیر ہو کر رہ گئے۔

زندہ رود

۱۔ ہندیاں منکر ز قانونِ فرنگ | در نگیرد سحر و افسونِ فرنگ
۲۔ روح را بارِ گراں آئینِ غیر | گرچہ آید ز آسماں آئینِ غیر

۱۔ اہل ہند فرنگی قانون کے منکر ہو گئے ہیں۔ اب فرنگ کا سحر و جادو ان پر اثر نہیں کر رہا۔ یہ بات ایک طرح سے سلطان کی تسلی کے لیے کی ہے۔ دراصل اس وقت اہل ہند میں آزادی کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں، جن کی وجہ سے فرنگی جادو بے اثر ہو رہا تھا۔

۲۔ غیروں کا آئین روح کے لیے بہت بھاری بوجھ ہے۔ اگرچہ غیر کا آئین آسمان ہی سے کیوں نہ آیا ہو، آزادی اور اپنا آئین و قانون بہت بڑی نعمت ہیں۔ اگر یہ نہیں تو غلام کی زندگی سراسر ایک بیکار زندگی بن جاتی ہے۔

سلطانِ شہید

۱۔ چوں بروید آدم از مشت گلے | با دلے، با آرزوے در دلے
۲۔ لذتِ عصیاں چشیدن کارِ اوست | غیرِ خود چیزے ندیدن کارِ اوست
۳۔ زانکہ بے عصیاں خودی ناید بدست | تا خودی ناید بدست آید شکست
۴۔ زائر شہرو دیارم بودہ ای | چشم خود را برمزارم سودہ ای
۵۔ اے شناسائے حدودِ کائنات | در دکن دیدی ز آثارِ حیات؟

۱۔ جب آدمی مٹی سے تخلیق (مٹی کا بنا ہوا) ہوتا ہے تو اس کا وجود ایک دل کا حامل ہوتا ہے اور دل میں ایک آرزو ہوتی ہے (اگر وہ اس آرزو کو جان لے اور اس کے حصول کے لیے جہد و عمل کرے تو اس کی بقا کا سامان ہو جاتا ہے۔)

۲۔ گناہوں کی لذت چکھنا اس کا کام ہے۔ اپنے سوا کسی اور کو نہ دیکھنا اس کا کام ہے۔ گویا گناہ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ خود مست رہتا ہے۔

۳- یہ اس لیے ہے کہ گناہ کے بغیر خودی بھی ہاتھ نہیں آتی اور جب تک خودی ہاتھ نہ آئے تو آدمی کے ہاتھ میں صرف شکست ہی آتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب تک انسان باطل قوتوں سے نہ ٹکرائے اس وقت تک اس کی مخفی صلاحیتیں بروئے کار نہیں آتیں اور جب تک اس سے غلطیاں سرزد نہ ہوں وہ انہیں سنوارنے کی طرف متوجہ اور ان سے بچنے کی کوشش نہیں کرے گا۔

۴- تو (زندہ رود) نے میرے شہر اور دیار/ مزار کی (۱۹۲۹ء میں) زیارت کی ہے اور اپنی آنکھوں کو میرے مزار پر از راہ عقیدت ملا بھی ہے۔

۵- اے دنیا سے جہان بالا میں آئے ہوئے مسافر (زندہ رود) ذرا یہ بتا کہ کیا تو نے دکن میں کوئی زندگی کے آثار دیکھے ہیں؟ (کہیں ایسا تو نہیں وہاں کے لوگ خبیث انگریزوں کے اقتدار پر راضی ہوں؟)

زندہ رود

۱- تخمِ اشکے ریختم اندر دکن   لالہ ہا روید زخاکِ آں چمن
۲- رودِ کاویریؔ مدام اندر سفر   دیدہ ام درجانِ او شورے دگر

۱- میں نے دکن میں اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کے بیج بو دیئے ہیں، اب اس چمن کی مٹی سے لالہ کے پھول اگتے ہیں۔ میرے دیے گئے پیغام کے باعث وہاں اب آزادی پسند پیدا ہونے لگے ہیں۔

۲- رودِ کاویریؔ مسلسل سفر میں ہے، رواں ہے، بہہ رہی ہے۔ میں نے اس کی جان میں ایک نیا شور دیکھا ہے۔ وہی بات کہ وہاں کے لوگ اب بیدار ہو رہے ہیں اور انہیں اپنی آزادی کے کھوئے جانے کا احساس ہونے لگا ہے اور وہ غاصب انگریزوں سے اپنی آزادی چھیننے پر تیار نظر آ رہے ہیں۔

سلطان شہید

۱- اے ترا دادند حرفِ دل فروز   از تپِ اشکِ تو می سوزم ہنوز
۲- کاو کاوِ ناخنِ مردانِ راز   جوئے خوں بکشاد از رگہائے ساز
۳- آں نوا کز جانِ تو آید بروں   می دہد ہر سینہ را سوزِ دروں

۴- بودہ ام در حضرتِ مولائے کل — آنکہ بے او طے نمی گردد سبل
۵- گرچہ آنجا جرأت گفتار نیست — روح را کارے بجز دیدار نیست
۶- سوختم از گرمیِ اشعارِ تو — بر زبانم رفت از افکارِ تو
۷- گفت ”ایں بیتے کہ برخواندی زکیست؟ — اندرو ہنگامہ ہائے زندگی است“
۸- باہماں سوزے کہ در سازدِ بجاں — یک دو حرف از ماںہ کاویری رساں
۹- درجہاں تو زندہ رود، او زندہ رود — خوشترک آید سرود اندر سرود

۱- اے (زندہ رود) کہ تجھے قدرت کی طرف سے دل کو روشن کرنے والا کلام عطا ہوا ہے۔ میں تیرے آنسوؤں کی تپش سے ابھی تک جل رہا ہوں یعنی میں تیرے پرسوز کلام اور تیری پردرد شخصیت سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔

۲- راز سے آگاہ مردوں کے ناخنوں نے کھرچ کھرچ کر (محنت سے) ساز کی رگوں سے خون کی ندی نکالی ہے۔ جیسی تیری شاعری ہے ویسی شاعری کرنا ہر کسی کے بس میں نہیں ہے۔

۳- وہ نوا (شاعری) جو تیری جان سے باہر آتی ہے۔ وہ ہر سینے/ دل کو سوز دروں عطا کرتی ہے۔

۴- میں حضور نبی کریمؐ کے حضور رہا ہوں، وہ ذاتِ گرامی کہ جن کے بغیر زندگی کے راستے طے نہیں ہوتے۔ گویا جو راستے حضورؐ کے بغیر طے کیے جائیں وہ زندگی کی بجائے شرمندگی ہی کا باعث بنتے ہیں۔

۵- اگرچہ وہاں کسی کو بات کرنے کی جرأت نہیں ہے اور وہاں روح کو حضورؐ کے دیدار کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔

۶- چونکہ میں تیرے کلام/ افکار کی گرمی سے جلا ہوا تھا۔ اس لیے وہاں (بے سوختہ) میری زبان پر تیرے اشعار آ گئے، جو میں نے وہاں سنا دیئے۔

۷- اب تو (زندہ رود) اسی سوز سے جو جان سے موافقت رکھتا ہے، میری طرف سے رودِ کاویری تک یہ دو ایک باتیں پہنچا دے یعنی وہاں کے لوگوں تک پہنچا دے۔

۹- دنیا میں تو بھی زندہ رود (ندی) ہے اور وہ بھی زندہ ندی ہے۔ سرود کے اندر سرود خوب رہے گا یعنی ادھر تو گا رہا ہو ادھر وہ نغمہ سرا ہو تو خوب سماں رہے گا۔

پیغام سلطان شہید بہ رودِ کاویری

(کاویری ندی کے نام سلطان شہید کا پیغام)

(حقیقتِ حیات ومرگ وشہادت)

۱- رودِ کاویریؔ یکے سرمک خرام — خستہ ای شاید کہ از سیرِ دوام
۲- در کہستاں عمر ہا نالیدہ ای — راہِ خود را بامژہ کاویدہ ای
۳- اے مرا خوشترز جیحونؔ و فرات — اے دکنؔ را آبِ تو آبِ حیات
۴- آہ شہرے کو در آغوشِ تو بود — حسنِ نوشیں جلوہ از نوشِ تو بود
۵- کہنہ گردیدی شبابِ توہماں — پیچ و تاب و رنگ و آبِ توہماں
۶- موجِ تو جز دانۂ گوہر نزاد — طرۂ تو تاابد شوریدہ باد
۷- اے ترا سازے کہ سوزِ زندگی است — ہیچ می دانی کہ ایں پیغام کیست؟
۸- آں کہ می کردی طوافِ سطوتش — بودہ ای آئینہ دارِ دولتش
۹- آں کہ صحرا ہا ز تدبیرش بہشت — آنکہ نقشِ خود بخونِ خودنوشت
۱۰- آنکہ خاکش مرجعِ صد آرزوست — اضطرابِ موجِ تواز خونِ اوست
۱۱- آں کہ گفتارش ہمہ کردار بود — مشرق اندر خواب و او بیدار بود

۱- اے رودِ کاویریؔ ذرا آہستہ چل، شاید تو مسلسل چلتے رہنے کے باعث تھک چکی ہے۔

۲- تو مدتوں سے پہاڑوں میں رو رہی ہے/ یا روئی ہے اور تو نے اپنے راستے کو اپنی پلکوں سے کھودا ہے۔ ایک عرصے سے تو شور مچاتی ہوئی بہہ رہی ہے اور اپنا راستہ اپنے بہاؤ یا زور سے بنایا ہے۔

۳- اے (کاویریؔ) تو مجھے جیحون اور فرات جیسے دریاؤں سے بھی زیادہ پیاری لگتی ہے یا مجھے زیادہ عزیز ہے۔ اے کہ دکن کے لیے تیرا پانی گویا آبِ حیات ہے۔ اہل دکن کے لیے تیرے پانی کی بے حد اہمیت ہے۔

۴- آہ وہ شہر جو کبھی تیری آغوش میں (تیرے کنارے پر) تھا، وہاں واقع تھا۔ اس شہر کا شیریں جلووں والا حسن تیرے پانی ہی کے باعث تھا۔ وہ (شہر) سے مراد سرنگا پٹم ہے جو سلطان کا دارالحکومت تھا۔

۵- اگر چہ تو پرانی/ بوڑھی ہوگئی ہے لیکن تیرا شباب ابھی تک برقرار ہے۔ تیرا پیچ وتاب

(لہروں کا اٹھنا) اور تیرا رنگ و آب اسی طرح برقرار ہے۔

۶- تیری موج/موجوں نے موتی کے ایک دانے کے سوا کچھ پیدا نہیں کیا۔ خدا کرے تیرا طرہ ابد تک شوریدہ رہے۔ ''موتی کا ایک دانہ'' سے مراد سلطان ٹیپو شہید ہے اور یہ کہ تیری موجیں حسب معمول ساحل کے اندر شور برپا کرتی رہیں۔

۷- اے کاویری ندی کہ تیری لہروں کا ساز/ترنم زندگی کا سوز ہے۔ زندگی میں حرارت و گرمی پیدا کر رہا ہے۔ کیا تجھے کچھ علم ہے کہ یہ پیغام کس کی طرف سے ہے؟

۸- (یہ پیغام اس کی طرف سے ہے) جس کی سطوت و شان کا تو طواف کرتی رہی ہے اور اس کی سلطنت (دارالحکومت) کی آئینہ دار رہی ہے۔

۹- وہ ہستی کہ جس کی تدبیر سے بہت سے صحرا بہشت کی صورت اختیار کر گئے، بے حد سرسبز و شاداب ہو گئے اور وہ ہستی/شخصیت (ٹیپو) جس نے اپنے خون سے اپنا نقش تحریر کیا/ مکار اور خبیث انگریزوں کے ہاتھوں شہید ہوئی)

۱۰- وہ کہ جس کی خاک ہزاروں آرزوؤں کا مرجع ہے۔ تیری لہروں میں جو بیقراری ہے وہ اسی کے خون سے ہے۔ گویا اسی کی بدولت ہزاروں آرزوؤں نے اپنی مرادیں پالیں۔

۱۱- وہ (عظیم انسان ٹیپو) کہ جس کی گفتار پورے طور پر کردار تھی، اس وقت جب مشرق سویا ہوا تھا وہ بیدار تھا۔ گویا اہل مشرق انگریزوں کی خباثت و مکاری کے ہاتھوں بے بس ہو کر غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے جبکہ اس (ٹیپو) نے ان غاصبوں سے ٹکر لے کر خود کو شہید کرا لیا لیکن ان کی غلامی قبول نہ کی۔

۱۲- اے من و تو موجے از رودِ حیات — ہر نفس دیگر شود ایں کائنات
۱۳- زندگانی انقلابِ ہر دمے است — زاں کہ او اندر سراغِ عالمے است
۱۴- تار و پودِ ہر وجود از رفت و بود — ایں ہمہ ذوقِ نمود از رفت و بود
۱۵- جادہ ہا چوں رہرواں اندر سفر — ہر کجا پنہاں سفر پیدا حضر
۱۶- کاروان و ناقہ و دشت و نخیل — ہرچہ بینی نالد از دردِ رحیل
۱۷- در چمن گل میہمانِ یک نفس — رنگ و آبش امتحانِ یک نفس
۱۸- موسمِ گل؟ ماتم و ہم نائے و نوش — غنچہ در آغوش و نعش گل بدوش
۱۹- لالہ را گفتم یکے دیگر بسوز — گفت رازِ ما نمی دانی ہنوز
۲۰- از خس و خاشاک تعمیر وجود — غیرِ حسرت چیست پاداشِ نمود؟

۱۲- اے کہ میں اور تو (کاویری) دونوں زندگی کی ندی کی لہریں ہیں۔ یہ کائنات ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ گویا جس طرح ہم انسان زندگی کے دریا میں موجوں کی طرح اٹھتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں، کچھ یہی صورتِ حال کائنات کی دوسری اشیا کی ہے، چنانچہ یہ امر گویا کائنات کا ہر لمحہ بدلتے رہنا ہے۔

۱۳- زندگی ہر لمحے کا انقلاب ہے، اس لیے کہ وہ ہر پل ایک نئے عالم کے سراغ میں لگی رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں زندگی مسلسل جہد وعمل اور آگے بڑھنے کا نام ہے۔ بصورتِ دیگر زندگی موت کے مترادف ہو جاتی ہے۔

۱۴- ہر وجود کا تانا بانا رفت و بود سے ہے، گویا کائنات کی ہر شے ماضی کو لوٹ جاتی ہے (فنا ہو جاتی ہے) یہ سارا ذوقِ نمود اسی رفت و بود ہی سے ہے یعنی کائنات کا وجود ہی فنا پر قائم ہے۔ ایک شے وجود میں آتی ہے تو پھر فنا ہو جاتی ہے اور کوئی دوسری شے وجود میں آتی ہے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا ہے۔

۱۵- راستے بھی مسافروں کی طرح سفر میں رہتے ہیں۔ ہر جگہ سفر پوشیدہ اور حضر ظاہر ہے۔ وہی بات کہ دنیا کی ہر شے میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ جو شے اس لمحہ ہے، وہ اگلے لمحہ نہیں ہوتی۔ اسی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بظاہر اشیا میں قیام نظر آتا ہے لیکن درحقیقت وہ سفر میں ہوتی ہیں۔

۱۶- قافلہ، اونٹنی اور بیابان اور کھجور کا درخت (وغیرہ) جس کو بھی تم دیکھو گے وہ کوچ کے درد کے باعث رو رہا ہوگا۔ سب فنا کی طرف رواں ہیں۔

۱۷- چمن میں پھول ایک پل کا مہمان ہوتا ہے۔ اس کا رنگ اور اس کی چمک دمک ایک پل کا امتحان ہے۔ پھول کھلتا ہے اور کچھ دیر بعد مرجھا جاتا ہے۔ یہ گویا اس کی آزمائش ہے۔

۱۸- موسمِ گل کیا ہے؟ یہ ماتم بھی ہے اور پینے پلانے/عیش کا عالم بھی ہے۔ غنچہ اس کی آغوش میں ہوتا ہے اور پھول کی نعش اس کے کندھوں پر ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ باغ میں اگر ایک پھول مرجھا رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف کوئی غنچہ کھل رہا ہوتا ہے۔

۱۹- میں نے لالہ کے پھول سے کہا کہ تو تھوڑی دیر کے لیے مزید جل۔ وہ بولا کہ تو ابھی تک ہمارے راز سے آگاہ نہیں ہے۔ لالہ کے اندر جو داغ ہوتا ہے اس کے حوالے سے کہا مزید جل یعنی کھلا رہ۔

۲۰- خس وخاشاک ہی سے وجود کی تعمیر ہے۔ نمود کی سزا حسرت کے سوا اور کیا ہے؟ گویا

ہر شے خس و خاشاک کی مانند جلنے یعنی فنا ہونے کے لیے آتی ہے۔ چنانچہ وجود میں آنے والی ہر شے حسرتیں لے کر فنا کی آغوش میں چلی جاتی ہے اور کوئی نئی شے اسی طرح فنا ہونے کے لیے وجود میں آ جاتی ہے۔

۲۱- در سرائے ہست و بود آئی؟ میا — از عدم سوئے وجود آئی؟ میا
۲۲- ور بیائی چوں شرار از خود مرو — در تلاشِ خرمنے آوارہ شو
۲۳- تاب و تب داری اگر مانندِ مہر — پا بنہ در وسعت آبادِ سپہر
۲۴- کوہ و مرغ و گلشن و صحرا بسوز — ماہیاں را در تہِ دریا بسوز
۲۵- سینہ ے داری اگر درخوردِ تیر — درجہاں شاہیں بزی شاہیں بمیر
۲۶- زانکہ در عرض حیات آمد ثبات — از خدا کم خواستم طولِ حیات
۲۷- زندگی را چیست رسم و دین و کیش؟ — یک دمِ شیری بہ از صد سالِ میش

۲۱- کیا تو اس بقا و فنا کی سرائے (دنیا) میں آنا چاہتا ہے، نہ آ، کیا تو عدم سے وجود کی طرف آتا ہے، نہ آ۔

۲۲- اور اگر تو آ ہی جاتا ہے تو پھر چنگاری کی طرح خود سے مت گذر۔ کسی کھلیان کی تلاش میں آوارہ ہو جا، نکل جا۔ گویا تو اپنی زندگی کسی مقصد کے بغیر مت بسر کر بلکہ ایک مقصد پیدا کر اور اس کے حصول میں جہد و عمل سے کام لینے لگ جا۔

۲۳- اگر تجھ میں سورج کی طرح چمک اور گرمی ہے تو پھر تو آسمانوں کی وسعت آباد میں پاؤں رکھ یعنی اس دنیا میں آ کر چنگاری کی سی زندگی مت بسر کرو بلکہ اپنے جہد و عمل سے خود میں سورج کی سی قوت پیدا کر کے خود کو بھی روشن کرو اور دنیا کو بھی روشنی دو۔

۲۴- (اور اس قوت کے ساتھ) پہاڑ اور پرندہ اور باغ و صحرا سب کو جلا دے جبکہ مچھلیوں کو سمندر کی تہہ میں جلا ڈال یعنی تصادم اور تلاش سے اپنی خودی کا اظہار کرو۔ اس سلسلے میں تمہارے راستے میں جو بھی رکاوٹ بنے اس سے ٹکرا کر اسے فنا کر دو۔

۲۵- اگر تیرا سینہ تیر کھانے کے لائق ہے تو پھر تو دنیا میں شاہین کی سی زندگی بسر اور شاہین بن کر مر۔ دنیا میں کسی کی محتاجی اختیار نہ کر بلکہ اپنی روزی کا سامان خود کر، ہر شے سے بے نیاز ہو جا اور ہر شے پر غلبہ حاصل کر۔ علامہ ہی کے بقول:

ع اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

۲۶- اس لیے کہ زندگی میں جہد و عمل ہی سے بقا کا سامان ہوتا ہے، میں نے خدا سے لمبی عمر

نہیں مانگی۔ ایک طویل زندگی اگر بیکاری اور محتاجی میں گذرتی ہے تو اس کی نسبت جہد وعمل کی مختصر زندگی کئی درجے بہتر ہے۔

۲۷۔ زندگی کے لیے رسم و دین اور مسلک کیا چیز ہے؟ یہ شیر کا ایک پل زندہ رہنا بھیڑ کی سو سالہ زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ یہ فقرہ ٹیپو نے اپنی شہادت کے وقت کہا تھا۔ حقیقی زندگی کا طور طریقہ اور رسم و راہ وغیرہ شیروں کی سی زندگی کا تقاضا کرتا ہے۔ شیر بن کر رہو اور شیر ہی کی طرح مرو۔ یہی حقیقی زندگی ہے۔

۲۸۔ زندگی محکم ز تسلیم و رضاست | موت نیرنج و طلسم و سیمیاست
۲۹۔ بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ | یک مقام از صد مقامِ اوست مرگ
۳۰۔ می فتد برمرگ آں مردِ تمام | مثل شاہینے کہ افتد بر حمام
۳۱۔ ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ | زندگی او را حرام از بیم مرگ
۳۲۔ بندۂ آزاد را شانے دگر | مرگ اورا می دہد جانے دگر
۳۳۔ اوخود اندیش است مرگ اندیش نیست | مرگِ آزاداں زآنے بیش نیست
۳۴۔ بگذر از مرگے کہ سازد بالحد | زاں کہ ایں مرگ است مرگِ دام ودد
۳۵۔ مردِ مومن خواہد از یزدانِ پاک | آں دگر مرگے کہ برگیرد زخاک
۳۶۔ آں دگر مرگ، انتہائے راہِ شوق | آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق
۳۷۔ گرچہ ہر مرگ است برمومن شکر | مرگِ پورِ مرتضٰیؓ چیزے دگر
۳۸۔ جنگِ شاہانِ جہاں غارتگری است | جنگِ مومن سنتِ پیغمبریؐ است
۳۹۔ جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست | ترکِ عالم اختیارِ کوے دوست
۴۰۔ آں کہ حرفِ شوق با اقوام گفت | جنگ را رہبانیِ اسلام گفت
۴۱۔ کس نداند جز شہید ایں نکتہ را | کہ بخونِ خود خرید ایں نکتہ را

۲۸۔ زندگی میں استحکام تسلیم و رضا سے پیدا ہوتا ہے، جبکہ موت تو نیرنگ و طلسم اور کیمیا ہے (فرہنگ) گویا موت زندگی ہی کی ایک منزل ہے جسے ہم زندگی کی فنا کا نام دیتے ہیں۔ تسلیم و رضا سے مراد ہے انسان کا اللہ کی رضا میں اپنی مرضی کو فنا کر دینا اور اس کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنا:

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اس سے انسان میں یہ پختہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر شے اور موت و حیات اللہ ہی کی

طرف سے ہے۔ اس سے وہ میدانِ جہاد میں جانے سے قطعاً نہیں گھبرائے گا۔

۲۹- بندۂ حق شیر ہے جبکہ موت اس کے لیے ہرن ہے۔ اس کے سینکڑوں مقامات میں سے موت ایک مقام ہے یعنی اسے علم ہے کہ زندگی کا یہ خاتمہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک دروازہ ہے زندگی کے ایک اور مقام میں داخل ہونے کا۔

۳۰- وہ مردِ کامل (بندۂ حق) موت پر اس انداز میں جھپٹتا ہے جس طرح شاہین کبوتر پر جھپٹتا ہے۔ وہ موت سے نہیں ڈرتا۔ وہ میدانِ جہاد میں اپنی جان قربان کرنے ہی کے لیے جاتا ہے کہ اس طرح شہادت کی صورت میں وہ زندۂ جاوید ہو جائے گا۔

۳۱- (اس کے برعکس) غلام موت کے ڈر سے ہر وقت مرتا رہتا ہے اور موت کے اسی خوف کے باعث اس کی زندگی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اسی ڈر کے باعث وہ غلامی کی زندگی قبول کر لے گا اور اپنی آزادی کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کرے گا۔

۳۲- جبکہ بندۂ آزاد کی شان ہی اور ہے۔ موت اس کو ایک نئی جان دیتی ہے یعنی جہاد میں شہادت پا کر وہ حیاتِ جاوید حاصل کر لیتا ہے۔

۳۳- بندۂ آزاد اپنی فکر کرتا ہے۔ موت کے بارے میں نہیں سوچتا یا فکر نہیں کرتا۔ آزاد لوگوں کی موت ایک پل سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔ گویا وہ یہی سوچتا ہے کہ وہ زندگی کس ڈھب کی گذارے جس سے خدا کے حضور سرخرو ہو جائے۔ ''ایک پل کی موت'' یعنی ادھر مرے ادھر نئی زندگی پا گئے۔ فانی زندگی میں جہاد اور جہد و عمل سے۔

۳۴- اس موت سے گذر جا، بچ جا جو قبر سے موافقت کرتی ہے۔ اس لیے کہ یہ یا اس قسم کی موت تو چرندوں، پرندوں اور درندوں کی موت ہے۔ ایسی موت کا مطلب تو ہے مر کر فنا ہو جانا جبکہ ایسی زندگی، جہد و عمل اور جہاد کی زندگی بسر کرنی چاہیے جس سے موت کے بعد بھی حیاتِ دوام میسر ہو۔

۳۵- مردِ مومن خدائے پاک سے ایسی موت کی آرزو رکھتا ہے جو اسے مٹی سے اٹھا لے یعنی جس سے قبر میں جانے کے بعد نئی زندگی ملتی ہے، وہی حیاتِ دوام۔

۳۶- وہ دوسری موت کیا ہے، وہ راہ شوق کی انتہا ہے اور شوق کے ہنگامہ میں آخری تکبیر کیا ہے یعنی محبوب حقیقی سے ملنے کی انتہائی خواہش اور ایک عاشق کے لیے موت محبت کی آخری منزل ہے۔ گویا اس محبوب کی راہ میں بصورتِ جہاد ''اللہ اکبر'' کہہ کر جان کی قربانی دینا عشق و محبت کی آخری منزل ہے۔

۳۷- اگرچہ مردِ مومن کے لیے ہر موت شکر کی طرح شیریں ہے لیکن حضرت علیؓ مرتضیٰ کے فرزند (امام حسینؓ جنھوں نے باطل قوت سے ٹکرا کر کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا) کی موت کچھ اور ہی چیز ہے۔ ان کی موت ایک باعظمت موت تھی جو ہر کسی کو نہیں ملتی۔

۳۸- دنیا کے بادشاہوں کی جنگ محض لوٹ مار اور تباہی کی خاطر ہوتی ہے جبکہ مومن کی جنگ سنت پیغمبرؐ ہے۔ مومن کی جنگ دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے نہیں ہوتی، وہ صرف راہ خدا میں جہاد کرتا ہے اور باطل قوتوں اور انسان دشمنوں سے ٹکرا کر ان کو فنا کرتا ہے۔ بادشاہوں والی جنگ میں موت مکمل فنا ہے جبکہ جہاد والی موت حیاتِ جاوید کا باعث بنتی ہے۔

۳۹- مومن کی جنگ کیا ہے؟ وہ محبوب حقیقی کی طرف ہجرت کرنا ہے اور شہادت کی صورت میں ترکِ دنیا کر کے دوست (محبوب حقیقی) کے کوچے کی طرف جانا ہے۔ اس سے ملاقات کی خواہش رکھنا ہے۔

۴۰- وہ ذات گرامی (حضور اکرمؐ) کہ جس نے قوموں کو عشق کی بات بتائی اس نے جنگ کو اسلام کی رہبانیت کہا ہے۔ حضور اکرمؐ کا فرمان ہے کہ اسلام میں ایسی ترکِ دنیا حرام ہے جس میں انسان زندگی کے کاموں سے دور رہتا ہے۔ ہاں ایسی رہبانیت جس میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے مومن جاتا ہے، جائز ہے یعنی مرد مومن و مجاہد صرف خدا اور اس کے دین کی سربلندی کی خاطر ہر شے سے بے نیاز ہو کر میدانِ جہاد کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ اس کے اس عمل کو جہادی رہبانیت کہا جا سکتا ہے۔

۴۱- (یہ جو کچھ حضورؐ نے فرمایا ہے) یہ ایک ایسا نکتہ ہے جسے صرف شہید ہی سمجھ سکتا، جان سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے اس کا جاننا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ شہید نے اپنے خون سے یہ نکتہ خریدا ہے۔ گویا راہِ خدا میں شہادت حاصل کرنے والا مجاہد ہی ترکِ دنیا کے خدائی مفہوم کو سمجھ سکتا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔

زندہ رود رخصت می شود از فردوسِ بریں و تقاضائے حورانِ بہشتی

(زندہ رود فردوسِ بریں سے رخصت ہوتا ہے، اس موقع پر بہشت کی حوروں کا اس سے تقاضا یعنی خواہش کرتی ہیں)

۱- پیرِ رومیؒ گفت در گوشم کہ خیز   شیشۂ صبر و سکونم ریز ریز

۲- آں حدیثِ شوق و آں جذب و یقیں — آہ آں ایوان و آں کاخِ بریں
۳- با دلِ پُرخوں رسیدم بر درش — یک ہجومِ حور دیدم بر درش
۴- برلبِ شاں زندہ رود، اے زندہ رود — زندہ رود اے صاحب سوز و سرود
۵- شور و غوغا از یسار و از یمیں — ''یک دو دم بامانشیں، بامانشیں''

۱- (سلطانِ شہید کی باتیں سن کر) میرے صبر و سکون کا پیمانہ لبریز ہوگیا، میرا صبر و قرار جاتا رہا۔ اس وقت پیر رومی نے میرے کان میں کہا کہ اٹھ (تاکہ ہم اب یہاں سے چلیں)

۲- آہ وہ سلطان شہید کی عشق کی باتیں اور انہیں سن کر پیدا ہونے والا جذب و یقین، آہ وہ ایوان اور وہ پاک بلند محل، انہیں چھوڑنے پر مجھے افسوس ہوا۔

۳- چنانچہ میں پرخوں دل کے ساتھ بہشت کے دروازے پر پہنچا۔ وہاں دروازے پر میں نے حوروں کا ہجوم دیکھا۔

۴- ان کے ہونٹوں پر ''زندہ رود، اے زندہ رود، زندہ رود، اے سوز و ساز کے مالک'' کے الفاظ جاری تھے۔

۵- دائیں بائیں حوروں کا شور و غوغا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ اے زندہ رود! کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھ جاؤ، ہمارے ساتھ رہو۔

زندہ رود

۱- راہرو کو داند اسرارِ سفر — ترسد از منزل ز رہزن بیشتر
۲- عشق در ہجر و وصال آسودہ نیست — بے جمالِ لایزال آسودہ نیست
۳- ابتدا پیشِ بتاں افتادگی — انتہا از دلبراں آزادگی
۴- عشق بے پروا و ہر دم در رحیل — در مکان و لا مکاں ابن السبیل
۵- کیشِ ما مانندِ موجِ تیزگام — اختیارِ جادہ و ترکِ مقام

۱- وہ مسافر جسے سفر کے رازوں کا علم ہے وہ لٹیروں کی نسبت منزل سے زیادہ ڈرتا ہے۔ گویا اس کا ہر دم رواں دواں رہنا ہی اس کے لیے باعث مسرت ہے۔

۲- عشق ہجر اور وصال دونوں میں آسودگی نہیں پاتا۔ وہ جمالِ لایزال کے بغیر آسودہ نہیں ہوتا۔ گویا ایک حقیقی عاشق ہونے کے باعث اسے دیدارِ محبوب کے سوا اور کوئی چیز مطمئن نہیں کرسکتی۔

۳- عشق کی ابتدا بتوں کے آگے جھک جانے سے ہے، یعنی دنیاوی حسینوں سے

عشق کرنا ہے، جبکہ اس (عشق) کی انتہا ان دلبروں حسینوں سے آزاد ہو جانا ہے۔ مجازی عشق چھوڑ کر اس محبوبِ حقیقی کے حسن کی تلاش میں رہنا ہے۔

۴۔ عشق بے پروا ہے اور ہر دم سفر میں رہتا ہے یعنی محبوبِ حقیقی کے سوا وہ ہر شے سے بے نیاز اور اس کی تلاش میں رہتا ہے۔ خواہ مکاں (یہ دنیا) ہو یا لامکاں (آخرت کی دنیا) وہ ہر جگہ مسافر ہے۔ کسی نہ کسی منزل کی طرف گامزن رہتا ہے۔

۵۔ ہمارا مسلک تیز بہنے والی موج کی طرح ہے، یعنی راستہ اختیار کرنا اور منزل کو چھوڑ دینا، مسلسل چلتے رہنا۔ عاشق کی ساری توجہ محبوبِ حقیقی کے دیدار کی طرف ہوتی ہے جس کی خاطر منزل بہ منزل رواں دواں رہتا ہے۔ (گویا زندہ رود یہ کچھ کہہ کر حوروں سے معذرت کرتا ہے کہ میں تمہارے پاس ایک پل کے لیے بھی نہیں بیٹھ سکتا۔)

حورانِ بہشتی

۱۔ شیوہ ہا داری مثالِ روزگار　　یک نوائے خوش دریغ از ما مدار

۱۔ (اے زندہ رود) تیرے طور طریقے زمانے کی طرح ہیں، تو بھی مختلف کیفیات کا حامل ہے۔ (چلو کوئی بات نہیں، تو نہیں بیٹھ سکتا تو چلتے چلتے) ایک اچھی نوا تو ہمیں سنانے میں تامل نہ کر۔ ہمیں محظوظ کرنے کے لیے اپنے چند شعر ہی سنا دے۔

غزلِ زندہ رود

۱۔ بآدمے نرسیدی، خدا چہ می جوئی　　زخود گریختہ ای آشنا چہ می جوئی؟

۲۔ دگر بشاخِ گل آویز و آب و نم درکش　　پریدہ رنگ! ز بادِ صبا چہ می جوئی؟

۳۔ دو قطرہ خونِ دل است آنچہ مشک می نامند　　تو اے غزالِ حرم در خطا چہ می جوئی؟

۴۔ عیارِ فقر ز سلطانی و جہانگیری است　　سریرِ جم بطلب بوریا چہ می جوئی؟

۵۔ سراغِ او زخیابانِ لالہ می گیرند　　نوائے خوں شدۂ ما ز ما چہ می جوئی؟

۶۔ نظر ز صحبتِ روشن دلاں بیفزاید　　ز دردِ کم بصری توتیا چہ می جوئی؟

۷۔ قلندریم و کراماتِ ما جہاں بینی است　　ز ما نگاہ طلب، کیمیا چہ می جوئی؟

۱۔ تو تو آدمی تک نہیں پہنچا، پھر خدا کی کیا تلاش کر رہا ہے۔ تو تو خود سے بھاگا ہوا ہے، ایسی صورت میں تو آشنا کیا تلاش کرتا ہے۔ گویا تجھ میں یہ اہلیت ہی نہیں ہے کہ تو

آدمی کو پہچان سکے تو اس صورت میں خدا کو کیا پہچانے گا جسے پہچاننے کے لیے پہلے اپنی پہچان/معرفت ضروری ہے۔ یہ ہوگئی تو خدا کی پہچان بھی ہو جائے گی۔

۲۔ تو پھر پھول کی شاخ سے لٹک اور پانی اور نمی جذب کر لے۔ اے اڑے ہوئے رنگ والے! تو بادِ صبا سے کیا تلاش کرتا ہے۔ گویا کسی مرشدِ کامل کا دامن تھام تا کہ اس کے فیضان سے تجھے کوئی مقام حاصل ہو، ظاہری علوم اور رسوم سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

۳۔ جس شے کو مشک/کستوری کہا جاتا ہے، وہ خونِ دل کے دو قطرے تو ہیں۔ اے حرم کے ہرن تو ملک خطا میں کیا تلاش کر رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر جذبہ عشق سے آدمی سرشار ہو تو وہ ہر جگہ بامراد ہوگا، اس کے لیے کسی خاص مقام کی ضرورت نہیں۔ غزالِ حرم سے مراد مسلمان ہے جسے یہ جذبہ پیدا کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔

۴۔ فقر کی کسوٹی سلطانی اور جہانگیری ہے۔ تو جمشید کا تخت طلب کر، بوریا کیا ڈھونڈ رہا ہے؟ ایسا فقر جو صرف بوریا نشینی تک محدود رہے وہ احتیاجی اور بیکار فقر ہے۔ اصل فقر وہ ہے جو بوریا نشین ہوتے ہوئے کائنات کا محتاج ہونے کی بجائے اسے تسخیر کرتا اور اپنا محتاج بناتا ہے۔

۵۔ اس کا سراغ تو لالہ کی کیاریوں سے لگایا جاتا ہے۔ ہماری خوں شدہ نوا کو ہم سے کیا ڈھونڈتا ہے یا تو (نوا) ہم سے کیا ڈھونڈ رہی ہے۔ اے میری شاعری تو مجھ سے اپنی تاثیر و اثر انگیزی کے بارے میں پوچھنے کی بجائے یہ جائزہ لے کہ آیا تجھ سے دوسروں کے دل بھی خون ہوئے ہیں یا نہیں؟

۶۔ نظر یعنی دل کی نظر میں روشن دلوں کی صحبت سے اضافہ ہوتا ہے۔ تو اپنی کمزور نظروں کے لیے سرمے کی کیا تلاش کر رہا ہے یعنی تو نگاہِ معرفت ہی سے محروم ہے، پھر اس صحبت سے تجھے کیا حاصل ہوسکتا ہے۔

۷۔ ہم قلندر ہیں اور ہماری کرامات جہاں بینی ہے۔ تو ہم سے نگاہ طلب کر، کیمیا کیا تلاش کرتا ہے۔ ہم قلندر حقیقتِ کائنات سے آگاہی رکھتے ہیں، ہم سے معرفت کی نگاہ طلب کر، دنیاوی نعمتوں کی ہم سے توقع نہ کر کہ وہ تو کہیں سے حاصل کرسکتا ہے۔ ہم سے حق شناس اور خود شناس نگاہ کا طلبگار رہو کہ اس کے حصول کے بعد سونا/کیمیا تو ایک طرف پوری کائنات تیری محتاج ہوگی۔

حضور

(مراد بارگاہِ ایزدی، جہاں زندہ رود حوروں سے رخصت ہو کر پہنچا ہے)

۱- گرچہ جنت از تجلی ہائے اوست — جاں نیاساید بجز دیدارِ دوست
۲- ما ز اصلِ خویشتن در پردہ ایم — طائریم و آشیاں گم کردہ ایم
۳- علم اگر کج فطرت و بد گوہر است — پیشِ چشمِ ما حجابِ اکبر است
۴- علم را مقصود اگر باشد نظر — می شود ہم جادہ و ہم راہبر
۵- می نہد پیشِ تو از قشرِ وجود — تا تو پرسی چیست رازِ ایں نمود
۶- جادہ را ہموار سازد ایں چنیں — شوق را بیدار سازد ایں چنیں
۷- درد و داغ و تاب و تب بخشد ترا — گریہ ہائے نیم شب بخشد ترا
۸- علم تفسیرِ جہانِ رنگ و بو — دیدہ و دل پرورش گیرد ازو
۹- بر مقامِ جذب و شوق آرد ترا — باز چوں جبریل بگذارد ترا
۱۰- عشق کس را کے بخلوت می برد — او ز چشمِ خویش غیرت می برد
۱۱- اولِ او ہم رفیق و ہم طریق — آخرِ او راہ رفتن بے رفیق

۱- اگرچہ جنت اس (خدا) کی تجلیوں میں سے ہے لیکن جان اس محبوب کے دیدار کے بغیر سکون ہی نہیں پاتی (اسی لیے میں اب اس محبوب کی طرف چلتا ہوں)

۲- ہم اپنی اصل کے لحاظ سے پردے میں ہیں۔ ہم پرندے ہیں اور اپنا گھونسلا گم کر بیٹھے ہیں۔ گویا ہماری اصل تو وہ ذاتِ حق ہے، جس سے ہم دنیا میں آ کر جدا ہو گئے ہیں اور یہاں آ کر اسے بھلائے ہوئے ہیں۔

۳- علم اگر کج فطرت اور بد گوہر ہے تو وہ (علم) ہماری آنکھوں کے آگے بڑا حجاب ہے۔ جدید طرز کے یورپی علوم وفنون نے انسان کو خدا سے دور اور شیطان کے نزدیک کر دیا ہے۔ یہ محض تن پروری کا ذریعہ ہیں اور یوں گھٹیا ہیں۔ ان سے روحانی جذبے پیدا کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی، جس طرح کسی بدگوہر سے خیر کی امید نہیں ہوتی۔

۴- اگر علم کا مقصود ایسی نظر پیدا کرنا ہے جو راہ بیں، خدا بیں اور خود بیں ہو تو وہ (علم) خود ہی راستہ بھی اور خود ہی راہبر بھی بن جاتا ہے۔

۵- ایسا علم تیرے آگے وجود کا چھلکا رکھتا ہے، تاکہ تو یہ پوچھے کہ اس نمود (اپنی شان دکھانے کی کیفیت) کا راز کیا ہے۔ گویا اس (علم) کے ذریعے کائنات کی اشیا جو

چھلکا ہیں، میں جلوہ گر اس ذاتِ حق کے وجود کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ ایسا علم راستے کو اس طرح ہموار کر دیتا ہے اور شوق کو اس طرح بیدار کر دیتا ہے۔ گویا محبوب حقیقی کی منزل (دیدار) کی طرف سفر کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔

۷۔ ایسا علم تجھے عشق کا درد، داغ، حرارت اور تڑپ عطا کرتا ہے۔ تجھے آدھی رات کا رونا عطا کرتا ہے۔ اس ذات کے دیدار کے لیے تجھے بیقرار رکھتا ہے۔ یوں تو بیقراری کی کیفیتوں کا حامل بنتا جاتا ہے۔

۸۔ ایسا علم اس جہانِ رنگ و بو کی تفسیر ہے، یعنی اس کائنات کی وضاحت کرتا ہے۔ دیدہ و دل اسی سے پرورش پاتے ہیں۔ آنکھیں بصیرت سے اور دل جذبوں سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

۹۔ وہ (علم) تجھے جذب وشوق کے مقام پر لاتا ہے اور پھر تجھے جبرئیل کی طرح چھوڑ دیتا ہے۔ گویا یہ لامکاں کی حد تک لے جاتا ہے لیکن آگے اس ذاتِ حق کے حضور نہیں لے جاتا۔ معراج شریف کے موقع پر حضور اکرمؐ تو سدرۃ المنتہٰی کے آگے خدا کے حضور پہنچ گئے لیکن جبرئیل اس سے آگے نہیں جا سکتے تھے۔ بقول جبرئیل اس سے آگے بڑھنے سے میرے پر جل جائیں گے۔

۱۰۔ عشق کسی کو خلوت میں کب لے جاتا ہے۔ وہ تو اپنی نظر سے بھی غیرت کھاتا ہے یعنی عشق یہاں علم کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ غالبؔ نے غیرت کی بات یوں کی ہے:

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

۱۱۔ عشق آغاز میں تو رفیق/ساتھی بھی رکھتا ہے اور طریق بھی رکھتا ہے لیکن اس کا آخر رفیق کے بغیر راستہ طے کرنا ہے۔ وہی سدرۃ المنتہٰی اور جبرئیل والی مثال۔

۱۲۔ در گذشتم زاں ہمہ حور و قصور — زورقِ جاں باختم در بحرِ نور
۱۳۔ غرق بودم در تماشائے جمال — ہر زماں در انقلاب و لایزال
۱۴۔ گم شدم اندر ضمیرِ کائنات — چوں رباب آمد بچشمِ من حیات
۱۵۔ آں کہ ہر تارش ربابِ دیگرے — ہر نوا از دیگرے خونیں ترے
۱۶۔ ماہمہ یک دودمانِ نار و نور — آدم و مہر و مہ و جبرئیل و حور
۱۷۔ پیشِ جاں آئینہ ے آویختند — حیرتے را بالیقیں آمیختند
۱۸۔ صبحِ امروزے کہ نورش ظاہر است — در حضورش دوش و فردا حاضر است

۱۹- حق ہویدا باہمہ اسرارِ خویش ‌ ‌ بانگاہِ من کند دیدارِ خویش
۲۰- دیدنش افزودنِ بے کاستن ‌ ‌ دیدنش از قبرِ تن برخاستن
۲۱- عبد و مولا در کمینِ یک دگر ‌ ‌ ہر دو بے تاب اند از ذوقِ نظر
۲۲- زندگی ہر جا کہ باشد جستجو است ‌ ‌ حل نشد ایں نکتہ من صیدم کہ اوست

۱۲- میں نے سب حوروں اور محلوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اپنی جان کی کشتی نور کے سمندر میں بہادی۔ حضورِ حق کی طرف رخ کیا۔

۱۳- میں محبوب کے جمال کے نظارے میں مست تھا۔ وہ جمالِ لایزال جو ہر لحہ بدلنے کے باوجود زوال پذیر نہیں ہوتا۔

۱۴- میں کائنات کے ضمیر میں کھو گیا، غرق ہو گیا اور میری نگاہوں کو زندگی رباب کی مانند نظر آئی:

۱۵- وہ رباب کہ جس کا ہر تار ایک نیا رباب تھا جس کا ہر نغمہ پہلے نغمہ سے زیادہ خونیں تھا۔

۱۶- ہم سب آگ اور نور کے ایک ہی خاندان سے ہیں۔ ہم سب یعنی آدم اور سورج اور چاند اور جبرئیل اور حور۔ گویا کائنات کی تمام اشیا اسی وجودِ مطلق کے آئینے ہیں۔ ہر شے میں اسی وجودِ مطلق کی صفات ہیں۔

۱۷- میری جان کے سامنے آئینہ لٹکا دیا گیا اور حیرت کو یقین سے ملا دیا گیا۔ عقل کے مطابق میری ذات، ذاتِ ایزدی سے الگ تھی، یہاں آ کر یہ غلط ثابت ہوئی اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ میں تو عینِ ذات ہوں، اسی ذات کا پرتو ہوں۔ یوں میری حیرت یقین میں بدل گئی۔

۱۸- میں نے دیکھا کہ آج کی صبح کہ جس کا نور ظاہر ہے، اس ذات کے حضور گذری ہوئی کل اور آنے والی کل کی صبح حاضر ہے۔ گویا مادی دنیا میں تو ماضی و حال اور مستقبل کی تقسیم ہے جبکہ اس ذاتِ اقدس کے حضور ہر لحہ حال ہی کی کیفیت رہتی ہے۔

۱۹- یہاں حق اپنے تمام اسرار کے ساتھ ظاہر ہے، جہاں وہ میری نگاہ سے اپنا دیدار کرتا ہے۔ وہی مطلب کہ حق اپنے تمام تر پردوں کے باوجود کائنات کی ہر ہر شے میں جلوہ گر ہے، ان میں اسی کی صفات ہیں۔ میری نگاہ سے اس کا اپنا دیدار کرنا ان معنوں میں کہ میرا تو اپنا کوئی وجود نہیں ہے، اسی کا وجود مطلق ہے، لہٰذا میرا دیکھنا دراصل اسی کا دیکھنا ہے۔

۲۰- اس کا دیکھنا کم ہونے کے بغیر بڑھنا ہے۔ اس کا دیکھنا (جمالِ حق کا مشاہدہ کرنا) بدن کی قبر سے اٹھنا ہے۔ مطلب یہ کہ دیدارِ ذات کا پالینا گویا سب سے بڑی صداقت کو پالینا ہے۔ ایسی صداقت جس پر یقین بڑھتا تو رہتا ہے کم نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کا

تعلق مشاہدہ سے ہے۔ جو بندہ مشاہدہ حق میں، اس کی ذات میں غرق ہو جاتا ہے' اس کا جسم تمام دنیاوی و مادی کثافتوں آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

۲۱- بندہ اور مولا دونوں ایک دوسرے کی تلاش میں ہیں اور دونوں ذوقِ نظر کے باعث بیقرار ہیں۔ گویا بندہ اپنے خالق کو اور خالق اپنے شاہکار فن پارے یعنی بندے کو دیکھنے کے لیے بیقرار رہتا ہے۔ گویا وہ صرف اس مرد کامل کی تلاش میں رہتا ہے جو اپنی خودی کی معرفت حاصل کر کے اس کی معرفت حاصل کر سکے۔

۲۲- زندگی جہاں کہیں بھی ہے وہ تلاش و جستجو میں مصروف ہے۔ مجھ سے یہ نکتہ حل نہیں ہوا کہ میں شکار ہوں یا وہ شکار ہے۔ گویا خالق اور بندہ دونوں ایک دوسرے کی تلاش میں ہیں۔ تو چونکہ حق کے سوا اور کسی کا وجود نہیں ہے اس لیے میرا دیکھنا اس کا دیکھنا اور اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہے۔ اس لحاظ سے دونوں گویا شکاری ہیں اور دونوں شکار ہیں۔

۲۳- عشق جاں را لذتِ دیدار داد — با زبانم جرأتِ گفتار داد
۲۴- اے دو عالم از تو با نور و نظر — اندکے آں خاکدانے را نگر
۲۵- بندۂ آزاد را ناسازگار — بر دمد از سنبلِ او نیشِ خار
۲۶- غالباں غرق اند در عیش و طرب — کارِ مغلوباں شمارِ روز و شب
۲۷- از ملوکیت جہانِ تو خراب — تیرہ شب در آستینِ آفتاب
۲۸- دانشِ افرنگیاں غارت گری — دیرہا خیبر شد از بے حیدری
۲۹- آں کہ گوید لا الٰہ، بیچارہ ایست — فکرش از بے مرکزی آوارہ ایست
۳۰- چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر — سود خوار و والی و ملا و پیر
۳۱- ایں چنیں عالم کجا شایانِ تست — آب و گل داغے کہ بر دامانِ تست

۲۳- عشق نے جاں کو دیدار کی لذت عطا کی اور میری زبان کو بات کرنے کی جرأت بھی عطا کی۔ (چنانچہ میں نے حضورِ حق یوں عرض کی کہ)

۲۴- اے (ذات کریم) کہ دونوں جہان تیری وجہ سے نور اور نظر والے ہیں، ذرا اس خاکدان (مادی دنیا) کو بھی دیکھ۔ گویا جہان میں جو نور ہے، وہ تیرے ہی نور کا عکس ہے اور انسانوں میں جو دیکھنے والی نظر ہے، وہ بھی تیری ہی عطا کردہ ہے۔ اس لحاظ سے دنیا اور اہل دنیا تجھ سے الگ نہیں ہیں، لہٰذا تو دنیا کی موجودہ حالت پر نگاہ ڈال۔

۲۵- یہ دنیا آزاد بندے کے موافق نہیں ہیں، چنانچہ اس کی سنبل سے کانٹے اگتے ہیں۔

گویا آج دنیا میں یہ صورتِ حال ہے کہ وہاں پھولوں کی جگہ کانٹے ہی کانٹے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تیرے آزاد بندے اس زار وزبوں دنیا سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔

۲۶- غالب لوگ تو عیش وعشرت میں غرق ہیں جبکہ مغلوب بس روز وشب کی گنتی میں لگے رہتے ہیں۔محکوم ومغلوب لوگ مصیبتوں اور مشکلوں کا شکار ہیں۔

۲۷- ملوکیت کے باعث تیرا جہان برباد ہو رہا ہے اور چاند کی آستین میں تاریک رات مخفی ہے۔دنیا کا شاہی نظام انسانوں کے لیے تاریک رات کی صورت (مصائب وآلام کا باعث) ہے جبکہ بادشاہ روشن آفتاب کی سی (عیش وطرب کی) زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۲۸- انگریزوں کی دانش سراسر غارت گری ہے۔بے حیدری (حضرت علیؓ حیدر جیسی شخصیتِ دلیر کے بغیر) کے باعث بت کدے خیبر بن گئے ہیں۔بت کدوں سے مراد فکری ونظری اور علمی امور ہیں جو انگریزوں کی مکار تہذیب کا حصہ ہیں۔لوگ ان کے پیچھے لگ کر خود سے اور خدا سے بھی غافل ہو چکے ہیں۔انگریزوں نے دنیا کو لوٹ کر خود کو خوشحال بنالیا ہے۔

۲۹- آج وہ جو (مسلمان) لا الہ کہتا ہے وہ بیچارہ ہے جس کا فکر بے مرکزی کی وجہ سے آوارہ ہے۔آج ملت اسلامیہ افتراق وانتشار کا بری طرح شکار ہو چکی ہے۔

۳۰- مشکل سے مرنے والے اس مسلمان کی گھات میں یہ چار موتیں لگی ہوئی ہیں، سود خوار اور حاکم اور ملا اور پیر۔دیر میر اس لیے کہا ہے کہ کفار مختلف حربوں سے مسلمانوں کو مٹانے میں لگے ہوئے ہیں لیکن یہ سخت جان ہنوز زندہ ہیں، ابھی تک اسلام کا نام لیتے ہیں، عملاً نہ سہی زبان ہی سے سہی۔ملا نے انہیں فرقہ بندی میں ڈال دیا ہے اور پیر انہیں ترکِ دنیا کی طرف لا رہا ہے جو رہبانیت اور اسلام کے خلاف ہے۔پیر بھی کسی بہانے مریدوں کو لوٹتا ہے۔

۳۱- اس قسم کا جہان (اے خدا) تیری شان کے کہاں لائق ہے (لائق نہیں ہے) یہ پانی اور مٹی کا جہان (مادی دنیا) تیرے دامن پر ایک داغ ہے یعنی اس دنیا میں مسلمان اپنی تباہی کے باعث نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔انہیں کافروں نے تو تباہ کیا ہے خود اپنے بھی یعنی سود خوار وملا وپیر بھی اس کی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔

ندائے جمال

۱- کلکِ حق از نقشہائے خوب وزشت — ہرچہ مارا سازگار آمد نوشت

۲- چیست بودن دانی اے مردِ نجیب؟ — از جمالِ ذاتِ حق بردن نصیب

۳- آفریدن؟ جستجوے دلبرے — وانمودن خویش را بر دیگرے
۴- ایں ہمہ ہنگامہ ہاے ہست و بود — بے جمالِ ما نیاید در وجود
۵- زندگی ہم فانی و ہم باقی است — ایں ہمہ خلاق و مشتاقی است
۶- زندہ ای؟ مشتاق شو خلاق شو — ہمچو ما گیرندۂ آفاق شو
۷- در شکن آں را کہ ناید سازگار — از ضمیرِ خود دگر عالم بیار
۸- بندۂ آزاد را آید گراں — زیستن اندر جہانِ دیگراں
۹- ہر کہ اورا قوتِ تخلیق نیست — پیشِ ما جز کافرو زندیق نیست
۱۰- از جمالِ مانصیبِ خود نبرد — از نخیل زندگانی برنخورد
۱۱- مردِ حق! برندہ چوں شمشیر باش — خود جہانِ خویش را تقدیر باش

۱- حق کے قلم نے اچھے اور برے نقوش میں سے جو بھی ہمارے موافق تھا یا ہمیں پسند تھا، وہ لکھ دیا۔

۲- اے مردِ نجیب! کیا تو جانتا ہے کہ زندہ رہنا کیا ہے؟ وہ ذاتِ حق کے جمال سے نصیب حاصل کرنا ہے۔ خود میں جمالِ حق پیدا کر لینا ہی حقیقی زندگی ہے اور وہ تبھی ممکن ہے جب اپنی خودی کی معرفت حاصل کی جائے۔

۳- تخلیق کرنا کیا ہے؟ وہ ایک دلبر کی تلاش کرنا ہے اور اپنی ذات کو کسی دوسرے پر ظاہر کرنا ہے۔ گویا جو جمالِ حق تم میں پیدا ہوا ہے اسے دوسروں میں پیدا کرنا تخلیق ہے۔

۴- زندگی اور عدم/نیستی کے جتنے بھی ہنگامے ہیں وہ ہمارے جمال کے بغیر وجود میں نہیں آتے۔ ان سب کا ماخذ میرا یعنی خدائی جمال ہے۔ میرے وجود ہی سے سب کا وجود ہے۔ میں تنہا تھا۔ میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں تو میں نے یہ کائنات تخلیق کر دی۔

۵- زندگی فانی بھی ہے اور بقا والی بھی ہے۔ یہ سب عملِ تخلیق اور ذوقِ عشق ہے۔ گویا تم جذبۂ عشق سے سرشار ہو کر عمل تخلیق سے اپنی اس فانی زندگی کو بقا والی یعنی حیاتِ جاوید بنا سکتے ہو۔ خود میں جمالِ حق پیدا کر کے صاحب بقا بن سکتے ہو۔

۶- اگر تو زندہ ہے تو پھر (میرے جمال کا) مشتاق بن اور جس طرح میں نے اپنی تجلی سے کائنات کی ہر شے تخلیق کی ہے، تو بھی اسی طرح ہر شے کا خالق بن جا اور اپنے اس عمل سے ہماری طرح آفاق کا احاطہ کر لے یعنی اپنے اندر میری صفات پیدا کر کے میری طرح آفاق گیر ہو کر خلاق بن جا۔

۷- جو کچھ بھی تیرے موافق حال نہیں ہے، اسے توڑ ڈال اور اپنے ضمیر سے ایک نئی دنیا وجود

میں لا۔ گویا جب تجھ میں میری صفات جلوہ گر ہو جائیں گی تو تو یہ آسانی سے کر سکے گا۔

۸۔ مادی دنیا کے پھندوں سے آزاد بندے/ مردِ حق کو دوسروں کے جہان میں رہنا گراں گذرتا ہے۔ گویا اپنے اندر میری صفات پیدا کر، اس سے تو اپنا جہان آپ پیدا کر سکے گا اور ناپسند جہان کو زیر و زبر کر دے گا یعنی بقول علامہ:

ع اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

۹-۱۰: جس کسی میں قوتِ تخلیق نہیں ہے، ہمارے سامنے کافر اور زندیق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ایسے انسان نے ہمارے جمال سے اپنا حصہ نہ لیا اور (حقیقی) زندگی کے درخت سے پھل نہ کھایا یعنی ایسے آدمی کو چونکہ دوسروں کے پیدا کردہ نظامِ زندگی میں، اللہ کی مرضی کی بجائے، ان کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا ہو گی، اس لیے اس کا یہ عمل گویا کافرانہ عمل ہو گا۔ ایسا جہان جس میں قانون الٰہی ہو صرف ایک مردِ حق پیدا کر سکتا ہے۔ اس میں زندگی بسر کرنا مومنانہ زندگی ہو گی۔

۱۱۔ اے مردِ حق! تو تلوار کی طرح کاٹنے والا بن، ہر باطل قوت کو کاٹ ڈال، فنا کر دے اور اپنے جہان کی تقدیر خود ہی بن یعنی اپنے جہان کی خود تخلیق کر دوسروں کے جہان میں رہنے کو اچھا نہ سمجھ۔

زندہ رود

۱۔ چیست آئینِ جہانِ رنگ و بو جز کہ آبِ رفتہ می ناید بجو
۲۔ زندگانی را سرِ تکرار نیست فطرتِ او خوگرِ تکرار نیست
۳۔ زیرِ گردوں رجعت او را نارواست چوں ز پا افتاد قومے برنخاست
۴۔ ملتے چوں مرد کم خیزد ز قبر چارۂ او چیست غیر از قبر و صبر

۱۔ اس جہانِ رنگ و بو کا آئین کیا ہے، سوائے اس کے کہ گذرا ہوا پانی واپس ندی میں نہیں آتا، یعنی ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔'' اس دنیا میں زندگی اگر مٹ جائے تو وہ کس طرح خود کو دوبارہ زندہ کر سکتی ہے، کیونکر اپنے زوال سے نکل کر عروج کی طرف گامزن ہو سکتی ہے۔

۲۔ زندگی میں تو تکرار کی بات ہی نہیں ہے۔ اس کی فطرت تو تکرار کی عادی ہی نہیں ہے۔ یعنی زندگی ایک ہی دفعہ میسر آتی ہے۔ ختم ہونے کے بعد وہ دوبارہ نہیں آتی۔

۳۔ آسمان کے نیچے یعنی اس دنیا میں اس کا واپس آنا۔ اس (زندگی) کے لیے ناروا ہے۔

ایک قوم جب پاؤں سے گر جاتی ہے تو پھر وہ نہیں اٹھتی۔ فنا کا شکار ہو جاتی ہے۔

۴۔ جب کوئی ملت مر جاتی / مٹ جاتی ہے تو وہ قبر سے نہیں اٹھتی۔ اس کا چارہ قبر اور صبر کے سوا اور کیا ہے یعنی بربادی اور زوال کے بعد نہیں اٹھتی۔ اس صورت میں اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے موجودہ حالات میں صبر سے کام لے کر زندگی گذارے۔

ندائے جمال

۱۔ زندگانی نیست تکرارِ نفس — اصلِ او از حیّ و قیوم است و بس

۲۔ قربِ جاں باآنکہ گفت ''اِنّی قریب'' — از حیاتِ جاوداں بردن نصیب

۳۔ فرد از توحید لاہوتی شود — ملت از توحید جبروتی شود

۴۔ بایزیدؔ و شبلیؔ و بوذر ازوست — اُمتاں را طغرلؔ و سنجرؔ ازوست

۵۔ بے تجلی نیست آدم را ثبات — جلوۂ ما فرد و ملت را حیات

۶۔ ہر دو از توحید می گیرد کمال — زندگی ایں را جلال آں را جمال

۷۔ ایں سلیمانی است آں سلمانی است — آں سراپا فقر و ایں سلطانی است

۸۔ آں یکی را بیند ایں گردد یکی — درجہاں باآں نشیں با ایں بزی

۱۔ زندگی سانسوں کے بار بار آنے کا نام نہیں ہے۔ اس کی اصل تو صرف ''حی و قیوم'' ہی سے ہے۔ (فرہنگ) گویا جو کوئی اپنے سانس اس حی و قیوم سے وابستہ کر لیتا ہے وہ بھی حی و قیوم ہو جاتا ہے جبکہ محض سانسوں کی حامل زندگی والا فنا کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی حالت کچھ اس طرح کی ہوتی ہے:

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

۲۔ اس ذاتِ حق سے قرب پیدا کرنا جس کا فرمان ہے کہ ''اے بندے میں تیرے قریب ہوں'' ہمیشہ کی زندگی، حیات جاوید پانا ہے۔

۳۔ ایک فرد توحید (پر ایمانِ کامل کے باعث) لاہوتی ہو جاتا ہے جبکہ توحید پر ایمان کے باعث ایک قوم جبروتی ہو جاتی ہے۔ لاہوتی اس لحاظ سے کہ آدمی اپنے اندر خدائی صفات پیدا کر کے ان صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ وہ روحانی جذبوں سے سرشار ہو جاتا ہے اور اسی کی بدولت ایک قوم غالب وحکمران بن جاتی ہے۔

۴- اسی (توحید پر ایمانِ کامل نے) بایزیدؔ اور شبلیؔ اور ابوذر غفاری جیسے مردانِ حق/صوفیا پیدا کیے ہیں۔ یہ افراد تھے جبکہ قوموں کے لیے طغرلؔ اور سنجرؔ جیسے (غالب وحکمران) اسی ایمان کی بدولت وجود میں آئے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۵- تجلی کے بغیر آدم کو ثبات/ بقا نہیں ہے۔ ہمارا (خدا کا) جلوہ فرد اور قوم کے لیے زندگی ہے۔ یہ جلوہ توحید ہی کی بدولت فرد وملت پر پڑتا ہے۔ توحید ایزدی کو اپنا نصب العین بنانے والی قوم انسانوں کے لیے رحمت ہے جبکہ اس ایمان سے عاری قوم خلقِ خدا کے لیے زحمت ومصیبت اور اذیت کا باعث بنتی ہے۔

۶- دونوں (فرد اور ملت) توحید ہی کی بدولت کمال حاصل کرتے ہیں۔ اس (ملت) کے لیے زندگی سراسر جلال اور اس (فرد) کے لیے جمال ہے۔ کمال یعنی کامل ہونا۔ اللہ جسے کمال سمجھتا ہے۔

۷- یہ (جلال) خدا پسند بادشاہت ہے جبکہ وہ (جمال) خدا پسند فقر ہے۔ وہ سراسر فقر ہے اور یہ سلطانی ہے۔ ''سلیمانی'' اشارہ ہے حضرت سلیمانؑ کی طرف جو پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ ''سلمانی'' اشارہ ہے حضرت سلمان فارسی کی طرف جو حضور اکرمؐ کے صحابی تھے۔

۸- وہ (فرد) ایک کو دیکھتا ہے، توحید پر ایمان رکھتا ہے تو یہ اس کی بنا پر ایک متفق ومتحدہ قوم بن جاتی ہے۔ دنیا میں تو توحید پر ایمان رکھنے والوں کے ساتھ محبت رکھ اور اس متحدہ قوم کے ساتھ زندگی بسر کر جو ہر طرح کے نسب ونسل، زبان ووطن وغیرہ کے اختلاف کے باوجود ایک ہی قوم ہے۔

۹- چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ؟   باہزاراں چشم بودن یک نگہ
۱۰- اہل حق را حجت و دعویٰ یکے است   خیمہ ہاے ما جُدا دِلہا یکے است
۱۱- ذرہ ہا از یک نگاہی آفتاب   یک نگہ شو تا شود حق بے حجاب
۱۲- یک نگاہی را بچشم کم مبیں   از تجلی ہاے توحید است ایں
۱۳- ملتے چوں می شود توحید مست   قوت و جبروت می آید بدست

۹- تو (کلمہ گو مسلمان) جو ''لا الٰہ'' کہتا ہے، کیا تجھے معلوم ہے کہ ملت کیا ہوتی ہے۔ یہ ہزاروں آنکھوں کے ساتھ ایک ہی نگاہ کا ہونا ہے۔ وہی شعر آٹھ والی بات۔ افراد کا تعلق کسی بھی نسب ونسل یا وطن وغیرہ سے ہو، توحید پر ایمان کامل کی بدولت وہ ایک نقطہ نظر کی حامل قوم بن جاتی ہے۔

۱۰- اہل حق کی دلیل اور دعویٰ ایک ہے۔ ہمارے خیمے جدا جدا ہیں لیکن دل ایک ہے۔ (دوسرا مصرع ایک عربی ضرب المثل کا ترجمہ ہے) گویا توحید پر ایمان کی بدولت ہر طرح کے افراد ایک ملت (ملت اسلامیہ) کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

۱۱- ایک نگاہ ہونے کے باعث ذرے آفتاب بن جاتے ہیں۔ تو بھی ''یک نگاہ'' ہو جا تا کہ تجھ پر ظاہر ہو جائے۔ جب مسلمان توحید پر ایمانِ کامل کی بدولت ایک ملت کی صورت اختیار کر لیں گے تو اگرچہ وہ ذرے ہی کیوں نہ ہوں، ان کی طاقت سورج کی طاقت بن جائے گی۔

۱۲- تو ''یک نگاہی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ۔ یہ (یک نگاہی) توحید کی تجلیوں میں سے ایک تجلی ہے۔ گویا جب مسلمان عملی طور پر توحید پرست بن جائیں گے تو ان کے اندر میری تجلی کا ظہور ہو جائے گا۔

۱۳- جب کوئی ملت توحید میں مست ہو جاتی ہے تو وہ قوت و جبروت کی حامل بن جاتی ہے۔ یہ قوت و جبروت انسانی فلاح و بہبود کے لیے اور باطل قوتوں کو مٹانے کی خاطر ہوتی ہے۔

۱۴- روحِ ملت را وجود از انجمن   روحِ ملت نیست محتاج بدن
۱۵- تا وجودش را نمود از صحبت است   مُرد چوں شیرازۂ صحبت شکست
۱۶- مُردہ ای؟ از یک نگاہی زندہ شو   بگذر از بے مرکزی پایندہ شو
۱۷- وحدتِ افکار و کردار آفریں   تاشوی اندر جہاں صاحب نگیں

۱۴- ملت کی روح کا وجود انجمن سے قائم ہے۔ ملت کی روح بدن کی محتاج نہیں ہے یعنی ملت اسلامیہ کی بنیاد بدن (افراد کا مختلف طبقوں اور نسلوں وغیرہ سے ہونا) نہیں ہے بلکہ عقیدہ توحید ہے جس کے باعث سب افراد ملت کی فکر ایک ہے۔

۱۵- چونکہ اس کے وجود کی نمود/ظہور صحبت (باہمی مل بیٹھنا، وہی انجمن والی بات) سے ہے، لہٰذا جب اس (ملت) کی صحبت کا شیرازہ بکھر گیا تو گویا وہ قوم مر گئی۔ مسلمان کی حقیقی زندگی کا دارو مدار اجتماعی زندگی پر ہے۔ فرد ملت سے قائم ہے۔ اگر وہ نہیں تو فرد بھی نہیں۔ علامہ ہی کے بقول:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

۱۶- کیا تو مردہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو یک نگاہی پیدا کر کے زندہ ہو جا۔ بے مرکزی سے گذر

جا اور یوں صاحب بقا بن جا۔ خود میں وحدت کی شان پیدا کر کے توحید کے مرکز پر جمع ہو جا کہ اسی سے تو زندہ ملت کا فرد بن جائے گا۔

۱۷- افکار اور کردار کی وحدت پیدا کرتا کہ تو دنیا میں حکمران بن جائے یعنی محض زبانی کلامی توحید کی بات کرنا مومن کی شان نہیں ہے۔ صحیح مومن وہی ہے جس کے فکر و عمل میں وحدت ہے۔ اس صورت میں، خدا کے وعدہ کے مطابق تم سب پر فوق ہو گے، باطل قوتوں وغیرہ پر غالب ہو گے۔ اس سلسلے میں علامہ کی نظم ''مرد مسلمان'' (ضرب کلیم) بھی ملاحظہ ہو جس کا مطلع ہے:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

زندہ رود

۱- من کیم؟ تو کیستی؟ عالم کجاست درمیانِ ماو تو دوری چراست؟
۲- من چرا دربند تقدیرم بگوے تو نمیری من چرا میرم بگوے

۱- میں کون ہوں، تو کون ہے؟ (تو کیا ہے اور کہاں ہے؟) ہمارے اور تیرے درمیان دوری کس لیے ہے؟

۲- تو ذرا یہ فرما کہ میں تقدیر کی زنجیر میں کیوں جکڑا ہوا ہوں۔ تو تو مرتا نہیں لیکن میں مر جاتا ہوں۔ اس سلسلے میں کچھ فرما۔

ندائے جمال

۱- بودہ ای اندر جہانِ چار سو ہر کہ گنجد اندرو میرد درو
۲- زندگی خواہی خودی را پیش کن چار سو را غرق اندر خویش کن
۳- بازبینی من کیم تو کیستی درجہاں چوں مردی و چوں زیستی

۱- تو اس چار طرفوں والی دنیا (مادی دنیا) میں رہا ہے۔ جو کوئی اس میں گم ہو جاتا ہے، وہ مر جاتا ہے یعنی مادی دنیا ہی سے وابستہ رہنے والا صرف جسمانی طور پر ہی نہیں مرتا بلکہ اس کی روح بھی مر جاتی ہے۔

۲- اگر تو زندگی (حیاتِ جاوید) کا خواہش مند ہے تو خودی اختیار کر اور اس

چارسو (دنیا) کو اپنے اندر غرق کر یعنی حیاتِ جاوید یا بقا اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان اپنی معرفت سے آگاہ ہو جائے اور یوں وہ تسخیر کائنات بھی کر لے۔ جسمانی موت تو بہرحال ایک قدرتی امر ہے۔

۳۔ (جب تجھے اپنی معرفت حاصل ہو جائے گی) تو دیکھ لے گا، جان لے گا کہ میں کون ہوں اور تو کون ہے اور اس بات سے بھی تو آگاہ ہو جائے گا کہ تو دنیا میں کیسے مرا اور کس طرح زندہ رہا، کس طرح زندگی بسر کی۔ دوسرے لفظوں میں تجھے زندگی اور موت کی حقیقت سے بھی آگاہی ہو جائے گی۔

زندہ رود

۱۔ پوزشِ ایں مردِ ناداں در پذیر — پردہ را از چہرۂ تقدیر گیر
۲۔ انقلابِ روس و آلماں دیدہ ام — شور در جانِ مسلماں دیدہ ام
۳۔ دیدہ ام تدبیر ہاے غرب و شرق — وانما تقدیر ہاے غرب و شرق

۱۔ (اے خدا یا جمال حق) مجھ مرد ناداں کی معذرت/ معافی قبول فرما اور تقدیر کے چہرہ سے پردہ اٹھا۔ یہ فرما کہ تقدیر کیا ہے۔

۲۔ میں نے روس اور جرمنی کے انقلاب دیکھے ہیں۔ میں نے مسلمان کی جان میں بھی شور دیکھا ہے۔

۳۔ میں نے مغرب و مشرق کی تدبیریں بھی دیکھی ہیں۔ مجھ پر ذرا مغرب و مشرق کی تقدیر ظاہر فرما کہ انہیں کیا پیش آنے والا ہے۔

افتادنِ تجلیِ جلال

۱۔ ناگہاں دیدم جہانِ خویش را — آں زمین و آسمانِ خویش را
۲۔ غرق در نورِ شفق گوں دیدمش — سرخ مانندِ طبرخوں دیدمش
۳۔ زاں تجلی ہا کہ در جانم شکست — چوں کلیم اللہ فتادم جلوہ مست
۴۔ نورِ اوہر پردگی را وانمود — تابِ گفتار از زبانِ من ربود
۵۔ از ضمیرِ عالمِ بے چند و چوں — یک نواے سوزناک آمد بروں

۱۔ اچانک میں نے اپنے جہان کو دیکھا۔ اپنے اس جہان کے زمین و آسمان کو دیکھا۔

۲۔ میں نے اسے (اپنے جہان کو) شفق گوں نور میں غرق پایا/ دیکھا۔ اسے طبرخوں کی

مانند سرخ دیکھا۔

۳- ان تجلیوں کے باعث جو میری جان پر گریں، میں حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کی طرح جلوہ مست ہو گیا، بے ہوش ہو گیا۔

۴- اس تجلی کے نور نے ہر پوشیدہ چیز کو ظاہر کر دیا اور میری زبان سے بولنے کی قوت بھی چھین لی۔ جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوا، وہ بیان میں نہیں آ سکتا۔

۵- عالمِ لامکاں کے ضمیر سے ایک پر سوز آواز سنائی دی (جو کہہ رہی تھی کہ)....؛

(یہ علامہ کی ''زبورِ عجم'' کی ایک غزل کے اشعار ہیں، شعر ۶۔۱۱)

۶- ''بگذر از خاور و افسونیِ افرنگ مشو — کہ نیرزد بجوے ایں ہمہ دیرینہ و نو

۷- آں نگینے کہ تو با اہرمناں باختہ ای — ہم بجبریلِ امینے نتواں کرد گرو

۸- زندگی انجمن آرا و نگہدارِ خود است — اے کہ در قافلہ ای، بے ہمہ شو با ہمہ رو

۹- تو فروزندہ تر از مہرِ منیر آمدہ ای — آں چناں زی کہ بہر ذرہ رسانی پرتو

۱۰- چوں پرِ کاہ کہ در رہگذرِ باد افتاد — رفت اسکندر و دارا و قباد و خسرو

۱۱- از تنک جامیِ تو میکدہ رسوا گردید — شیشہ ے گیر و حکیمانہ بیاشام و برو''

۶- تو مشرق سے گذر جا اور افرنگ (اہل مغرب/یورپ) سے مسحور نہ ہو، اس لیے کہ یہ پرانا اور نیا دو جو کی بھی قیمت نہیں پاتا یعنی آج کے دور کی نہ تو مشرقی اقوام اس لائق ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے اور نہ مغربی قومیں ہی اس کے قابل ہیں۔

۷- وہ نگینہ جو تو نے شیطانوں کے پاس ہار دیا ہے، وہ تو جبرئیل امین کے پاس بھی گروی نہیں رکھا جا سکتا۔ نگینہ یعنی دل۔ گویا تو نے اپنے دل میں خدا کی بجائے شیطان کو بسا لیا۔ خدا کے اس گھر (دل) میں تو جبرئیل کو بھی نہیں بسانا چاہیے جبکہ اس گھر کو لٹوانے کے لیے تو نے خود لٹیروں کو اس میں داخل کر لیا ہے۔

۸- زندگی انجمن آراستہ کرنے والی اور آپ اپنی محافظ ہے۔ اے کہ تو قافلے میں ہے، تو سب کے بغیر رہ اور سب کے ساتھ چل۔ زندگی انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ مطلب یہ کہ تو ملت سے بھی وابستہ رہ اور اپنی انفرادیت کو بھی برقرار رکھ۔ گویا تیرا ہاتھ تو کام کرے اور تیرا دل محبوب کی یاد کی جانب رہے۔ بقولِ علامہ!

ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

۹۔ تو روشن سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔ تو اس ڈھب کی زندگی بسر کر کہ تو ہر ذرے کو اپنی روشنی یا دھوپ پہنچاتا رہے یعنی تیری ذات سے ہر کسی کو فیض و فائدہ پہنچے۔

۱۰۔ (بڑے بڑے بادشاہ جیسے) یونان کا سکندر اور ایران کے دارا اور قباد (کیقباد) اور خسرو اس دنیا سے اس طرح چلے گئے جس طرح خشک گھاس کا تنکا ہوا کی راہ میں پڑا ہو (ہوا اسے اڑا کر لے جاتی ہے) یعنی سوائے مردِ حق کے، جسے ثبات و بقا حاصل ہے، سبھی فانی و آنی ہیں۔

۱۱۔ تیری تنگ جامی (کم ظرفی) سے میکدہ رسوا ہو گیا۔ تو پیالہ اٹھا اور ہوش مندوں کی طرح پی جا اور جا۔ گویا یہ دنیا ایک طرح سے میخانہ ہے جس میں پیرِ مغاں (خدا) نے رحمتوں اور رفعتوں بلندیوں کی شراب کی صراحیاں بھر رکھی ہیں لیکن تو شیطانی شراب پینے میں لگا ہوا ہے۔ تجھ میں رحمتوں وغیرہ کی شراب پینے کی خواہش ہی نہیں ہے۔ گویا تو وہ شراب پی جو تجھے اپنی معرفت و حقیقت سے آگاہ کرے، تیری تخلیق کا مقصد بتائے، جو خدا سے اپنی نسبت کا راز تیرے دل میں ڈالے۔ زندگی کے میخانے میں اس طرح کی زندگی گذار کر رخصت ہو جا (شراب اور میخانہ محض استعارے ہیں) گویا چونکہ تیری زندگی رضائے خالق کے مطابق ہوگی اس لیے خالق تجھے عام انسانوں کی طرح فنا نہیں کرے گا، بلکہ تو ثبات و بقا حاصل کر لے گا۔

خطاب بہ جاوید (جاوید سے خطاب)

(سخنے بہ نژادِ نو) (نئی نسل سے چند باتیں)

پہلا بند

۱۔ ایں سخن آراستن بے حاصل است — بر نیاید آنچہ در قعرِ دل است

۲۔ گرچہ من صد نکتہ گفتم بے حجاب — نکتہ ے دارم کہ ناید در کتاب

۳۔ گر بگویم می شود پیچیدہ تر — حرف و صوت اورا کند پوشیدہ تر

۴۔ سوزِ او را ازنگاہِ من بگیر — یا ز آہِ صبح گاہِ من بگیر

۱۔ یہ جو میں گفتگو کی محفل آراستہ کر رہا ہوں، تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اس لیے کہ جو

کچھ دل کی گہرائی میں ہے اس کا اس گفتگو سے باہر آنا ممکن نہیں۔ دل کی بات زبان ادا کرنے سے قاصر ہے۔

۲۔ اگرچہ میں نے سینکڑوں نکتے واضح طور پر بیان کیے ہیں لیکن میرے ذہن میں ایک اور نکتہ ہے جو تحریر میں نہیں آ سکتا، بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ اگر میں وہ بیان کرتا ہوں تو اس میں اور بھی الجھاؤ پیدا ہو جائے گا، اس لیے کہ میرے الفاظ اور آواز اسے پہلے سے بھی زیادہ پوشیدہ یا غیر واضح کر دیں گے۔

۴۔ لہٰذا تو اس کا سوز میری نگاہ سے حاصل کر یا پھر میری صبح کے وقت کی آہ سے حاصل کر۔ گویا اس نکتے نے میری نگاہ میں جو سوز اور میری آہ میں جو درد پیدا کیا ہے، اگر تو اسے میرے دل کی گہری بات کا نشان سمجھے تو شاید تو اصل بات کی طرف رجوع کر سکے۔ البتہ اس کے لیے خود تیرا صاحبِ سوز ہونا ضروری ہے۔ اردو میں جاوید سے یوں کہا ہے:

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ

دوسرا بند

۱۔ مادرت درسِ نخستیں با تو داد — غنچۂ تو از نسیمِ او کشاد
۲۔ از نسیم او ترا ایں رنگ و بوست — اے متاعِ ما بہاے تو ازوست
۳۔ دولتِ جاوید ازو اندوختی — ازلب او لاالٰہ آموختی
۴۔ اے پسر! ذوقِ نگہ از من بگیر — سوختن در لاالٰہ ازمن بگیر
۵۔ لا الٰہ گوئی؟ بگو از روے جاں — تازِ اندامِ تو آید بوے جاں
۶۔ مہر ومہ گردد زسوزِ لا الٰہ — دیدہ ام ایں سوز را در کوہ کہ
۷۔ ایں دو حرفِ لاالٰہ گفتار نیست — لا الٰہ جز تیغِ بے زنہار نیست
۸۔ زیستن باسوزِ او قہاری است — لاالٰہ ضرب است وضربِ کاری است

۱۔ پہلا سبق تجھے تیری والدہ نے دیا اور یوں اس کی بادِ نسیم سے تیری کلی کھل گئی۔ تیری ولادت کے فوراً بعد تیرے کانوں میں اذان دی۔ تیری پہلی تربیت گاہ تیری والدہ کی گود تھی۔ اس نے ہی تیرے کانوں میں کلمہ طیبہ کی مٹھاس ڈالی۔

۲۔ اس کی نسیم ہی سے تجھ میں یہ رنگ و بو ہے۔ اے ہماری متاع! تیری قیمت اسی سے

ہے۔ اسی کی پرورش و تربیت کے باعث تو خوبیوں کا مالک بنا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب جاوید ابھی لڑکا تھا۔

۳- (دین و ایمان کی) ہمیشہ رہنے والی دولت اسی سے حاصل کی ہے اور اسی کے ہونٹوں سے تو نے لا الہٰ سن کر سیکھا ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھا کر تجھے مسلمان بنایا ہے۔

۴- اے بیٹے! (تیری والدہ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے)، اب تو مجھ سے ذوقِ نگاہ حاصل کر اور لا الہٰ میں جلنا (خود میں اس کا سوز پیدا کرنا) مجھ سے سیکھ۔ گویا قال سے کس طرح حال کی طرف آنا ہے، یہ تو مجھ سے سیکھ۔

۵- کیا تو ''لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہتا ہے؟ اگر تو کہتا ہے تو روح میں ڈوب کر کہہ تاکہ تیرے جسم سے جان کی خوشبو آئے۔ گویا تو زبان سے بھی کلمہ طیبہ پڑھ لیکن عملی طور پر اپنی زندگی اس کے مطابق بسر کر۔

۶- لا الہٰ کے سوز سے سورج اور چاند گردش کرتے ہیں۔ میں نے یہ سوز پہاڑ اور تنکے میں یعنی کائنات کی ہر چھوٹی بڑی شے میں دیکھا ہے۔ خدا نے کائنات تخلیق کر کے اپنی وحدت کو کثرت کی صورت دے دی۔ چنانچہ اشیائے کائنات کا وجود اسی وجودِ مطلق کے باعث ہے اور وہی اس لحاظ سے معبودِ مطلق ہے۔

۷- لا الہٰ کے یہ دو الفاظ محض گفتار/ قال نہیں ہے، بلکہ یہ لا الہٰ ایک بے زنہار تلوار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۸- اس (لا الہٰ) کے سوز کے ساتھ یا اس کے سوز میں جینا قہاری ہے۔ لا الہٰ ایک ضرب ہے اور کاری ضرب ہے۔ لا الہٰ محض زبان سے کہنا مسلمان کی شان نہیں ہے۔ وہ عملاً اس پر اپنے ایمانِ کامل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اللہ کی توحید پہلے خود پر نافذ کرتا ہے پھر دوسروں میں یہی جذبہ پیدا کرتا اور اسی کی بدولت وہ باطل قوتوں سے ٹکرا کر انہیں فنا کر دیتا ہے۔

تیسرا بند

۱- مومن و پیشِ کساں بستن نطاق — مومن و غداری و فقر و نفاق
۲- با پشیزے دین و ملت را فروخت — ہم متاعِ خانہ و ہم خانہ سوخت
۳- لا الہٰ اندر نمازش بود و نیست — نازہا اندر نیازش بود و نیست
۴- نور در صوم و صلوٰۃ او نماند — جلوہ ے در کائناتِ او نماند

۵- آں کہ بود اللہ او را ساز و برگ — فتنہ او حب مال و ترسِ مرگ
۶- رفت ازو آں مستی و ذوق و سرور — دینِ او اندر کتاب و او بگور
۷- صحبتش با عصرِ حاضر در گرفت — حرفِ دیں را از دو پیغمبر گرفت
۸- آں ز ایراں بود و ایں ہندی نژاد — آں ز حج بیگانہ و ایں از جہاد
۹- تا جہاد و حج نماند از واجبات — رفت جاں از پیکرِ صوم و صلوٰت
۱۰- روح چوں رفت از صلوٰۃ و از صیام — فرد ناہموار و ملت بے نظام
۱۱- سینہ ہا از گرمیِ قرآں تہی — از چنیں مرداں چہ امیدِ بہی
۱۲- از خودی مردِ مسلماں در گذشت — اے خضر! دستے کہ آب از سر گذشت

۱- مومن ہوتے ہوئے غلامی کا کپڑا کمر پر باندھنا، اور مومن ہوتے ہوئے غداری اور غریبی اور نفاق کی زندگی بسر کرنا حقیقی مومن کی شان نہیں ہے، وہ ان متضاد کیفیات سے دور رہتا ہے۔ یہ شعر آج کے مسلمانوں کے طرزِ عمل کا عکاس ہے۔

۲- آج کے مسلمان نے دین و ملت کو ایک کوڑی کے بدلے بیچ دیا۔ اس نے گھر کا سامان/ اثاثہ اور گھر بھی جلا دیا۔ یہ نتیجہ ہے اس کے مذکورہ طرزِ عمل کا۔

۳- کبھی وہ وقت تھا جب اس کی نماز میں توحید کا رنگ تھا، جواب نہیں رہا۔ اس کے نیاز میں کبھی ناز تھا جو اب نہیں رہا۔ یعنی پہلے مسلمان اللہ کے حضور جس عجز سے سربجود ہوتے تھے، وہ مومنانہ شان کا حامل تھا، اس سے آج کے مسلمان عاری ہیں۔

۴- اس کے روزوں اور نمازوں میں نور نہیں رہا۔ اس کی کائنات میں حق کا جلوہ نہیں رہا۔ اس کے یہ سارے عمل دکھاوے کے رہ گئے ہیں جو تجلی حق سے محروم ہیں۔ بقول شمیم:

پہلے دل کو برائی سے کر پاک تو پھر خلوصِ عقیدت سے کر جستجو
ایسے سجدوں سے اللہ ملتا نہیں ہر جگہ سر جھکانے سے کیا فائدہ

۵- وہ مسلمان جس کی زندگی کا ساز و سامان خدا تھا، اس کا فتنہ مال کی محبت اور موت کا خوف ہے۔ کبھی ایک مسلمان اپنے جان و مال کو خدا کی امانت/ ملکیت سمجھتے ہوئے ان کی قربانی میں دریغ نہیں کرتا تھا لیکن اب اس میں وہ بات نہیں رہی۔

۶- اس میں ذوق و سرور کی وہ مستی نہیں رہی۔ اس کا دین بس کتاب/قرآن میں اور خود وہ قبر میں ہے یعنی قرآن کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کے باعث وہ محض ایک چلتی لاش رہ گیا ہے۔

۷- اس نے جدید دور کی صحبت اختیار کر رکھی ہے۔ دین کے الفاظ اس نے دو (نام نہاد) پیغمبروں سے لے لیے ہیں یعنی حضور اکرمؐ کو چھوڑ کر ان جھوٹے دعویداروں کے پیچھے

لگ گیا ہے۔

۸- ان نام نہاد پیغمبروں میں سے ایک کا تعلق ایران سے تھا اور دوسرا ہندی نسل سے تھا۔ وہ (ایرانی) حج سے بیگانہ تھا اور یہ جہاد سے بیگانہ تھا (فرہنگ دیکھیے)

۹- جب حج اور جہاد مسلمانوں کے لیے واجب نہ رہے تو اس کے نتیجے میں روزوں اور نمازوں کے جسم سے جان بھی نکل گئی۔ نماز اور روزے محض دکھاوے کے رہ گئے اور ان کی تاثیر بھی نہ رہی۔

۱۰- جب نماز اور روزے سے روح ہی نکل گئی تو اس کے باعث فرد بے لگام ہو گیا اور ملت میں کوئی تنظیم نہ رہی۔ وہ افتراق و انتشار کا شکار ہو گئی۔

۱۱- آج کے مسلمانوں کے سینے قرآن کی حرارت سے خالی ہیں۔ اس صورت میں بھلا ایسے لوگوں سے بہتری کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۱۲- آج کا مردِ مسلمان خودی کو بھول گیا۔ اے خضر ہاتھ پکڑ ائیے یعنی مدد کیجیے کہ پانی سر سے گذر گیا ہے۔ حالات کچھ اس قدر نا گفتہ بہ ہو چکے ہیں کہ ان کا درست کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں رہی، اس کے لیے کوئی مردِ حق آنا چاہیے جو مسلمانوں کو راہِ راست پر لے آئے۔

چوتھا بند

۱- سجدہ ے کز وے زمیں لرزیدہ است | بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است
۲- سنگ اگر گیرد نشانِ آں سجود | در ہوا آشفتہ گردد ہم چو دود
۳- ایں زماں جز سر بزیری ہیچ نیست | اندرو جز ضعف پیری ہیچ نیست
۴- آں شکوہ ربی الاعلیٰ کجاست | ایں گناہِ اوست یا تقصیرِ ماست
۵- ہر کسے بر جادۂ خود تندرو | ناقۂ ما بے زمام و ہرزہ دو
۶- صاحبِ قرآن و بے ذوقِ طلب | العجب ثم العجب ثم العجب

۱-۲: ایسا سجدہ جس سے کبھی زمین کانپا کرتی تھی، جس کی مراد پر سورج اور چاند گردش کیا کرتے تھے، اگر پتھر اس سجدے کا نشان خود پر جما لیتا تھا تو وہ دھوئیں کی طرح فضا میں تحلیل ہو جایا کرتا تھا۔ بڑے جذبوں کے ساتھ کیے جانے والے سجدوں میں زبردست تاثیر ہوتی تھی۔

۳- (لیکن آج کیا ہے؟) آج اس دور میں کیے جانے والا سجدہ محض سر جھکانا ہے اور کچھ نہیں۔ ایسے سجدے میں بڑھاپے کی کمزوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نمازی جذبوں

کے ساتھ عبادت کرنے کی بجائے اسے ایک مجبوری اور مصیبت سمجھتے ہیں۔

۴- وہ ''ربی الاعلیٰ'' کا دبدبہ اب کہاں ہے۔ یہ اس کا گناہ ہے یا ہماری تقصیر ہے۔ گویا آج کا نمازی سجدوں میں یہ الفاظ ضرور کہتا ہے لیکن اس کی توجہ اس اعلیٰ رب کی بجائے غیر رب کی طرف ہوتی ہے۔

۵- ہر کوئی اپنے اپنے راستے پر تیزی سے دوڑا جا رہا ہے۔ چنانچہ ہماری اونٹنی بے لگام ہو کر بلا مقصد دوڑی جا رہی ہے۔ آج مسلمان توحید سے عملاً دور ہونے کے باعث اپنے اپنے نظریات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ گویا یہ ایسے راستے ہیں جن کی کوئی منزل نہیں ہے اور وہ بے مقصد دوڑے جا رہے ہیں۔

۶- یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان صاحب قرآن ہوتے ہوئے بھی طلب کے ذوق سے خالی ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے، یہ پھر بڑی عجیب بات ہے۔

پانچواں بند

۱- گر خدا سازد ترا صاحب نظر — روزگارے را کہ می آید نگر
۲- عقلہا بے باک و دلہا بے گداز — چشمہا بے شرم و غرق اندر مجاز
۳- علم و فن، دین و سیاست، عقل و دل — زوج زوج اندر طوافِ آب و گل
۴- آسیا آں مرز و بوم آفتاب — غیر بیں، از خویشتن اندر حجاب
۵- قلبِ او بے وارداتِ نو بنو — حاصلش را کس نگیرد با دو جو
۶- روزگارش اندریں دیرینہ دیر — ساکن و یخ بستہ و بے ذوقِ سیر
۷- صیدِ ملایان و نخچیرِ ملوک — آہوے اندیشہ او لنگ و لوک
۸- عقل و دین و دانش و ناموس و ننگ — بستۂ فتراکِ لردانِ فرنگ
۹- تاختم برعالمِ افکارِ او — بر دریدم پردۂ اسرارِ او
۱۰- درمیانِ سینہ دل خوں کردہ ام — تا جہانش را دگرگوں کردہ ام

۱- اگر خدا تجھے صاحب نظر بنا دے تو آنے والے زمانے کو دیکھنا یعنی تجھے بصیرت حال ہو تو تجھے پتا چل جائے گا کہ آنے والا دور کس قسم کا یا بہت گھٹیا ہوگا۔ (اس کی تفصیل اگلے شعروں میں ہے)

۲- اس دور میں لوگوں کی عقلیں بے خوف/نڈر ہوں گی جب کہ ان کے دل گداز سے خالی

ہوں گے۔ گویا ان کی آنکھوں میں شرم نہ ہوگی اور وہ حرص و ہوس وغیرہ میں ڈوبی ہوں گی۔

۳- کیا علم وفن، کیا دین وسیاست اور کیا عقل ودل، سبھی مادیات کے طواف میں گروہ در گروہ لگے ہوئے ہیں یا لگے ہوں گے۔ وہ روحانی جذبوں سے دور اور صرف تن پرور ہوں گے۔

۴- ایشیا جو سورج کی مرز و بوم ہے' وہ سراسر غیر کی طرف متوجہ ہے اور خود سے پردے میں ہے یعنی یہاں کے لوگ اپنے بجائے غیروں کی طرف متوجہ ہیں۔ مشرق کبھی علوم و فنون کا سرچشمہ تھا لیکن آج وہ اپنے علوم وفنون سے ناواقف اور جہالت کے اندھیرے میں غرق ہے۔ وہ صرف یورپی علوم وفنون کا شیدائی بنا ہوا ہے۔

۵- اس (مشرق) کا دل نئی نئی واردات سے خالی ہے۔ اس کی فکر کو کوئی دو جو (انتہائی معمولی قیمت) کے عوض بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

۶- اس پرانی دنیا میں اس کی زندگی ساکن اور یخ بستہ ہے اور ذوقِ سیر کے بغیر ہے۔ اس میں حرکت وعمل کا کوئی جذبہ ہی نہیں ہے، گویا ایک جگہ منجمد ہو کے رہ گئی ہے۔

۷- وہ نام نہاد ملاؤں کا اور بادشاہوں یعنی جاگیرداروں، نوابوں اور وڈیروں کا شکار ہو چکا ہے۔ وہ گویا ایک ہرن ہے جس کی فکر لنگڑی لولی ہو کے رہ گئی ہے۔ وہ وہی کچھ کرتا ہے جو کچھ مذکورہ لوگ اسے کہتے ہیں۔ اس کی اپنی سوچ اور فکر نہیں رہی۔

۸- اس کی عقل اور اس کا دین، اس کی دانش اور اس کا ناموس وننگ، سب فرنگیوں کے فتراک میں شکار کی طرح بندھے ہوئے ہیں۔ گویا ہر معاملے میں وہ یورپ کی تقلید میں لگا ہوا ہے یا اس کا یہ سب کچھ انگریزوں کے ماتحت ہے۔

۹- میں نے اس (مشرق) کے افکار پر چڑھائی کی اور اس کے رازوں کا پردہ پھاڑ کے رکھ دیا۔ گویا میں نے اپنی شاعری میں اہل مشرق کی فکری و سیاسی وغیرہ ہر طرح کی کمزوری کا راز واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

۱۰- اہل مشرق کے اس قسم کے حالات کے جائزے سے میں نے اپنے سینے میں دل کو خون کر لیا ہے، تب جا کر میں نے اس کی دنیا بدل ڈالی ہے۔ میں نے اپنی شاعری میں اس سے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ پورے دردِ دل کے ساتھ کہا ہے جس کے نتیجے میں اب یہاں کے حالات بدل رہے ہیں۔

چھٹا بند

۱- من بطبعِ عصرِ خود گفتم دو حرف — کردہ ام بحرین را اندر دو ظرف

۲- حرفِ پیچا پیچ و حرفِ نیش دار — تا کنم عقل و دلِ مرداں شکار

۳- حرفِ تہ دارے باندازِ فرنگ نالۂ مستانہ ے از تارِ چنگ
۴- اصلِ ایں از ذکر و اصل آں زفکر اے تو بادا وارثِ ایں فکر و ذکر
۵- آبجویم از دو بحر اصل من است فصلِ من فصل است وہم وصل من است
۶- تامزاجِ عصرِ من دیگر فتاد طبعِ من ہنگامۂ دیگر نہاد

۱- میں نے اپنے دور کی طبیعت کی دو باتیں کی ہیں۔ یوں سمجھ لے کہ میں نے دو سمندروں کو ایک برتن میں ڈال لیا ہے۔

۲- یہ باتیں پیچ در پیچ، گنجلک اور نیش دار ہیں تا کہ میں مردوں کی عقل اور ان کے دلوں کو شکار کروں یعنی میرے کلام میں دو طرح کی باتیں ہیں۔ ایک عقل و دماغ کے حوالے سے ہیں اور دوسری باتیں دل یعنی جذبہ عشق کے بارے میں ہیں۔

۳- میں نے فرنگیوں کی مانند تہ دار باتیں کی ہیں (فلسفہ وحکمت کی باتیں کی ہیں) اور اپنے رباب کے تاروں سے مستانہ نالے بھی پیدا کیے ہیں۔ فلسفہ وحکمت کی باتیں تو دماغ سے سمجھی جائیں گی جبکہ میں نے عاشقانہ اور مومنانہ انداز بھی اختیار کیا ہے۔ اس طرح میری شاعری میں عقل اور عشق کے دونوں انداز آ گئے ہیں۔

۴- اس (عشق) کی اصل ذکر ہے اور اس (عقل) کی اصل فکر ہے۔ اللہ کرے کہ تو ان دونوں فکر و ذکر کی میراثوں کا وارث بن جائے۔ تو عقل وحکمت اور جذبہ عشق کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔

۵- میں ایک ندی ہوں۔ میری اصل ان دو سمندروں (عقل وعشق) سے ہے۔ میری جدائی، میری جدائی بھی ہے اور میرا وصل بھی ہے یعنی میں نے عقل اور عشق کو الگ الگ خصوصیات کے ساتھ بھی بیان کیا ہے اور ان کے باہمی تعلق پر بھی روشن ڈال ہے۔

۶- چونکہ میرے دور کا مزاج کچھ اور ڈھنگ کا ہے، اس لیے میری طبع نے بھی ایک اور طرح کا ہنگامہ برپا کیا ہے یعنی پہلے دور کے شعرا کی شاعری اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق تھی اور میری شاعری آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

ساتواں بند

۱- نوجواناں تشنہ لب، خالی ایاغ شستہ رو، تاریک جاں، روشن دماغ
۲- کم نگاہ و بے یقین و ناامید چشمِ شاں اندر جہاں چیزے ندید

۳۔ ناکساں منکر زخود مومن بغیر — خشت بند از خاکِ شاں معمارِ دیر
۴۔ مکتب از مقصودِ خویش آگاہ نیست — تا بجذبِ اندرونش راہ نیست
۵۔ نورِ فطرت را زجانہا پاک شست — یک گل رعنا ز شاخِ او نرست
۶۔ خشت را معمارِ ما کج می نہد — خوے بط با بچہ شاہیں دہد
۷۔ علم تاسوزے نگیرد از حیات — دل نگیرد لذتے از واردات
۸۔ علم جز شرحِ مقاماتِ تو نیست — علم جز تفسیرِ آیاتِ تو نیست
۹۔ سوختن می باید اندر نارِ حس — تابدانی نقرۂ خود را زمس
۱۰۔ علم حق اول حواس آخر حضور — آخرِ او می نگنجد در شعور

۱۔ آج کے نوجوان تشنہ لب اور خالی پیالوں والے ہیں۔ گویا وہ ذکر وفکر کی شراب اور اس کی لذت سے ناآشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے چہرے تو دھلے دھلائے یعنی چمک دار ہیں لیکن ان کی جانیں تاریک اوران کے دماغ روشن ہیں۔ گویا وہ جسم اور دماغ کی آرائش وجلا کے تو قائل ہیں لیکن روحانی جذبوں سے خالی ہیں۔

۲۔ یہ (نوجوان) کم نگاہ، یقین کی دولت سے محروم اور ناامیدی کا شکار ہیں۔ ان کی آنکھوں نے جہان کے اندر کوئی چیز نہیں دیکھی۔ چونکہ ان میں وہ نگاہ وبصیرت نہیں ہے جس سے وہ کائنات کی حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں اسی لیے وہ یقین سے عاری اور زندگی کے مقاصد سے بے خبر ہونے کے باعث مایوسیوں کا شکار رہتے ہیں۔

۳۔ یہ نوجوان ناکس ہیں، کسی شمار میں نہیں آتے۔ اپنی ہستی کے تو منکر ہیں لیکن دوسروں کی ہستی پر ایمان لانے والے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ بت کدے کا معمار ان کی مٹی سے اینٹیں بناتا ہے۔ گویا وہ اپنی روایات واقدار کو تو اہمیت نہیں دیتے جبکہ دوسروں (بالخصوص انگریزوں) کی روایات اپنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ دوسری قومیں ان کی اس بے یقینی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

۴۔ مدرسہ اپنے مقصد سے آگاہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے اس (نوجوان) کے اندر کے جذبے تک راہ نہیں ہے۔ آج کا طرز تعلیم ایسا ہے جو ذہن اور بدن کی عمارتیں تو تعمیر کرتا ہے لیکن روحانی جذبوں سے دور رکھتا ہے۔

۵۔ اس طرز تعلیم اور آج کے استاد نے ان نوجوانوں کی جانوں سے نور فطرت بالکل دھوڈالا ہے جس کی وجہ سے اس مدرسہ کی شاخ سے ایک بھی شاداب پھول نہیں کھلا یعنی ان مدرسوں

سے علم وفن اور سائنس کے ماہر تو پیدا ہوتے ہیں لیکن ایک بھی مردِ حق پیدا نہیں ہوتا۔

۶۔ ہمارا معمار (استاد) اینٹ ہی ٹیڑھی رکھی ہے۔ بقول سعدیؒ جب معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھے گا تو آسمان تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

وہ (استاد) شاہین بچوں کو بطخ کی عادت ڈال رہا ہے یعنی وہ انہیں اعلیٰ اور بلند مقاصد سے آگاہ کرنے اور ان کے حصول کے لیے جہد وعمل سے کام لینے کی تربیت دینے کی بجائے انہیں سفلی اور بیکار قسم کے مقاصد سے آشنا کرتا ہے۔

۷۔ علم جب تک زندگی سے سوز حاصل نہیں کرتا اس وقت تک دل واردات کی لذت سے محروم رہتا ہے۔ گویا عشق کے جذبوں کے بغیر علم ایک طرح سے دل کی موت ہے۔

۸۔ علم تیرے مقامات کی شرح کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور علم تیری آیات کی تفسیر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جدید طرز تعلیم آدمی کو اس کے صحیح مقام سے آشنا اور مقصد حیات سے دور کر دیتا ہے۔ صحیح علم آدمی کو اس کی معرفت اور اس کے صحیح مقامات اور ان کی نشانیوں سے آگاہ کرتا ہے۔

۹۔ جس کی آگ میں جلنا چاہیے تاکہ تجھے اپنی چاندی کی تانبے سے پہچان ہو سکے۔ پہلے ظاہری حواس خمسہ سے متعلق علوم حاصل کرنے چاہئیں اور پھر وہ جن کا تعلق باطنی حواس خمسہ سے ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو سکے۔

۱۰۔ علم حق پہلے حواس سے حاصل کیا جاتا ہے اور آخر میں مشاہدات سے۔ یہ مشاہدات والا علم جس سے حضوری ملتی ہے عقل کی گرفت میں نہیں آ سکتا۔ یہ علم صرف ایک مردِ حق / درویش ہی جانتا ہے۔ صرف وہی اس کا استاد ہے۔

آٹھواں بند

۱۔ صد کتاب آموزی از اہلِ ہنر — خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر
۲۔ ہر کسے زاں مے کہ ریزد از نظر — مست می گردد باندازِ دگر
۳۔ از دمِ بادِ سحر میرد چراغ — لالہ زاں بادِ سحر مے در ایاغ
۴۔ کم خور و کم خواب و کم گفتار باش — گردِ خود گردندہ چوں پرکار باش
۵۔ منکرِ حق نزدِ ملا کافر است — منکرِ خود نزدِ من کافر تر است

۶- آں بانکارِ وجود آمد عجول ایں عجول و ہم ظلوم و ہم جہول
۷- شیوۂ اخلاص را محکم بگیر پاک شو از خوفِ سلطان و امیر
۸- عدل در قہر و رضا از کف مدہ قصد در فقر و غنا از کف مدہ
۹- حکم دشوار است؟ تاویلے مجو جز بقلبِ خویش قندیلے مجو
۱۰- حفظِ جانہا ذکر و فکر بے حساب حفظ تن ہا ضبط نفس اندر شباب
۱۱- حاکمی در عالم بالا و پست جز بحفظِ جان و تن ناید بدست
۱۲- لذتِ سیراست مقصودِ سفر گرنگہ بر آشیاں داری مپر
۱۳- ماہ گردد تاشود صاحب مقام سیرِ آدم را مقام آمد حرام
۱۴- زندگی جزلذتِ پرواز نیست آشیاں با فطرتِ او سازنیست
۱۵- رزقِ زاغ و کرگس اندر خاکِ گور رزقِ بازاں در سوادِ ماہ و ہور

۱- اگر تو اہل ہنر سے سو کتابیں بھی پڑھ لے تو بھی اس سے وہ درس کہیں بہتر ہے جو تو کسی مردِ کامل کی نظر سے حاصل کرے۔ بقول شاعر اولیا کی صحبت کا ایک لمحہ

ع بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
(سُو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے)

۲- نظر سے گرنے/ٹپکنے والی اس شراب سے ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں مست ہوتا ہے۔ ہر کوئی اپنے ظرف اور اہلیت کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔

۳- صبح کی ہوا کی پھونک سے (جھونکے سے) چراغ بجھ جاتا ہے لیکن اسی بادِ سحر سے لالہ کے پیالے میں شراب آ جاتی ہے۔ دوسرے شعر کی وضاحت اس استعارے میں کی ہے۔ لالہ کے اندر جو سرخ داغ ہوتا ہے اسے شراب سے تشبیہ دی ہے۔

۴- تو (جاوید، آج کے نوجوان) کم کھانے والا اور کم سونے اور کم باتیں کرنے والا بن اور اپنے گرد پرکار کی طرح گھومنے والا بن۔ گویا تو صرف کھانے پینے اور سونے وغیرہ ہی کو زندگی نہ سمجھ بلکہ اپنی معرفت حاصل کر اور غیروں کا دست نگر بننے سے بچ۔ اپنی معرفت کے حصول کے بعد تو ایک بلند مقام اور بقا حاصل کر سکے گا۔

۵- حق/خدا کا منکر ملا کے نزدیک کافر ہے لیکن میرے نزدیک اپنا منکر ایک بڑا کافر ہے۔ خدا تو پردے میں ہے، جبکہ تو ظاہر ہے۔ ظاہر کا انکار اور پوشیدہ کی تلاش دانشمندی سے دور ہے۔ جب تو اپنی تلاش یعنی اپنی معرفت حاصل کر لے گا تو خدا بھی تجھے مل جائے گا۔ ملا جسے اپنے باہر تلاش کرتا ہے وہ تو اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔

۶- وہ (منکرِ حق) تو وجودِ مطلق/ خدا کے وجود سے انکار کے باعث جلد باز ہے اور یہ (اپنا منکر) عجول کے علاوہ ظلوم اور جہول بھی ہے۔ اول الذکر نے تو بلا سوچے سمجھے اور تحقیق کے بغیر انکار کیا جبکہ ثانی الذکر نے اپنا انکار کر کے خود پر ظلم کیا اور اپنی پوشیدہ قوتوں اور صلاحیتوں سے بے خبر ہونے کے باعث اپنی ذات سے جاہل رہا۔

۷- تو اخلاص کا شیوہ سختی سے اختیار کر اور اس طرح سلطان و امیر کے خوف سے آزاد ہو جا۔ گویا جب تو اس ذاتِ حق کی طرف خلوص سے متوجہ ہو جائے گا تو غیر اللہ یا باطل قوتوں سے بے خوف ہو جائے گا۔

۸- تو خواہ غصے میں ہو یا خوشنودی کی حالت میں ہو، دونوں صورتوں میں، عدل و انصاف کو ہاتھ سے مت دے اور فقر و غنا (غریبی اور امیری) میں میانہ روی اور اعتدال کو نہ چھوڑ۔

۹- اگر خدا کا کوئی حکم دشوار ہے تو اس کی تاویل کے چکر میں نہ پڑ۔ کسی مشکل حل کرنے والے سے اس مشکل کا حل معلوم کر اپنے معنی پیدا نہ کر۔ اپنے دل کے سوا کہیں اور سے چراغ تلاش نہ کر۔ گویا تو اپنے دل کو معرفتِ ایزدی کے نور سے منور کر پھر تجھ پر خدائی احکام کی صحیح وضاحت ہو جائے گی۔

۱۰- جانوں کی حفاظت اس ذاتِ حق کے کثرت سے ذکر کرنے میں ہے جبکہ جسموں کی حفاظت جوانی میں اپنے نفس پر قابو پانے سے ہے۔

۱۱- دنیا اور آخرت کے جہانوں میں سربلندی و سرداری جان اور جسم دونوں کی حفاظت کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔

۱۲- سفر کا مقصد سیر سے لذت حاصل کرنا ہے۔ اگر تیری نگاہ آشیانے پر لگی ہوئی ہے تو پھر تو مت اڑ۔ ترقی و سرفرازی اور بقا کے لیے مسلسل حرکت میں رہنے اور جہد و عمل کی ضرورت ہے۔ دنیاوی اور مادی علائق سے وابستہ رہ کر ایسا حصول ممکن نہیں، روحانی جذبوں سے خود کو سرشار کر۔

۱۳- چاند اس لیے گردش میں رہتا ہے تاکہ وہ صاحب مقام بن جائے۔ گویا وہ چودھویں کی رات تک مکمل ہو جائے۔ پھر وہ زوال کی طرف آ جاتا ہے جبکہ آدمی کی سیر کے لیے مقام/ پڑاؤ حرام ہے۔ اس کے لیے مسلسل حرکت میں رہنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس کے ارتقا کی کوئی حد نہیں ہے۔

۱۴- زندگی پرواز کی لذت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آشیانہ اس کی فطرت کے لیے سازگار

نہیں ہے۔ وہی بات کہ حقیقی زندگی مسلسل حرکت وعمل ہی سے ہاتھ آتی ہے۔

۱۵- کوے اور گدھ کا رزق قبر کی مٹی میں ہے جبکہ بازوں کا رزق چاند اور سورج کے نواح میں ہے۔ گدھ وغیرہ مردوں کا گوشت کھاتے ہیں جبکہ باز بلند فضاؤں میں اڑتا اور زندہ پرندوں کا شکار کرتا ہے۔ اس استعارے سے مراد یہی ہے کہ بلند پروازی یا جدوجہد ہی سے زندگی کو صحیح مقام حاصل ہوتا ہے۔

نواں بند

۱- سرِ دیں صدقِ مقال اکلِ حلال ‏ ‏ خلوت و جلوت تماشائے جمال

۲- در رہِ دیں سخت چوں الماس زی ‏ ‏ دل بحق بربند و بے وسواس زی

۳- سرے از اسرارِ دیں بر گویمت ‏ ‏ داستانے از مظفر گویمت

۴- اندر اخلاصِ عمل فردِ فرید ‏ ‏ پادشاہے با مقام بایزید

۵- پیش او اسپے چو فرزنداں عزیز ‏ ‏ سخت کش چوں صاحبِ خود درستیز

۶- سبزہ رنگے از نجیبانِ عرب ‏ ‏ باوفا، بے عیب، پاک اندر نسب

۷- مردِ مومن را عزیز اے نکتہ رس ‏ ‏ چیست جز قرآن و شمشیر و فرس؟

۸- من چہ گویم وصفِ آں خیر الجیاد ‏ ‏ کوہ و رُوے آبہا رفتہ چوباد

۹- روز ہیجا از نظر آمادہ تر ‏ ‏ تند بادے طایف کوہ و کمر

۱۰- در تگِ او فتنہ ہالے رستخیز ‏ ‏ سنگ از ضرب سم او ریز ریز

۱۱- روزے آں حیواں چو انساں ارجمند ‏ ‏ گشت از دردِ شکم زار و نژند

۱۲- کرد بیطارے علاجش از شراب ‏ ‏ اسب شہ را وارہاند از پیچ و تاب

۱۳- شاہِ حق بیں دیگر آں یک راں نخواست ‏ ‏ شرعِ تقویٰ از طریقِ ماجد است

۱۴- اے ترا بخشد خدا قلب و جگر ‏ ‏ طاعتِ مردِ مسلمانے نگر

۱- دین کا راز راست گوئی اور رزق حلال میں ہے اور خلوت ہو یا جلوت دونوں صورتوں میں اس ذات حق کے جمال کا تماشا کرنے میں ہے۔ گویا جب خدا کا جلوہ ہر جگہ یا کائنات کی ہر شے میں نظر آئے گا تو دروغ گوئی وکج فکری اور بدعملی اختیار کرنا ممکن نہیں ہوسکتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی دیکھ رہا ہو تو چور چوری نہیں کرسکتا۔

۲- دین کے راستے میں تو الماس کی طرح سخت زندگی بسر کر۔ دل حق سے لگا اور کسی خوف

کے بغیر زندگی بسر کر یعنی دین کی راہ پر اس ثابت قدمی سے چل کہ کوئی چیز کوئی مادی فائدہ وغیرہ تیری راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

۳- میں دین کے رازوں میں سے ایک راز تجھے بتاتا ہوں، اس سلسلے میں سلطان مظفرؔ کی داستان سناتا ہوں (فرہنگ دیکھیے۔ نیز مظفر کے لیے راقم کی کتاب ''بیا بہ مجلس اقبال''، مطبوعہ بزم اقبال، لاہور بھی ملاحظہ ہو)

۴- وہ عمل کے اخلاص/خلوص میں ایک بے مثل آدمی تھا اور ایک ایسا بادشاہ تھا جس کا مقام بایزید بسطامیؔ جیسے عظیم صوفی کا سا تھا۔

۵- اس کے پاس ایک گھوڑا تھا جو اسے اپنے بیٹوں کی طرح عزیز تھا۔ یہ گھوڑا، جنگ کے موقع پر، اپنے مالک کی طرح سخت کوش تھا۔

۶- یہ گھوڑا نسل کا سبزہ رنگ اور عرب کے اصیل گھوڑوں میں سے تھا۔ وہ باوفا، بے عیب اور نسب میں پاک تھا۔

۷- اے نکتہ کو پا جانے والے عزیز! مردِ مومن کے لیے قرآن اور تلوار اور گھوڑے کے سوا اور کیا ساز و سامان ہے؟

۸- میں اس شریف و نجیب گھوڑوں میں سب سے اچھے گھوڑے کا کیا وصف بیان کروں۔ وہ پہاڑوں پر سے اور دریاؤں کے پانی پر سے ہوا کی طرح سے گذر جاتا تھا۔

۹- جنگ کے دن وہ نظر سے بھی زیادہ تیز نکلنے والا ہوتا تھا۔ وہ تیز ہوا کی طرح پہاڑوں اور وادیوں کو عبور کر لیتا تھا۔

۱۰- اس کی بھاگ دوڑ میں قیامت کے سے فتنے تھے۔ پتھر اس کے سموں کی ضرب سے ریزہ ریزہ ہو جاتے تھے۔

۱۱- ایک روز انسان کا سا ارجمند وہ گھوڑا پیٹ کے درد کے باعث کمزور و بے حال ہو گیا۔

۱۲- ایک معالج نے اس کی اس تکلیف کا علاج شراب سے کیا اور یوں اس نے بادشاہ کے اس گھوڑے کو درد کے ہاتھوں بیقراری سے نجات دلا دی۔

۱۳- اس حق کی پہچان رکھنے والے بادشاہ نے پھر کبھی اس گھوڑے کو سواری کے لیے نہ منگوایا۔ تقویٰ کا راستہ ہمارے راستے سے الگ ہے۔ گھوڑے نے شراب پی لی تھی جس کے سبب سلطان نے اس پر سوار ہونے کو بھی حق پرستی کے خلاف سمجھتے ہوئے کبھی اس پر سواری نہ کی۔

۱۴- اے کہ خدا تجھے قلب و جگر (دل زندہ اور بصیرت) سے نوازے تو ایک مسلمان کی

اطاعتِ خدا دیکھ۔ چونکہ دین میں شراب حرام ہے اور گھوڑے کو، حالانکہ علاج کے طور پر، شراب پلائی گئی تھی لیکن سلطان نے پھر بھی اس پر سوار ہونا گوارا نہ کیا۔ اس کا یہ عمل اس کی حق پرستی اور دینداری کی عظیم مثال ہے۔

دسواں بند

۱- دیں سراپا سوختن اندر طلب | انتہایش عشق و آغازش ادب

۲- آبروئے گل زرنگ و بوے اوست | بے ادب بے رنگ و بو، بے آبروست

۳- نوجوانے راچو بینم بے ادب | روزِ من تاریک می گردد چوشب

۴- تاب و تب در سینہ افزاید مرا | یادِ عہدِ مصطفیٰؐ آید مرا

۵- از زمانِ خود پشیماں می شوم | در قرونِ رفتہ پنہاں می شوم

۶- ستر زن یا زوج یا خاکِ لحد | ستر مردان حفظِ خویش از یارِ بد

۷- حرفِ بدرا برلب آوردن خطاست | کافر و مومن ہمہ خلق خداست

۸- آدمیت احترامِ آدمی | باخبر شو از مقامِ آدمی

۹- آدمی از ربط و ضبط تن بہ تن | برطریقِ دوستی گامے بزن

۱۰- بندۂ عشق از خدا گیرد طریق | می شود برکافر و مومن شفیق

۱۱- کفر و دیں را گیر در پہنائے دل | دل اگر بگریزد از دل، وائے دل

۱۲- گرچہ دل زندانیِ آب و گلِ است | ایں ہمہ آفاق، آفاقِ دل است

۱- دین کیا ہے، یہ اللہ کی طلب میں خود کو پرسوز بنانا ہے۔ اس کی انتہا عشق اور اس کی ابتدا ادب ہے۔ دوسروں کے ساتھ ادب اور پیار محبت سے پیش آنا ہے۔

۲- پھول کی آبرو اس کے رنگ و بو کے باعث ہے۔ بے ادب بے رنگ و بو اور بے آبرو ہوتا ہے۔ اگر پھول میں رنگ اور خوشبو نہ ہو تو کوئی بھی اس کے نزدیک نہ جائے۔ آبرو صرف اس انسان کی ہے جس میں تمیز و ادب کی صفات ہوں۔

۳- جب میں کسی نوجوان کو بے ادب دیکھتا ہوں تو میرا دن رات کی طرح تاریک ہو جاتا ہے یعنی مجھے اس کی بری عادت پر بڑا دکھ ہوتا ہے۔

۴- میرے سینے کا اضطراب بڑھ جاتا ہے اور حضور مصطفیٰؐ (کے ادب) کا زمانہ یاد آ جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے اپنے حسن اخلاق اور ادب ہی سے عرب کی جاہل، ظالم اور

قاتل قوم کو انسان بنا دیا۔

۵- میں اپنے زمانے سے پشیمان ہوں، لہٰذا میں گذری ہوئی صدیوں میں چھپ جاتا ہوں یعنی مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں ایسے دور میں پیدا ہوا ہوں جس کے لوگ بے ادب ہیں۔ چنانچہ میں پرانے باادب دور کو یاد کرنے میں محو ہو جاتا ہوں۔

۶- عورت کا پردہ یا اس کا شوہر ہے یا پھر قبر کی مٹی، جبکہ مردوں کا پردہ خود کو ایک برے دوست سے بچانا ہے۔ پردہ سے مراد محرم ہے۔

۷- بری بات کو ہونٹوں پر لانا خطا ہے۔ کافر اور مومن سب خدا کی مخلوق ہیں۔ سب سے محبت سے پیش آنا چاہیے۔ بقول رومیؔ دلوں پر قبضہ کرو کہ یہ حج اکبر ہے، ایک دل ہزاروں کعبوں سے بہتر ہے:

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اور ایک پنجابی صوفی کے بقول:

ع یار دی گلی دے کُتے سینے نال لاندا جائیں

نیز بقولِ شاعر:

ع با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام

۸- آدمیت/ انسانیت آدمی کے احترام کا نام ہے تو آدمی کے مقام سے باخبر ہو۔ صحیح معنوں میں انسان وہی ہے جو ہر کسی کا بلاتفریق نسل و مذہب، احترام و ادب کرتا اور سب سے محبت کا سلوک کرتا ہے۔

۹- آدمی تن بہ تن کے ربط سے ہے، تو دوستی کے راستے پر گامزن ہو۔ مطلب یہ کہ ایک آدمی کے دوسرے آدمی کے ساتھ جو تعلقات ہوتے ہیں، آدمیت ان کا نام ہے۔ تو بھی خدا کی مخلوق سے محبت کر۔

۱۰- بندۂ عشق خدا سے اپنا مسلک (زندگی) لیتا ہے، لہٰذا وہ کافر اور مومن سب کے ساتھ مشفقانہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ جس طرح خدا سب پر مہربان ہے اسی طرح بندۂ عشق بھی کافر و مومن پر مہربان ہوتا ہے۔

۱۱- تو کفر اور دین کو دل کی پہنائی/ وسعت میں رکھ۔ اگر ایک دل دوسرے سے بھاگتا ہے، گریزاں رہتا ہے تو ایسا دل لائق افسوس ہے۔ تو دل میں ایسی وسعت پیدا کر کہ

وہ ہر کسی سے محبت کرے اور نفرت سے دور رہے۔
ایک پنجابی صوفی کے بقول:

ڈھا دے مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے جو کج ڈھینڈا
اک بندے دا دل نہ ڈھائیں رب دِلے وچ رہندا

۱۲۔ اگرچہ دل بدن کے قید خانے میں ہے لیکن یہ ساری کائنات دل ہی کی کائنات ہے۔ دل بے حد وسیع ہے۔ اسے دوسروں سے نفرت کر کے تنگ نہ بنا، تنگ دل نہ ہو۔

گیارہواں بند

۱۔ گرچہ باشی از خداوندانِ دہ — فقر را از کف مدہ، از کف مدہ
۲۔ سوزِ او خوابیدہ در جانِ تو ہست — ایں کہن مے از نیاگانِ تو ہست
۳۔ درجہاں جز دردِ دل ساماں مخواہ — نعمت از حق خواہ و از سلطاں مخواہ
۴۔ اے بسا مردِ حق اندیش و بصیر — می شود از کثرتِ نعمت ضریر
۵۔ کثرتِ نعمت گداز از دل برد — ناز می آرد نیاز از دل برد
۶۔ سالہا اندر جہاں گردیدہ ام — نم بچشم منعماں کم دیدہ ام
۷۔ من فدا ے آنکہ درویشانہ زیست — وا ے آں کو از خدا بیگانہ زیست

۱۔ اگرچہ تو گاؤں کے مالکوں میں سے کیوں نہ ہو (تو گاؤں کا وڈیرا یا جاگیردار ہو) پھر بھی فقر کو ہاتھ سے مت دے، مت دے یعنی تو بیشک بے حد دولت کا مالک بھی ہو پھر بھی انسانیت اسی میں ہے کہ عجز و انکساری کی زندگی بسر کر۔

۲۔ اس (فقر) کا سوز تیری جان میں سویا ہوا ہے۔ یہ پرانی شراب تیرے اسلاف/ بزرگوں کی ہے۔ تجھ (جاوید) میں یہ سوز موجود ہے، اس لیے کہ تیرے بزرگ بھی سوزِ فقر کے حامل تھے، چنانچہ وہ سوز تجھ میں بھی ہے۔ علامہ نے جاوید سے اردو میں یوں کہا ہے:

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اُس کا مذاق عارفانہ

۳۔ دنیا میں دردِ دل کے سوا اور کسی سامان کی خواہش نہ کر، نعمت خدا سے مانگ، حاکم وقت سے نہ مانگ یعنی تیرا دل ایسا ہو جو دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہو۔

۴۔ اے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حق اندیش اور حق بیں لوگ بھی کثرت

نعمت و دولت کے باعث نابینا ہو جاتے ہیں یعنی وہ محض اپنے مفاد کی خاطر حق اور ناحق میں تمیز نہیں کرتے۔

۵- دولت و نعمت کی کثرت دل سے گداز لے جاتی ہے۔ وہ ناز (فخر و غرور) پیدا کرتی اور نیاز (عجز و انکسار) لے اڑتی ہے۔

۶- میں برسوں دنیا میں گھوما پھرا ہوں، میں نے اربابِ نعمت و دولت کی آنکھوں میں نمی نہیں دیکھی یعنی انہیں کسی کے دکھ درد کا کوئی احساس نہیں ہے، بس اپنی دولت ہی میں مست رہتے ہیں۔

۷- میں اس انسان کے قربان جاؤں جس نے درویشوں کی سی زندگی بسر کی اور افسوس ہے مجھے اس انسان پر جس نے خدا سے بیگانہ ہو کر زندگی گذاری یعنی خدا سے غافل رہا۔

بارھواں بند

۱- در مسلماناں مجو آں ذوق و شوق	آں یقیں آں رنگ و بو، آں ذوق و شوق
۲- عالماں از علم قرآں بے نیاز	صوفیاں درندہ گرگ و مو دراز
۳- گرچہ اندر خانقاہاں ہاے و ہوست	کو جواں مردے کہ صہبا در کدوست
۴- ہم مسلمانانِ افرنگی مآب	چشمۂ کوثر بجویند از سراب
۵- بے خبر از سر دیں اند ایں ہمہ	اہل کیں اند، اہل کیں اند ایں ہمہ
۶- خیر و خوبی بر خواص آمد حرام	دیدہ ام صدق و صفارا در عوام
۷- اہل دیں را باز داں از اہل کیں	ہم نشینِ حق بجو با او نشیں
۸- کرگساں را رسم و آئیں دیگر است	سطوتِ پروازِ شاہیں دیگر است

۱- تو آج کے مسلمانوں میں وہ ذوق و شوق مت تلاش کر۔ وہ یقین، وہ رنگ و بو اور وہ ذوق و شوق نہ تلاش کرے۔ یہ سب کچھ ان کے اسلاف میں تھا، بدقسمتی سے انہوں نے اپنے اسلاف کا رنگ نہیں پکڑا۔

۲- آج کے جو عالم لوگ ہیں، وہ قرآن کے علم سے بے نیاز ہیں، جبکہ صوفی گویا پھاڑ کھانے والا بھیڑیا بنے ہوئے ہیں اور دراز زلفوں (لمبے بالوں) والے ہیں۔ نہ تو عالم دین کی حقیقت و روح سے آگاہ ہیں اور نہ صوفی حقیقی تصوف کے حامل ہیں، لوگوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں خوب لوٹتے ہیں۔ تو پھر بقول شاعر:

کس منہ سے کوئی عظمتِ آدم کا نام لے
جب آدمی فریب کرے آدمی کے ساتھ

۳۔ اگرچہ آج کے درویشوں کی خانقاہوں کے اندر ہائے و ہو کا شور ہے لیکن ایسا جوان (درویش) کہاں ہے جس کے مٹکے میں شراب ہے۔ یعنی کوئی بھی تصوف کی شراب (حقیقی تصوف) سے سرمست نہیں ہے۔ بس خالی نعرے ہیں اور دکھاوے کی ''ھوحق'' ہے۔

۴۔ افرنگی تہذیب وثقافت سے متاثر مسلمان بھی سراب میں سے چشمہ کوثر تلاش کر رہے ہیں۔ گویا پیروی وہ غیر مسلموں کی کر رہے ہیں اور اس سے انسانی اور مسلمانی فائدوں کی توقع رکھے ہوئے ہیں۔

۵۔ یہ سب دین کے بھید سے بے خبر ہیں اور یہ سب اہل کیں ہیں، اہل کیں ہیں یعنی بھائی چارے کی زندگی بسر کرنے کی بجائے باہمی عداوت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

۶۔ مسلمانوں کے جو خواص ہیں، ان میں سے کسی میں بھی خیر وخوبی نظر نہیں آتی جبکہ ان کے عوام میں میں نے پھر بھی صدق وصفا دیکھی ہے۔

۷۔ اہل دیں کو اہل کیں سے الگ سمجھ۔ دونوں میں فرق کر۔ تو کسی ہم نشینِ حق (خدا کے ساتھ بیٹھنے والا، خدا کی ذات سے پوری طرح وابستہ) کو تلاش کر اور اس کی صحبت اختیار کر۔

۸۔ گِدھوں کا رسم و دستور اور ہے جبکہ شاہیں کی پرواز کا دبدبہ کچھ اور ہی شے ہے۔ گویا دنیا کے طالب گِدھ ہیں جو مردار کھانے میں لگے رہتے ہیں جبکہ خدا کے طالب شاہین ہیں۔ تو شاہینوں کی صحبت اختیار کر۔

تیرہواں بند

۱۔ مردِ حق از آسماں افتد چو برق ۔۔۔ ہیزم او شہر و دشت و غرب و شرق
۲۔ ماہنوز اندر ظلامِ کائنات ۔۔۔ او شریکِ اہتمامِ کائنات
۳۔ او کلیمؑ و او مسیحؑ و او خلیلؑ ۔۔۔ او محمدؐ او کتاب او جبرئیل
۴۔ آفتابِ کائناتِ اہل دل ۔۔۔ از شعاعِ او حیاتِ اہل دل
۵۔ اول اندر نارِ خود سوزد ترا ۔۔۔ باز سلطانی بیاموزد ترا
۶۔ ماہمہ باسوزِ او صاحب دلیم ۔۔۔ ورنہ نقشِ باطلِ آب و گلیم
۷۔ ترسم ایں عصرے کہ تو زادی در آں ۔۔۔ در بدن غرق است وکم داند ز جاں

۸- چوں بدن از قحط جاں ارزاں شود — مردِ حق در خویشتن پنہاں شود
۹- در نیابد جستجو آں مرد را — گرچہ بیند رو برو آں مرد را
۱۰- تو مگر ذوقِ طلب از کف مدہ — گرچہ درکارِ تو افتد صد گرہ
۱۱- گر نیابی صحبتِ مردِ خبیر — از اب وجد آنچہ من دارم بگیر
۱۲- پیرِ رومی را رفیقِ راہ ساز — تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
۱۳- زاں کہ رومی مغز را داندز پوست — پاے او محکم فتد در کوے دوست
۱۴- شرحِ او کردند اورا کس ندید — معنیِ او چوں غزال از ما رمید
۱۵- رقصِ تن از حرفِ او آموختند — چشم را از رقصِ جاں بردوختند
۱۶- رقصِ تن در گردش آرد خاک را — رقصِ جاں برہم زند افلاک را
۱۷- علم و حکم از رقصِ جاں آید بدست — ہم زمین ہم آسماں آید بدست
۱۸- فرد از وے صاحبِ جذبِ کلیم — ملت ازوے وارثِ ملک عظیم
۱۹- رقصِ جاں آموختن کارے بود — غیر حق را سوختن کارے بود
۲۰- تا ز نارِ حرص و غم سوزد جگر — جاں برقص اندر نیاید اے پسر!
۲۱- ضعفِ ایمان است و دلگیری است غم — نوجوانا! نیمۂ پیری است غم
۲۲- می شناسی؟ حرص فقرِ حاضر است — من غلامِ آں کہ برخود قاہر است
۲۳- اے مرا تسکینِ جانِ ناشکیب — تو اگر از رقصِ جاں گیری نصیب
۲۴- سر دینِ مصطفیٰ گویم ترا — ہم بقبر اندر دعا گویم ترا

۱- مردِ حق آسمان سے بجلی کی طرح گرتا ہے۔ اس کا ایندھن شہر و بیابان اور مغرب و مشرق ہیں۔ گویا مردِ حق جب خدا کی طرف سے دنیا پر مبعوث ہوتا ہے تو وہ باطل قوتوں کو اسی طرح جلا دیتا ہے جس طرح بجلی گر کر کھلیان جلا دیتی ہے۔

۲- ہم ابھی تک کائنات کے اندھیرے میں کھوئے ہوئے ہیں جبکہ وہ (مرد حق) کائنات کے انتظام یا نظم ونسق میں شامل ہوتا ہے۔

۳- وہ (مرد حق) ہی کلیم اللہ (موسیٰؑ) ہے۔ مسیحؑ ہے اور خلیلؑ ہے، وہ محمدؐ ہے، وہ کتاب ہے، وہ جبرئیل ہے۔ گویا وہ ان گرامی ہستیوں/پیغمبروں اور ان کی کتابوں صحیفوں کے فیضوں اور اوصاف کا وارث اور آئینہ دار ہوتا ہے۔

۴- وہ اہل دل کی کائنات کا آفتاب ہے۔ اس کی شعاعوں ہی سے اہل دل کی حیات ہے۔

۵- وہ (مردِ حق) پہلے تجھے اپنی آگ میں جلاتا ہے، پھر تجھے سلطانی سکھاتا ہے۔ گویا جب بندہ عشق کی آگ میں راکھ ہو جاتا ہے (سوزِ عشق سے سرشار ہو جاتا ہے) تو اس خالق کے سوا دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور یہی بہت بڑی سلطانی ہے۔

۶- ہم سبھی اس مردِ حق کے سوز سے صاحبِ دل ہیں، ورنہ ہم آب و گل کے باطل نقش ہیں۔ مردِ حق کی صحبت اختیار کرکے آدمی صاحبِ دل بن جاتا ہے ورنہ وہ محض ایک چلتی پھرتی لاش ہوتا ہے۔

۷- مجھے اس زمانے سے، جس میں تو پیدا ہوا ہے، کچھ ڈر لگ رہا ہے، اس لیے کہ وہ بدن (مادیات) میں غرق ہے اور روح سے متعلق بے خبر ہے۔ آج کے لوگ مادیات میں کھوئے ہوئے ہیں اور روحانی جذبوں سے بالکل ناآشنا ہیں۔

۸- جب بدن، روح کے قحط کے باعث سستا ہو جاتا ہے تو مردِ حق خود میں چھپ جاتا ہے۔ گویا مردِ حق کہیں موجود تو ہوتا ہے لیکن مادیات کا شکار لوگ اسے دیکھنے کی اہلیت سے محروم ہوتے ہیں۔

۹- ایسے دور میں تلاش و جستجو بھی اس مردِ حق کو نہیں پا سکتی، اگرچہ وہ اسے اپنے بالکل سامنے ہی کیوں نہ دیکھ رہی ہو یعنی وہی اہلیت سے محرومی کی بات۔

۱۰- تاہم تو اس کی طلب کا ذوق ہاتھ سے نہ دے، اگرچہ تیرے کام/ تیری راہ میں سینکڑوں الجھنیں اور مشکلیں کیوں نہ آئیں۔

۱۱- اگر تجھے کسی ایسے مردِ خبیر/ مردِ حق کی صحبت میسر نہیں آتی تو پھر جو کچھ میں نے (اس سلسلے میں) اپنے آبا و اجداد سے حاصل کیا ہے تو وہ لے لے۔ وہ بھی مذکورہ صحبت ہی کا کام دے گی۔

۱۲- تو پیر رومی کو اپنا رفیقِ راہ بنا لے تاکہ خدا تجھے عشق کے سوز و گداز سے نوازے۔

۱۳- اس لیے کہ رومی مغز کو چھلکے سے پہچانتے ہیں۔ ان کا پاؤں دوست (محبوب حقیقی) کے کوچے میں مضبوطی سے پڑتا ہے۔ وہ محبوب حقیقی کے اسرار کے محرم اور حق و باطل میں تمیز کرنا جانتے ہیں۔

۱۴- لوگوں نے ان کی مثنوی معنوی کی شرح تو کی ہے لیکن انہیں نہیں دیکھا یعنی ان کے مقام فقر اور ان سے فیض حاصل کرنے کے طریقے کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی، جس کے نتیجے میں ان کے معنی ہم سے اس طرح بھاگ گئے ہیں جیسے کہ ہرن ہم سے بھاگتا

ہے۔ یعنی ان کی مثنوی میں جو سوز و سرور اور اسرار ہیں، انہیں کوئی نہیں پا سکا۔

۱۵- لوگوں نے ان (رومیؒ) سے صرف رقص تن سیکھا اور رقصِ جاں سے آنکھیں بند کر لیں۔ روح اور عشق کے جو جذبے ان میں یا ان کی مثنوی میں تھے، ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ بس ظاہری معنوں ہی پر اکتفا کر لی گئی۔

۱۶- جسم کا رقص مٹی کو گردش میں لاتا یعنی اڑاتا ہے جبکہ رقصِ جاں افلاک کو تہ و بالا کر ڈالتا ہے۔

۱۷- جان کے رقص سے علم و حکمت میسر آتے ہیں اور زمین بھی اور آسمان بھی ہاتھ آتے ہیں۔ اس رقص سے صاحب رقص کائنات پر، زمان و مکاں پر حاوی ہو جاتا ہے۔

۱۸- رقصِ جاں سے فرد حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کے سے جذبے کا مالک بن جاتا ہے جبکہ ملت اس سے ملکِ عظیم کی وارث بن جاتی ہے، اس لیے کہ اس رقص سے اس میں نبوت کے سے فیض آ جاتے ہیں۔

۱۹- روح کا رقص سیکھنا ایک مشکل کام ہے۔ غیر حق یا باطل قوتوں کو جلانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

۲۰- جب تک انسان کا جگر حرص اور غم کی آگ میں جلتا رہے گا، اے بیٹے اس وقت تک جان رقص نہیں کرے گی یعنی دنیاوی علائق میں کھوئے ہوئے لوگ اس رقص سے محروم رہتے ہیں، صرف وہی یہ رقص حاصل کرتے ہیں جو ان علائق سے دور اور بے نیاز ہوتے ہیں۔

۲۱- غم دل گیری ہے اور ایمان کی کمزوری ہے۔ اے نوجوان! غم آدھا بڑھاپا ہے۔ غم سے مراد وہی دنیاوی علائق وغیرہ کا غم ہے۔

۲۲- کیا تو پہچانتا/ جانتا ہے کہ حرص آج کے عہد کا فقر ہے۔ میں تو اس کا غلام ہوں جو خود پر قاہر ہے۔ آج کے لوگ حرص میں ڈوبے ہونے کے باعث محتاج ہیں۔ خواہ وہ دنیاوی دولت کے مالک اور بڑے عہدوں پر سرفراز ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیح بندۂ خدا وہی ہے جو ہر طرح کے حرص و ہوس سے پاک ہے۔

۲۳-۲۴: اے کہ تو (جاوید) میری بے قرار جان کے لیے تسکین کا باعث ہے، تو اگر رقصِ جاں سے نصیب حاصل کر لے تو پھر میں تجھے دینِ مصطفیٰؐ کا راز بتاؤں گا اور میں تیرے لیے قبر میں دعا کرتا رہوں گا۔ رقص جاں یا روح کا وجد میں آنا عشق الٰہی کی بدولت اور حضورِ اکرمؐ کے عشق میں محو ہونے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

تمت بالخیر

فرہنگ جاوید نامہ

مناجات

= مناجات: پروردگار کی بارگاہ میں التجا، دعا

۱-۹= جہانِ ہفت رنگ: سات رنگوں کی دنیا، یہ کائنات چار عناصر (آب و آتش، خاک و باد) سے بنائی گئی ہے، اس میں نیلا، عنابی، سفید، سیاہ، سبز، سرخ اور زرد قسم کے سات رنگ ہیں، اسی لیے جہانِ ہفت رنگ کہا، یا یہ کہ اس کائنات میں سات زمینیں اور سات آسماں ہیں، اس لیے یہی مناسب معنی بنتے ہیں چنگ: ایک ساز، ستار ہم نفس: ساتھی، ہمدم می سوزدش: اسے جلاتی ہے آموزدش: اسے سکھاتی ہے کے تواں گفتن: کیونکر یا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ: کاہ کا مخفف، گھاس کر: بہرا دیریاز: لمبی، دراز برنخاست: جاوید نامہ طبعِ دوم ۱۹۴۷ء میں ''برنخواست'' ہے جو غلط ہے، کلیات فارسی ایرانی ایڈیشن میں صحیح ہے، بلند نہ ہوئی، جواب نہ آیا خاموش: یعنی گونگا۔

۱۰-۱۵= برفروزد: روشن کرتا ہے رم سیارہ اے: ایک گردش کرنے والے ستارے کی دوڑ یا اس کا چلنا، مراد سورج کی گردش اِلّا: مگر، سوائے، بجز نیمروز: دوپہر صَوت: آواز تاب: چمک، روشنی لایزال: جسے زوال نہ ہو، جو ختم نہ ہو بے مرور: گردش کے بغیر، نہ گذرنے والا، قیدِ زماں سے بلند تر روزی کن: عطا کر، مجھے نصیب فرما وارہاں: رہائی دلا رواں: روح

۱۶-۲۱= آیۂ تسخیر: قرآن کریم میں چند ایک آیتوں میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے (سورۃ الجاثیۃ، آیہ ۱۳) یا مثلاً ''اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو، جو ہمیشہ چلتے ہی رہتے

ہیں، مسخر کیا، اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا'' (سورۂ ابراہیم، آیہ ۳۳)
سپہر نیلگوں: نیلے رنگ کا آسمان ''علم الاسما: خدا تعالیٰ نے آدم کو کائنات کی اشیا کے نام سکھا دیے اور پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا.... الخ'' (سورۂ البقرہ، آیہ ۳۱) کِہ بود: کون تھا برگزیدی: تو نے چنا، منتخب کیا
کرا: کسے، کس کو محرم: واقف، آگاہ سفت: چھید ڈالا
''اُدعونی'': مجھے پکارو، ارشاد خداوندی ہے کہ اے میرے بندو! تم مجھے پکارو میں تمہیں اس (پکار) کا جواب دوں گا'' (سورۂ المومن، آیہ ۶۰) کِہ: کس نے
داری دریغ: محروم کیوں رکھتا ہے زیان: نقصان

۲۲-۲۷= می پیچد: پیچ وتاب / بل کھاتا ہے آید فرود: ظہور میں آتی ہے نرنجی: تو برا نہ منائے، تو ناراض نہ ہو زمینِ شورہ زار: سیم زدہ، بنجر زمین روید: اُگے، پیدا ہو تو مہی: تو چاند ہے برفتادن: گرنا

۲۸-۴۷= زیستم: میں جیا، میں زندہ رہا وانما: نمایاں / ظاہر نیلی رواق: نیلا آسمان
قدسیاں: قدسی کی جمع، فرشتے عود: ایک خوشبودار لکڑی جسے جب جلایا جائے تو اس میں خوشبودار دھواں نکلتا ہے ہیزم: ایندھن، عام لکڑی بنہ: رکھ
آشفتہ کن: پھیلا دے دود: دھواں جوئیم: ہم تلاش کرتے ہیں کور: اندھا، اندھے تبر: کلہاڑی لاینام: جو سوتا نہیں، بیدار برخوردار: فیض پانے والا، پھل کھانے والا سحرِ سامری: سامری کا جادو، سامری، حضرت موسیٰ کے زمانے کا ایک جادوگر جس نے جادو کے زور پر دھات سے بنے ہوئے ایک بچھڑے کو بولتا ہوا دکھایا تھا لکدکوب: دولتی، دولتیاں رنجوری: غم، دکھ
نروید: نہیں اگتا، پیدا نہیں ہوتا غریب: اجنبی ''اِنی قریب'': قرآنی تلمیح: ''اے پیغمبرؐ! جب لوگ تم سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (میری طرف سے) کہہ دو کہ میں تمہارے قریب ہوں .....'' (سورۂ البقرہ، آیہ ۱۸۶)

۴۸-۵۷= مستعار: ادھار، ادھار لیا ہوا غیاب: دوری آنیم من: میں عارضی / فانی ہوں کم آشوبی: طوفان نہ ہونا آرمید: آرام کیا
کراں: ساحل، کنارہ پایاب: کم کم گہرا گھاٹ، مراد آسانی

تمہیدِ آسمانی

نخستین روزِ آفرینش

نکوہش می کند آسمان زمین را

= نخستین: پہلا روزِ آفرینش: پیدائش یا تخلیق کا دن نکوہش: برا بھلا کہنا، ملامت کرنا

۱-۱۷= از ہم گسیخت: ایک دوسرے سے توڑ یعنی الگ الگ کر ڈالا رنگِ...ریخت: بنیاد ڈالی خودگری: اپنی شخصیت کا اظہار، اپنی انفرادیت کو باقی رکھنے کا جذبہ آموختند: انہوں نے یعنی قضا وقدر کے ارکان نے سکھایا/سکھائی خرام: ٹہلنا، مراد گردش افروختند: قضا وقدر نے روشن کیے خیمہ زربفت: سونے کے تاروں سے بنا ہوا خیمہ، سنہری رنگ کا خیمہ یاسمین طناب: چاندی کی رسی، سفید رسی، مراد کرنیں درستیز: نبرد آزما، لڑائی میں مصروف ریز ریز: ٹکڑے ٹکڑے دودِ پیچاں: بل کھاتا ہوا یا اٹھتا ہوا دھواں طیلسان: سات رنگوں والی چادر بادِ فرودیں: موسم بہار کی ہوا (فرودیں ایرانی سال کا مہینہ جو مارچ کے آخر سے شروع ہوتا ہے) اعماق: عمق کی جمع، گہرائیاں الوند: ایران کے شہر ہمدان کے اطراف میں ایک اونچے پہاڑ کا نام، مراد پہاڑ بزی: جی، زندگی بسر کر بمیر: مرجا عارِ کمتری: کم تر/ناقص ہونے کی شرم خجل: شرمندہ، شرمسار مضمحل: سست، کمزور تپید: تڑپی

۱۸-۳۰= غم مخور: غم نہ کھا، غم مت کر سیارتر: زیادہ تیز چلنے والا شستہ ای؟: کیا تو نے دھو ڈالا ہے آید پدید: ظاہر ہوگا راہ داں: راستہ جاننے والا بے دلیل: راہ نما کے بغیر ملک: (م اور ل پر زبر) فرشتہ رباطِ کہنہ: پرانی سرائے می خلد: کھٹکتا ہے نوکِ سوزن: سوئی کی نوک پرنیاں: ریشمی کپڑا شوید: دھوتا ہے کبود: تاریک کم تسبیح: فرشتوں کی طرح تسبیح نہیں کرتا، ہروقت اللہ کی ثنا میں محو نہیں ہوتا خون ریز: خون گرانے والا، مراد ایک دوسرے کا خون بہانے والا مہمیز: وہ خاردار پھرکی جو گھوڑے کو

ایڑ لگانے کے لیے سوار کے جوتوں کی ایڑی میں لگی ہوتی ہے۔

نغمۂ ملائک

= ملائک: جمع ملک، فرشتے

۱-۴ = مشتِ خاک: مراد انسان جس کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے نوریاں: جمع نوری، فرشتے گرداب: بھنور معنی: حقیقت پیش پا افتادہ مضمونے: ایک پامال یا عامیانہ مضمون

تمہیدِ زمینی

= آشکارا می شود: ظاہر ہوتی ہے حضرت رومیؒ: یعنی مولانا جلال الدین رومیؒ جن کی مثنوی معنوی مشہور ہے اور جنہیں علامہ نے اپنا غایبانہ مرشد کہا ہے، ولادت، مقام بلخ ۶۰۴ھ/ ۸-۱۲۰۷ء وفات مقام قونیہ (ترکی، مزار بھی وہیں ہے) ۶۷۴ھ/ ۶-۱۲۷۵ء

۱-۸ = میرد: مر جاتا، بجھ جاتا ہے جوید: تلاش کرتا ہے ناپیدا کنار: ایسا سمندر جس کا کوئی کنارہ ظاہر نہ ہو، بے حد وسیع بیا سودم دے: ایک پل یا کچھ دیر آرام کیا، سکون میں رہا لعلِ مذاب: پگھلا ہوا لعل آنی: عارضی وفانی چشمہ سار: چشموں کا سلسلہ می سرودم: میں گاتا تھا، میں گانے لگا

غزل

۱-۹ = یہ غزل مولانا رومیؒ کی ہے بکشائے لب: (اپنے) ہونٹ کھول بنمائے رخ: (اپنا) چہرہ دکھا مرنجاں: تنگ نہ کر گفتنت: تیرا کہنا پراگندہ گوے: بہکی بہکی یا الٹی سیدھی باتیں کرنے والی من ماہیم: میں مچھلی ہوں نہنگم: میں مگرمچھ ہوں عمانم آرزوست: مجھے عمان کی آرزو ہے، عمان جوش

مارتا ہوا سمندر دی: گذشتہ رات دیوودد: شیطان اور درندہ
شیرِ خدا: حضرت علیؓ رستمِ دستانم: مجھے دستان کے بیٹے رستم کی یافت می نشود: نہیں مل رہا آب ونان: پانی اور روٹی یعنی رزق

(درج ذیل مسلسل نمبر، غزلِ رومی سے ہٹ کر خود جاوید نامہ کے ہیں)

۹-۲۰= موجِ مضطر: بے قرار لہر خفت: سوگئی، لہریں اٹھنا بند ہوگئیں سنجابِ آب: پانی کا سنجاب (سنجاب: بلی کے برابر ایک جانور کا نام جس کی کھال سے لباس بناتے ہیں) تار: تاریک زیان: نقصان، مراد غروب وزدید: چرایا، چرائی بالائے بام: چھت کے اوپر (کھڑا) بردرید: پھاڑ ڈالے، چاک کردیے کہ: کوہ کا مخفف، پہاڑ آمد پدید: پدید آمد، ظاہر ہوا کہ پارہ ے: ایک پہاڑی طلعتش: اس/ رومی کا چہرہ رخشندہ: چمکتا ہوا، روشن شیب: بڑھاپا فرخندہ: مبارک، مراد تازہ و شگفتہ نورِ سرمدی: ہمیشہ رہنے والا نور، نورِ جاوُدانی کشود: کھولے آویختہ: لٹکا ہوا آمیختہ: ملا ہوا محمود: تعریف کیا گیا، تعریف کرنے والا، خیر نامحمود: جو تعریف کے لائق نہ ہو، شر آشکارائی: ظاہر کرنے کا عمل، خود کو ظاہر کرنا آراستن: سجانا، آرائش کرنا خواستن: چاہنا روزِ الست: الست کا دن، قرآنی تلمیح، عالمِ ارواح میں جب خدا تعالیٰ نے روح سے پوچھا کہ ''کیا میں تمہارا رب/ پالنے والا نہیں ہوں'' تو انہوں نے جواب دیا کہ ''ہاں یعنی تو ہی ہمارا رب ہے'' آراستند: یعنی اللہ تعالیٰ نے سجائی، آراستہ کی خواستند: یعنی اللہ نے چاہی جاں بلب: مرنے کے قریب

۲۱-۳۳= دیدن: دیکھنا شاہدِ ثالث: تیسرا گواہ ار: اگر بمانی استوار: تو برقرار/ قائم رہے حی وقیوم: ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا رسیدن: پہنچنا درنسازد: موافقت نہیں کرتا الا: سوائے، مگر، بجز، بغیر معراج: لفظی معنی بلند مرتبہ، درجۂ اعلیٰ امتحانے: ایک یا خاص آزمائش شاہدِ عادل: انصاف کرنے والا گواہ نماند: نہیں رہتا ور: اور اگر کامل عیار: معیار/ کسوٹی پر پورا اترنے والا مدہ: مت/ نہ دے برفزودن: بڑھانا، بڑھاتے رہنا

آزمودن: آزمانا پیکرِ فرسودہ: گھسا پٹا جسم تراش: گھڑ، بنا

۳۴-۴۹= رفتن: جانا چساں: کس طرح کفتن: پھاڑنا آمر: حکم دینے والا، خدا شست: کانٹا خستہ خلق: زخمی حلق والے سلطان: غلبہ، طاقت، زور باش: ٹھہر شوید: دھو/جھاڑ ڈالے الابسلطان: قرآنی تلمیح، سورہ الرحمٰن، آیت ۳۳ ''اے انسانوں اور جنوں کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے کہ زمین اور آسمانوں کی حدود سے باہر نکل جاؤ تو ضرور نکل جاؤ مگر تم بغیر غلبہ و اقتدار کے نہیں نکل سکتے'' مور: چیونٹی ملخ: ٹڈی بمیر: مر، مرجا زادن: جننا، پیدا ہونا، پیدائش جستن: یعنی باہر نکلنا کشادن: کھولنا مرکب: سواری، سواری کا گھوڑا اشکم: یعنی شکم، پیٹ دیرکہن: پرانا زمانہ، یہ دنیا

۵۰-۶۰= شئون: شان کی جمع، شانیں مرور: حرکت، گردش گدازد: پگھلاتی ہے مستنیر: روشن ادیب: ادب سکھانے والا، سبق دینے والا سحاب: بادل خطیب: خطاب کرنے والا ترس: خوف، ڈر پیچیدہ تر: زیادہ الجھتی ہے تدریج: درجہ بدرجہ، آہستہ آہستہ

۶۱-۷۱= شگافے: ایک یا خاص شگاف، پھاڑ سریع السیر: تیز رفتار زدن: مارنا نادیدہ: اَن دیکھے رفتن: جانا نانِ جویں: جو کی روٹی، سادہ خوراک خیبر کشاد: خیبر کو فتح کیا، حضرت علیؓ نے قلعہ خیبر کو فتح کیا تھا اندام: جسم چاکے: ایک یا خاص ٹکڑا کلہ: جبڑا اخگر: شعلہ برہانِ مبیں: روشن/واضح دلیل لازماں: جس کا کوئی زمانہ نہ ہو دوش و فردا: ماضی اور مستقبل زیرِنگیں: قبضے میں، مسخر کیے ہوئے، تابع

۷۲-۸۳= راکب: سوار عقل تاویلی: تاویلیں کرنے والی عقل بےسوئی: بے طرفی، اطراف کا نہ ہونا، ایسی دنیا جہاں اطراف/طرفیں نہ ہوں، لامکان برخاستن: اٹھنا یہاں مردے کا اٹھنا مراد ہے۔ بے بانگ صور: صور کی آواز کے بغیر قیامت کے روز اسرافیل صور پھونکے گا جس سے مردے اٹھ کھڑے ہونگے نغز: عمدہ، اعلیٰ بنالی: تو روئے گا، چلائے گا چند: کب تک چغز: مینڈک اسوار شو: سوار ہو جا بانگِ موراں: چیونٹیوں کی آواز کو: کہ او، کہ وہ دید: دیکھنے کی قوت، نگاہ پوست: چھلکا

۸۴-۸۹= نہ: نو کا عدد (۹) مترس: مت ڈر فراخائے جہاں: جہاں کی وسعت زادہ است: پیدا ہوا ہے بظلمت خانہ: تاریک گھر میں نمودن: ظاہر کرنا

۹۰-۹۶= متن: مت اکڑ، غرور نہ کر خواندن: کہنا سپہر گرد گرد: گردش کرنے والا آسمان خوکردن: عادت کر لینا، عادی ہو جانا، بنا کے رکھنا وارہاند: آزاد کر دیتا ہے، رہائی دلا دیتا ہے انباز: شریک مانع: رکاوٹ محمل: ایک قسم کی پردے پڑی ہوئی ڈولی جو اونٹ کی پیٹھ پر رکھتے ہیں، کجاوہ، اونٹ کا ہودہ

زروان کہ روحِ زمان و مکان است مسافر را بسیاحت عالم علوی می برد

= زروان: قدیم فارسی لفظ بمعنی زمانہ مسافر: مراد علامہ اقبال بسیاحتِ عالمِ علوی: اوپر کی دنیا یعنی آسمان کی سیر کے لیے می برد: لے جاتی ہے

۱-۱۸= از کلامش: اس کی یعنی مولانا رومیؒ کی باتوں سے چوں سیماب: پارے کی طرح، بیقرار، بے چین سحاب: بادل افرشتہ ے: ایک فرشتہ آمد فرود: فرود آمد، نیچے اترا طلعت: چہرہ روشن شہاب: ستارہ شہاب کی مانند روشن (شہاب وہ ستارہ جو اکثر تیر کی شکل میں گرتا ہوا دکھائی دیتا ہے) بال: پر سیمیں: سفید کبود: نیلے لاجورد: نیلے رنگ کا ایک چمکتا پتھر، مراد نیلا رنگ، لاجوردی دمے: ایک لمحہ کا ہوائے دیگرے: ایک نئی خواہش پر کشادن: پر کھولنا یعنی اڑنا زروانم: میں زروان ہوں قاہرم: یعنی میں مسلط ہوں ناطق: بولنے والا صامت: خاموش، نہ بولنے والے، جمادات وغیرہ نخچیر: شکار می بالد: پرورش پاتا ہے، بڑھتا پھولتا ہے نہال: درخت من ممامتم: میں موت ہوں من نشورم: میں قیامت ہوں حساب: یعنی روز قیامت اعمال کا حساب عتاب: غصہ، عذاب عالمِ شش روزہ: قرآنی تلمیح ''ہم (خدا) نے جہان کو چھ دنوں میں پیدا کیا'' می چینی: تو توڑتا ہے/ چنتا ہے اُم: ہاں، جز لی مع اللہ: حدیث حضور اکرمؐ ''ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جب میرے اور اللہ تعالیٰ کے قرب

میں نہ کوئی نبیؑ بار پا سکتا ہے اور نہ کسی قریب سے قریب تر فرشتے ہی کی رسائی ہوتی ہے ازعین جاں: پوری طرح روح میں محو ہو کر، سچے جذبے سے

۱۹-۲۵= کہن عالم: پرانی دنیا، یہ پرانی کائنات جو ہزاروں سال سے چلی آ رہی ہے ربود: اچک لیا/لی زادم: میں پیدا ہوا، میں وجود میں آیا بے ہائے وہو: جس میں کوئی ہنگامہ نہ ہو رشتۂ من: میرا تعلق گسست: ٹوٹ گیا بردمید: ابھرا، پیدا ہوا، پھوٹا سبک تر: زیادہ ہلکا سیارتر: زیادہ تیز رفتار آمد پدید: پدید آمد، ظاہر ہوا، پہنچا دگرگوں: تبدیل، متغیر

نغمہ انجم

(پہلا بند)

۱-۴= پیکر خاک: اے مٹی کے ڈھانچے/جسم یعنی انسان خوش بیا: خوشی خوشی آ عالم جہات: اطراف کا جہان، یہ دنیا زہرہ: اسے ناہید بھی کہتے ہیں، یہ ستارہ تیسرے آسمان پر ہے مشتری: برجیس ستارہ جو شمسی نظام سے تعلق رکھنے والے ستاروں میں سب سے بڑا ہے، روشنی میں زہرہ کے بعد دوسرے درجے پر ہے، بارہ سال میں سورج کے گرد ایک دورہ مکمل کرتا ہے، چھٹے آسمان پر ہے، اسے ''قاضیِ فلک'' بھی کہا جاتا ہے، یہاں زہرہ و مشتری سے مراد سب ستارے بتاز: دوڑا یعنی گھوڑا دوڑا صدق وصفا: سچائی، راستی اور پاکیزہ باطنی

(دوسرا بند)

۱-۴= رخصت ہائے وہو: شور وغوغا کی اجازت محتسب: قانونِ الٰہی پر نہ چلنے والوں سے باز پرس کرنے والا حاکم، کوتوال پارس: فارس یعنی ایران خو: عادت نبات: مصری میری: امیری، سرداری قیصری: مراد شہنشاہی، بادشاہت فال وفر: شان وشوکت حرفِ برہنہ: یعنی صاف صاف یا کھل کر بات کرنا

(تیسرا بند)

۱-۴= طنطنۂ سکندری: سکندر کی سی شان وشوکت، بڑی شان وشوکت جذبۂ کلیمؑ: حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کا جذبہ سحرِ سامری: حضرت موسیٰؑ کے دور کے جادوگر سامری کا

جادو می کشد: مارتا ہے داوری: حکمرانی جہاں کشاستند: دنیا کو فتح کرنے والے ہیں سدِ سکندری: ایک دیوار جو سکندر اعظم یونانی نے وحشیوں کا داخلہ بند کرنے کی خاطر تاتار اور چین کے درمیان ترکستان کے علاقہ میں تعمیر کروائی تھی۔

فلکِ قمر

= وہ آسمان جہاں چاند ہوتا ہے

۱-۱۱= میراث: ترکہ، مال چوں غریباں: اجنبیوں کی طرح، غریباں جمع غریب، اجنبی، پردیسی مرو: مت چل/ جا اندکے: ذرا، کچھ مکن: مت کر کن: کر میرد: مرجاتا ہے، گذر جاتا ہے ابراہیمؑ: حضرت ابراہیمؑ جنہوں نے کعبہ میں رکھے ہوئے بت توڑ ڈالے تھے افتادن: گرنا حرب: جنگ، لڑائی فراغ: اطمینان، آسودگی پروازِ مدام: مسلسل پرواز، مسلسل سفر میں رہنا

۱۲-۱۸= بودن: ہونا نیاسودن: آرام نہ کرنا پے سپر: سفر میں مصروف تیرہ خاک: تاریک مٹی، زمین خوگر: عادی رسم و رہ: طور طریقے، قاعدے اور ضابطے دیدنی: دیکھنے کے لائق کوہسارش: اس کے پہاڑ

۱۹-۲۵= چاک چاک: بہت پھٹا ہوا جبل: پہاڑ خافطین ویلدرم: چاند کے آتش فشاں پہاڑوں کے نام فرسودہ: گھسا پٹا صوت: آواز نے بنافش: نہ اس کی ناف میں ریشۂ نخلِ حیات: یعنی کوئی ایسی رگ جس سے تولید ہو سکے صلب روزگارش: اس کے زمانے کی پشت دودمان: خاندان نزاید: نہیں جنتیں، پیدا نہیں کرتیں/ کرتی

۲۶-۳۱= خیز: اٹھ بنہ: رکھ مدہ: مت دے قفار: غار مردِ ہوش: ہوشمند، دانشمند آدمی سنجیدنی: تولنے کے لائق، جانچنے کے قابل برو: چل، جا برد: لے جائے کشید: کھینچا

عارفِ ہندی کہ بہ یکے از غار ہائے قمر خلوت گرفتہ و اہل ہند اورا ''جہاں دوست'' می گویند

= جہاں دوست: دنیا کا دوست، یہ وشوامتر کا ترجمہ ہے، وشوامتر، ہندوؤں کے پیغمبر، رام کا استاد تھا، بعض کے مطابق علامہ کی اس سے مراد شیو جی ہے جو پاربتی کا شوہر تھا

۱-۱۵= رفیق: ساتھی، ہمراہی چو کوراں: اندھوں کی طرح، کوراں جمع کور، بمعنی اندھا ظلمتش: اس کی تاریکی عمیق: گہری پانہادم: میں نے پاؤں رکھا دیوسار: دیوؤں کی مانند، اندر کمیں: گھات میں لگے ہوئے آویختند: لٹکا دیا ازتقبیلِ خاکش: اس کی خاک کو چومنے سے، اس کی خاک پر پڑ کر درمنام: نیند میں دیوؤں کی رہایش گاہ کی مانند ظلام: ظلمت، تاریکی سپہرِ لاجورد: نیلا آسمان رروشن سواد: بینا، دیکھنے والی ہندی نژاد: ہندی نسل کا، ہندوستانی نسل کا حلقہ زن: گھیرے ہوئے، دائرہ بنائے ہوئے مارے سفیدے: ایک سفید سانپ کیست: کون ہے چرخ نیلی فام: نیلے رنگ کا آسمان

رومی

۱-۸= ثابتے: ایک بے حرکت سیارہ ے: ایک سیارہ، وہ ستارہ جو چلتا رہتا ہے ناتمامی: مکمل یا کامل نہ ہونا شیشہ: صراحی طاق: دیوار میں بنی ہوئی وہ محرابی جس میں چھوٹی موٹی چیزیں رکھی جاتی ہیں صداق: تصدیق نہ سپہر: تو آسمان کبریا: یعنی خدا نال: بانسری می کشد: مار ڈالتا ہے

جہاں دوست

= از رنگ است: یعنی مادی ہے چیست: کیا ہے

رومی

۱-۵= شمشیر زن: تلوار چلانے والا سنگ فسن: سان کا پتھر جس پر تلوار کو تیز کیا جاتا ہے شرق: مراد اہل مشرق، یعنی غیر مسلم نظریات والے مشرقی ممالک/لوگ

بندگی: اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا غرب: مغرب، یورپ، یورپ والے
خزید: رینگا، رینگتا رہا رمید: مراد کٹ گیا، دور ہو گیا دیدن: دیکھنا
باز کردن: کھولنا برات: حصہ

جہان دوست

۱-۱۲= پیچیدہ است: الجھا ہوا ہے افلاکیاں: افلاکی کی جمع، آسمان پر رہنے والے قشمرود: چاند کے ایک پہاڑ کا فرضی نام آمد فرود: فرود آمد، نیچے اترا چکید: ٹپکا مپوش: مت ڈھانپ، مت چھپا زہرہ ے: ایک زہرہ، اسے رقاصۂ فلک بھی کہتے ہیں، وہ ایک حسین عورت تھی، دو فرشتے ہاروت اور ماروت زمین پر آئے اور اس حسینہ پر عاشق ہو گئے، جس کے نتیجے میں وہ حسینہ تو زہرہ کے نام سے ستارہ بنا دی گئی (اسے پروین ستارہ بھی کہتے ہیں) اور ہاروت و ماروت کو ملکِ بابل کے ایک کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا گیا طلوعِ خاور: مراد مشرق کی آزادی کا وقت دربر: پہلو میں یوسفاں: یوسف کی جمع، حضرت یوسفؑ کے حوالے سے بات کی ہے جنہیں ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا جہاں سے چند تاجر انہیں نکال کر لے گئے اور عزیز مصر کے پاس انہیں بیچ دیا، بعد میں وہ عزیز مصر بن گئے، قرآنی تلمیح کے حوالے سے بات کی ہے چہ: چاہ کا مخفف، کنواں رستخیزے: ایک قیامت لرزہ: کپکپی مقام آزری: بت گری کا مقام، آزر، حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کا مشہور بت تراش اور بت پرست (جاوید نامہ، طبع دوم ۱۹۴۷ء میں یہ لفظ ذ کے ساتھ لکھا ہے جو غلط ہے کیونکہ آذر بمعنی آگ ہے) تپید: تڑپی باز آفرید: پھر پیدا کر لیا عرشیاں: عرشی کی جمع، عرش پر رہنے والے، آسمان پر رہنے والے

۱۳-۱۹= دم درکشید: خاموش ہو گیا ترکِ ذکر: ذکر ترک کرنا، محبوبِ حقیقی کا ذکر، جو اس سے عشق کی علامت ہے، ترک کرنا، عشق چھوڑ دینا زاد: پیدا ہوا، تخلیق ہوا رمز: بھید، راز لا الہٰ: کلمۂ طیبہ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں روبروست: سامنے ہے پوست: چھلکا جو مغز سے خالی ہو، بیکار سی یا غیر مفید شے حجت: دلیل دین عامیاں: عام لوگوں کا دین عامیاں جمع عامی کی،

عام لوگ شنید: مراد سنی سنائی بات دید: نظارہ، محبوب حقیقی کا دیدار
فزود: افزود، بڑھ گئی کشود: کھولے، واضح کیے

نہ تا سخن از عارف ہندی

= نہ تا: نو عدد، نو

=۱-۹ حجاب: پردہ حایل: رکاوٹ بننے والا زادن: پیدا ہونا ورائے مرگ: موت سے بالاتر، موت کے اس طرف/پار عین: سراپا، پورے طور پر میرد: مرتا ہے افزوں تریم: ہم بڑھ کر ہیں آمیختہ: ملائی ہوئی روشن نہاد: روشن ضمیر/فطرت کے سزد: کیونکر مناسب ہے آہو: ہرن پلنگ: چیتا ناصواب: جو درست نہ ہو، برائی ہیچ گہ: ہیچ گاہ، کسی بھی جگہ تیرہ بخت: سیاہ بخت، بدنصیب می پذیرد: قبول کرتا ہے سینہ چاک: پھٹے ہوئے سینے والا یعنی کھلا ہوا ہوش مندِ رفتہ ہوش: ایسا صاحب ہوش و خرد جس کے ہوش جاتے رہے ہوں برق خموش: خاموش بجلی، مراد ٹیلی گراف، تار برقی

جلوۂ سروش

= (غیبی فرشتے کا ظہور)

=۱-۱۶ در بہ بست: دروازہ بند کر دیا (گفتگو ختم کر دی) گسست: توڑ لیا، اپنا ناطہ توڑ لیا ربود: اچک لیا، چھین لیا نیرنگِ شہود: ظاہری طور پر نظر آنے والے عالم کا جادو/سحر طور: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ کو خدا نے اپنا جلوہ دکھایا تھا اور وہ بے ہوش ہو گئے تھے سنبلستان: مراد سنبل کی مانند سیاہ اور خوشبودار بالوں والی زلفیں، سنبل، ایک خوشبودار گھاس جس میں زلفوں سے ملتے جلتے تار ہوتے ہیں تاب گیر: روشنی حاصل کرنے والا/والے گردندہ: گردش کرنے والا ذوفنون: دل لبھانے کی بہت سی تدبیروں سے واقف شکرہ: باز، شہباز کنجشک: چڑیا رفیقِ کم نظر: کم نظر ساتھی (اقبال) نافہم ساتھی

سیم تابناک: چمکتی ہوئی چاندی آمد فرود: فرود آمد، اتر آیا غربت نصیب: پردیسی قسمت والا یعنی بے وطن تو غریبی: تو پردیسی ہے، بے وطن ہے سروش: فرشتۂ غیب زخمہ: مضراب

نوائے سروش

ا-۷= ترسم: میں ڈرتا ہوں تو می رانی: تو چلاتا ہے، چلاتا رہے گا زورق: کشتی سراب: ریت کا میدان جس کی چمکتی ریت دور سے پانی معلوم ہوتی ہے، جب کوئی پیاسا پانی سمجھ کر اس طرف جاتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے میری: تو مر جائے گا رازی: امام فخر الدین رازی مشہور مفسر قرآن ولادت ۵۴۴ھ/۱۱۵۰ء وفات ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء، مقام ولادت رے (طبرستان) فروشستم: میں نے دھو ڈالا مغربیاں: مغربی کی جمع، اہل یورپ پرجستم: میں نے بہت تلاش کیا نا ید: نہیں آتے کش: کھینچ، لے زاہدِ ظاہر بیں: ظاہر کو دیکھنے والا زاہد، بصیرت سے اور جذبہ روحانیت و عشق سے عاری زاہد گیرم: میں مانتا ہوں حباب: بلبلا، مراد دل مطرب: موسیقار، ساز بجانے والا مہجورِ جناں: جنت سے بچھڑی ہوئی رباب: ایک قسم کا ساز، ستار

حرکت بہ وادیِ یرغمید کہ ملائکہ اورا وادیِ طواسین می نامند

= حرکت: کوچ، سفر ملائکہ: ملک کی جمع، فرشتے می نامند: نام دیتے ہیں، کہتے ہیں طواسین: طاسین کی جمع، قرآن کریم کی سورہ ''نمل'' کا آغاز حروف طس (ط،س) سے ہوتا ہے۔ اس کے معانی یا تو خدا کو معلوم ہیں یا حضور اکرمؐ کو، اس سے علامہ کی مراد تجلیات ہیں اور تجلیات سے تعلیمات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، منصورؒ نے جنہوں نے ''انا الحق'' کا نعرہ لگایا، اپنی کتاب کا نام ''کتاب الطواسین'' رکھا تھا۔

ا-۱۴= رومی: مولانا جلال الدین رومیؒ دلیل: راہ نما، راستہ دکھانے والا تشنہ

کاماں: تشنہ کام کی جمع، پیاسے سلسبیل: جنت کی ایک نہر اللہ ھو: وہی اللہ ہے، اللہ ہی معبودِ مطلق ہے، اللہ وہی ایک ہے، توحید ایزدی سیارتر: زیادہ چلنے والا، تیز گردش والا شاعرِ ہندی: یعنی ہندوستان کا شاعر، مراد ہندوستان کے عام شاعر جن کی شاعری میں صرف زلف ورخسار اور گل وبلبل وغیرہ کے مضامین ہوتے ہیں خدایش یار باد: خدا اس کا دوست ہو، یعنی اسے خدا کی طرف سے ہدایت نصیب ہو خنیاگری: راگ رنگ، ناچ گانا آموختہ: سکھایا ہے چاویدہ: مراد چڑیا کی چوں چوں، کوے کی کائیں کائیں نشناسد: نہیں پہنچانتی/ پہچانتا منام: نیند، خواب انبارِ گل: مٹی کا ڈھیر آدم گری: انسان کی شخصیت کی تعمیر مقام: موسیقی کی اصطلاح، راگ، اونچے نچلے سر

۱۵-۲۴= بازگوے: دوبارہ بتایئے/ کہیے اقوام: جمع قوم، قومیں ملل: جمع ملت، ملتیں، قومیں آیات: جمع آیت، نشانیاں مخلوقات: جمع مخلوق، تخلیق کی گئی چیزیں ناطق: بولنے والا استخوان: ہڈی، ہڈیاں ریشہ: پھلوں یا دھاگوں کے بالوں سے ملتے جلتے چھوٹے تار جو کسی کام نہیں آتے نجم: قرآنی سورت (والنجم، ۲۷ پارہ) نور: قرآنی سورت (النور، ۱۸واں پارہ) نازعات: قرآنی سورت (تیسویں پارے کی ایک سورت جو النازعات سے شروع ہوتی ہے) احرار: حُر کی جمع، آزاد لوگ/ بندے ضربت کرار: حضرت علیؓ کرار کی ضرب، بڑھ بڑھ کر ضرب لگانے کا عمل مرم: مت بھاگ می بایست دید: جو کچھ دیکھنا چاہیے کندہ: کھدے ہوئے طاسین: تعلیمات کے صحیفے

۲۵-۳۱= دلیل: راستہ دکھانے والا، رہنما خستہ گردد: تھک جاتا ہے مقام: پڑاؤ، منزل پازدم: میں نے قدم بڑھایا، میں چلا آمد پدید: پدید آمد، ظاہر ہوئیں/ ہوگئیں مدام: ہمیشہ، مسلسل فرشیاں: فرشی کی جمع، اہل زمین عرشیاں: عرشی، فرشتے بصیر: بینا، دیکھنے والے برگیرم: میں اٹھاتا ہوں رُسل: رسول کی جمع

طاسینِ گوتم

توبہ آوردنِ زنِ رقاصۂ عشوہ فروش

= گوتم: گوتم بدھ، مہاتما گوتم بدھ، بدھ مذہب کے بانی، اس مذہب کے پیرو آج بھی چین، جاپان، نیپال، بھارت وغیرہ میں بکثرت ہیں۔ ولادت تیسری یا چوتھی صدی قبل از مسیح، اسی برس کی عمر میں وفات پائی، ان کی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل آٹھ اصولوں پر مشتمل ہے (۱) صحیح عقیدے کی پابندی (۲) آنکھ کا اخلاص (۳) گفتار کا اخلاص (۴) علم کا اخلاص (۵) معاش کی پاکیزگی (۶) محنت کی پاکیزگی (۷) یاد کی پاکیزگی (۸) مراقبہ کی پاکیزگی، ان کی تعلیم میں خدا کا کوئی ذکر نہیں۔ علامہ نے ان کے مسلک اور دھرم/ مذہب سے قطع نظر کرتے ہوئے ان کے اخلاق کا ایک مرقع پیش کیا ہے توبہ آوردن: توبہ کرنا عشوہ فروش: مراد ناز و ادا دکھانے والی

۱-۱۰= مے دیرینہ: پرانی شراب جناں: جنت چیزے نیست: کوئی چیز نہیں ہے، کوئی قدر و اہمیت نہیں ہے شناسی: تو سمجھتا ہے کراں: کنارہ، ساحل از خود اندیش: خود پر غور کر ترساں: ڈرتے ہوئے مگذر: مت گذر/ جا کاویدم من: میں نے تراشا ہے بودن: ہونا، رہنا رستن: نجات پانا، چھٹکارا حاصل کرنا چیزے ہست: کوئی چیز ہے، اصل چیز ہے، یا قدر و اہمیت والی بات ہے چشمِ مخمور: مست/ نشیلی آنکھ نگاہِ غلط انداز: غلط پڑنے والی نگاہ سرود: گانا بجانا

رقاصہ

= رقاصہ: رقص کرنے والی، ناچنے والی عورت

۱-۶= فرصت: اجازت، موقع مدہ: مت دہ گیسوئے تابدار: بل کھائے ہوئے گیسو، الجھی ہوئی زلفیں نہاد: رکھی پلاس: بوریا یا ٹاٹ سے تیار کردہ لباس فراغِ خاطرے: دل کا اطمینان، دلی سکون و اطمینان زنم: میں چھیڑوں، میں گاؤں بدوش می کشد: کندھوں پر اٹھالیتا ہے

طاسینِ زرتشت

آزمایش کردنِ اہرمن زرتشت را

= زرتشت: پارسیوں یعنی آتش پرستوں کا نبی، حضرت عیسیٰؑ سے کوئی نوصدیاں پہلے ایران کا ایک شخص جو نبوت کا دعویدار تھا، اسے زردشت بھی کہتے ہیں، فیثا غورث حکیم کا شاگرد اور منوچہر کی نسل سے تھا، آتش پرست مذہب کا بانی، مجوسی یعنی پارسی یا آتش پرست اسے پیغمبر کہتے ہیں اور اس کی کتاب ''ژند'' کو آسمانی صحیفہ سمجھتے ہیں، اس کے مذہب کی بنیاد دو خداؤں پر ہے، خالق خیر کا نام ''اہورامزدا'' اور برائیوں اور شر کے خدا کا نام اہرمن (شیطان) ہے، اس کے مطابق سب عناصرِ اربعہ (آب و آتش، خاک و باد) لائق احترام ہیں، لیکن آتش کو سب پر فضیلت حاصل ہے، اسی لیے اس نے آتش کی عبادت کا حکم دیا   اہرمن: شیطان

۱-۳ = فرودیں: فروردیں، شمسی سال کا پہلا مہینہ، موسم بہار کا مہینہ   دے: شمسی سال کا دسواں مہینہ، سخت سردی اور خزاں کا موسم   خوار وزبونم: مجھے ذلیل وخوار   جلوۂ سینا: خدا کا وہ جلوہ جو حضرت موسیٰؑ کو وادیِ سینا کے کوہ طور پر نظر آیا تھا   ید بیضا: روشن ہاتھ، حضرت موسیٰؑ کا معجزہ، جب وہ اپنی آستین سے ہاتھ نکالتے تو وہ بہت روشن ہوتا

۴-۱۳ = یثاق: وعدہ، عہد و پیمان   ابلہی است: بیوقوفی / نادانی ہے   تکیہ کردن: بھروسا / اعتبار کرنا   بادۂ گلفام: گلابی رنگ کی شراب   ارّہ: آرہ، جس سے لکڑی چیرتے ہیں، حضرت زکریاؑ سے متعلق تلمیح، وہ کفار کے ڈر سے ایک کھوکھلے تنے کے درخت میں چھپ گئے، کفار نے آکر وہ درخت آرے سے کاٹ دیا، جس سے حضرت زکریاؑ بھی کٹ گئے   کرم: کیڑا، حضرت ایوبؑ کے واقعہ کی تلمیح، ایک موقع پر ان کا جسم زخموں سے بھر گیا اور ان زخموں میں کیڑے پڑنے لگے لیکن وہ ہر طرح سے صابر وشاکر رہے   صلیب: سولی، پھانسی، حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ کی تلمیح جنہیں اہل یہود نے پھانسی پر لٹکا دیا تھا   بگذار: چھوڑ   خیل: گروہ   گزیں: اختیار کر (گ پر پیش)   باید گذشت: چھوڑ دینا چاہیے   نیم سوز: آدھا جلا ہوا، یہاں مراد بے ہوش

زرتشت

۱-۴= ظلمت: تاریکی نزاد: پیدا نہیں ہوا نتواں کشید: کھینچا نہیں جا سکتا
وانمودن: آشکارا کرنا آزمودن: آزمانا

۵-۸= پردہ در: پھاڑنے والی می تپید: تڑپتا رہا، تڑپا تپیدن: تڑپنا
رسن: رسی عیدین: دو عیدیں، مراد عیدیں

۹-۱۶= نخواست: اس نے نہ چاہا دیدن: دیکھنا کلیم اللہی: اللہ سے باتیں کرنا، حضرت موسیٰ کی تلمیح می خرامد: ٹہلتا ہے، آجاتا ہے بگذشتن: گذرنا، گذر جانا کنشت: آتشکدہ، آتش پرستوں کی عبادگاہ دیر: مندر رفتن: جانا آدم گر: آدمی بنانے والا، عام آدمی بھی جذبہ عشق پیدا کرلے اسے صحیح معنوں میں انسان بنانا جو خالق کی رضا ہے نیاز: عاجزی، انکسار

طاسین مسیح

رویائے حکیم طالستائی

= طاسینِ مسیح: حضرت عیسیٰ کی تعلیمات رویائے: خواب حکیم طالستائی: روس کا ایک فلسفی، ولادت ۱۸۲۸ء مقام بسنایا، باپ بہت بڑا جاگیردار تھا، نو برس کی عمر میں یتیم ہوگیا، ۱۵ برس کی عمر میں فاران یونیورسٹی میں داخل ہوا، ۱۸۵۱ء میں فوج میں ملازم ہوا، ۱۸۵۵ء میں جنگ کریمیا میں شرکت کی، ۲۴ برس کی عمر میں شادی کی اور ملازمت چھوڑ کر تصنیف و تالیف میں مصروف ہوگیا، کئی ناول لکھے، پھر اس پر مذہب کا رنگ غالب آ گیا، اس نے انجیل کا ترجمہ کیا، ۱۸۹۴ء میں ''خدا کی بادشاہت تمہارے اندر ہے'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی، پھر ۱۹۰۲ء میں ''مذہب کیا ہے'' لکھی، اس کی بیوی کے خیالات اس سے مختلف تھے جس کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور مرنے سے دو ہفتے قبل اس نے گھر چھوڑ دیا، ۸ نومبر ۱۹۱۰ء میں اس نے کس میرسی کی حالت میں وفات پائی، اس وقت سوائے جسم کے کپڑوں کے

اس کے پاس کچھ نہ تھا، پاکیزگی نفس اور درویشی وایثار کے لحاظ سے وہ حضرت عیسیٰ مسیح کی سیرت کا سچا پیرو تھا، وہ حضرت عیسیٰ کی صلیب گلے میں لٹکانے کی بجائے اپنے کندھے پر اٹھائے پھرتا کوہسار ہفت مرگ: چاند کے ایک پہاڑ کا نام قیر: تارکول تشنہ میر: پیاس میں مرجانے والا تندسیر: تیز چلنے والی، تیزہ بہنے والی سیماب: پارہ (سیم + آب = آبِ سیم، چاندی کا یا سفید پانی، پارہ چونکہ سفید ہوتا ہے اس لیے اسے سیماب کہا جاتا ہے، وہ مسلسل ہلتا رہتا ہے) زنے نازک تنے: ایک نازک بدن عورت، دلکش جسم والی حسینہ کافری آموز: کافری/کفر سکھانے والی، مذہب سے بیگانہ کرنے والی، مراد بے حد حسین و دل ربا پیرانِ کنشت: مراد مذہبی رہنما، پادری توکیستی: تو کون ہے؟ فسونِ سامری: سامری کا جادو، سامری حضرت موسیٰ کے دور کا مشہور جادوگر جس نے دھات سے بچھڑا بنا کر حضرت موسیٰ کی قوم کو گمراہ کر دیا تھا یخ بہ بست: جمی ہوئی برف بن گئی استخوان: ہڈی، ہڈیاں اندکے: ذرا پورِ مریمؑ: حضرت مریمؑ کا بیٹا، یعنی حضرت عیسیٰ مسیح فلاطوس: روم کے حاکم کا نام جس کے حکم سے اور یہودیوں کے اصرار پر حضرتِ عیسیٰ کو سولی پر لٹکایا گیا تھا بتانِ نیم خام: مراد کچی چاندی کے بت، حسین عورتیں روح القدس: پاکیزگی کی روح، جبرئیل، مسیحی روایت کے مطابق روح القدس حضرت عیسیٰ پر کبوتر کی شکل میں نازل ہوا تھا، مراد حضرت عیسیٰ نشناختی: تو نے نہ پہچانی خریدی: تو نے خریدا درباختی: تو نے ہار دی، ضائع یا تباہ کر دی

۱۸-۲۷= نازنینِ جلوہ مست: اپنے حسن کے جلووں میں مست، کھوئی ہوئی گندم نمائے جو فروش: گندم دکھا کر جو بیچنے والی، فریبی، دھوکے باز ملت فروش: یعنی ملحد کین: دشمنی ورزیدہ ای: تو نے اختیار کر رکھی ہے دزدیدہ ای: تو نے چرا لیا ہے کو: کہ او، وہ جو عقدہ...کشاد: گتھی سلجھائی، گرہ سلجھائی فکرِ چنگیزی: چنگیز کی سی سوچ مراد تباہ و برباد کرنے والی فکر رفتہ جاں: جسم سے گئی ہوئی جان دخمہ: قبر (دخمہ وہ جگہ جہاں پارسی/آتش پرست اپنے مردے رکھتے تھے، یہاں مجازاً قبر) ناسوت: جسم لاہوت: روح باش: ٹھہر، رک

طاسینِ محمدؐ

نوحہ رُوحِ ابو جہل در حرم کعبہ

= ابو جہل: اصل نام عمرو بن ہشام، کنیت ابو الحکم، قبیلہ قریش کے سرداروں میں سب سے زیادہ عقل مند تھا۔ اس نے حضور اکرمؐ کے پیغام توحید کی سخت مخالف کی اور اہل مکہ کو بت پرستی و شرک پر آمادہ کرتا رہا، اس نے حق کو نہ پہچانا جس کے باعث حضورؐ نے اسے ''ابو جہل'' (جہالت کا باپ، بے حد جاہل) کا خطاب دیا، جب اسلام غالب آ گیا تو کعبہ میں رکھے ہوئے بہت سے بتوں کو، جن کی اہل مکہ پوجا کیا کرتے تھے، کو وہاں سے نکال دیا گیا، ابو جہل کو اس کا شدید صدمہ پہنچا۔ اس کی روح کا یہ نوحہ اسی حوالے سے ہے گل شد: بجھ گیا

۱-۹= قیصر و کسریٰ: ایرانِ قدیم کے بڑے بڑے بادشاہ سرود: بات کی ربود: اچک لیا بساط: چٹائی، فرش درنورد: لپیٹ دی لات و منات: کعبہ کے دو بتوں کے نام گست: دل توڑ لیا فرو بستن: یعنی مرکوز کرنا می ناید: نہیں آتا ہے کوری: اندھا پن خدائے بے جہات: لا ثانی خدا، جس کا کوئی ثانی نہیں ہے

۱۰-۱۹= قاطع: جڑیں کاٹنے والا احرار: جمع حر، آزاد لوگ کلفتانِ حبش: حبشہ کے موٹے اور بدصورت لوگ، کلفتاں، کلفت کی جمع، مراد حبشی جو سیاہ رنگ کے اور بدصورت ہوتے ہیں درساختہ: موافقت کر لی احمراں: احمر کی جمع، سرخ لوگ، گورے لوگ اسوداں: اسود کی جمع، کالے لوگ آمیختند: مل گئے ریختند: انہوں نے گرا دی، مٹی میں ملا دی ابنِ عبداللہ: حضرت محمدؐ مساوات: برابری مواخات: بھائی چارا اعجمی: غیر عرب لوگوں کی سلمانؓ: حضرت سلمانؓ فارسی، حضور اکرمؐ کے قریب تر صحابیؓ ایران سے تعلق تھا، اسی لیے سلمانؓ فارسی کہلائے، پہلا نام ''مابہ'' تھا، اسلام لانے کے بعد حضورؐ نے ان کا نام سلمان رکھا، تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ عرب روانہ ہوئے لیکن انہوں نے دھوکا دیا اور سلمان کو ایک یہودی کے پاس بیچ دیا، بعد میں اس یہودی کا چچازاد بھائی اس سے ملنے آیا تو اس نے سلمان کو اس کے ہاتھ بیچ دیا، وہ انہیں

لے کر مدینے پہنچا، انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام قبول کرلیا، حضورؐ نے انہیں اس غلامی سے نجات دلائی۔ زہد و قناعت، توکل و عبادت، صداقت، امانت اور عدل و انصاف اور دیگر اخلاقِ حسنہ میں انہوں نے ایسا مقام حاصل کرلیا کہ ایک موقع پر حضورؐ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے'' مزدکی: مزدک کا پیرو، مزدک پانچویں صدی عیسوی کا ایک شہرۂ آفاق ایرانی فلسفی، جو زرتشت پیغمبر کے مذہب کا مبلغ تھا، ۵۴۸ء میں ایران کے بادشاہِ وقت خسرو قباد نے جو پہلے اس کا مرید ہوگیا تھا، اب اپنے بیٹے خسرو اول کے کہنے پر مزدک اور مزدکیوں کو دعوت کے بہانے بلا کر سب کو قتل کردیا، مزدک کی تعلیمات و اقوال میں موجودہ کمیونزم/ اشتراکیت کی ابتدائی شکل نظر آتی ہے، ابو جہل نے سلمان کو آتش پرست کہا ہے حضرتِ ہاشم: ہاشمی خاندان، بنی ہاشم، ہاشم، حضور اکرمؐ کے مورثِ اعلیٰ جو حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کے دادا تھے اصل عدنانی: مراد عدنان کی اولاد کی اصل، عدنان قریش کے مورثِ اعلیٰ جن کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیلؑ سے ملتا ہے گنگ: گونگا آدمی گفتارِ سحبانی: سحبان کی سی گفتگو یا تقریر، سحبان قبیلہ وائل کے ایک مشہور خطیب جن کا شمار عرب کے فصحا میں ہوتا ہے، فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، ۵۴ھ میں وفات پائی، امیر معاویہؓ نے ایک موقع پر مسلسل تین گھنٹے ان کی تقریر سن کر انہیں ''خطیب العرب'' کا خطاب دیا تھا برنیائی: کیا تو نہیں نکلے گا، تو کیوں نہیں نکلتا زہیر: عرب کا ایک نامور شاعر جو کفار کی طرف سے شعر کہہ کر اسلام کی برائی بیان کیا کرتا، فصیح شاعر تھا، اس کا ایک قصیدہ ان قصیدوں میں شامل ہے جو قبل از اسلام کعبہ میں لٹکائے گئے تھے

۲۰-۲۵= سنگِ اسود: سیاہ پتھر جو کعبہ میں رکھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیمؑ جب کعبہ کی تعمیر فرما رہے تھے تو جبرئیل امین اوپر سے لائے تھے، اسے بوسہ دینا ارکانِ حج میں شامل ہے ہبل: بت کا نام پوزش پذیر: عذر/ معافی قبول کرنے والا کن سبیل: سبیل کن، حوالے کردے انّھم ....: گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں جو گر پڑے ہوں، یہ فقرہ سورۂ القمر آیت ۲۰ میں سے ہے جس میں قوم عاد کی تباہی کا ذکر ہے منات: بت کا نام لات: بت کا نام اِنْ کُنْتِ: اگر تو نے جدا ہونے کا ارادہ کرلیا ہے، امرؤالقیس کے ایک مطلع سے ماخوذ ہے

فلکِ عطارد

زیارتِ ارواحِ جمال الدین افغانی وسعید حلیم پاشا

(جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی روحوں کی زیارت)

= **جمال الدین افغانی:** سید جمال الدین، اسعد آباد (افغانستان) میں ولادت ہوئی، سال ولادت ۱۸۳۸ء ان کے والد سید محمد صفدر امیر کابل کے دوست محمد خاں کے مشیر تھے، ۱۸ برس کی عمر میں علوم متدوالہ حاصل کر لیے۔ ۱۸۵۶ء میں حج کے ارادے سے برصغیر ہند میں آ کر ایک سال قیام اور ۱۸۵۷ء میں حج ادا کیا اور افغانستان لوٹ گئے۔ تمام عمر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں بسر کی۔ امیر نے انہیں اپنی سلطنت میں لے لیا لیکن ان کی ملوکیت دشمنی کی بنا پر انہیں جلاوطن کر دیا۔ وہ ہندوستان چلے آئے۔ انگریز نے جو اس وقت وہاں حاکم تھے، انہیں مصر بھیج دیا، وہاں سے چند ماہ بعد قسطنطنیہ چلے گئے لیکن چند ہی دنوں بعد مصر کے علماء کے اصرار پر پھر قاہرہ آ گئے اور وہاں اہل علم کا مرجع بنتے چلے گئے۔ والی مصر اسمٰعیل پاشا نے انہیں مصر سے پھر جلاوطن کر دیا۔ ۱۸۷۹ء میں پھر ہندوستان پہنچے جہاں حکومت نے انہیں حیدر آباد دکن میں نظر بند کر دیا۔ آخر اس شرط پر ان کی نظر بندی ختم ہوئی کہ وہ یورپ کے کسی ملک میں چلے جائیں، چنانچہ وہ فرانس چلے گئے، وہاں فرانسیسی زبان سیکھی۔ پھر اسلام کی حقانیت پر تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا، وہاں ایک ماہ نامہ ''عروۃ الوثقیٰ'' جاری کیا جس کا ایک حصہ عربی اور دوسرا فرانسیسی میں ہوتا تھا۔ حکومت فرانس نے ان کی حق گوئی کے باعث وہ رسالہ بند کر دیا۔ غرض اس کے بعد وہ ایران، روس اور پھر قسطنطنیہ گئے لیکن حکمران انہیں خود بلا کر انہیں ان کی حق گوئی پر واپس بھیج دیتے رہے۔ ۱۸۹۷ء میں ترکی میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنی تحریر و تقریر سے دنیا کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اس حقیقت سے باخبر کیا کہ قرآن کریم کے علاوہ کوئی قانون انسان کی مادی اور روحانی اصلاح نہیں کر سکتا۔

= **سعید حلیم پاشا:** ولادت ۱۸۶۵ء بمقام قسطنطنیہ، ان کے والد خدیو مصر محمد علی پاشا کے دوسرے بیٹے تھے۔ اہل مصر نے توفیق پاشا خدیو مصر کے طرز عمل سے تنگ آ کر

سعید حلیم پاشا کو تخت نشین کرنا چاہا لیکن انگریزوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ وہ ۱۸۸۹ء میں قسطنطنیہ چلے گئے۔ ۱۹۰۲ء میں انہیں ''پاشا'' کا لقب ملا۔ ۱۹۱۳ء میں انہیں وہاں وزیراعظم مقرر کیا گیا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم اول میں انہوں نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ۱۹۱۹ء میں انگریزوں نے قسطنطنیہ پر قبضے کے بعد انہیں مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ سال بعد انہیں رہائی ملی اور وہ روم چلے گئے۔ ۶ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ایک ارمنی نوجوان نے ان کی پیشانی پر پستول سے گولی چلا کر انہیں شہید کر دیا۔ انگریزی، فرانسیسی، ترکی اور عربی چاروں زبانوں میں انہیں پوری مہارت تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ ملت اسلامیہ کو قرآنی حقائق سے آگاہ کر کے انہیں جمود سے حرکت میں لائیں۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب (جو ترکی زبان میں تھی) میں عقلی اور نقلی (نقل یا بیان کیے گئے) دلائل سے یہ ثابت کیا کہ اسلام بہترین ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ اپنے ایک مضمون میں اسلامی دنیا کے زوال کا باعث یہ بتایا کہ اصولِ اسلام کی عملی تعبیر غلط یا ناقص طریقے پر کی گئی ہے، لہٰذا اس کے ازالہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہم اصول اسلام کی صحیح تعبیرات پیش کریں اور یورپ کی اندھا دھند پیروی سے بچیں۔ ان کے قتل میں انگریزوں کا ہاتھ تھا۔

۱-۹= بردہ پیش: آگے بڑھایا، آگے بڑھا بدامِ ہست و بود: یعنی زمان و مکاں کے جال میں نیلی تتق: نیلا آسمان (جاوید نامہ کے دوسرے ایڈیشن میں کتابت کی غلطی سے تق ہے) چون است؟: کیسے ہے؟ پرزنم: میں پر مارتا ہوں، اب میں اڑنے لگا ہوں دیرینہ تر: زیادہ پرانا، بہت پہلے کا ابرکے: ایک چھوٹا سا بادل بالیدہ ے: ابھرا یا پیدا ہوا ہے دستبرد: لوٹ مار خردہ گیر: عیب نکالنے والا، نکتہ چینی کرنے والا

۱۰-۱۷= خاکداں: زمین بوالبشر: بشر کا باپ یعنی حضرت آدمؑ رخت بست: سامانِ سفر باندھا زائراں: زائر کی جمع، زیارت کرنے والے مقامِ ارجمند: مراد اعلیٰ مرتبہ یا قدر و وقعت والا مقام فضیلؔ بوسعیدؔ، جنیدؔ و بایزیدؔ: یہ سب عظیم صوفیا کے نام ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں میں ہوئے (فضیلؔ ولادت سمرقند، وفات محرم ۱۸۷ھ مزار مکہ شریف میں ہے۔ بوسعید ولادت

خراسان، وفات یکم محرم ۳۵۷ھ۔ جنیدؔ تیسری صدی ہجری کے بہت بڑے صوفی، سکونت بغداد میں تھی، ۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ بایزیدؔ، دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی، بسطام میں ولادت ہوئی، ۱۳۸ھ اور وفات ۲۶۱ھ)

۱۸-۲۳= اندر قیام: نماز میں کھڑے مقتدی: دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے والا طلعتش: اس کا چہرہ برتافت: چمک اٹھا نزاد: پیدا نہیں کیے سید السادات: سیدوں کا سید، سرداروں کا سردار سفال: مٹی مزدش: اس کی اجرت

۲۴-۲۸= قرأت: قرآن کریم کا پڑھنا، تلاوت سخت کوش: بہت جدوجہد کرنے والا پیرمرد: بوڑھا آدمی/ دلیر خلیل: حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ناصبور: بے صبر، بیقرار قبور: جمع قبر داؤد: حضرت داؤدؑ جن کے اپنے لحن کی تاثیر سے درخت، پتھر اور چرند و پرند پر وجد طاری ہو جاتا تھا ام الکتاب: کتابوں کی ماں، قرآن کریم

۲۹-۳۲= ذرہ ٔگردوں نورد: آسمان طے کرنے والا ذرہ مراد اقبال فراخائے وجود: کائنات کی وسعت زندہ رود: شمالی ایران کی ایک ندی کا نام، یہاں اقبال مراد ہیں

افغانی

۱-۲= خاکدانِ ما: ہماری دنیا قدسیاں: قدسی کی جمع فرشتے

زندہ رود

۱-۴= ملت گیتی شکن: یعنی ایسی ملت/ قوم جو مادی دنیا کے بت توڑنے پر مبعوث ہوئی دینِ مبیں: روشن دین آویزش: مراد کشمکش یا جنگ ترک و ایران و عرب: یعنی اسلامی ملکوں کے سب لوگ، سب مسلمان مستِ فرنگ: انگریزی تہذیب و ثقافت اور فکر سے بے حد متاثر شستِ فرنگ: فرنگیوں/ انگریزوں کا کانٹا سلطانیِ مغرب: اہل یورپ کی حکمرانی خراب: برباد اشتراک: اشتراکیت، سوشلزم

افغانی

دین ووطن

۱-۱۱= لردمغرب: یورپ کالارڈ، یہاں مراد حکمران طبقہ شام وفلسطین وعراق: مسلم ملکوں کے نام، مراد وطن پرستی کلوخ: ڈھیلا خشت: اینٹ دل نہ بندی: دل نہ لگانا برخاستن: اٹھنا می نگنجد: نمی گنجد، نہیں سماتا اللہ ھو: صرف وہی اللہ/ معبودِ مطلق ہے پرِ کہ: پرِ کاہ، گھاس کا تنکا برخیزد: اوپر اٹھتا ہے حیف: افسوس، افسوس کی بات ہے میرد: مر جائے بردمید: ابھرا یعنی تخلیق ہوا کشید: اس نے کھینچا، حاصل کیا غلطد مدام: ہمیشہ/ مسلسل لوٹتا رہے نپرد: نہ اڑے درشو: داخل ہو جا، مل جا مردِ حر: آزاد مرد، مرد حق کارِ موش: چوہے کا کام

۱۲-۱۸= نامیدی: تو نے نام رکھا ہے مصر وایران ویمن: مسلم ملکوں کے نام، وطنیت کے حوالے سے کہا ہے بستہ است: ایک یا خاص نسبت ہے مُو: بال بردمد: پھوٹتا ہے یعنی طلوع ہوتا ہے آرد بدست: ہاتھ میں لے، وہ لپیٹ میں لے لیتا ہے بری است: آزاد ہے خاوری: مشرقی، مشرق سے طلوع ہونے کے باعث ایسا کہا ہے

اشتراکیت وملوکیت

۱-۶= صاحبِ سرمایہ: کتاب سرمایہ کا مصنف کارل مارکس، جرمنی کا مشہور یہودی ماہرِ اقتصادیات، اس کی اس کتاب کو اشتراکیت کی بائبل سمجھا جاتا ہے، اس کے فلسفے کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا میں انسان کا سب سے بڑا دشمن مذہب ہے، خدا، روح، قیامت اور حیات بعد الموت سب بے معنی لفظ ہیں، زندگی کا مقصد پیٹ بھرنا ہے اور عقل کے مطابق روٹی سب کو برابر ملنی چاہیے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے موجودہ معاشرتی نظام کو طاقت سے تہ و بالا کر دینا چاہیے، اس لیے کہ

اشتراکیت اس کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ کارل مارکس کی ولادت بمقام تریف (جرمنی) ۱۸۱۸ء، وفات ۱۸۸۳ء، اس نے ۱۸۴۹ء میں لندن کو اپنا وطن بنالیا اور وہیں افلاس کی حالت میں فوت ہوا پیغمبر بے جبرئیل: جبرئیل کے بغیر پیغمبر، مراد اصل پیغمبر نہیں بلکہ اپنی کتاب ''سرمایہ'' کے حوالے سے ایک پیغام پہنچانے والا مضمر: پوشیدہ، چھپا ہوا غربیاں: غربی کی جمع اہل مغرب/ یورپ جویند: تلاش کرتے ہیں اشتراک: اشتراکیت حق ناشناس: حق/حقیقت کو نہ پہچاننے/ جاننے والا مساوات شکم: پیٹ کی مساوات یعنی ملک کی دولت سب کے لیے برابر ہے اساس: بنیاد اخوت: بھائی چارا، ایک دوسرے کو بھائی سمجھنا بیخ: جڑ

۷-۱۱= ہم ملوکیت: بادشاہت بھی فربہی: موٹاپا تہی: خالی زنبورے کہ: وہ شہد کی مکھی جو می چرد: چرتی ہے بگذارد: چھوڑ دیتی ہے برد: لے جاتی ہے ہماں: وہی، اسی طرح دیدن: دیکھنا مخواں: مت کہہ، نہ کہہ

۱۲-۱۶= ناصبور: بے صبر، غیر مطمئن ناشکیب: بے قرار، بے چین آدم فریب: انسانوں کو دھوکا دینے والے خروج: بغاوت، اعلانِ جنگ، مراد اشتراکیت میں مزدوروں نے سرمایہ داروں کے خلاف جو ہلڑ بازی کی خراج: ٹیکس کی صورت زجاج: شیشہ آرد شکست: توڑ پھوڑ کرتی ہے آب وگل: مراد مادیت سوختن: جلنا، سوز ساختن: ساز، موافقت کرنا انداختن: ڈالنا، بونا

سعید حلیم پاشا

شرق وغرب

=(مشرق اور مغرب)

۱-۸= زیرکی: دانش وحکمت شرقیاں: جمع کی شرقی، اہل مشرق محکم اساس: مضبوط بنیاد والا ہم بر: ہم آغوش خیز: تو اٹھ بنہ: رکھ، ثبت کر آمیزدہ: ملا دے خوردند: انہوں نے کھائے بسمل افتادند: زخمی ہو کر گر

پڑے   چوں: مانند   نخچیر: شکار   مجو: مت تلاش کر   تاکِ شاں: ان کی انگور کی بیل، مراد شراب   آفریدن: پیدا/تخلیق کرنا

۹-۲۰= مصطفیٰ: یعنی جدید ترکی کا بانی مصطفیٰ کمال پاشا ولادت بمقام سالونیکا ۱۸۸۰ء وفات ۱۹۳۸ء   تجدد: مراد جدید رنگ دینا   باید زدود: مٹا دینا چاہیے   آہنگِ نو: نیا سُر   چنگ: باجا، ساز   کہنہ: پرانا   لاجرم: بے شک   گداخت: پگھل گیا   طرفگی ہا: طرفگی کی جمع، عجائبات، عجیب چیزیں ہونا، انوکھے پن، جدیدیت   نہاد: فطرت   تقلید: پیروی   تقویم حیات: زندگی کی جنتری، جنتری میں نجومی سال بھر کے حالات و واقعات کے ظاہر ہونے کا حساب رکھتے ہیں، یہ چند اوراق پر مشتمل ہوتی ہے   خلاق: بہت تخلیق کرنے والا، خالق   اعصار: جمع عصر زمانے   دہور: جمع دہر ادوار، بہت سے دور   جگر: یعنی حوصلہ   آنات: اوقات، زمانے   پیچیدہ: بل کھا رہے ہیں   معنی رس: حقیقت تک رسائی پانے والا   آیات: نشانیاں   برِ او: اس کا پہلو

زندہ رود

۱= زورق: کشتی   خاکیاں: جمع خاکی، آدمی جو مٹی سے بنا ہے   ناخدا: ملاح

افغانی

۱-۷= قم: مراد ''قم باذنِ اللہ'' (اللہ کے حکم سے اٹھ)   سلاطین: جمع سلطان، آقا   عبید: غلام زرخرید   کرانش: اس کا کنارہ   ناپدید: جو ظاہر نہ ہو   رعنا: تازہ اور شاداب، حسین   افگند: ڈالا   عمرؓ: یعنی حضرت عمرؓ فاروق   لایزال: جسے زوال نہیں   وارداتش: اس کی واردات، کارنامے   محکماتش: اس کی محکمات، مراد قرآن کریم کی وہ آیات جن کے احکام واضح ہیں اور ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی

محکماتِ عالمِ قرآنی

۱- خلافتِ آدم

۱-۱۲= عالمِ ارحام: رحموں کا عالم، ارحام، جمع رحم، ماں کا پیٹ جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، بچے دانی   سام وحام: حضرت نوحؑ کے دو بیٹوں کے نام، سام کی نسل سے اہل شام وعرب اور حام کی نسل سے افریقی ہیں   کوکب: ستارہ   مدارش: اس کا دائرہ، جائے گردش   انی جاعل: ایک آیتِ قرآنی کا حوالہ جس میں ارشاد خداوندی ہے کہ ''میں زمین پر اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں اور وہ خلیفہ آدم ہوگا'' سورۂ البقرہ، آیت ۳۰   مداد: سیاہی   خردہ خردہ: بتدریج، رفتہ رفتہ ثغور: جمع ثغر، سرحد   عیار: پرکھ، کسوٹی   یم بے ساحلش: اس کا بے حد وسیع سمندر، جس کا کوئی کنارہ نہیں   بگنجد: سماتا ہے   ممکنات: ممکن کی جمع، صلاحیتیں، اہلیتیں، قوتیں، یہاں مراد دنیا کی مخلوقات

۱۳-۲۰= عشق یک بیں: ایک کو دیکھنے کا عشق (توحید)   دوئی: دو ہونا، کثرت صورت گر: نقاش، مصور   نگہ دارندہ: حفاظت کرنے والی   لوح: تختی ثباتِ زندگی: مراد نسل کا تسلسل، زندگی کا استقلال   درگسست: نکلیں، نکلتی ہیں صورت نہ بست: صورت اختیار نہیں کی، نہیں کرتے   ارج: قیمت، قدر، وقار ارجمندی: سربلندی   قدسیت: پاکیزگی، طہارت، فرشتہ پن

۲۱-۲۹= بردہ تاب: روشنی چھین لی ہے   فاش گویم: میں کھل کر یا واضح طور پر کہتا ہوں ذوقِ تخلیق: پیدا کرنے کا ذوق شوق   فروغ: روشنی   گرددرقیب: رقیب گردد، حفاظت کرنے والا بن جاتا ہے   حرا: غارِ حرا، مکہ معظمہ میں ایک پہاڑی کے غار کا نام جہاں حضور اکرمؐ بعثت نبوی سے قبل عبادت فرمایا کرتے تھے اور وہیں پہلی وحی آپؐ پر نازل ہوئی   خلوت گزید: تنہائی اختیار کی   ریختند: انہوں نے یعنی کارکنانِ قضا وقدر نے ڈالا، قدرت نے ڈالا   انگیختند: یعنی وجود میں لائی گئی   کلیم: حضرت موسیٰ کلیم اللہ   عقیم: بانجھ، جن سے کوئی نتیجہ خیز بات نہیں نکل سکتی   جوئندہ تر: زیادہ تلاش کرنے والا   یابندہ تر: زیادہ

پانے والا یعنی اپنے مقصد کو زیادہ پانے والا کم آمیزی: دوسرے سے میل جول رکھنے کی صورت حال

۳۰-۳۷= می گیرد نصیب: حصہ حاصل کرتے ہیں واردات: یعنی وہ کیفیات جو علم اور عشق آدمی میں پیدا کرتے ہیں می برد: حاصل کرتا ہے، پاتا ہے عزیز: پیاری خواست: چاہا دیدار وجود: یعنی خدا کی ذات اقدس کا دیدار لن ترانی: تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، قرآنی تلمیح، جب حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر خدا سے کہا کہ اے خدا مجھے اپنا دیدار کرا، تو خدا نے جواب میں یہ الفاظ کہے دقیق: مشکل اندکے: ذرا، تھوڑی دیر کے لیے بحرِ عمیق: گہرا سمندر خلاق: بہت تخلیق کرنے والا، مراد خالق کائنات زحمتِ جلوت: ظاہر ہونے کی تکلیف نقش آفریں: نقش پیدا کرنے والا، نقاش خاتم: انگوٹھی نگین: نگینہ، جواہرات کا تراشا ہوا ٹکڑا جو انگوٹھی وغیرہ میں لگاتے ہیں

۲۔ حکومتِ الٰہی

۱-۸= زشت و خوب: برا بھلا نوشینش: اس کا میٹھا/شیریں خود بیں: اپنے آپ کو دیکھنے والی، اپنا مفاد چاہنے والی بہبود: بھلائی سود خود: اپنا نفع، اپنا مفاد بینندہ: دیکھنے والی عادل: انصاف کرنے والی/والا مصاف: جنگ وصل و فصلش: اس کی دوستی اور دشمنی لایراعی لایخاف: نہ کسی کی رعایت کرتی ہے اور نہ کسی سے خوف کھاتی ہے ناہی و آمر: منع کرنے والی اور حکم دینے والی، کسی کام سے روکنے والا اور کسی کام کے کرنے کا کہنے والا زورور: طاقتور قاہر: قہر کرنے والا آمری: آمریت، مطلق العنان حکومت ماسوااللہ: اللہ کے سوا جو کچھ ہے، خدا کے سوا

۹-۱۲= پختہ کار: تجربہ کار حصار: قلعہ جرہ شاہیں: نرشکاری باز صعوہ: ممولا مشیر: مشورہ دینے والا بے بصیرت: اندھا، نابینا دہ خدایاں: دہ خدا کی جمع، جاگیردار، زمیندار، گاؤں کا وڈیرا چو دوک: چرخے کے تکلے کی مانند

۱۳-۲۱= وائے: افسوس ہے صور: وہ بگل جو اسرافیل قیامت کے روز بجائیں گے اور اس کی آواز پر مردے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے حقہ بازاں: حقہ باز

کی جمع' مداری   امم: جمع امت، امتیں، قومیں   چیدہ نرد: شطرنج کے تختہ پر رکھا ہے   شاطراں: جمع شاطر، شطرنج کھیلنے والے، چال باز   گنج ور: خزانے اکٹھے کرنے والا   کمین: گھات   اندام: جسم   نازادہ: جو ابھی پیدا نہیں ہوا   تقلیدش: اس کی پیروی   پسر: بیٹا، مراد اولاد

۳-ارضِ ملکِ خداست

=ارض: زمین   مِلک: ملکیت

۱-۱۰= حرب وضرب: لڑائی جھگڑا، جنگ   عروس: دلہن   فسوں گر: جادوگر، ساحر   سرگذشت: واقعات وحالات   عشوہ ہائے او: اس کے ناز نخرے   درنسازد: موافقت نہیں کرتے   حجر: پتھر روڑا   حضر: سفر کی ضد، وطن میں قیام   اختلاط: میل جول   خفتہ: سویا ہوا   سیار: بہت چلنے والا   بے بہا: قیمتی   پذیر: قبول کر یعنی سن   مگیر: مت پکڑ، قبضہ نہ کر   تو عقابی: تو عقاب ہے   طائف: طواف کرنے والا   الارض للہ: زمین اللہ کی ہے   باطن: مراد مفہوم

۱۱-۱۸= درگذر: چھوڑ دے   صید: شکار   بزن: لگا، مار   طریق آزری: آزر کی طرح بت تراشی کا طریقہ، آزر حضرت ابراہیمؑ کے دور کا مشہور بت تراش   مدہ: مت دے، نہ لگا   حریم: گھر   مردنِ بے برگ: ساز وسامان کے بغیر مرنا   گم شدن: گم ہو جانا، محو رہنا   نقرہ: چاندی، دولت   از بر کند: حفظ/یاد کر لیتا ہے   جوع: بھوک   رہبانی: ترکِ دنیا کرنے کا عمل

حکمت خیرِ کثیر است

= حکمت: یہاں حکمت سے مراد دو قسمیں ہیں: حکمت نظری جس میں منطق، فلسفہ، علم کلام، معاشیات واخلاقیات وغیرہ شامل ہیں۔ حکمت عملی جس میں طبیعیات، ریاضی، حساب، صنعت وحرفت شامل ہیں   خیرِ کثیر: بڑی نعمت (قرآنی آیت کا حوالہ سورۂ البقرہ، آیت ۲۶۹)   صوت: آواز   تاگوہر: چمک

سے محروم موتی اوج: بلندی برکندو: چھین لے تفسیر کل: تمام
کائنات کی تفسیر حبابے: ایک یا کوئی بلبلا سرابے: ایک سراب، وہ
ریت جو دور سے پانی دکھائی دیتی ہے، جب کوئی پیاسا اس تک پہنچتا ہے تو مایوس ہو
جاتا ہے واردات: واقعات و کیفیات بندو: لگائے ور: اور اگر
(و اگر کا مخفف) خوانی: تو پڑھے، تو پڑھے گا غاز: گیس، گیس کا دھواں
کور و کبود: یعنی اندھیرے والا، اندھیرا چھا جاتا ہے فرو دینش: اس کا فرو
دیں/فروردیں، اس کی بہار برگ ریز: پتے گرانے والی، خزاں راغ: سبزہ
زار داغ داغ: مراد تباہ و برباد یلغارے: حملہ کرنا نارے: ایک
آگ، دوزخ سیر واژونے: الٹی گردش/ رفتار کشتن: مارنا
اعماق: جمع عمق، گہرائیاں کشتہ: مارا ہوا الاماں: پناہ ہے، خدا کی پناہ
طاغوتیاں: طاغوتی کی جم، ع شیطان، شیاطین لاہوتیاں: جمع لاہوتی، اللہ
کے جہان سے تعلق رکھنے والے ہدف: نشانہ ناخوردہ: نہ لگا ہوا، نہ پہنچا
ہوا بینندہ: دیکھنے والا، بینا بولہب: حضور اکرمؐ کا چچا جو ایمان نہ لایا اور
جس کی بیوی حضورؐ کو ایذائیں پہنچایا کرتی تھی حیدر کرار: حضرت علیؓ کا لقب

زندہ رود

۱-۴ = وانمودی: ظاہر کر دیا، واضح کر دیا نکشاید: نہیں ہٹاتا چرا: کیوں نہیں
ناید: نہیں آتا عالم فرسودہ: گھسی پٹی یا ناکارہ دنیا تاتار و کُرد: تاتاری
اور کرد نسل کے مسلمان جنہوں نے ماضی میں اسلام کی خاطر بڑی تگ و دو کی
(کرد: ایران کے شمال مغرب میں صحرا نشینوں کا گروہ جس نے ماضی میں مسلم
اقتدار میں اضافے کے لیے جدوجہد کی تھی)

سعید حلیم پاشا

۱-۸ = کافرگر: مسلمان کو کافر بنانے والا یم: سمندر شگرفی ہا: عجیب عجیب باتیں
قرآں فروش: قرآن بیچنے والا، قرآنی آیات کی تفسیر حاکم وقت کی مرضی کے

مطابق کر کے ان سے دولت حاصل کرنے والا درخروش: واویلا کرتے ہوئے ام الکتاب: قرآن کریم تیرہ: تاریک بے کوکبی: ستاروں کا نہ ہونا، ستاروں کے بغیر کم نگاہ: بصیرت سے عاری، نافہم ہرزہ گرد: فضول باتیں کرنے والا تال و اقولش: اس کا بحث و مناظرہ کورِ مادرزاد: پیدائشی اندھا

۹-۱۴= بخلوت رفتہ: جس نے خلوت/تنہائی اختیار کی ہوئی ہے ثبات: پختگی، مضبوطی، پایداری فاش گفتن: واضح طور پر یا کھل کر بیان کرنا سرنگوں: سر جھکائے ہوئے مستنیر: روشن بازگوے: تو پھر سے کہہ

۱۵-۱۹= نگیرد: حاصل نہیں کرتا، نہیں لیتا پذیرد: قبول کرتا ہے، اختیار کرتا ہے تنش: اس کا جسم کل یوم: قرآنی آیت کا اقتباس، خدا ہر لمحہ ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے ''کل یوم ھو فی شان'' سورہ الرحمٰن، آیت ۲۹ کارواں: قافلہ، مراد ملتِ اسلامیہ راہش: اس کا راستہ

افغانی

۱-۸= غریب: اجنبی حرف بکر: اچھوتا لفظ غربت دیں: دین کی اجنبیت صاحب جستجو: تحقیق و تلاش کرنیوالا ندرت: انوکھا پن، خوبی دریاب: پالے، سمجھ لے آیاتِ مبیں: روشن آیتیں، واضح آیات شرقیاں: جمع شرقی، اہلِ مشرق غربیاں: جمع غربی، اہل مغرب در پیچ و تاب: بے قرار و گمراہ روسیاں: جمع روسی، اہلِ روس بردند: لے گئے، پا لیا درباختند: ہار گئے مجوے: مت تلاش کر

پیغامِ افغانی با ملت روسیہ

= ملتِ روسیہ: روسی قوم، اہل روس

۱-۶= آتشِ سوزندہ: جلا دینے والی آگ برنخورد: پھل نہیں کھایا یعنی فائدہ نہیں

اٹھایا ایاغ: پیالہ درد: تلچھٹ، میل جو پیالے وغیرہ میں نیچے رہ جاتی ہے ملوکیت: بادشاہت نہال: درخت

۷-۱۷= طرح دیگرے: ایک نئی بنیاد، نئے نظام کی بنیاد دستورِ کہن: پرانا آئین یا انداز دل پرداختی: تونے دل اٹھالیا ہے قیصریت: ملوکیت، بادشاہت استخواں: ہڈی برافروزی: تو روشن کرے، جلائے نبرد: جنگ لات وہبل: کعبہ کے پرانے بتوں کے نام، مراد بت مگرد: مت گھوم، طواف نہ کر بشیر: خوشخبری دینے والی نذیر: ڈرانے والی بستہ: وابستہ، باہم ملے ہوئے افگندہ ای: تونے ڈالا ہے، تونے پیدا کیا ہے کہنہ شد: پرانے ہوگئے دیرِ کہن: پرانا مندر خداونداں: جمع خداوند، آقا خرام: چل جوئندہ ای: تو تلاش کرنے والا ہے، جستجو کرنے والا ہے جستہ ای: تونے تلاش کر لی ہے

۱۸-۲۷= شستی: تونے دھوڈالی ام الکتاب: کتابوں کی ماں، یعنی قرآن کریم سیہ فاماں: جمع سیہ فام، کالے رنگ والے، حبشی یدِ بیضا: روشن ہاتھ (بحوالہ معجزہ حضرت موسیٰ کہ داد: کس نے دیا لاقیصر وکسریٰ: مراد یہ کہ کوئی بادشاہ نہیں مژدہ: خوشخبری دریاب: پالے خبیر: باخبر، آگاہ روبہی بگذار: لومڑی پن یعنی مکروفریب چھوڑ شیری: شیر ہونا، بے باک اور مخلصانہ انداز شیر مولا: اللہ کا شیر جوید: تلاش کرتا ہے ضیغمی: ضیغم یعنی شیر ہونا اختلاط: باہم ملے ہونا کام: حلق خیزد: اٹھتے ہیں نمی سازد: موافقت نہیں کرتے شاہدِ رعنا: خوب صورت شگفتہ محبوب/حسین

۲۸-۳۵= خواجہ: آقا دستگیر: ہاتھ پکڑنے والا، مددگار مردکِ زرکش: یعنی دولت اینٹھنے والا گھٹیا/ چھوٹا آدمی، دولت کا پجاری مجو: مت تلاش کر لن تنا: تم نیکی/ خیر نہیں پاسکتے جب تک کہ تم اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو، قرآن کریم کے چوتھے پارے کی پہلی آیت ربا: سود می زاید: پیدا ہوتا ہے فتن: فتنے، فساد (فتنہ کی جمع) قرض حسن: ایسا قرض جو کسی کو دیا جائے تو اس پر سود نہ لیا جائے اور اگر مقروض واپس کرنے کے لائق نہ ہو تو معاف کر دیا جائے (قرضِ حسنہ) تیرہ: تاریک درندہ: پھاڑ کھانے والا چنگ: پنجہ بردن: لے جانا، مراد حاصل کرنا مِلک: ملکیت ہالک: ہلاکت

ہونے والا   رایت: جھنڈا، پرچم   نگوں: نیچے   مائدہ: دسترخوان
دودۂ آدم: آدم کا خاندان، نسلِ آدم   کنفس واحدہ: ایک/ واحد نفس ہے، مراد نسل انسانی ایک ہے، آیت قرآنی کا اقتباس جس کا ترجمہ ہے ''تمہارا پیدا کرنا اور تمہارے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے ایک آدمی کا پیدا کرنا'' (سورۂ لقمان، آیت ۲۸)

۳۶-۴۳= کاہن: برہمن، ہندوؤں کا مذہبی رہنما   پاپا: پادری، عیسائیوں کا مذہبی پیشوا   مضمر: پوشیدہ، چھپا ہوا   گویا: بولنے والی   سرعت اندیشہ: فکر کی تیزی   بنہ: رکھ   حاجت: ضرورت   فزوں: زیادہ   آفریدی: تونے پیدا کیا   بم و زیر: اونچ نیچ/ اچھائی برائی

۴۴-۵۰= زخمہ: مضراب   زخمہ ور: مضراب چلانے والا، سازندہ   غنی: بے نیاز   ذاکر: ذکر کرنے والا   احتیاج: ضرورت   بردارش: اسے اٹھا لیتا ہے   بگذارش: اسے رکھ دے گا   بلرزد: کانپتی ہے   ترسم: میں ڈرتا ہوں

پیر رومؔی بہ زندہ رودؔی گوید کہ شعرے بیار

= شعرے بیار: کوئی شعر لا یعنی سنا

۱-۱۰= جگر دوزے: جگر کو چیر دینے والی   نہ سفت: نہیں چھیدا   باید زدن: لگانا چاہیے   فتراک: وہ تھیلا وغیرہ جو شکاری اپنے گھوڑے کے ساتھ باندھ رکھتے ہیں تاکہ اس میں اپنا شکار رکھ لیں   آتش افگن: آگ ڈال، آگ لگا   خستہ: تھکی ہوئی، کمزور   گراں: بوجھل، بھاری   سارباں: اونٹ کو ہانکنے والا   تشنگاں: تشنہ کی جمع، پیاسے   کلیم: یعنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ جنہوں نے اپنی قوم کے ساتھ دریائے نیل پار کر لیا تھا لیکن ان کا تعاقب کرنے والا فرعون اور اس کا لشکر غرب ہو گیا تھا (قرآنی تلمیح)   خلیل: حضرت ابراہیم خلیل اللہ جو نمرود کی طرف سے جلائی گئی آگ میں بخوشی داخل ہو گئے تھے، یہ آگ ان کے لیے جلائی گئی تھی (قرآنی تلمیح)   می برد: لے جاتا ہے

غزلِ زندہ رود

ا-٦= مقیم: قائم، باقی، غیر فانی، ثابت و ساکن راہ پیا: راستہ چلنے والے جوئیم: ہم تلاش کر رہے ہیں نیابیم: ہم نہیں پا رہے عقیم اند: بانجھ ہیں آموز: سیکھ بسوز: جل جا صفا کوشی: صفائی (باطن کی صفائی) کا عمل تکیہ نشیناں: تکیہ نشین کی جمع، تکیوں میں بیٹھنے والے یعنی درویش، نام نہاد درویش (تکیہ: جہاں درویش رہتے ہیں) کم گوی: مت کہہ موئے ژولیدہ: الجھے ہوئے بال ناشستہ گلیم: اَن دھلی یعنی گندی گدڑی والے یک اندیش: ایک/ واحد سوچ اور فکر والے دونیم: دو ٹکڑے نقل: شیرینی ندیم: دوست

فلکِ زہرہ

ا-١٢= فضائے تو بتو: تہ بہ تہ فضا، کئی تہوں والی فضا چندیں: کئی، بہت سے آویختند: انہوں نے لٹکا دیئے، لٹکا دیئے گئے پیچند: لپیٹ دیا گیا، کارکنان قضا وقدر نے لپیٹ دیے عروق: جمع عرق، رگیں سیماب گوں: پارے کی طرح/ مانند خیزد: اٹھتی ہے سوئے بے سوئی: یعنی لامکاں کی طرف گریزد: دوڑتی/ بھاگتی ہے ساز و برگ: سامان، ساز و سامان سپہر نیلگوں: نیلے آسمان نُہ: نو، ٩ خیبر: قلعہ خیبر، یہودیوں کا قلعہ جسے حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا ستیز: جنگ، کشمکش سیار: متحرک، بہت چلنے والی چالاک: مستعد، جدوجہد کے لیے کمربستہ مخلبش: اس کا چنگل مازاغ البصر: نہ تو (آپؐ) کی نگاہ میں کجی پیدا ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی، قرآنی تلمیح سورہ النجم آیت ١٧ عبدہٗ: اس (خدا) کا بندہ، بحوالہ سورہ بنی اسرائیل آیت ١

١٣-٢٨= آں کو: آں کہ او، وہ جو رزم: جنگ زین العابدینؒ: حضرت امام حسینؓ کا ایک بیٹا، جب میدانِ کربلا میں حسینؓ اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے تو بچنے

والوں میں صرف ان کا یہ بیٹا رہ گیا تھا، بعد میں اس نے باپ کے مشن کو جاری رکھا
نوائے من: مراد میری شاعری طفلک: چھوٹا بچہ برنا: جوان
پیر: بوڑھا برکشیدم: میں نے اٹھا/ ہٹا دیے وثاق: مکان، گھر ترسم: میں
ڈرتا ہوں الحذر: بچو خنک: مبارک فراغ: سکون، آرام، فرصت
خبیر: باخبر، آگاہ شاطر: شطرنج کا کھلاڑی مہرہ: شطرنج کی گوٹ، پانسا
سواد: حدود، ماحول، علاقہ قوام: خمیر مشک فام: مشک کے رنگ والا،
سیاہ پردہ در: پردہ پھاڑنے والی میغ: بادل ماغ: دھند خدایان
کہن: مراد پرانے بت جنھیں لوگ خدا کے طور پر پوجتے تھے تن بہ تن: ایک
ایک کر کے بعل....حسر: یہ سب پرانے بتوں کے نام ہیں

مجلسِ خدایانِ اقوامِ قدیم

= اقوام: جمع قوم، قومیں قدیم: آ پرانی
۱-۲۲= شب گوں سحاب: رات کی طرح سیاہ بادل ظلمتش: اس کی تاریکی
تاب: چمک قلزمے: ایک ایسا سمندر ہوا: فضا آویختہ: لٹکا ہوا
کم ریختہ: نہیں گرتے تھے کم ستیز: نہ ٹکرانے والی دریائے قیر: سیاہ
سمندر نوسفر: تازہ تازہ یا نیا نیا سفر کرنے والا ناصبور: بیقرار آمد
پدید: پدید آمد، ظاہر ہوا مشکبار: خوشبو پھیلانے والی ہم نفس: ایک
دوسرے کے ساتھی، ہمدم نیم رس: تازہ تازہ اگا ہوا از سرِ کہ پارہ
ے: ایک پہاڑی پر سے خرم: مبارک، شاداب، بہت اچھا کمر: پہاڑ کی
وادی در: درّہ، گھاٹی نشیب: پست، نیچا، نیچ فراز: اونچا، اونچ
رب الیمن: اہل یمن کا رب ارباب: جمع رب، خدا دھاری: تلوار
پیچیدہ: لٹکا ہوا ترسندہ: ڈرنے والا، خوف زدہ گریخت: دوڑ گیا، بھاگ
گیا بیفزاید: اضافہ کرے ادراک: فہم، سمجھ می وزد: چل رہی ہے
فرطِ طرب: بہت خوش کشود: کھولے، ظاہر کیے

نغمہ بعل

پہلا بند

ا-۵ = نیلی تتق: نیلا سراپردہ، نیلا آسمان بردرید: پھاڑ ڈالا رمید: دوڑ گیا، بھاگ گیا بوکہ: بود کہ، ہوسکتا ہے، توقع ہے مشرق شناس: یعنی اہل مشرق کے مزاج سے آشنا لحد: قبر

دوسرا بند

ا-۵ = الست: اشارہ ہے قرآنی آیت کی طرف، اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں روحوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ روحوں نے کہا کہ ہاں تو ہی ہمارا رب (پالنے والا) ہے پاشیدہ: پراگندہ، بکھر گئی، منتشر صحبتش: اس کی محفل مردِ حر: آزاد مرد پیوست: مل گیا، جڑ گیا، وابستہ ہوگیا گسست: جدا ہوگیا دیریاں: جمع دیری، مندر والے، بت پرست

تیسرا بند

ا-۵ = ہزیمت خوردہ: شکست کھا گیا اندیشہ: خوف، ڈر پف زند: پھونک/ پھونکیں مار رہے ہیں بولہب: حضور اکرمؐ کا ایک چچا جو اسلام کا سخت مخالف اور دشمن تھا کے ماند: کیسے رہتا ہے یا رہے گا اہرمن: برائیوں کا خدا، شیطان

چوتھا بند

ا-۵ = باید کشود: کھول دینا چاہیے بے سرود: جس میں نغمہ یا راگ نہ ہو سزد: شایان ہے دیوے کہ: وہ دیوتا آید در شہود: جو ظاہر یا سامنے نظر آتا ہے

فرو رفتن بدریائے زہرہ و دیدنِ ارواحِ فرعونؔ و کشنرؔ را

= دیدن: دیکھنا ارواح: جمع روح، روحیں فرعون: حضرت موسیٰؑ کے

دور کا شاہِ مصر اور خدا ہونے کا دعویدار۔ اسرائیل قوم پر اس نے بڑے ظلم کیے۔ حضرت موسیٰ قوم کو بچانے کے لیے دریائے نیل سے گذر گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر ان کے تعاقب میں دریا میں غرق ہو گئے کشنر: لارڈ کچنر، ولادت برطانیہ ۱۸۵۰ء۔ ۱۸۸۵ء میں وہ مصر پہنچا اور وہاں کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں مصریوں کو غلام بنانے کے صلے میں اسے میجر جنرل کا عہدہ ملا۔ ۱۸۹۸ء میں اس نے خرطوم فتح کیا جس پر اسے ''لارڈ'' کا خطبہ ملا۔ اسلامی مجاہدین کو تباہ کرنے کے صلے میں پارلیمنٹ نے اسے تیس ہزار پونڈ نقد عطا کیے۔ سوڈان کے مسلمانوں کو آزادی سے محروم کرنے اور مہدی سوڈانی کی قبر کھود کر اس کی لاش کو رسوا کرنے کے صلے میں انگلستان کے عالموں نے اسے ''ڈاکٹر آف سول لا'' کی ڈگری دی۔ ۱۹۰۰ء میں اس نے جنوبی افریقہ کو برطانیہ کا غلام بنایا، اس پر اسے پارلیمنٹ نے پچاس ہزار پونڈ نقد ادا کیے۔ ۱۹۰۲ء میں اسے جنرل کا عہدہ دے کر ہندوستان کی فوجوں کا سپہ سالار بنایا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں اسے ''فیلڈ مارشل'' کا عہدہ ملا۔ ۱۹۱۴ء میں جنگی کونسل کا کارکن بنا اور مغربی محاذ کا سپہ سالار بنایا گیا، ۵ جولائی ۱۹۱۶ء کو ہمپ شائر نامی جہاز کے غرقاب ہونے سے وہ جہنم رسید ہوا، اس نے خرطوم فتح کیا تھا۔ اس لیے اسے ''ذوالخرطوم'' کہا جاتا ہے، ان واقعات سے برطانیہ والوں کے نام نہاد مہذب ہونے کا پتا چلتا ہے۔

۱-۲= صاحبِ ذکرِ جمیل: خدا کا ذکر کرنے والا، رومی کی مثنوی معنوی کو فارسی کو قرآن کہا گیا ہے، اسی حوالے سے ایسا کہا ہے، غالباً مولانا جامی کا شعر ہے:

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآن در زبانِ پہلوی

سطوت: دبدبہ

غزل

۱-۵= باز: پھر باید کرد: کرنی چاہیے، کرنا چاہیے ہلہ: ہاں، ہوشیار برخیز: اٹھ
راحلہ: سواری سرِ اوداری: تو اس کا (خدا کا) آرزومند ہے نخستین: پہلے
گفتمش: میں نے اس سے کہا زیروزبر باید کرد: تباہ کر دینا چاہیے

پہلا بند

۱-۱۱= میاویز: مت لٹک، یعنی مت پکڑ جبال: جمع، جبل، بہت سے پہاڑ
انبارِ سیم: چاندی کا ڈھیر الماس گوں: ہیرے کے رنگ والا سکونِ لم
یزل: مراد مسلسل سکون، ایسا سکون جسے زوال نہیں سرکشاں: جمع سرکش، یعنی
اللہ کا حکم نہ ماننے والے بندے زورمست: اپنی طاقت میں مست حاضر
پرست: جو کچھ سامنے ہے اس کے پرستار، باطل پرست دونیم: دو ٹکڑے
صغیر: چھوٹا کبیر: بڑا تشنہ میر: پیاسے مرنے والے جباراں: جبار
کی جمع، اللہ کے بندوں پر بہت ظلم کرنے والے آیات: جمع آیت، نشانیاں
پا بنہ: پاؤں رکھ، چل مترس: مت ڈر بردرم: میں پھاڑ/ چیر دوں گا
برم: میں لے جاؤں گا

دوسرا بند

۱-۶= کشود: کھول دیا وانمود: دکھائی دیتی تھی قعر: گہرائی تو بتو: تہ بتہ، بہت
سی تہوں والی سورہ طٰہٰ: قرآن کریم کی بیسویں سورت جو حضور اکرمؐ کے اسم
مبارک طٰہٰ (طاہر) سے شروع ہوتی ہے آمد فرود: طلوع ہوگیا شستہ: دھلے
ہوئے عریاں: یعنی سبزے کے بغیر سرگشتہ: حیران و پریشان
نگریستند: انہوں نے دیکھا

رومی

= پیداستے: ظاہر ہے ید بیضا: روشن ہاتھ، حضرت موسیٰؑ کا معجزہ، جب وہ اپنا
ہاتھ آستین سے باہر نکالتے تو وہ روشن ہو جاتا

فرعون

۱-۸= درباختم: ہار دی نشناختم: میں نے نہ پہچانا بنگرید: تم دیکھو زیاں
کاراں: زیاں کار کی جمع، نقصان اٹھانے والے گردیدہ کور: اندھی ہوگئی
کو: کہ او، وہ جو کور چشماں: کور چشم کی جمع، اندھی آنکھ والے، اندھے

شقاق: نفاق پیدا کرنا، اختلاف لڑائی جھگڑا پیدا کرنا جستن: تلاش کرنا
بدآموزی: براطرزِ عمل

رومی

۱-۴= ضعفِ محکوماں: محکوموں یا رعایا کی کمزوری بیخش: اس کی جڑ، بنیاد
حرمان: محروم ہونا، ناکام ہونا باج: خراج، آج کی زبان میں ٹیکس تسلیم
باج: خراج دینا زجاج: شیشہ، مراد نازک، کمزور سلاسل: جمع سلسلہ،
زنجیریں، بیڑیاں غنی: بے نیاز

ذوالخرطوم (کچنر)

۱-۳= گورے نکند: اس نے کوئی قبر نہ کھودی می تواں دیدن: دیکھی جا سکتی ہے
کشفِ اسرار: بھیدوں کا ظاہر ہونا بے جستجو: تحقیق و تلاش کے بغیر

فرعون

= مہدی: اشارہ ہے مہدی سوڈانی کی طرف، جس کی قبر کھود کر کچنر خبیث نے اس
کی لاش کو رسوا کیا

نمودار شدنِ درویشِ سودانی

= نمودار شدن: ظاہر ہونا، نمودار ہونا درویشِ سودانی: مہدی سوڈانی
۱-۱۵= زشید: چمکی بالید: ابھریں، اٹھیں غلتید: باہم ٹکرائیں رسید: پہنچی
گداخت: پگھل گیا صدف: سیپی درویشِ مصر: مراد مہدی سوڈانی جن کا
نام محمد احمد بن عبداللہ تھا، ولادت ۱۸۴۳ء سوڈان کے مشہور شیخ طریقت شیخ محمد
شریف کے روحانی خلیفہ تھے، ۱۸۶۱ء میں انہوں نے انگریزوں اور ان کے حاشیہ
بردار شاہِ مصر کے خلاف جہاد شروع کیا، جو اپنی موت ۱۸۸۵ء تک جاری رکھا،
۱۸۹۸ء میں کچنر نے ان کی لاش کو سرِ بازار نذر آتش کیا مرقدے: کوئی یا
ایک قبر حرف.... شکست: آواز اٹک گئی جگر تابے: جگر کو پگھلا دینے

والی گسست: ٹوٹی یعنی نکلی نیا گاں: جمع نیا، باپ دادا، اسلاف اعصار: جمع عصر، زمانے فواد: مصر کا بادشاہ فیصل: شاہِ عراق ابنِ سعود: عرب کا بادشاہ، اسی کے نام سے عرب کو اب سعودی عرب کہا جاتا ہے، یہ تینوں علامہ کے دور کے بادشاہ ہیں پیچیدن: بل کھانا چو دود: دھوئیں کی طرح خاکِ بطحا: مکہ کی سرزمین خالدے: کوئی خالد، اشارہ ہے خالدؓ بن ولید کی طرف جو حضور اکرمؐ کے دور میں مسلمانوں کے عظیم سپہ سالار اور فاتح تھے دیگر سرائے: پھرے گا نخیل: کھجور کا درخت بالندہ تر: مراد زیادہ بلند ہوں فاروقے دگر: کوئی دوسرا فاروق، مراد حضرت عمر فاروقؓ، جو دوسرے خلیفہ اور عظیم جرنیل تھے استخوانم: میری ہڈی/ہڈیاں یے: ایک یا کوئی سمندر ترسی؟: کیا تو ڈرتا ہے

۱۶-۲۵= یثرب: مدینہ حدی: وہ گانا جو ساربان اونٹنی کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلتا ہوا گاتا جاتا ہے جس سے اونٹنی تھکاوٹ محسوس کیے بغیر چلتی رہتی ہے بارید: برسا رُست: اگا درنفیر: فریاد کر رہی ہے سبیل: سب کے استعمال کے لیے وقف اوراق: جمع ورق، پتے فرازِ تل: ٹیلے کی چوٹی پرنیاں: ریشم، ریشمی کپڑا تیہو: تیتر غمام: بادل

فلکِ مریخ

اہلِ مریخ

۱-۷= بستم: میں نے بند کی ازخود گسستم: اپنے آپ سے کٹ گیا، دور ہو گیا بردم: میں لے گیا زی: طرف، جانب آفرید: پیدا کیے، تخلیق کیے آفاقش: اس کے آفاق، آفاق جمع افق، آسمان کے کنارے، کل کائنات سازد: موافقت کرتی ہے خرم: خوش، خوشی عالم فروز: دنیا کو روشن کرنے والے ازوست: از او است کا مخفف، اس سے ہے، اسی کے باعث ہے زاں کہ: از آں کہ کا مخفف، اس لیے کہ، کیونکہ

۸-۲۶= مرغزارے: ایک مرغزار، سبزہ زار رصدگاہ: ایسا مقام جہاں سے ستارہ شناس

ستاروں اور سیاروں کی گردش اور ان کے اثرات کے حالات دوربینوں کے ذریعے معلوم کرتے ہیں دوربین: وہ آلہ جس سے بڑی دور کی چیزیں نظر آتی ہیں ثریا: وہ چھ ستارے جو بہت بلندی پر ہیں اور چڑھتے نظر آتے ہیں، انہیں پروین بھی کہا جاتا ہے نہ گنبدِ خضرا: نو سبز آسمان سواد: گردوپیش خاکدان: زمین گاہ: کبھی جستم: میں نے تلاش کیا، میں تلاش کرتا ساکنانش: اس کے رہنے والے، ساکنان، جمع ساکن، باشندے فرنگاں: جمع فرنگ، اہل یورپ، انگریز ذوفنون: کئی فن/ ہنر جاننے والے، ذو بمعنی والا، والے اور فنون جمع فن، ہنر فزوں: زیادہ، بڑھ کر قاہرترند: زیادہ قاہر ہیں، قوت وقدرت رکھنے والے، غلبہ پانے والے پیچیدہ اند: وہ لپٹے ہوئے ہیں، ایسی قدرت رکھتے ہیں دوتا: دو عدد، دُہرا، دوہرا یک اندیش: ایک سوچ اندام: جسم لاجرم: یقیناً، بے شک کشیدن: کھینچنا، گھسیٹ لینا رمیدن: دوڑنا، جانا

برآمدنِ انجم شناسِ مریخی از رصدگاہ

=برآمدن: باہر آنا انجم شناس: ستاروں کے علم کا ماہر، ستارہ شناس، علم ہیئت کا عالم
ریش: ڈاڑھی کردہ صرف: خرچ کیے، گذارے تیز بیں: دور تک دیکھنے =۱۷-۱
کسوتش: اس کا لباس پیرِ ترسایاں: گرجے کے پادری دیر سال: بہت عمر والا، بوڑھا طلعتش: اس کا چہرہ تابندہ: چمکتا ہوا مرو: ترکستان کا ایک شہر جو وادیِ مرغاب میں واقع ہے فکرِ عمیق: گہری فکر برشگفت: کھل اٹھا طیارہ: ہوائی جہاز طوسی: مراد ملا نصیر الدین طوسی، ولادت طوس ۱۲۰۰ء، وفات ۱۲۷۳ء جید ایرانی عالم اور حکیم تھے، علوم حکمت و ریاضی اور نجوم و ہیئت میں بڑی مہارت تھی خیام: عمر خیام مشہور ایرانی رباعی گو، اصلاً خیمہ دوز تھا، اسی لیے تخلص خیام رکھا، وہ شاعر کے علاوہ حکیم اور عالم ہیئت بھی تھا، اس کی رباعیات کا بہت شہرہ ہے، یورپ میں بھی ان کو شہرت ملی اور انگریزی میں ان کا ترجمہ ہوا، ولادت نیشاپور ۱۰۵۰ء، وفات بعض کے مطابق ۱۱۲۳ء اور بعض کے مطابق ۱۱۲۱ء ہے چندو چوں: کتنا اور کیسا، کیف وکم، ظاہری اسباب،

دنیاوی مسائل، دلائل اور مقدار مقام تحت وفوق: نیچے اور اوپر کا مقام، زمین پر جو زمان و مکان ہیں ثابتاں: ثابت کی جمع، ساکن جوہر سیارہ: حرکت و گردش کرنے والی خوبی/ خاصیت نطق: زبان ادراکش: اس کا ادراک، اس کا فہم حرف دری: فارسی الفاظ، گفتار نہاد: رکھا آمد فرود: فرود آمد، نیچے اتر آیا نوشت: اس نے لکھا رودِ گنگ: دریائے گنگا جو ہندوستان/ بھارت میں ہندوؤں کا مقدس دریا ہے امریک: امریکا ژاپون: جاپان فلزاتِ زمیں: زمین کی دھاتیں، جمع فلز نامحرم: ناواقف

رومی

=۱-۴ زافلاکم: میں آسمانوں سے ہوں، میرا تعلق آسمان سے ہے تاک: مراد زمین رگہائے تاک: انگور کی بیل کے ریشے، مراد شراب ناخوردہ: نہیں پی سرخوش: بہت خوش، مست افتادہ ایم: ہم وارد ہوئے ہیں نو بنو: نئے سے نئے، بنئے نئے

حکیم مریخی

=۱-۱۱ ابوالآبا: باپوں کے باپ، مورثِ اول فرزمرز: یا فرامرز، رستم کا بیٹا تھا اور ایران کا داستانی پہلوان، مراد شیطان آمر: حکم دینے والا کردارِ زشت: برے یا برائی کے کام چساں: کس لیے آسودہ ئی: یا آسودہ ای، تو آرام کر رہا ہے دخیل: دخل دینے والا اندرو: اندر او، اس کے اندر فسوں پرداز: جادوگر خیز: اٹھ جا بریز: ڈال، جما سپرد: حوالے کر دیا

گردش در شہرِ مرغدین

= گردش: سیر

۱-۱۲= مقامِ ارجمند: عظیم یا قابل قدر مقام نوش: شربت اکتساب: حاصل کرنا، مراد مال یا اشیا حاصل کرنا نمی سنجد: نہیں تولتا، نہیں جانچتا دیو ماشین: مشینوں کا بھوت چیرہ: غالب، مسلط دخانہا: جمع دخان، دھوئیں سخت کش: بہت محنتی نہاب: جمع نہب، لوٹ مار، کئی قسم کی لوٹ مار دہ خدایاں: جمع دہ خدا، گاؤں کے چودھری، زمیندار، وڈیرے بے نزاع: جھگڑے کے بغیر قشون: ملکی فوج، پولیس دردِ گوش: کانوں کے لیے تکلیف کا باعث

حکیم مریخی

= سائل: سوال کرنے والا، بھکاری عبد: غلام مولا: آقا

زندہ رود

۱-۲= محروم: جسے کوئی چیز نہ مل سکے، بے بہرہ تقدیرِ حق: مراد خدا کی منشا چارہ: علاج

حکیم مریخی

۱-۱۲= خواہ: چاہ، مانگ رواست: مناسب ہے، جائز ہے، بجا ہے زاں کہ: ازآں کہ کا مخفف، اس لیے کہ ارضیاں: جمع ارضی، زمین پر رہنے والے، اہل زمین درباختند: ہار بیٹھے نشناختند: انہوں نے نہ پہچان، نہ سمجھا رمزِ باریکش: اس کی گہری بات مضمر: پوشیدہ، چھپی ہوئی شوی: تو ہو جائے، بدل جائے اندازد: مارے گی افتندگی: گرنا، اوپر سے نیچے گرنا قلزمی؟: کیا تو سمندر ہے؟ پایندگی: بقا، دوام، ہمیشہ رہنا سازی: تو بناتا ہے ہماں: وہی، ویسے ہی جوئی: تو تلاش کرتا ہے، تو چاہتا ہے ثبات: بقا، دوام اے بے ثبات: اے فانی انسان ناساختن: موافقت نہ کرنا زندان: قید خانہ خواب آرد ترا: تجھ پر نیند طاری کرتا ہے، تجھے سلا دیتا ہے حب افیون: افیم کی گولی

۱۳-۲۰= طبع دراک: بہت ذہین اور مقصد کو پالینے والی بنگہِ خاک: مٹی کا حجرہ، انسانی بدن زکیست: کس سے ہے، کس کی طرف سے ہیں چیست: کیا ہے توامینی: تو امانت دار ہے صاحبِ او: اس کا مالک مزد: اجرت، معاوضہ

۲۱-۳۳= ہم چناں: اسی طرح کشت: کھیتی راغ: وادی، سبزہ زار کاخ: محل خشت: اینٹ زماست: از ما است، ہماری ہے یا ہماری ملکیت ہے مِلک: ملکیت ''لاتفسدوا'': قرآنی آیت کا اقتباس، پوری آیت کا ترجمہ ''زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد پیدا نہ کرو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو'' ابلیسی: شیطنت، شیطانی کام کرنے، فساد بگاڑ پیدا کرنا کو: کہ او کا مخفف، کہ جو از آنِ تو: تیری ملکیت کے: کب، کیونکر نجست: نہیں کودا، نہیں نکلا پشیزے: ایک کوڑی

احوال دوشیزۂ مریخ کہ دعوائے رسالت کردہ

= دوشیزہ: کنواری لڑکی/عورت دعوائے رسالت: رسول ہونے کا دعویٰ

۱-۱۲= میدانِ فراخ: وسیع میدان نارون: شاخوں اور پتوں سے بھرا ہوا ایک پودا جس کے پتے گول اور دندانہ دار ہوتے ہیں، عموماً کیاریوں کے کنارے لگایا جاتا ہے، اسے نار وان اور نارونڈ بھی کہتے ہیں صورت ناپذیر: (آئینے میں کسی شکل کا عکس نہ آنا صعوہ: ممولا بے ریو ورنگ: مکر وفریب کے بغیر بدزدید: چرالایا، اغوا کر لایا فرزمرز: شیطان ساختش: اسے بنا دیا فرو انداختش: اسے لاڈالا، داخل کر دیا نازل گشتہ ام: نازل ہوئی ہوں دعوت: دین خدا کا پیغام سنانے اور تبلیغ کا عمل آخرزماں: مراد قیامت سے پہلے آخری زمانے میں آنے والا نبی، مہدی آخرزماں زیست: زندگی

تذکیر نبیۂ مریخ

= تذکیر: وعظ نبیہ: عورت نبی

ا-۹= خواہراں: خواہر کی جمع، بہنیں زیستن: جینا، زندگی بسر کرنا شانہ گردانیم ما: ہم کنگھی کرتی ہیں دانیم ما: ہم سمجھتی ہیں صیادی: شکار کرنا نخچیری: شکار ہونا زنجیری کند: غلام بنا لے ہمبر: ہم پہلو ہونا، کسی کے پہلو میں آنا یا ہونا نبات: مصری کی ڈلی مارِ پیچاں: بل کھاتا ہوا سانپ گریز: بچ، دوڑ مریز: مت گرا، مت ڈال امومت: ماں بننا

ا-۱۰-۲۱= پے بہ پے: لگاتار، مسلسل بیفزاید: بڑھاتی ہے جنین: ماں کے رحم میں جو بچہ ہو بنین: جمع بن، بیٹے بنات: جمع بنت، بیٹیاں بے محابا: بے خوف ہو کر کشتن: مار ڈالنا اعصار: جمع عصر، زمانے ارحام: جمع رحم ایامِ کہن: پرانا زمانہ نیساں: موسم بہار کے مہینے کی پہلی بارش جس کے پہلے قطرے سیپی/صدف کے اندر موتی بن جاتے ہیں فرو ریزد: نیچے گرے مگیر: مت پکڑ تشنہ میر: پیاسی مر جا پیکار: جنگ، لڑائی حر گردد: آزاد ہو جائے کنیز: لونڈی، باندی مراد بیوی جسے شادی کے بعد مرد لونڈیوں کے برابر سمجھتا ہے رستن: نجات پانا ربطِ دوتن: دو جسموں کا ملاپ، میاں بیوی کا خاص ملاپ متن: ناز نہ کر

رومی

ا-۵= رب العالمین: سب جہانوں کا خدا جنونِ ذوفنونش: اس کا کئی ہنروں سے آگاہ جنون بگیر: حاصل کر اربابِ عشق: اہل عشق، اولیا، مردان حق

فلکِ مشتری

= ارواح: جمع روح، روحیں جلیلہ: عظیم، بڑی حلاج: حسین بن منصور حلاج، ولادت فارس کے ایک قصبہ میں ۸۵۸ء کے قریب ہوئی۔ ۸۷۳ء تا ۸۹۷ء زندگی گوشہ نشینی میں بسر کی، عوام سے تعلق ختم کر کے خراسان اور فارس وغیرہ کا سفر کیا۔ ۹۰۸ء میں وطن واپس آئے۔ اس دوران میں ان کے مریدوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی، صوفیا کے مطابق وحدت الوجود کے قائل اور

''اناالحق'' کہا کرتے تھے، ان کے اس قول اور ان کی بعض تصانیف پر علمائے وقت نے سزائے موت کا فتویٰ دے دیا، چنانچہ خلیفہ بغداد کے حکم پر انہیں گرفتار کیا گیا، چھ سات ماہ مقدمہ چلا، آخرت عدالت نے موت کی سزا سنادی، ۹۲۲ء میں پہلے ان کے جسم کے اعضاء کاٹے گئے، پھر سولی پر چڑھادیا گیا اور لاش جلادی گئی، اس سے بہت پہلے ۹۱۰ء میں حج کیا تھا اور بغداد چلے آئے تھے جہاں وحدت الوجود کی تعلیم و تبلیغ شروع کی تھی غالب: مشہور فارسی اردو شاعر میرزا اسداللہ خاں غالبؔ، ولادت ۱۷۹۷ء بمقام اکبرآباد (آگرہ) غالبؔ کے علاوہ اسدؔ بھی تخلص تھا، دادا، بادشاہ شاہ عالم کے زمانے میں ترکستان سے ہندوستان آئے تھے اور شاہ عالم ہی کے دربار سے وابستہ رہے، دادا کی وفات کے بعد غالب نے چچا کی نگرانی میں نشو ونما پائی، ۱۳ برس کی عمر میں دہلی آئے، جہاں آخر دم تک رہے، ۱۸۶۹ء میں دہلی ہی فوت ہوئے، قبر حضرت نظام الدین اولیأ کے مزار کے احاطے میں ہے قرۃ العین طاہرہ: پیدائشی نام زریں تاج، ولادت قزوین (ایران) ۱۹ویں صدی عیسوی، شاعری کے علاوہ خطابت میں بھی ماہر تھی، اس زمانے میں جب ایک شخص علی محمد شیرازی نے اپنے ''باب اللہ'' (اللہ کا دروازہ) یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو طاہرہ اپنے شوہر اور عزیزوں کی مخالفت کے باوجود اس کی بے حد معتقد ہوگئی، بابی فرقہ کے لوگوں نے اس کے باپ کو قتل کردیا، وہ خراسان بھاگ گئی اور باب کے پاس پہنچی جس نے اسے قرۃ العین (آنکھوں کی ٹھنڈک) کا لقب دیا، ۱۸۵۰ء میں وقت کے بادشاہ ناصرالدین قاچار نے باب کو قتل کرادیا، دو سال بعد طاہرہ بھی پکڑی گئی۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے لائی گئی تو قاچار اس کے حسن و جمال سے بے حد متاثر ہوا اور علما سے کہا کہ اسے چھوڑ دیں کہ صورتِ زیبا کی مالک ہے، لیکن علماء نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کردیا، درباریوں نے طاہرہ کی بہت منت سماجت کہ وہ بابی مذہب چھوڑ دے لیکن وہ نہ مانی اور اپنے مذہب سے وفا کے نتیجے میں قتل کردی گئی، علامہ نے اس کی اپنے مسلک سے اس قدر پختہ وابستگی کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے جبکہ ان کے مطابق ہم مسلمان اپنے مذہب اسلام اور حضور اکرمؐ سے دور ہو چکے ہیں نگرویدند: راغب / مائل نہ ہوئیں گرائیدند: راغب رہیں

۱-۷= خیز: اٹھ مردخودرس: اپنی قوتوں صلاحیتوں سے آگاہ انسان قفیز: پیالہ، پیمانہ دیدن: دیکھنا فرسودن: گھسنا، پیچھے ہٹنا افزودن: زیادہ ہونا، بڑھنا، آگے بڑھنا

۸-۲۱= مردے پاک زاد: ایک پاک فطرت آدمی، یعنی رومی بینائے وجود: کائنات کو دیکھنے والے فتاد: افتاد، پڑا، آیا آمدفرود: فرود آمد، اترا خاکدانے ناتمام: ایک نامکمل یا ناقص سرزمین تیزگام: تیز چلنے والے نارستہ: پیدا نہیں ہوئی تھی تابِ ماہاں: چاندوں کی روشنی، ماہان جمع ماہ، چاند نیم روز: دوپہر برودت: ٹھنڈک از ہوشم ربود: یعنی میرے ہوش اڑادیے گیتی گداز: زمانے/ کائنات کو پگھلا دینے والی حلہ ہالالہ گوں: لالہ کے رنگ کی یعنی سرخ چادریں رخشندہ: روشن ہنگام الست: الست کے وقت/ موقع پر، قرآنی تلمیح، اللہ تعالیٰ نے جب عالمِ ارواح میں روحوں سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو روحوں نے کہا کہ ہاں تو ہی ہمارا رب ہے از خود مرو: اپنے آپ سے نہ جا، بے خود نہ ہو ندیدستی: تو نے نہیں دیکھا ہے خاتونِ عجم: ایران کی/ ایرانی عورت، قرۃ العین طاہرہ آتش نوایاں: جن کے نغمے یا آوازیں آگ کی سی ہیں یا جن کے کلام میں آگ کا سور ہے۔

نوائے حلاّج

۱-۸= درخورِ تقاضا: طلب اور خواہش کے لائق ملک جم: قدیم ایرانی بادشاہ جمشید کا ملک، عظیم سلطنت نظیری: فارسی کا مشہور شاعر محمد حسین، نظیری تخلص، ولادت ۱۵۵۲ء نیشاپور (ایران) خراسان اور کاشان میں شہرت حاصل کی، ۱۵۸۳ء میں ہندوستان آیا اور عبدالرحیم خاں خان خاناں کے دربار سے وابستہ ہوگیا، آخری عمر گوشہ نشینی میں گذاری، وفات ۱۶۱۲ء، مزار احمد آباد (گجرات بھارت) میں ہے لشکرے انگیخت: ایک لشکر اکٹھا کر رکھا ہے وز: واز، اور سے بربطِ سلیمی: سلیمی کا باجا (جو بطخ کی صورت کا ہوتا ہے، عود) سلیمی عرب کی ایک مشہور حسینہ کا نام، مراد شریعت اسلامیہ، اسلامی زندگی کا حسن نہنگاں: جمع نہنگ، مگرمچھ

زورق: کشتی مردِ غوغا: ہنگامہ خیز مرد، جوش و جذبہ اور جہد و عمل والا

نوائے غالب

۱-۶= قاعدۂ آسمان: آسمان کا دستور بگردانیم: گھما دیں، یعنی بدل دیں رطلِ گراں: شراب کا بڑا پیالہ تمتع اندوزیم: ہم فائدہ یعنی لطف اٹھائیں مدارا: صلح، آؤ بھگت زیاں: نقصان، مراد غم و اندوہ فراز کنیم: ہم بند کر لیں پاسبان: چوکیدار، محافظ بگردانیم: ہم مقرر کر دیں شحنہ: کوتوال گیرودار: پکڑ دھکڑ، گرفت نندیشیم: نہ اندیشیم، ہم خوف نہ کھائیں، پروا نہ کریں ارمغاں: تحفہ باج ستانان شاخسار: باج ستان کی جمع شاخوں سے خراج یا ٹیکس لینے والے (باغبان) تہی سبد: خالی ٹوکری بہ جنگ: مراد سختی سے بال فشانان: بال فشاں کی جمع، پر پھڑ پھڑانے والے یعنی پرندے زحیدریم: ہم دونوں حیدر (حضرت علیؓ) سے وابستہ ہیں، ان کے پیروکار ہیں خاوراں: مشرق

نوائے طاہرہ

۱-۵= بتو افتدم نظر: تجھ پر میری نظر پڑے چہرہ بہ چہرہ: چہرہ کے سامنے چہرہ، آمنے سامنے موبمو: بال برابر فرق کے بغیر، ہو بہو دیدن رخت: تیرا چہرہ دیکھنا فتادم ام: میں پھری ہوں دربدر: ایک دروازے سے دوسرے دروازے پر، در در، سرگشتہ دجلہ: دریا، عراق کا مشہور دریا، مراد دریا دجلہ بہ دجلہ: دریا کے دریا، یعنی بکثرت قماش: ریشمی کپڑا بافتہ: بن لیا ہے رشتہ بہ رشتہ: دھاگے میں دھاگا پیوست کر کے، تانے بانے کو خوب ٹھوک کر نخ بہ نخ: باریک تار کو خوب اچھی طرح ایک دوسرے سے ملا کر، رسی سی بٹ کے پو بہ پو: تانے کو بانے سے خوب ملا کر، تانا بانا ٹھوک ٹھوک کر پختہ کر کے گشت: پھری صفحہ بہ صفحہ: مراد ہر جانب، ہر گوشے میں لا بہ لا: ہر تہ میں، ہر گوشے میں، ہر طرف تو بتو: تہ بہ تہ

۱-۵= فگند: افگند، ڈالا سر بیروں زدند: سر باہر نکالا، سر اٹھایا از کف مدہ: ہاتھ سے مت دجانے دے، ضائع نہ کر بروں ریز: باہر گرا، باہر لا

زندہ رود مشکلاتِ خود را پیشِ ارواحِ بزرگ می گوید

= چرا: کیوں، کس لیے مہجوری: دوری، یا باہر رہنا

حلاّج

۱-۱۶= می نگنجد: نہیں سماتا غلام: غلمان، جنت کے حسین لڑکے سیرِ دوام: مسلسل گردش، ہمیشہ کی سیر خور و خواب: کھانا پینا اور سونا سرود: راگ سننا (جنت کا عیش) حشر ملا: ملا کی قیامت، یعنی نظریہ قیامت شق قبر: قبر کا کھلنا بانگِ صور: صور کی آواز، وہ سنکھ جو اسرافیل فرشتہ قیامت کے روز بجائے گا جس سے پُر مردے قبروں سے اٹھ جائیں گے صبح نشور: قیامت کی صبح بیم و رجا: خوف اور امید اساس: بنیاد ہراس: خوف ترساں: خوف زدہ رفتہ و حاضر: ماضی اور حال می آید: آئے گا، مستقبل پیماں بستہ: عہد باندھ رکھا ہے، ایسی مضبوطی سے اس خیال پر قائم ہے جیسے کوئی عہد کرنے والا قائم ہوتا ہے ناصبور: صبر نہ کرنے والا جسور: دلیر، بیباک ناوک: تیر بیفزاید: اضافہ کرتا، بڑھاتا ہے سازگار: موافق بے خلشہا: کانٹوں کی چبھن کے بغیر، خلشہا، خلش کی جمع زیستن: جینا نازیستن: نہ جینا، مرنا، کیا جینا نہ سپہر: نو آسمان (۹) آنیان: جمع آنی، فانی لوگ جاودانی: ہمیشہ رہنے والے، ہمیشہ کی زندگی والے

زندہ رود

= کس نداند: کوئی نہیں جانتا چیست: کیا ہے

حلاج

ا-۱۵= ساز و برگ: ساز و سامان لرزد: کانپتا ہے، لرزتا ہے نیروئے او: اس کی طاقت پختہ: یعنی کامل مردِ خام: نامکمل آدمی، ناپختہ اور عشق میں ناقص آدمی خالد: حضرت خالد بن ولیدؓ، حضور اکرمؐ کے ایک صحابی جو بہت دلیر جرنیل تھے اور فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے بیخ و بن: جڑ اور بنیاد برکند: اکھاڑ ڈالتا ہے راست نایدٰ: صحیح یا پوری نہیں آتی گبرے: ایک گبر، آتش پرست، بت پرست بایزیدؒ: بایزید بسطامی دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی، نام طیفور بن عیسیٰ بن سروشان، مقامِ ولادت بسطام، ان کے دادا نے مجوسی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا، حضرت جنید بغدادیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بایزید کی ذاتِ بابرکات ہم میں ایسی ہے جیسے فرشتوں میں جبرئیل کی، وفات ۲۶۱ھ/ ۸۷۵ء سعید: نیک بخت بودنی: جو کچھ ہونے والا (ہے) شد: ہوگیا، ہوگئے کم فہمیدہ ای: تو نے کم یا نہیں سمجھے ہیں نیاز: عجز و انکسار، عاجزی خلاق: تخلیق کرنے والا روز ہیجا: جنگ کے دن

زندہ رود

ا-۲= کم نگاہاں: کم نگاہ کی جمع، بصیرت سے عاری لوگ بدار آویختند: انہوں نے پھانسی پر لٹکا دیا باز گو: پھر کہہ، بتاؤ تو سہی چہ بود: کیا تھا

حلاج

ا-۱۲= قصدِ گور: قبر کا ارادہ، مرنے کا ارادہ خوے و بوئے کافراں: کافروں کی سی خصلت، کافروں کے سے افکار و اعمال گویاں: کہتے ہوئے امرِحق: خدا کا حکم، روحِ انسانی، قرآنی تلمیح، کہہ دے کہ روح میرے رب کا امر ہے افروختم: میں نے روشن کی، جلائی طرح ریختند: قضا و قدر کے ارکان نے بنیاد رکھی ہے آمیختند: انہوں نے ملا دی، ملایا ہے دلبری: مراد جمال قاہری: مراد جلال

برنمی تابد: تاب نہیں لاتی، نہیں لا سکتی   طور: کوہ طور، جہاں حضرت موسیٰ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا   دیرِ کہن: مراد یہ پرانی دنیا   نارش: اس کی آگ   بندۂ محرم!: اے اسرار سے آگاہ بندے، زندہ رود   بترس: ڈر

طاہرہ

۱-۵= صاحب جنوں: عشق کے جذبوں سے سرشار   بردرد: پھاڑ ڈالتا ہے   کہنگی: پرانا پن، قدامت پسندی   می برد: لے جاتا یعنی دور کر دیتا ہے   دار و رسن: پھانسی اور رسی، سولی   برنگردد: نہیں لوٹتا، واپس نہیں آتا   نہ پنداری: تو یہ نہ سمجھ لے   چساں: کس طرح   گنجیدہ است: سمایا ہوا ہے

زندہ رود

۱-۲= دادند: انہوں نے یعنی قضا و قدر کے کارکنوں نے دی، قدرت نے دی ہے   کف خاکستر: خاک کی مٹھی، خاکی رنگ والی   قفسِ رنگ: رنگ کا پنجرہ، سیاہ رنگ والی

غالب

۱-۶= کو خیزد: کہ جو اٹھتا ہے، پیدا ہوتا ہے   واسوختہ: پورے طور پر جل جاتی ہے   اندوختہ: اختیار کر لیتی یا حاصل کر لیتی ہے   ممات: موت   ارژنگی: مختلف رنگ ہونا، کئی رنگ ہونا

زندہ رود

۱= نیلی فضا: مراد آسمانی فضا، یہ دنیا   پیدا: ظاہر، ظاہر ہیں، نمودار ہیں

غالب

۱-۲= نیک بنگر: اچھی طرح دیکھ، غور سے دیکھ   بود و نبود: مراد یہ جہان جہاں کبھی کسی چیز کا وجود ہے اور کبھی نہیں ہے   رحمۃ للعالمینے: کوئی یا ایک رحمۃ

اللعالمین، جہانوں کے لیے رحمت جو صرف حضور اکرمؐ ہیں

زندہ رود

= فہم نارساست: میرا فہم بات کو نہ پانے/سمجھنے والا ہے، یعنی میں تیری بات نہیں سمجھا

غالب

= گفتن: کہنا، بیان کرنا

زندہ رود

= بے حاصل: جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے

غالب

= رسیدن: پہنچنا، آنا

زندہ رود

= غالب نیائی: غالب نہیں آرہا، تجھے عبور یا غلبہ نہیں ہے

غالب

= خلق: تخلیق، پیدا کرنا (قرآنی آیت کا حوالہ ہے)

زندہ رود

= چہرۂ معنی: معنی کا چہرہ، یعنی رمز　　من ندیدم: میں نے نہیں دیکھا، نہیں پاسکا

غالب

۱-۳= بینندہ: دیکھنے والا　　افزوں تر: بڑھ کر، زیادہ　　آراستہ: سجائی
ید بیضا: حضرت موسیٰ کا معجزہ　بخواہی: تو چاہتا ہے　　ماورائے شاعری: شاعری سے دور یا الگ　　کافری: انکار

حلاج

ا-۲= بروید: پیدا ہوتی ہے بہاست: قیمت ہے

زندہ رود

ا-۲= پرسم: میں پوچھتا ہوں پرسیدن: پوچھنا عبدہٗ: اس (خدا کا بندہ)

حلاج

ا-۱۳= جبیں فرسودہ است: پیشانی جھکائے ہوئے ہے اعجم: عجم، غیر عرب ملک اقدم: پہلے، سب سے پہلے صورت گر: بنانے والا جاں ستاں: جان لینے والا رنگیم: ہم رنگ ہیں الا اللہ: اللہ کے سوا لا الہٰ: نہیں کوئی معبود (کلمۂ توحیدٗ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) دم: دھار، تلوار کی دھار ھو: وہ (ذاتِ حق) چند و چگون: مراد حقیقت مارمیت: قرآن کریم کی آیت ''جب تو (حضورؐ) نے شب ہجرت کفار کی جانب انہیں (اندھا کرنے کی خاطر) کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تو نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں غرق شو اندر وجود: مراد جذبۂ عشق سے سرشار ہو کر اپنی معرفت حاصل کر

زندہ رود

ا= کم شناسم: میں نہیں پہچانتا

حلاج

ا-۳= آخر زماں: آخری زمانے کے نبی حضور اکرمؐ جو خاتم النبیین ہیں برخویشتن: خود پر زی: زندگی بسر کر، جی انس و جان: انسان اور جن

زندہ رود

= خدائے نہ سپہر: نو آسمانوں کا خدا، تمام کائنات کا خدا نہ گردد: گردش نہیں کرتا/کرتے

حلاج

۱-۸= انداختن: ڈالنا   گردد تمام: مکمل ہو جائے   خنک: مبارک   ہوئے او: یعنی اس کا نعرہ ''اللہ ھو'' (اللہ صرف وہی ہے)   آفرید: پیدا کیا، یعنی کرتا ہے   بربست: بند کر لیے   کراری: بار بار حملہ کرنے کا عمل، حضرت علیؓ کا دلیرانہ انداز   جست: تلاش کی، کرلی   رمید: دوڑ گیا   خیبر: قلعہ خیبر جسے حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا، یہاں مراد مجاہدانہ زندگی   راہبی ورزید: اس نے رہبانیت (ترکِ دنیا) اختیار کر لی   نخچیر: شکار   می جوید ستیز: یعنی لڑنے جھگڑنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے   لبریز: ڈال

زندہ رود

=انداختند: انہوں نے یعنی اہل حق نے ڈالا   چساں: کس طرح

حلاج

۱-۲= دلبری: یعنی جمال، انس و محبت   قاہری: جلال، دبدبہ، مجاہدانہ دبدبہ   اولی تر: زیادہ اچھی، بہتر

زندہ رود

=بازگو: ایک بار پھر کہہ، بیان کر   صاحبِ اسرارِ شرق: مشرق اور اہل مشرق کے رازوں سے آگاہ

حلاج

=غریب: اجنبی   عالم عقبیٰ: آخرت کی دنیا

زندہ رود

=فنا بودن: فنا، فنا ہونا   آسودن: آرام و سکون سے رہنا

حلاج

۱-۲= سکر یاراں: یاروں کی مستی تہی پیانگی: خالی پیالہ ہونا جوئی: تو تلاش کرتا ہے درنمی یابد: نہیں پاتا، نہیں پاسکتا

زندہ رود

۱-۲= شمرد: سمجھا خم: مٹکا دُرد: تلچھٹ، پیالے کی تہ میں بچی ہوئی میلی شراب

حلاج

۱-۶= خواجہ اہل فراق: مراد ابلیس تشنہ کام: پیاسا خونیں ایاق: جس کا پیالہ خون سے بھرا ہے جہول: جاہل، ناتجربہ کار عارف: جاننے والا بود و نبود: ہستی اور نیستی کشود: ظاہر کیا، کھولا فتادن: افتادن، گرنا برخاستن: اٹھنا افزودن: بڑھنا کاستن: گھٹنا، کم ہونا واسوختن: جل جانا ناسوختن: نہ جلنا چاک کن: پھاڑ دے پیراہنِ تقلید: کسی کی پیروی کا لباس بیاموزی: تو سیکھے

زندہ رود

=اقلیم: سلطنت زیرنگیں: قبضے میں صحبت گزیں: صحبت اختیار کر، صحبت سے نواز

حلاج

۱-۲= درنمی سازیم: ہم موافقت نہیں کرتے دیدن: دیکھنا تپیدن: تڑپنا پریدن: اڑنا

نمودار شدنِ خواجہ اہلِ فراق ابلیس

= نمودار شدن: ظاہر ہونا خواجہ: سردار اہل فراق: جو لوگ محبوب حقیقی کے فراق کا شکار ہیں، ابلیس کو سردار اس لیے کہا ہے کہ سب سے پہلے اسے خدا

نے، آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے، راندۂ درگاہ کر دیا تھا

۱-۷= شوریدہ تر: زیادہ آشفتہ دیوانہ بربستم: میں نے بند کر لی دارمش: اسے رکھوں آرمش: اسے لاؤں آمد پدید: ظاہر ہوا برجہید: باہر نکلا قبائے سرمئی: یعنی سیاہ رنگ کی قبا دودِ پیچاں: بل کھاتا ہوا دھواں خونیں ایاق: خون بھرے پیالے/ دل والا

۸-۱۳= کہنہ ے: ایک پرانا، بوڑھا کم خندہ ے: ایک نہ ہنسنے والا اندک سخن: کم باتیں کرنے والا بینندہ: دیکھنے والی خرقہ پوش: گدڑی پہننے والا، صوفی جمالِ لایزال: یعنی خدا کا جمال جسے زوال نہیں ہے گسستن: ٹوٹنا، جدا ہونا، علیحدہ رکھنا ثبات: ثابت قدمی رزم: لڑائی، جنگ

۱۴-۳۳= تپید: تڑپی رسید: پہنچی نیم وا: ادھ کھلی کشود: کھولی برخوردار: فائدہ اٹھانے والا پیچیدہ ام: میں الجھا ہوا ہوں آدینہ: جمعہ، مبارک یا چھٹی کا دن نرشت: نہیں بنا کیش: مذہب تاسیس: بنیاد ارغنون: باجا ابلہی: بیوقوفی، حماقت بلے: ہاں لا: نہیں نگذاشتم: میں نے نہیں چھوڑا کشتزار: کھیتی دمید: اگے، پیدا ہوئے زشتی: برائی نمودم: میں نے ظاہر کی واکن: کھول زی: جی، زندگی بسر کر غم گسار: دوسروں کا غم بٹانے والا، شریک غم زیرک: دانا، چالاک، ہوشیار

۳۴-۳۹= ابغض الاشیاء....: حضور اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے نزدیک جدائی سب سے زیادہ مبغوض ہے یعنی میں ہر چیز سے زیادہ جدائی سے بغض رکھتا ہوں می ناید: نہیں آ رہا، نہیں آتا ہے ماند: رہتا ہے غلتید: لڑھکا، لوٹا

نالۂ ابلیس

۱-۱۷= صواب: درست، راست، حق، نیکی ناصواب: مراد بدی سر برنتافت: سرتابی نہیں کی (حکم مانا) درنیافت: نہ پایا، نہ سمجھا ابا: انکار شرارِ کبریا: عظمت یا بڑائی کی چنگاری فرماں پذیر: اطاعت کرنے والا، حکم ماننے والا حریف: مدمقابل لُعبت: گڑیا لعبتِ آب وگل: مٹی اور پانی

کی گڑیا یعنی انسان جس کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے، کمزور اور نازک انسان
دادن: دینا چہ سود: کیا فائدہ بگدا ختن: پگھلانا عارے
بود: شرمندگی کا باعث ہے بہرِ مکافات: انصاف کی خاطر، اپنے برابر طاقت
اور ارادے کے حریف کے لیے پیچد گردنم: میری گردن مروڑ دے
لرزہ اندازد: کپکپی طاری کردے نیرزم بادو جو: میری قیمت دو جو کے بھی
برابر نہ ہو، میری معمولی سی بھی قدر و وقعت نہ ہو

فلک زحل

ارواحِ رذیلہ کہ با ملک و ملت غداری کردہ و دوزخ ایشاں راقبول نکردہ

=ارواحِ رذیلہ: کمینی یا سفلی روحیں قبول نکردہ: قبول نہیں کیا ہے

۱-۱۷= راستاں: جمع راست، مراد راہِ ہدایت کے (سیدھے راستے) پر چلنے والے
گردوں نورد: آسمان کو طے کرنے والا، آسمان کی سیر کرنے والا پیچیدہ
است: لپیٹا ہوا ہے دزدیدہ است: چرایا ہے گراں سیری: سست
رفتاری نکو: اچھا زبوں: حقیر و ذلیل پا نہادن: پاؤں رکھنا
تندر بدست: ہاتھوں میں بادل کی گرج (رعد) کا کوڑا لیے ہوئے قاسم: تقسیم
کرنے والا، بانٹنے والا روزِ الست: روزِ آفرینش، جب سے دنیا وجود پذیر
ہوئی ہے مدارش: اس کی گردش کی جگہ برکند: اکھیڑ دیتا ہے (جاوید نامہ
مطبوعہ ۱۹۴۷ء میں ''پرکند'' ہے جو غلط ہے، ایرانی ایڈیشن میں صحیح ہے)
مطرود: نکالا ہوا، دھتکارا ہوا یوم النشور: روزِ قیامت احراقِشاں: احراقِ
شاں، انہیں جلانا نفور: نفرت کرنے والی طاغوتِ کہن: پرانے
شیطان، مراد غدار، باغی جعفر: اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں بنگال
کے حکمران نواب سراج الدولہ کے خلاف اس کی فوج کے سپہ سالار میر جعفر نے
اس وقت کے انگریز لارڈ کلائیو سے (جو انگریز کمپنی کا حاکم تھا) ساز باز کر کے نہ
صرف بنگال پر انگریزوں کا حملہ کروایا بلکہ میدانِ جنگ میں غداری کر کے نواب کو

شکست بھی دلائی، بعد میں انگریزوں نے سراج الدولہ کو قتل کر دیا اور جعفر کو نواب بنا دیا، یہ واقعہ (۱۷۵۷ء) برصغیر میں مسلمانوں کی سلطنت ختم کرنے اور انگریزوں کی سلطنت کا باعث بنا۔ بعد میں جعفر کو بھی انگریزوں نے تخت سے محروم کر دیا صادق: میر صادق جنوبی ہند کے شہر ارکاٹ کا رہنے والا تھا، حیدر علی نواب میسور کے دور میں میسور آیا اور چھوٹے عہدے سے ترقی کرتا ہوا حیدر علی کے بیٹے سلطان ٹیپو کے عہد میں وزیر بن گیا، اس نے اپنے مفاد کی خاطر انگریز حاکم سے ساز باز کر کے ۱۷۹۹ء کی جنگ میں غداری کر کے سلطان ٹیپو کو مروا دیا اور خود کٹھ پتلی حکمران بن کر انگریزوں کو دکن پر قابض کرانے کا سبب بن گیا، یوں ان دو غداروں (جعفر و صادق) کی غداری سے خبیث انگریز لٹیرے اور ڈاکو مشرقی اور جنوبی ہند کے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ بعد میں ان لٹیروں نے صادق خبیث کو بھی ذلیل و خوار کر کے نکال دیا تھا فتاد: گر گیا گیتی فروش: دنیا کو روشن کرنے والا غلتد: لوٹ پوٹ ہو رہا ہے کہ کشت: کس نے بویا؟ بایست: ٹھہر، رک جا مکافات عمل: عمل کا بدلہ، سزا

قلزمِ خونیں

= خون کا سمندر

۱-۷ = می نگنجد: نہیں سماتا سہمش: اس کا خوف، ڈر ماراں: جمع مار، سانپ نہنگ: مگر مچھ کفچہ: پھن شب گوں: رات کی طرح سیاہ درندہ: پھاڑ کھانے والی پلنگ: چیتا نہیبش: اس کا خوف و دبدبہ کہ پارہ ے: پہاڑ کی ایک یا کوئی چٹان (چٹانیں) زورقے: ایک کشتی درافت وخیز: کبھی ڈوبتی اور کبھی تیرتی تھی آشفتہ موے: بکھرے ہوئے بالوں والے

آشکارا می شود روحِ ہندوستان

= آشکارا می شود: نمودار/ ظاہر ہوتی ہے

۱ = شق گشت: پھٹ گیا لایزال: لافانی، جسے فنا نہیں حلہ ے: ہلکا یا لطیف لباس

روحِ ہندوستان نالہ وفریاد می کند

۱-۶= افسرد: بجھ گئی زخمہ: مضراب تش: یعنی آتش، آگ ازوست: ازواست یعنی اس کی وجہ سے ہیں نارسا: بے اثر پرداختہ: یعنی بیگانہ کر رکھا ہے، یا خالی ہے نژند: ذلیل وخوار

۷-۱۰= الحذر: ڈر، خدا کی پناہ مانگ خوئے صبر: صبر کی عادت وخصلت جابر: جبر یا ظلم وستم کرنے والا مجبور: جس پر جبر ہو خوگر: عادی گردد فزوں: زیادہ ہو جاتا ہے یالیت قومی یعلمون: کاش میری قوم (حقیقت حال کو) جانتی اور سمجھتی

۱۱-۲۲= کے: کب مُرد: مرگیا وامی رہد: نکلتی ہے، رہا ہوتی ہے نہد: رکھتی یعنی بنا لیتی ہے کلیسا: عیسائیوں کا گرجا، مراد عیسائی/ انگریز حکمران دیریاں: دیری کی جمع، بت کدہ والے یعنی ہندو عنتری: عنتر بن حارث ایک کافر تھا جو طبیب بھی تھا اور جنگ جو بھی، جنگِ بدر میں وہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا حیدری: یعنی حضرت علیؓ حیدر کا سا کام مسجود: جسے سجدہ کیا جائے، سجدہ کیا گیا ملت کش: ملت کو مارنے والا، غدار خند خنداں: ہنس مکھ لئیم: کمینہ، سفلہ، کمینی، سفلی

فریادِ یکے از زورق نشینانِ قلزم خونیں

= زورق نشیناں: جمع زورق نشین، کشتی میں بیٹھے ہوئے

۱-۴= پذیرد: قبول کرتا ہے بود ونبود: ہستی اور نیستی، وجود اور عدم شدیم: ہم پہنچے نزد: نہ مارى بہ: اچھا ہے

۵-۸= مُہ: نو ہدمِ تن: بدن کو ہلاک کرنا، جسم کو مٹا دینا جانِ زشتے: کوئی یا ایک بری جان نرزد: نیرزد، قیمت نہیں رکھتی نیا ساید: آرام نہیں پاتی

۹-۱۲= لوحِ محفوظ: وہ تختی جس میں ازل سے لے کر ابد تک کے تمام واقعات درج ہیں اور اس میں کسی قسم کا تصرف یا ردوبدل نہیں ہوسکتا، مراد علم باری تعالی بتانِ ابیض: سفید بت، مراد یورپ کے لارڈ (Lords) لُردان: جمع لُرد،

لارڈ، امرا، رؤسا　　مولا: آقا

۱۳-۱۸= چاک چاک: پھٹ کے رہ گیا　　ازہم گسیختن: ٹوٹ گئے، جوڑ ڈھیلے پڑ گئے　　کہ پارہ: کوہ پارہ، چٹان　　ریختن: گری، گرنے لگی　　اندر مرور: اڑنے لگے　　انہدام: مسمار ہونا، تہ و بالا ہونا　　تندر: کڑک　　جستند: تلاش کرنے لگی　　خیل: لشکر، ہجوم

آں سوئے افلاک

مقامِ حکیم المانوی نطشہ

= حکیم المانوی نطشہ: جرمن فلسفی نیٹشے (ولادت ۱۸۴۴ء، وفات ۱۹۰۰ء) اس کا نظریہ تھا کہ زندگی کی نفی کی بجائے اس کے اثبات پر یقین رکھنا چاہیے اور یہ کہ زندگی کی حفاظت پوری طاقت سے کرنی چاہیے، کمزوری کو اس نے گناہ قرار دیا اور طاقت پیدا کرنے پر زور دیا تا کہ غلبہ حاصل رہے، اس نے اپنی کتاب ''بقول زرتشت'' میں یہ لکھا ہے کہ انسان کو طاقتور بشر پیدا کرنا چاہیے تا کہ مستقبل کا ہر بچہ اور فرد ''فوق البشر'' ہو، اس نے جرمن قوم کو مسیحیت کے بزدلانہ مسلک اور شوپنہار فلسفی کے فلسفہ فنا سے بچنے کی تلقین کی ہے، نیز یہ نصیحت کی ہے کہ طاقت پیدا کر کے ہر فرد فوق البشر بنے جس میں بدن اور ذہن کی طاقتیں ہوں، ایسا فوق البشر نہیں جس میں دل اور روح کی طاقتیں ہوں

۱-۸= استیزہ: جنگ　　چرخِ کبود: نیلا آسمان　　عالم شش روزہ: چھ روزہ جہان قرآنی حوالہ ''فی ستۃ ایام'' دنیا چھ دن میں بنائی گئی　　آمد پدید: ظاہر ہوگئی　　زو: دریا، سمندر　　دیریاز: ست رو　　ذوفنون: بہت سے ہنروں والی

۹-۱۲= ثغور: جمع ثغر، سرحد　　طلعت: چہرہ　　شاہد: گواہ　　فزود: بڑھتا گیا　　سرود: اس نے گایا، پڑھایا　　صد بارش: اسے سو مرتبہ

۱۳-۲۱= فرزانہ المانوی: جرمنی کا دانشمند، حکیم، فلسفی　　غربیاں: جمع غربی، اہل یورپ/ مغرب　　پے نبرد: نہ پا سکے، نہ سمجھ سکے　　مجذوب: جس پر جذب طاری

ہو، ٹھیک دماغ والا مجنون: دیوانہ شمرد: سمجھا پزشکاں: جمع پزشک، معالج، علاج کرنے والے، ڈاکٹر، طبیب زاد: پیدا ہوا ابن سینا: مشہور فلسفی اور طبیب، ابوعلی الحسین بن عبداللہ بن سینا، ولادت بخارا ۳۷۰ھ، اس کی کتاب ''الشفاء'' اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے، وفات ۴۲۸ھ، یہاں مراد بہت بڑا معالج دل نہد: توجہ کی یا کرتا ہے رگ زند: فصد کھولتا ہے حبِ خواب آور: نیند لانے والی گولیاں غریب: اجنبی کشت: مار ڈالا

۲۲-۳۷= مراد راہ دانے: راستہ جاننے والا کوئی آدمی، مراد مرشد فزوں شد: بڑھ گیا عیار: پرکھ، کسوٹی پر لگانا مردِ کار: مرد کامل کاردان: کام یا بات کو سمجھنے والا ہرز جاجے: ہر شیشہ اختلاط: ملاپ جوید: ڈھونڈتا ہے درماند: رہ گیا عبدہٗ: اس (خدا) کا بندہ، یہ حضور اکرم کا جوہر ہے بیخ: جڑ رویت: دیکھنا خاکیاں: جمع خاکی، مراد انسان، آدمی احمدے: کوئی احمد، مراد شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی پیش نہ گامے: قدم آگے رکھ، آگے چل کاندرو: کہ اندر او، کہ اس میں روید: اگتا ہے، پیدا ہوتا ہے

حرکت بجنت الفردوس

= حرکت: کوچ، روانگی

۱-۴= پانہادم: میں نے قدم رکھا بے جہات: جس میں طرفیں (مشرق، مغرب، جنوب، شمال) نہ ہوں لیل و نہار: رات اور دن قندیلِ ادراکم: میری عقل کا چراغ فسرد: افسرد، بجھ گیا بمرد: مر گئے، مٹ گئے

۵-۱۳= اندکے: ذرا روشن بصر: مراد گہری نظر والا، صاحب بصیرت بے چارسو: چار طرفوں کے بغیر (وہی پہلے شعر والی مثال) سیار: بہت چلنے والا، حرکت میں رہنے والا حقائق: جمع حقیقت نقل: ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا عمل یمین: دائیں طرف کاید: کہ آید، جو آتا ہے نیم گامے: آدھا قدم ناید: نہ آید، نہیں آتا

۱۴-۲۸= کن فکانے: ایک کن فکاں، تخلیقِ کائنات سے متعلق ارشادِ ایزدی ہے کہ جب میں

نے کُن (ہو جا) کہا تو فیکون (وہ ہوگئی، وجود میں آ گئی) گنجد: سماتا ہے
ساحت: گوشہ، وسعت بروید: کرے گردندہ: چلنے والی اسپید: سفید
کبود: نیلا، نیلی قدوسیاں: قدوسی کی جمع، فرشتے عنبریں: عنبر کی خوشبو والی، عنبر ایک خاکستری رنگ کی خوشبو جو ایک خاص قسم کی مچھلی کے پیٹ سے نکلتی ہے
قبہ ہائے زمردیں: زمرد کے گنبد یاقوت گوں: یاقوت کے رنگ (یاقوت ایک قسم کا سرخ قیمتی جواہر) آئینہ تاب: آئینے کی سی چمک والے خوانی: تو کہتا ہے

قصرِ شرف النسا

= شرف النسا: مغلیہ دور کے پنجاب کے حاکم (۱۷۱۳ء) نواب عبدالصمد خان کی بیٹی اور نواب زکریا خاں کی بہن تھی، جیسا کہ اشعار میں آیا ہے اسے قرآن اور تلوار سے محبت تھی۔ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اسے ساری عمر تلاوتِ قرآن کریم کا شوق و ذوق رہا۔ اس کا سال ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی قبر اونچے چبوترے پر بنائی گئی تا کہ کسی اونٹ وغیرہ پر سوار نامحرم کا بھی سایہ اس پر نہ پڑے اور یہ کہ تلوار اور قرآن کریم، اس کی وصیت کے مطابق اس کی قبر پر رکھے گئے جنہیں ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے عہد میں ایک سکھ نے یہ سمجھ کر کہ وہاں کوئی خزانہ دفن ہے، قبر کے سرہانے سے یہ دونوں چیزیں اڑا لیں، اس کے مقبرے کے اردگرد سرو اگا دیے گئے تھے، جو آج تک برقرار ہیں، اس لیے اسے ''سرو والا مقبرہ'' بھی کہا جاتا ہے، اس کا مقبرہ شالیمار باغ لاہور میں مغلوں کا جو قبرستان ہے، اس میں آج بھی موجود ہے۔

=۱-۱۸ کاشانہ: گھر، مراد مقبرہ لعلِ ناب: خالص لعل احرام بند: یعنی ادب و احترام سے کھڑی ہیں مرغِ بامش: اس کی چھت کا پرندہ نزاد: نہیں جنا
دودۂ عبدالصمد: پنجاب کے حاکم عبدالصمد کا خاندان ماند: رہے گا فروغ: رونق، وقار تیغ دورو: دو دھاری تلوار حافظ: محافظ، حفاظت کرنے والے
محور: مرکز، جس کے اردگرد گھوما جائے وقتِ رخصت: یعنی مرنے کے بعد آخرت کے لیے رخصت کے وقت دل.. بنہ: دل رکھ، دل سے توجہ دے

۱۹-۲۴= زریں قباب: سنہری گنبد بساطش درنورد: اس کی بساط لپیٹ دی، گویا مسلمان جو کل حکمران تھے اب غلام بن گئے روبہی: لومڑی پن، بزدلی خالصہ: سکھ جنہوں نے پنجاب پر ۱۸۰۱ء سے ۱۸۴۶ء تک حکومت کی اندیشہ کرد: ڈرا، ڈرنے لگا

زیارتِ امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانیؒ وملا طاہر غنیؒ کشمیری

= امیر کبیر سید علی ہمدانی: ولادت ۷۱۴ھ بمقام ہمدان (ایران) بچپن میں قرآن حفظ کیا، مروجہ علوم حاصل کرنے کے بعد کشمیر کے سلطان شہاب الدین کے دور میں ۷۷۴ھ کے لگ بھگ، بہت سے درویشوں کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ اسلام کی خاطر آئے۔ سلطان نے ان کی بہت عزت و قدر کی، سلطان شہاب الدین کے بعد بادشاہ قطب الدین نے بھی انہیں بہت احترام دیا، ۷۸۶ھ میں ترکستان کے سفر پر جارہے تھے کہ راستے میں وفات پا گئے اور ختلان نامی ایک قصبہ میں انہیں دفن کر دیا گیا، ان کے بعد ان کی اولاد نے کشمیر میں تبلیغِ اسلام کا سلسلہ جاری رکھا، کشمیر میں اسلام انہی کی بدولت پھیلا، سید اپنے ساتھ صنعت کار بھی لائے تھے ملاّ طاہر غنی: نام محمد طاہر، تخلص غنی، گیارہویں صدی ہجری (۱۷ویں صدی عیسوی) کے فارسی کے مشہور شاعر۔ کشمیر سے تعلق تھا، بڑے خوددار، قناعت پسند اور درویش صفت انسان تھے۔ سلطان عالم گیر نے جب ان کی شہرت سنی تو کشمیر کے گورنر کی وساطت سے انہیں بلوایا، لیکن انہوں نے اپنی بے نیازانہ فطرت کے باعث معذرت کر لی۔ تقریباً چالیس برس کی عمر میں (۱۰۷۹ھ میں) وفات پا گئے، مزار سری نگر میں ہے، صائب جیسا بڑا شاعر بھی ان کا قدردان تھا

۱-۴= فگند: افگند، ڈالا تپیدم: میں تڑپا سوزم: میں جلاؤں بندم آشیاں: میں گھونسلا بنا رہا ہوں

۵-۱۳= رنگیں نوا: مراد خوبصورت شاعری والا غنی: بے نیاز سید والا مقام: سید علی ہمدانیؒ سید السادات: سادات کے سردار امم: جمع امت، امتیں، قومیں غزالی: امام غزالی مشہور مسلمان مفکر، ولادت بمقام طاہران

(خراسان) ۴۵۰ھ، وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ، طاہران ہی میں دفن ہوئے دودمان: خاندان کشور مینو نظیر: جنت جیسی مملکت مشیر: مشورے دینے والا آفرید: پیدا کیا، بنا دیا ایرانِ صغیر: چھوٹا ایران، کشمیر کو چھوٹا ایران کہا گیا ہے کشاید: کھولتی ہے دریا آستین: بہت فیاض اور سخی

در حضورِ شاہِ ہمدان

زندہ رود

۱-۵= کلید: چابی، حل جست: یعنی اس نے چاہی آراستن: سجانا خواستن: چاہنا پرسم: میں پوچھتا ہوں کہ چہ: کیا ہے، کس لیے ہے قمار: جوا سپہر گردگرد: گردش کرنے والا آسمان می زیبدش: (کیا) اسے یعنی خدا کو یہ زیب دیتا ہے؟ گزیدن: (گ پر زبر) کاٹنا

شاہِ ہمدان

۱-۴= منفعت: نفع ضرر: نقصان دیو: یعنی شیطان باید زدن: ٹکرانا چاہیے، مقابلے میں لانا چاہیے سنگِ فن: سان کا پتھر جس پر تلوار وغیرہ کو تیز کرتے ہیں تیرہ بخت: سیاہ بخت، بدنصیب

زندہ رود

۱-۱۰= خورد: کھاتا ہے چرد: چر رہی ہے، لوٹ کھسوٹ کر کے خود کو خوشحال بنا رہی ہے خطہ: یعنی خطہ کشمیر دراک: بہت فہم و شعور والا خوش گل: خوبصورت، حسین تردستی: ہنرمندی آیتے است: ایک دلیل یا نشانی ہے غلتندہ: لت پت ہے دست مزد: مزدوری، ہاتھ کے کام کی مزدوری گام گام: قدم بقدم فسرد: افسرد، بجھ گئی جبہہ: پیشانی، ماتھا چیرہ: زبردست پردم: حوصلہ مند، باہمت تاک: انگور کی بیل

۱۱-۱۹= خنگ سار: برف پوش، سفید ریزد: گرتے ہیں لکہ ہائے ابر: بادلوں

کے ٹکڑے پنبہ پراں: روئی اڑتی ہے پنبہ زن: روئی دھنے والا
نشاط: سری نگر (کشمیر) کا باغ، نشاط باغ بشنواز نے: بانسری سے سن، مولانا
رومی کی مثنوی کے پہلے شعر کا اقتباس پشیزے: ایک کوڑی رُست: اُگا
بادِ نوروزی: نوروز یعنی موسم بہار کی ہوا درید: پھاڑ ڈالا بالید: اُگے
نستر: نسترن، چنبیلی کا پھول جو سفید ہوتا ہے شہاب الدین: کشمیر کا بادشاہ
سلطان شہاب الدین ۷۵۵ھ میں تخت نشین ہوا، وفات ۷۷۵ھ ۱۳۷۶ء بڑا جنگجو
تھا، کئی حکمران اس کی ہیبت سے کانپتے تھے نزاد: نہیں جنا

۲۰-۲۶= مجوے: مت تلاش کر ورق: پتی، پتا می چکد: ٹپکتی ہے بگرید:
روتا ہے غنی: ملا طاہر غنی کشمیری جنیوا: یورپ کے ملک سوئٹزرلینڈ کا
دارالحکومت جہاں پہلی جنگِ عظیم کے بعد جمعیۃ الاقوام بنی تھی مجلس اقوام:
League of Nations وہی جمعیۃ الاقوام، علامہ نے "پیام مشرق" میں
اسے "کفن دزدِ چند" چند کفن چور کہا ہے

شاہِ ہمدان

۱-۱۵= والا گہر: قیمتی موتی باید گداخت: پگھلا دینا چاہیے ببری: تو کاٹے، کاٹ
لے لخت: ٹکڑا ور: واگر، اور اگر بیفشائی: یعنی تو قربان کر دے
مردِ راد: سخی، جواں مرد بحق پرداختن: حق کے سپرد کر دینا ہے دریافتن: پا
لینا برتافتن: چمکنا نابودن: مراد فنا/معدوم کر لینا نوشینہ: مٹھاس،
شیرینی خارہ: سخت پتھر برمی درد: پھاڑ دیتا یا چیر دیتا ہے

زندہ رود

۱-۳= زشت ونکوے: برائی اور اچھائی معنی نگاہاں: جمع معنی نگاہ، یعنی صاحبانِ
معرفت وعرفان اعتبار: مراد معتبر ہونا

شاہِ ہمدان

۱-۸= والا مقام: اعلیٰ/ بلند مرتبے والا اولی الامر: صاحبانِ اقتدار واختیار، قرآنی

تلمیح، سورۂ النسا، آیت ۵۹ پورا ترجمہ یوں ہے: ''اے اہل ایمان تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں، ان کا بھی، پھر اگر تم کسی امر میں باہم اختلاف کرنے لگے تو اس امر کو اللہ اور رسولؐ کے حوالے کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام اچھا ہے'' **منکم**: تم میں سے، مذکورہ آیت **حجت**: دلیل **برہان**: دلیل **صرصر**: آندھی، طوفانی ہوا **باج**: ٹیکس **تندخیز**: تیز اٹھنے والا **کشور کشا**: ملک فتح کرنے والا **جامِ جم**: ایران کے مشہور بادشاہ جمشید کا جام جس میں دنیا نظر آتی تھی **شیشہ گر**: شیشہ بنانے والا **شکستن**: توڑنا، ٹوٹنا

غنی

۱-۷= **کِہ داد**: کس نے دیا **صید**: شکار **صیادی**: شکار کرنے کا عمل **لالۂ احمر**: سرخ لالہ کا پھول **خجل**: شرمندہ **تیز بین**: تیز نگاہ والے، صاحبانِ بصیرت **پختہ کار**: تجربہ کار، سخت محنت کرنے والے **ایں اختراں**: یہ ستارے، اشارہ ہے پنڈت موتی لال نہرو اور اس کے بیٹے پنڈت جواہر لال نہرو کی طرف، دونوں کا تعلق کشمیر سے تھا۔ جاوید نامہ کی تصنیف کے زمانے میں شیطان انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی شروع ہو چکی تھی، دونوں باپ بیٹوں نے اہل ہند میں جذبہ آزادی پیدا کرنے میں بہت جدوجہد کی تھی لیکن بعد میں جب کشمیری مسلمانوں نے ڈوگرہ راج کے خلاف قدم اٹھایا تو انہی ہندو برہمنوں موتی لال اور جواہر لال نے محکوم مسلمانوں کی مخالفت اور ہندو راجا کی حمایت کی

۸-۱۶= **وُلر**: کشمیر کی جھیل وُلر **زادۂ ما**: ہماری پیدا کی ہوئی **برمی کند**: اکھاڑ ڈالتی ہے **کو**: کہ او، وہ جو **سطوت**: شان و دبدبہ **آں جواں**: وہ جوان، مراد دریائے جہلم جو جھیل ولر کی کئی لہروں سے ایک ندی کی صورت میں تھا پھر کئی طرف کے آبی ذرائع کے ملنے سے ایک دریا کی شکل اختیار کر گیا **زیستن**: جینا، زندگی بسر کرنا **درساختن**: موافقت کرنا **غلتی**: تو لڑھکے،

متلاطم ہو جولاں: تیز روانی

۱۷-۳۰= خواندی: تو نے پڑھی ہیں خط: لکیر، لکیریں خاور: مشرق دمید: پھوٹی، اگی درا: قافلے کی بیداری اور کوچ کی گھنٹی اخگرِ شاں: ان کا شعلہ افسردہ: بجھا ہوا، بجھ گیا برکش: نکال سپہرِ لاجورد: نیلا آسمان حباب: پانی کا بلبلا دے: ایک پھونک تخریب: بگاڑ، بربادی خلید: چبھا، چبھ چکا ہے مَر: اس لفظ کے اپنے کوئی معنی نہیں ہیں صرف تاکید یا حسن کلام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے چوناں کہ: جیسا کہ (تو) ہے پردہ تو: تیرا راگ آشوبِ فگن: ہنگامہ پیدا کردے

زندہ رود

۱-۷= دمادم زن: یعنی مسلسل مست رہ سلطنتِ جم: ایران کے قدیم اور مشہور بادشاہ کی سلطنت، مراد ایسی سلطنت جو عظیم ہو رستمِ دستاں: قدیم ایران کا مشہور پہلوان رستم جو زال دستاں کا بیٹا تھا، مراد بہادر اور عالی ظرف نتوانی سوخت: تو جل نہیں سکتا بنہ: رکھ فروریزم: میں گراتا ہوں بخاتم زن: انگوٹھی میں لگا شایستہ: سزاوار، لائق، مناسب مغبچہ: شراب خانے میں شراب تقسیم کرنے والا کم سن لڑکا

صحبت با شاعر ہندی برتری ہری

= برتری ہری: برتری ہری، قدیم دور میں اجین (ہند) کا راجا جسے شاعری، مصوری اور موسیقی سے دلچسپی تھی، پہلے عورتوں کا شوقین رہا، پھر یکے بعد دیگرے کچھ ایسے واقعات اسے پیش آئے کہ اس نے تخت چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی، آخر ایک رشی منی گورکھ ناتھ کی صحبت میں درویشی کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچا، اس ہندوانہ درویشی پر کتابیں بھی لکھیں اور اس کا پرچار بھی کیا، اس کے کئی عارفانہ وحکیمانہ اقوال ہیں جن میں سے علامہ نے بال جبریل کے آغاز میں نقل کیا ہے، علامہ اسے ایک مقام تو دیتے ہیں لیکن نیٹشے کی طرح اس کی اصلاح کی گنجایش بھی دیکھتے ہیں

۱-۱۱= قصور: جمع قصر محل خیام: خیمے عرفہ: اوپر کی کھڑکی خندید: ہنسا، مسکرایا ہندی نژاد: ہند میں پیدا ہونے والا نواپرداز: شاعر، گانا گانے والا نکتہ آرا: رمز کی باتیں کرنے والا سحاب آذری: بہار کا بادل غنچہ نورس: تازہ تازہ کھلی ہوئی کلی چید: چنی فکر شگرف: انوکھا یا نادر فکر برخاستیم: ہم اٹھے

زندہ رود

۱-۲= دلنواز: دل نواز، دل کو لبھانے والی گفتی: تو نے کہی ہیں

برتری ہری

۱-۵= نداند: نہیں جانتا بم وزیر نوا: نغمے کے اونچے نچلے سر کنار: پہلو تاکِ سخن: شاعری کی انگوری شراب می تواں بردن: چھینے جا سکتے ہیں جہانِ سنگ وخشت: پتھر اور اینٹ کی دنیا، یہ مادی جہان

زندہ رود

= بے حجاب: پردے کے بغیر، کھل کر، واضح طور پر

برتری ہری

۱-۵= خدایان تنک مایہ: مراد محتاج اور بے اختیار بت کنشت: مراد کافروں کی عبادت گاہ بجاے نرسد: کہیں نہیں پہنچتا یا پہنچا تا، بے حاصل ہے رشتہ: دھاگا دوک: تکلا رشت: کاتا، کاتا ہے مکافاتِ عمل: عمل کا بدلہ سجدہ گزار: سجدہ ادا کر، سجدہ کر اعراف: بہشت اور دوزخ کے درمیان کا مقام

حرکت بہ کاخِ سلاطینِ مشرق

نادر، ابدالی، سلطان شہید

= حرکت: کوچ، روانگی کاخ: محل سلاطین: جمع سلطان، بادشاہ، حکمران

۱-۱۱= یہ: اچھی ہے بنہ: رکھ سطوت: شان و دبدبہ نادر: نادر قلی نام، ولادت خراسان ۱۶۸۷ء جوانی میں ڈاکوؤں کا سردار اور لوٹ مار کیا کرتا تھا جب اس کی قوت بڑھی تو ایران کے صفوی بادشاہ طہماسپ دوم نے ۱۷۳۰ء میں اپنے دشمن ابدالی قبائل کی سرکوبی کے لیے اس سے مدد چاہی، چنانچہ اس نے طہماسپ کو دشمنی سے نجات دلا دی، بعد میں طہماسپ نے نادر شاہ کی مرضی کے خلاف ترکوں سے معاہدہ کرلیا، جس پر نادر نے اسے معزول کر کے ۱۶ اگست ۱۷۳۲ء کو اس کے شیر خوار شہزادے کو عباسِ سوم کے لقب سے تخت پر بٹھایا، پھر ۱۷۳۶ء میں خود بادشاہ بن بیٹھا، اس نے مغلیہ حکومت کے ایک صوبہ کابل (افغانستان) پر حملہ کر کے اسے فتح کیا، ۱۷۳۹ء میں سندھ کو پار کر کے لاہور پر قبضہ کرلیا اور دہلی پہنچا، وہاں قتل عام کیا، دہلی سے ایران واپس ہوا تو اس کے مزاج میں تکبر اور ظلم بہت بڑھ گیا، جس پر اس کے درباری بددل ہوئے اور آخر ۱۰ مئی ۱۷۴۷ء کو اسے قتل کر دیا گیا۔

ابدآلی: احمد شاہ درانی، ہرات کے قرب و جوار میں فرقۂ ابدال کا سردار زادہ تھا، نادر شاہ نے اسے بچپن میں قید کر کے گرز برداری پر مامور کر دیا، رفتہ رفتہ وہ فوج کے بڑے عہدے پر پہنچ گیا، نادر کے قتل کے بعد اس نے ۱۰ مئی ۱۷۴۷ء کو ازبکوں کی مدد سے ایران کی فوج پر حملہ کیا لیکن پسپا ہو گیا، اس کے بعد اس نے فوج کو چھوڑ دیا اور قندھار پر قبضہ کرلیا، پھر کابل اور سندھ سے فارس کی فوج کے لیے جانے والا خزانہ چھین لیا، ان ذرائع کی مدد سے اس نے بادشاہت قائم کر لی جو بڑی طاقتور بن کر گرد و نواح کی سلطنتوں کے لیے خطرہ بن گئی، کابل اور قندھار کے علاوہ اس نے پشاور پر بھی قبضہ کرلیا۔ ۱۷۵۷ء میں ہندوستان میں مرہٹوں کی طاقت بہت پھیل گئی تھی جس پر نجیب الدولہ، شجاع الدولہ بلکہ ہندوؤں نے بھی متفق ہو کر احمد شاہ کو دہلی پر قبضہ کرنے کی دعوت دی، چنانچہ اس نے وہاں پہنچ کر پانی پت کے میدان میں ۶ جون ۱۷۶۱ء کو مرہٹوں کو شکست فاش دے کر ان کی طاقت ختم کر دی۔ فتح کے بعد ابدآلی واپس چلا گیا۔ چھبیس برس حکومت کر کے وہ ۱۷۷۳ء میں فوت ہوا۔

سلطان شہید: مراد ٹیپو سلطان، ابو الفتح فتح علی ٹیپو سلطان، ولادت بمقام دیون ہلی (میسور) ۱۷۵۰ء میسور کے والی سلطان حیدر علی کا بیٹا تھا، ٹیپو کے معنی چیتا ہیں، ٹیپو ۱۷۸۲ء میں اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا، وہ انگریزوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے انگریزوں سے کئی مرتبہ جنگ بھی کی اور انہیں ملک سے نکالنے کی بے حد کوشش کرتا

رہا، آخر مکار انگریزوں نے ایک خبیث انگریز کو درویش بنا کر میسور بھیجا جس جہنمی نے لوگوں کو سلطان کے خلاف اکسایا اور بڑے بڑے افسروں کو رشوتیں دے کر سلطان کے خلاف کیا۔ ان غداروں کی وجہ سے جن میں غدارِ اعظم میر صادق کا کردار بہت خطرناک تھا، سلطان کو شکست پر شکست ہونے لگی، تا آنکہ ۱۷۹۹ء میں میسور کے دارالحکومت سرنگاپٹم کے مقام پر خبیث اور مکار انگریزوں اور اپنے غداروں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا، ٹیپو علوم وفنون کا بڑا قدردان تھا، اس نے اپنے محل میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں سنسکرت کی کتب، قرآن کریم کی تفسیریں، مغلیہ بادشاہوں کی تاریخِ فتوحات کے مسودے اور ہندوستان کے تاریخی وقائع موجود تھے۔ یہ سارا ذخیرہ بعد میں کلکتہ کے کتب خانے میں منتقل کر دیا گیا۔ ٹیپو کا اپنی رعایا کے ساتھ برتاؤ منصفانہ اور غیر جانبدار تھا۔ اس نے ہندوؤں کے مندروں کے لیے بڑے بڑے عطیات دیے پیغام وداد: محبت کا پیغام، دوستی کا پیغام آیتے: ایک نشانی، ایک مثال تابندہ تر: زیادہ روشن خواجۂ بدر وحنین: یعنی بدر اور حنین کے غزووں (جنگوں) میں شریک ہونے والے حضور نبی کریمؐ جذبِ حسین: حضرت امام حسینؓ سرائے ہفت روز: سات روز کی سرا، مراد یہ فانی دنیا

۱۲-۲۶= صوتم: میری آواز کے تواں گفتن: کیونکر یا کیسے بیان کی جا سکتی ہے حدیث: بات بصیر: بصیرت / گہری نظر والے گویا: بولنے والے خبیر: باخبر فیروزہ: آسمانی رنگ کا ایک قیمتی معدنی پتھر اندر برش: اس کے پہلو میں رفعت: بلندی از چند و چگون: مراد دنیاوی پیمانوں اور اندازوں سے لطافت: لطیف و احمر: سرخ گوہر فروش: موتی بیچنے والے یعنی ان میں سے پانی موتیوں کی طرح نکلتا ہے فردوس زاد: بہشت میں پیدا شدہ سقف: چھت اساطین: جمع اسطوانہ، کھمبے یشم: ریشم زریں نطاق: سنہری کمر بند یا سونے کے کمر بند وثاق: گھر اورنگِ زر: سونے کا تخت جم حشم: ایران قدیم کے جمشید بادشاہ کی سی شان وشوکت والے یعنی عظیم شان و شوکت والے بہرام فر: ایران قدیم کے بادشاہ بہرام کی سی شان وشوکت والے بکشادلب: ہونٹ کھولے، بولے سوزے فگند: سوز پیدا کر دیا

نادر

۱-۲= خوش بیا: خوش آمدید (WEL COME) می زیبد: زیب دیتا ہے
حرف دری: فارسی زبان آنچہ: جو کچھ میدانی: تو جانتا ہے

زندہ رود

۱-۶= فتاد: افتاد، پڑ گیا، پھنس گیا بتانِ شوخ و شنگ: چلبلے اور زندہ دل حسین
وارفتہ: فریفتہ، عاشق شاپور: ایران قدیم کا کافر بادشاہ تحقیر عرب: عربوں
کی تذلیل، حقیر اور ذلیل سمجھنا قبور: جمع قبر، قبریں واردات: مراد نئے
نئے تجربات و مشاہدات کرنے کا عمل کہنہ: پرانی می جوید: تلاش کرتا ہے
رستم: مشہور قدیم ایرانی پہلوان حیدرؓ: حضرت علیؓ می پذیرد: قبول کرتا ہے
۷-۱۵= پیری ایران: ایران کا بڑھاپا یزدجرد: قدیم ایران کا آخری بادشاہ جو مجوسی
مسلک (آتش پرست) کا پیرو تھا بے فروغ: بے رونق، چمک سے خالی
شیدوتار: روشنی اور تاریکی تودۂ خاکش: اس کی مٹی کا ڈھیر رسیدش: اسے
پہنچا، وہاں برپا ہوا صحرائے: ایک صحرا یعنی صحرائے عرب، مراد اسلام
پارس: فارس، ایران کا ایک صوبہ، یہاں مراد ایران رومتہ الکبریٰ: ایک
عظیم رومن سلطنت جو اس وقت قائم تھی جاں دمید: روح پھونکی
ریگزار: ایسی جگہ جہاں بہت ریت ہو، صحرا رمید: دوڑ گیا، چلا گیا بسترد: مٹا
دیا تش: آتش، آگ بگداختند: پگھل گئے

نمودار می شود روحِ ناصر خسرو علوی و غزلے مستانہ سرائیدہ غایب می شود

= نمودار می شود: ظاہر ہوتی ہے ناصر خسرو علوی: ایران کا بہت مشہور فارسی
شاعر، ولادت بمقام بلخ کا نواحی گاؤں قبادیان، ۳۹۴ھ/۱۰۰۳ء، بہت سے علوم
وفنون کا ماہر اور علوم عقلیہ کا خاص ماہر، اس دور میں مصر میں بنو فاطمہ حکمران تھے جو
اسماعیلی مذہب کے پیروکار تھے، ناصر نے بھی یہ مذہب اختیار کیا اور دربارِ مصر تک

پہنچا، وقت کے حکمران نے خراسان اور بدخشاں کے علاقے اس کے سپرد کر دیے، اسماعیلی مذہب کا بہت بڑا داعی ہونے کے باعث اس نے زندگی کا زیادہ حصہ مختلف ملکوں کے سفر میں گذارا، اس سلسلے میں ایک سفرنامہ بھی لکھا، اسماعیلی مذہب/فرقے پر اس نے فلسفیانہ انداز میں ایک کتاب ''زادالمسافرین'' کے عنوان سے تحریر کی، اس کی اور بھی کئی تصانیف ہیں۔ ایران کے سلجوقی خاندان کے حکمرانوں نے جب اسے اپنے فرقے کی تبلیغ کرتے پایا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ اسے بلخ سے بھاگنا پڑا، پہلے مازندران پہنچا، وہاں بھی خود کو محفوظ نہ پایا، لہٰذا وہ بدخشاں کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا، جہاں اپنی عمر کے آخری دن بسر کیے اور یہیں اپنی اہم تصانیف مکمل کیں۔ ۴۵۲-۵۳ (۶۱-۱۰۶۰ء) اور بعض کے مطابق ۴۸۰ھ میں فوت ہوا۔

۱-۵= مرکب: سواری، سوار مدار: مت رکھ مرکب تن: جسم کا گھوڑا، جسم کی سواری لنگ: لنگڑا عرن: گھوڑے کی ایک بیماری جس میں اس کے پاؤں پھٹ جاتے ہیں نارون: ناروند بھی کہا جاتا ہے، پتوں اور شاخوں سے بھرا ہوا ایک پودا جس کے پتے بیضوی (انڈے کی طرح) اور دندانہ دار ہوتے ہیں، عموماً باغوں میں کیاریوں کے کنارے لگایا جاتا ہے کلک: قلم ثمن: قیمت یاسمن: چنبیلی کا پھول کرپاسے: ایک یا کوئی کرپاس، کھدر کا کپڑا الیاس: پیغمبر الیاسؑ

ابدالی

۱-۲= آں جواں: وہ جوان، اشارہ ہے امان اللہ خان کی طرف جو ۱۹۲۸ء سے پہلے افغانستان کا حکمران تھا، پھر اسے معزول کر دیا گیا تھا کو: کہ او، وہ جو آفرید: پیدا کیں قفار: بے آب و گیاہ بیابان جہاں کوئی جاندار نہ ہو برفروخت: بھڑکائی تھی خوش عیار: جو معیار یا پرکھ پر پورا اترا ہو

زندہ رود

۱-۱۰= اخوت: بھائی چارا درستیز: جنگ میں ہے، باہم لڑ رہا ہے زخود پرداختہ: خود کو کھو دیا ہے ممکناتِ خویش: اپنی صلاحیتیں اور قوتیں خوش

سرود: بہت اچھی بات کہی ہے افغان شناس: افغانوں کی ذہنیت کو پہچاننے والا بے ہراس: کسی خوف کے بغیر علت: بیماری اشترے: کوئی اونٹ افغانِ حر: آزاد افغان یراق: جواہرات سے مرصع سامان جو شوقین لوگ اپنی سواریوں کے ساز میں استعمال کرتے ہیں انبارِ دُر: موتیوں کا ڈھیر ہمت دونش: اس کی پست ہمتی، اس کی گھٹیا ہمت خوشحال خان خٹک: اکوڑہ خٹک (ضلع پشاور) میں ولادت، بسال ۱۰۴۲ھ، خود سردار اور سردار کا بیٹا تھا، اس نے افغانیوں کو بیدار کرنے کی بڑی کوشش کی، اس کی شاعری میں تصوف اور افغانیت کا رنگ غالب ہے، وفات ۱۱۰۰ھ زنگ: گھنٹی

ابدالی

۱-۸= نہادِ ما: ہماری فطرت مساماتش: اس کے مسام، مسام جسم کے وہ چھوٹے چھوٹے سوراخ جن میں سے پسینا نکلتا ہے عرق: پسینا فساد: بگاڑ مپیچ: نہ لپیٹ، توجہ نہ دے آسیا: ایشیا کشاد: مراد خوشحالی مشہود گردد: یعنی عمل میں آجائے

۹-۱۷= تنقید غرب: مغرب یا اہل یورپ کی تہذیب وثقافت وغیرہ کی خامیوں کی نشان دہی ساحرانِ لالہ رو: لالہ کے پھول جیسے چہرے والے جادوگر، بہت حسین دوشیزائیں عریاں سباق: ننگی پنڈلیاں خطِ لاطینی: لاطینی رسم الخط، جس میں انگریزی لکھی جاتی ہے قطع و برید: کاٹ چھانٹ، شکل اور انداز مانع: رکاوٹ ڈالنے والی، روکنے والی عمامہ: پگڑی ملبوسِ فرنگ: انگریزی لباس کلہ: کلاہ، ٹوپی بس است: کافی ہے طبع دراکے: تیز عقل والی طبیعت

۱۸-۲۵= دود: دھواں نایدبدست: ہاتھ نہیں آتا تریاق: زہرمہرہ، زہر اتارنے والی ایک دوا جو عموماً عراق میں ملتی ہے دربازد: ہار دیتا ہے بہ لہو: کھیل میں درپذیرد: قبول کرلیتی ہے جستن: تلاش کرنا

زندہ رود

۱-۵= خانمانہا: جمع خان مان، بہت سے خاندان، گھر بار تابندہ: چمکدار، روشن گیرندہ: اپنی طرف کھینچنے والی بلرزد: کانپتا ہے

ابدالی

۱-۷= عزم وحزم: ارادہ اور دور اندیشی/ تدبر پہلوی: رضا شاہ پہلوی جو اس وقت ایران کا بادشاہ تھا، جسے ۱۹۴۳ء میں انگریزوں نے تخت وتاج سے دستبرداری پر مجبور کر دیا تھا نادر: نادر شاہ، افغانستان کا بادشاہ قباد: ایران قدیم کے ایک کیانی بادشاہ کا نام، نیز آلِ ساسان کے ایک بادشاہ کا نام جو نوشیروانِ عادل کا باپ تھا دُرّانیاں: جمع درانی، درانی قبیلے کے لوگ عدو: دشمن فولاد: لوہا یعنی سخت اور دشمن کو تباہ کرنے والا حریر: ریشم، مراد نرم یا محبت والا نکو سنجیدہ است: خوب جانچا پرکھا ہے تکیہ: بھروسا

سلطان شہید

۱-۴= نیرزد: قیمت نہیں پاتا کاہش: اس کا تنکا فسرد: بجھ گئی پروردہ ایم: ہم نے یعنی میں نے پالی ہے، پرورش کی ہے، پوری طرح سمائی ہوئی ہے ناشناس: نہ پہچاننے والا

زندہ رود

۱-۲= منکر: انکار کرنے والا/ والے درنگیرد: اثر نہیں لیتا/ لیتے

سلطان شہید

۱-۵= بروید: اگتا ہے، پیدا ہوتا یا تخلیق ہوتا ہے چشیدن: چکھنا ندیدن: نہ دیکھنا زانکہ: ازآں کہ، اس لیے کہ، کیونکہ ناید: نہ آید، نہیں آتی زائر: زیارت کرنے والا سودہ ای: تو نے گھسائی ہے/ ہیں، ملی ہیں

زندہ رود

۱-۲= ریختم: میں نے گرائے تخم: بیج رودِ کاویری: دکن میں میسور اور کرناٹک کے ایک دریا یا ندی کا نام مدام: ہمیشہ، مسلسل

سلطان شہید

۱-۹= دل فروز: دل کو روشن کرنے والا/ والے می سوزم: میں جل رہا ہوں کاوکاو: کھودنے کا عمل، کھرچنے کا عمل حضرت مولائے کل: حضور اکرمؐ کے حضور سبل: جمع سبیل، راستے برخواندی: تونے پڑھے ہیں زکیست: کس کے ہیں

پیغامِ سلطان شہید بہ رودِ کاویری

(حقیقتِ حیات و مرگ و شہادت)

۱-۱۱= نرمک خرام: آہستہ چل خستہ ای: تو تھک گیا/گئی ہے نالیدہ ای: تو رویا ہے، تو روئی ہے، شور مچاتی ہوئی چل رہی ہے کاویدہ ای: تونے کھودا ہے جیحون: بلخ کے قریب ایک دریا کا نام فرات: عراق کا ایک دریا حسنِ نوشیں جلوہ: شیریں یعنی دلکش جلووں والا حسن کہنہ گردیدی: تو پرانی ہوگئی ہے نزاد: پیدا نہ کیا، کیے طرہ: زلفیں، مراد ساحل شوریدہ باد: منتشر یا بکھری رہیں یعنی شور مچاتی رہیں سطوتش: اس کا دبدبہ دارِ دولتش: اس کی سلطنت کا دارالحکومت، دارالخلافہ مرجع: جس کی طرف لوگ (عقیدت مندی سے) رجوع کریں)

۱۲-۲۰= تار و پود: تانا بانا، تانا وہ لمبا دھاگا جو کپڑے کی بنائی کے وقت کرگھے میں رکھا جاتا ہے جبکہ بانا وہ دھاگا جو چوڑائی میں رکھا جاتا ہے رفت و بود: ماضی میں چلی جاتی یا فنا ہو جاتی ہے حضر: سفر کی ضد، قیام ناقہ: اونٹنی نخیل: کھجور کا درخت رحیل: کوچ، روانگی نائے و نوش: پینا پلانا، عیش پاداش: سزا

۲۱-۲۷= ہست و بود: بقا اور فنا ور: اور اگر مرو: مت جا خرمنے: اناج کا کوئی ڈھیر، کھلیان بنہ: رکھ ماہیاں: جمع ماہی، مچھلیاں شاہیں بزی: شاہین کی سی زندگی بسر کر میش: بھیڑ بکری

۲۸-۴۱= نیرنج: نیرنگ، مکروفریب، شعبدہ سیمیا: ایک قسم کا جادو جس کے ذریعے فریب نظر سے غیر موجود اشیاء دکھائی جاتی ہیں ضیغم: شیر آہو: ہرن حمام: کبوتر خود اندیش: اپنے بارے میں سوچنے والا آنے: ایک آن،

پل دام وددو: چرندے پرندے اور درندے پور مرتضیٰؓ: یعنی حضرت علیؓ مرتضیٰ کے بیٹے حضرت امام حسینؓ رہبانی: ترکِ دنیا

زندہ رود رخصت می شود از فردوسِ بریں و تقاضائے حورانِ بہشتی

ا-۵= ریز ریز: لبریز (ہوگیا) خیز: اٹھ کاخِ بریں: بلند محل، پاک و بلند محل رسیدم: میں پہنچا با ما نشیں: ہمارے پاس بیٹھ

زندہ رود

ا-۵= کو داند: جو جانتا ہے ترسد: ڈرتا ہے رہزن: لٹیرا، راستے میں لوٹنے والا جمالِ لایزال: ایسا جمال جسے زوال نہیں ہے افتادگی: جھکاؤ در رحیل: سفر میں رہتا ہے ابن السبیل: راستے کا بیٹا یعنی مسافر

حورانِ بہشتی

= دریغ از ما مدار: یعنی ہم سے دور نہ رکھ (سنانے میں تامل نہ کر)

غزلِ زندہ رود

ا-۷= چہ می جوئی: تو کیا تلاش کرتا ہے گریختہ ای: تو بھاگا ہوا ہے آویز: لٹک جا درکش: جذب کر پریدہ رنگ: اڑے ہوئے رنگ والا خطا: ملکِ خطا جہاں کے ہرن مشہور ہیں سریرِ جم: قدیم ایرانی بادشاہ جمشید کا تخت، مراد سلطانی و جہانگیری خیابان: پھولوں کی کیاری (جدید فارسی میں بمعنی Road جیسے خیابانِ جناح) بیفزاید: بڑھتی ہے، اس میں اضافہ ہوتا ہے توتیا: سرمہ کم بصری: کمزور نظر ہونا، کمزور نظری

حضور

= حضور: خدا کی بارگاہ

ا-۱۱= نیا ساید: آرام یا سکون نہیں پاتی کج فطرت: جس کی فطرت میں ٹیڑھا پن ہو، جو صحیح

راہ نہ چلے بدگوہر: جس کی فطرت میں بدی ہو، منفی سوچ رکھنے والا قشرِ وجود: وجود کا چھلکا توپرسی: تو پوچھے آردترا: تجھے لاتا ہے رفتن: جانا، چلنا

۱۲-۲۲= قصور: جمع قصر، بہت سے محل زورقِ جاں: جان کی کشتی باختم: میں نے بہادیا رباب: ساز، ستار دودمان: خاندان آویختند: انہوں نے لٹکا دیا، قدرت نے لٹکا دیا آمیختند: ملا دیا گیا ہویدا: ظاہر دیدنش: اسے دیکھنا افزودنِ بے کاستن: گھٹنے یا کم ہونے کے بغیر بڑھنا برخاستن: اٹھنا کمین: گھات

۲۳-۳۱= اندکے: ذرا ناسازگار: ناموافق بردمد: اگتے ہیں سنبل: ایک خوشبودار نرم گھاس غالباں: جمع غالب، غلبہ رکھنے یا پانے والے مغلوباں: جمع مغلوب، جن پر غلبہ پایا گیا ہو

ندائے جمال

۱-۱۱= کلک: قلم بودن: ہونا، زندہ یا وجود میں رہنا مردِ نجیب: اصل نسل کے کھرے آدمی (نجیب جو ماں باپ دونوں کی طرف سے شریف ہو) آفریدن: پیدا کرنا وانمودن: ظاہر کرنا خلاقی: تخلیق کا عمل زیستن: جینا زندیق: مراد غیر مسلم (اصل لفظ زندیک کا معرب ہے، زندیک سے مراد زندخوان ہے جو آتش پرستوں کی کتاب اوستا کی شرح ہے) برندہ: کاٹنے والا

زندہ رود

۱-۴= سرِ تکرار: دوبارہ آنے کی بات خوگر: عادی رَجعت: واپس آنا ناروا: نامناسب

ندائے جمال

۱-۸= حی و قیوم: زندہ اور ہمیشہ قائم، خدا تعالیٰ انی قریب: میں تیرے قریب ہوں جبروتی: غالب، حکمران لاہوتی: عالم لاہوت کا زندہ و پائندہ انسان بایزید: بایزید بسطامی دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی، نام طیفور بن عیسیٰ بن سروشاں، مقام وسال ولادت بسطام، ۱۳۸ھ وفات ۲۶۱ھ ان کے دادا

سروشان نے مجوسی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا شبلی: ابوبکر شبلی، یہ بھی مشہور صوفی تھے، ولادت بغداد ۲۴۷ھ، وفات ۳۳۴ھ، بغداد ہی میں وفات پائی، مشہور صوفی حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگرد تھے بوذر: ابوذر غفاری، حضور نبی کریمؐ کے صحابی اور صاحب فقر تھے، نام جندب بن جناوہ اور ابوذر کنیت، وفات ۳۲ھ طغرل: رکن الدین ابو طالب محمد بن میکائیل، ایران کے سلجوقی خاندان کا پہلا بادشاہ، حکومت اصفہان سے بغداد تک تھی، ولادت ۳۸۵ھ، وفات ۴۵۵ھ سنجر: احمد، لقب ناصر الدین اور کنیت ابوالحارث یہ بھی سلجوقی خاندان کا بادشاہ تھا ولادت ۴۷۹ھ، وفات ۵۵۲ھ سلیمانی: مراد خدا پسند بادشاہت یکی: ایک، توحید، واحد بزی: زندگی بسر کر

۹-۱۳= لا الٰہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بودن: ہونا حجت: دلیل دعویٰ: مقدمہ شو: ہو جا ''خیمہ ہاے ما.....'': ہمارے خیمے جدا جدا ہیں اور دل ایک ہیں (عربی ضرب المثل) بچشم کم: حقارت کی نظر سے مبیں: مت دیکھ جبروت: عظمت و دبدبہ

۱۴-۱۷= انجمن: مراد ایک ہی نقطہ نظر رکھنے والے مختلف افراد کا اجتماع شیرازہ: ایک جگہ سلا ہوا اور مجلد صاحب نگیں: حکمران

زندہ رود

۱-۲= من کیم: میں کون ہوں تو کیستی: تو کون ہے چراست: کیوں یا کس لیے ہے تو نمیری: تو تو مرتا نہیں میرم: میں مروں

ندائے جمال

۱-۳= بودہ ای: تو رہا ہے گنجد: سماتا ہے، گم رہتا ہے میرد: مرجاتا ہے درو: اس میں چوں مردی: تو کیسے مرا چوں زیستی: تو کیسے زندہ رہا

زندہ رود

۱-۳= پوزش: معافی، معذرت در پذیر: قبول فرما گیر: اٹھا، ہٹا المان: جرمنی وانما: ظاہر فرما

افتادنِ تجلی جلال

= حق تعالیٰ کے جلال کی تجلی کا گرنا

۱-۵= ناگہاں: اچانک نورِ شفق گوں: شفق کی روشنی جیسا نور، سرخ نور دیدمش: میں نے اسے دیکھا طبرخوں: سرخ رنگ کی لکڑی جسے پکا کر سرخ رنگ حاصل کرتے ہیں، اردو میں مجیٹھ کہتے ہیں کلیم اللہ: حضرت موسیٰ کلیم اللہ جو کوہِ طور پر خدا کے جلوہ سے بیہوش ہو گئے تھے ربود: چھین لی تاب: طاقت عالم بے چند و چوں: عالم لامکاں

۶-۱۱= افسونی: مسحور، جادو کا مارا ہوا اہرمناں: جمع اہرمن، شیطان باختہ ای: تو نے ہار دیا ہے رَو: چل فروزندہ تر: زیادہ روشن مہر منیر: روشن سورج پرتو: روشنی، دھوپ اسکندر: یونان کا سکندرِ اعظم دارا و قباد و خسرو: تینوں قبل از اسلام ایران کے بادشاہ تھے تنگ جامی: کم ظرفی بیا شام: پی جا حکیمانہ: ہوش مندوں کی طرح

خطاب بہ جاوید

(سخنے بہ نژادِ نو)

= نژادِ نو: نئی نسل جاوید: علامہ اقبال کا بیٹا، جو کچھ عرصہ قبل لاہور ہائی کورٹ سے بطور چیف جسٹس ریٹائر ہوا، یہاں مراد قوم کا ہر نوجوان

پہلا بند

۱-۴= آراستن: سجانا بے حاصل: بے نتیجہ بر نیاید: باہر نہیں آتا، نہیں آ سکتا قعر: گہرائی

دوسرا بند

۱-۸= مادرت: تیری ماں درسِ نخستیں: پہلا سبق بہاے تو: تیری قیمت، قدر اندوختی: تو نے حاصل کی آموختی: تو نے سیکھا سوختن: جلنا اندام: جسم کہ: کاہ، گھاس کا تنکا تیغ بے زنہار: جس سے بچا نہ جا سکے زیستن: جینا

تیسرا بند

ا-۱۲= بستن نطاق: غلامی کا کپڑا کمر پر باندھنا پشیزے: ایک کوڑی، بالکل معمولی قیمت ساز و برگ: ساز و سامان دو پیغمبر: وہ شخص جنھوں نے پیغمبر ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، ایران والے کا نام میرزا حسین علی بہاء اللہ ہے، ۱۸۱۷ء میں نور (ایران) کے مقام پر پیدا ہوا، اس نے حج اور تمام شریعتِ محمدی منسوخ کر دی، اس کے پیروکار بہائی کہلاتے ہیں، دوسرا جھوٹا پیغمبر برصغیر کے شہر قادیاں میں ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوا، نام مرزا غلام احمد، اس نے دعویٰ نبوت کرتے وقت جہاد کو غیر ضروری قرار دے دیا، قادیاں ہی میں فوت ہوا، اس کے پیروکار مرزائی کہلاتے ہیں واجبات: جمع واجب، ضروری امیدِ بہی: اچھائی کی توقع خضر: جن کا ٹھکانا پانی میں ہے اور جنہیں حیاتِ جاوید حاصل ہے دستے: آں مدد

چوتھا بند

ا-۶= لرزیدہ است: کانپی ہے آشفتہ گردد: تحلیل ہو جائے سربزیری: سر جھکانے کا عمل ربی الاعلیٰ: میرا رب سب سے بڑا ہے، نماز کے وقت سجدے میں کہا جاتا ہے تندرو: تیز چلنے والا زمام: نکیل ہرزہ دَو: بے مقصد دوڑی جا رہی ہے العجب: عجب بات ہے ثم: پھر

پانچواں بند

ا-۱۰= زوج زوج: گروہ در گروہ آسیا: ایشیا مرز و بوم: مراد طلوع ہونے کی جگہ دیرینہ دیر: پرانی دنیا نخچیر: شکار، صید آہو: ہرن لنگ و لوک: لنگڑا اور گھٹنوں کے بل ہاتھ ٹیک کر چلنے والا لُردان: جمع لُرد، لارڈ (LORD) تاختم: میں نے چڑھائی کی بردریدم: میں نے پھاڑ ڈالا

چھٹا بند

ا-۶= بحرین: دو سمندر ظرف: برتن حرفِ پیچا پیچ: گنجلک باتیں نیش دار: چبھنے والی تو بادا: خدا کرے تو بن جائے فصل: جدائی نہاد: برپا کیا

مزید کتابیں

زندہ رود	ڈاکٹر جاوید اقبال
اپنا گریباں چاک (خودنوشت سوانح حیات)	ڈاکٹر جاوید اقبال
اقبال فراموشی	پروفیسر فتح محمد ملک
اقبال کا فکری نظام اور تصورِ پاکستان	پروفیسر فتح محمد ملک
اقبال افغان اور افغانستان (اردو، فارسی، پشتو اور انگریزی)	ترتیب و تالیف: محمد اکرام چغتائی
مفکر پاکستان	محمد حنیف شاہد
کلیات اقبال	علامہ محمد اقبال
بانگ درا (اعلیٰ ایڈیشن)	علامہ محمد اقبال
شکوہ جواب شکوہ	علامہ محمد اقبال
علم الاقتصاد	علامہ محمد اقبال
اقبال شناسی اور آغا صادق	ترتیب: ڈاکٹر نوید حسن
علامہ اقبال کی سیاسی زندگی	محمد سلیم
اقبال ___ نئی تفہیم	ڈاکٹر صدیق جاوید
اقبال: شخصیت، افکار و تصورات: مطالعہ کا نیا تناظر	ڈاکٹر سلیم اختر
علامہ اقبال - حیات، فکر، فن	ڈاکٹر سلیم اختر
اقبال اور ہمارے فکری رویے	ڈاکٹر سلیم اختر
فکرِ اقبال کا تعارف	ڈاکٹر سلیم اختر
فکر اسلامی کی تشکیل نو	پروفیسر محمد عثمان
اقبال کے آخری دو سال	عاشق حسین بٹالوی
دلی سے اقبال تک	ڈاکٹر سید عبداللہ
اعجازِ اقبال	ڈاکٹر سید عبداللہ
اقبال اور عصری مسائل	ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف

شرحِ اقبال

اُردو

۱) بانگِ درا
۲) بالِ جبریل
۳) ضربِ کلیم
۴) ارمغانِ حجاز (فارسی - اُردو)
۵) اسرار و رموز
۶) پیامِ مشرق
۷) جاوید نامہ
۸) زبورِ عجم
۹) پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق / مسافر

The Reconstruction of Religious Thought in Islam	Allama Muhammad Iqbal
The Development of Metaphysics in Persia	Allama Muhammad Iqbal
Iqbal and Tagore: New Avenues for their Comparative study	M. Ikram Chaghatai
Iqbal: New Dimensions	Ed. by M. Ikram Chaghatai
Iqbal Afghan and Afghanistan (English, Urdu, Persian, Pashto)	// //
Iqbal: The Spiritual Father of Pakistan	Rashida Malik
Iqbal: The Great Poet of Islam	Sh. Abdul Qadir
A Voice from the East (The Poetry of Iqbal)	Zulfiqar Ali Khan

Rs. 400.00

www.sang-e-meel.com
ISBN 969-35-1684-2

